

سَعَى الْكَارِثِ

فِي

رَيْبِينَ الْوَارِثِ

شہداء ارثی

تہذیب

ہندوستان کی اُس مایہ ناز ہستی کے پاکیزہ حالات
جس کی

تدوین و ترتیب میری زندگی کا سرمایہ ہے
رخیت جناب ملک غلام محمد خان صاحب ارثی افسر مالیت ڈپلومہ رسالے، حکومت
کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں

جن کے اصرار نے ترتیب کے اس دشوار کام میں میری ہمت بندھائی اور
جن کی سعی و کوشش کے بغیر اس کی شاعت قطعی غیر ممکن تھی

شہداء

فہرست مضامین کتاب سعی الحارث فی ریاض الوارث

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	ویباچہ	۵	۱۲	وصال حاجی سید خادم علی شاہ ضاعالیہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	۵۷
۲	شرف خاندانی	۲۵	۱۳	رسم دستار بندی	۵۸
۳	آپ کی والدہ کانسب	۲۸	۱۴	سلسلہ رشد و ہدایت	۶۱
۴	آپ کا شجرہ نسبی	۳۱	۱۵	سفر حجاز کے مختصر حالات	۶۳
۵	آپ کی ولادت کی بشارت	۳۲	۱۶	قیام اوناؤ	۶۷
۶	آپ کی عظمت کا اقرار	۳۷	۱۷	قیام شکوہ آباد	۶۷
۷	جائے ولادت	۴۰	۱۸	قیام فیروز آباد	۷۰
۸	سال ولادت	۴۱	۱۹	قیام آگرہ	۷۱
۹	ایام رضاعت	۴۵	۲۰	قیام ہرداول	۷۲
۱۰	تعلیم علوم ظاہری	۵۰	۲۱	قیام بے پور	۷۵
۱۱	بیعت طریقت	۵۷	۲۲	قیام امیر شریف	۷۷

صلاحتہ واری

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱۲۲	آپ کا عاشقانہ لباس	۴۳	۶۸	۲۳ قیام ناگور
۱۲۵	آپ کا لباس	۴۴	۸۲	۲۴ قیام بمبئی
۱۲۶	رنگ لباس	۴۵	۸۳	۲۵ واقعات جہاز
۱۵۲	آپ کا بستر خواب	۴۶	۸۶	۲۶ جدہ پہنچنا
۱۵۴	آپ نے مکان نہیں بنایا	۴۷	۸۸	۲۷ داخلہ حرم محترم
۱۵۶	آپ کی تجرید کامل	۴۸	۹۴	۲۸ سفر مدینہ منورہ
۱۵۸	مناکحت کا شرعی حکم	۴۹	۹۹	۲۹ نجف اشرف
۱۸۲	تسلیم و رضا	۵۰	۱۰۰	۳۰ کربلائے معلیٰ
۱۸۸	دعا کرنے سے احتیاط	۵۱	۱۰۱	۳۱ مکہ معظمہ
۱۹۰	تعویذ لکھنے سے احتراز	۵۲	۱۰۱	۳۲ مراجعت وطن مالوف
۱۹۳	تفاق سے احتراز	۵۳	۱۰۱	۳۳ دوسرا سفر حجاز
۱۹۹	صفت محبت	۵۴	۱۰۵	۳۴ تیسرا سفر حجاز خشکی سے
۲۰۳	سوال کرنا ممنوع ہے	۵۵	۱۰۶	۳۵ سفر یورپ
۲۰۶	عشق صفات حسنہ کا مرکز ہے	۵۶	۱۰۸	۳۶ خصوصیات حج
۲۰۷	آپ کا توکل	۵۷	۱۱۱	۳۷ صرف سیاحت اندرون ہندوستان کا وعدہ
۲۰۸	صلوٰۃ الشکر	۵۸	۱۲۲	۳۸ پابندی وضع
۲۱۰	آپ کا استغفار	۵۹	۱۲۴	۳۹ وضع استراحت
۲۱۱	سکجات سے نفرت	۶۰	۱۲۷	۴۰ پانی نوش فرمانے کا انداز
۲۱۲	مسائل کی حاجت روائی	۶۱	۱۲۹	۴۱ خاصہ نوش فرمانے کا طریقہ
۲۱۳	شامل شریف	۶۲	۱۳۶	۴۲ قبیلہ و پہل قدمی

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۳۲۰	ہندوؤں کو توحید کا سبق	۸۳	۲۱۷	۶۳
۳۲۸	یہودیوں کی ارادت	۸۴	۲۲۲	۶۴
۳۳۲	پارسیوں کی عقیدت	۸۵	۲۲۹	۶۵
۳۳۴	عیسائیوں کا استفادہ	۸۶	۲۳۳	۶۶
۳۳۷	کونٹ گلارزا کا واقعہ	۸۷	۲۳۹	۶۷
۳۴۷	آداب طریقت	۸۸	۲۴۲	۶۸
۳۴۹	صفت فنا	۸۹	۲۴۶	۶۹
۳۵۳	صورت پیر آمینہ حق ناما ہے	۹۰	۲۵۲	۷۰
۳۶۳	ممنوعات مشربی	۹۱	۲۶۸	۷۱
۳۷۶	ہدایت عام	۹۲	۲۷۲	۷۲
۳۸۱	امتناع جانشینی	۹۳	۲۷۳	۷۳
۳۸۳	امتناع سجادگی کا ضبط تحریر میں آنا	۹۴	۲۷۷	۷۴
۳۸۸	سبب امتناع سجادگی	۹۵	۲۸۰	۷۵
۳۹۳	عشق تعلیم خلق سے بے نیاز ہے	۹۶	۲۸۱	۷۶
۴۰۸	بعض اخوان ملت کے خیالات	۹۷	۲۸۷	۷۷
۴۰۹	مولف جلوہ وارث خیالات کی تنقید	۹۸	۲۹۳	۷۸
۴۲۵	لفظ اسرار کی تصریح	۹۹	۲۹۴	۷۹
۴۳۳	ارادت کی تعریف	۱۰۰	۲۹۹	۸۰
۴۳۹	بعض واقعات کی تصحیح	۱۰۱	۳۱۱	۸۱
۴۵۲	تنقید کلام منظوم	۱۰۲	۳۱۳	۸۲
				آپ کی چشم سر لگیں
				آپ کا طرز کلام
				صفت پائے مبارک
				آپ کے جسم کی خوشبو
				طریقہ بیعت
				بیعت غائبانہ
				ذکرہ شجرہ طریقت
				ہدایات اذکار و اشغال
				ترک سوال
				صفت حرص و طمع
				صفت حسد
				ذکر اسم ذات
				ذکر اسم ذات جلالی
				ذکر درود شریف
				صفات تصور
				شغل سلطان الاذکار
				مجاہد عام
				مجاہدات
				اصول ایمان و اسلام
				توحید

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۵۲۲	روز چہار شنبہ ۲۲ محرم ۱۳۲۳ھ	۱۱۴	۲۵۹	۱۰۳ ذکر شعرائے دارنی
۵۲۸	روزہ شنبہ ۲۸ محرم ۱۳۲۳ھ	۱۱۵	۲۶۲	۱۰۴ ہدایت مذہبی
۵۵۰	روز چہار شنبہ ۲۹ محرم ۱۳۲۳ھ	۱۱۶	۲۶۶	۱۰۵ نماز کی ہدایت
۵۵۳	روز پنجشنبہ ۳۰ محرم ۱۳۲۳ھ	۱۱۷	۲۸۲	۱۰۶ صلوٰۃ العاشقین
۵۵۷	ذکر وصال	۱۱۸	۲۸۹	۱۰۷ صفاتِ روزہ
۵۶۱	ذکر تہنیر و تکفین	۱۱۹	۲۹۷	۱۰۸ عاشقوں کا روزہ
۵۶۹	حضور کی تکفین	۱۲۰	۲۹۹	۱۰۹ صفاتِ حج
۵۷۱	ترجمہ خط وایکونٹ گلارز آف سینا گلارا	۱۲۱	۵۰۲	۱۱۰ صفتِ زکوٰۃ
۵۷۶	قطعہ تاریخِ اتمام کتاب	۱۲۲	۵۰۸	۱۱۱ عقائد مذہبی و اخلاقِ مشربی
۵۷۶	ایضاً قطعہ تاریخِ اتمام کتاب	۱۲۳	۵۲۳	۱۱۲ شدتِ ضعف
۵۷۶	قطعہ تاریخِ طبع کتاب	۱۲۴	۵۴۱	۱۱۳ مرضِ المفارقت

هُوَ الْوَارِثُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نِحْمَكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ

گوئید از عشق گوئید و شنوید مشکل حکایتیت کہ تفسیر میکنند

حضرات ناظرین! اس میں شک نہیں کہ مقررین بارگاہِ احدیت کا برجستہ کلام بھی خاص و عام کے واسطے کس قدر مفید اور سود مند ہوتا ہے جس کے معنی خیز مضامین پر تھوڑا غور کرنے سے علاوہ دیگر مفاد کے انسان اپنے خیالات کے عیب و صواب سے بھی خبردار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ دیکھتا ہوں کہ یہ مشہور مصوع ہر کس بنجیال خویش خبطے دار و میرے حسب حال اور سراپا میرے خیال کی صحیح تصویر ہے کہ باوجودیکہ مشاہدات سے ہے کہ کسی خاص وجہ سے جن کی نام آوری اور شہرت ہوتی ہے، ان کے حالات زندگی لائق موفین بغیر کسی پس و پیش کے ہمیشہ تالیف فرماتے ہیں۔

لیکن اس کو اپنی بد قسمتی کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ اقتضار پست ہمتی یا بھمت عدم اہلیت ابتدائے سن شعور سے میں نے کبھی تذکرہ نویسی کی جسارت نہیں کی۔ اور میرا ذاتی خیال ہے کہ ذی لقدار اور سربرآوردہ حضرات کے بھی حالات زندگی لکھنا بہت دشوار کام ہے، اس لئے کہ مورخین نے تاریخ نگاری کے لئے جو قیود و حدود تجویز فرمائے ہیں ان کی کما حقہ تعمیل کرنا آسان نہیں ہے۔

علی الخصوص فقرائے جلیل القدر اور اولیائے کبیرا نشان جو دامنِ قبائے عظمت کے ظلِ عاطفت میں رہتے ہیں بھجوائے "أُولِيَاءِ تَحْتَ قَبَائِي" ان کی پاکیزہ اور مقدس زندگی کی داستانیں۔ اور ان کے برکات و تصرفات کی حکایتیں قلمبند کرنا دشوار تر بلکہ محالات سے ہے۔

اسی لئے کہ ان کے ظاہری معاملات بھی باطنی برکات اور مخصوص تصرفات سے خالی نہیں ہوتے

اور ہم ایسے عوام الناس کے ادراک و قیاس سے باہر ہے کہ ان عزیز القدر مستیوں کے معاملات کا حقیقی مفہوم سمجھیں اور نہ ہم اس کے اہل ہیں کہ ان کے حالات و واقعات بصراحت نگارش کریں، کیونکہ وہ فرشتہ خصال گو صورتہ تو ضرور بنی آدم ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت ان کو اسرار قدرت کی زندہ تصویریں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا البتہ یہ ان مقدس وقایع نگار اور مخصوص مؤلفین کا حصہ ہے جن کو مبدار فیاض نے بصیرت کی آنکھیں مرحمت فرمائی ہیں۔ اور محبت کا مارا ہوا دل ان کے پہلو میں ہے۔ بقول۔

بازار چہ گاہ گاہ ہے بر سر نہد کلا ہے مرغان قاف دانند آئین بادشاہے

غرض اس قدیم ضبط سے ہنوز دماغ متاثر ہے اور تذکرہ نویسی کو جس قدر دشوار جانتا تھا، اسی قدر اہمیت آج تک ذہن نشین ہے۔ حالانکہ اس پریشان خیال کی بدولت ایسا نقصان عظیم اٹھایا جس کی تلافی ناممکن ہے، کہ یکم صفر ۱۳۲۳ھ ہجری کو جب مرشد برحق ہادی مطلق، حضرت صحرائے طریقت آشنا کے بحر حقیقت امام الاولیا مخدوم الاصفیاء، ابو الوقت و عالم پناہ، حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ اعظم اللہ ذکرہ نے جلوت عالم سے خلوت عدم کو پسند فرمایا اور پرستار ابن بارگاہ وارفی کے ایک کثیر التعداد گروہ نے اپنے آقائے نامدار کے اس فرمان قطعی کے بموجب جو ۱۳۰۵ھ ہجری میں ضبط تحریر میں آچکا تھا، کسی کو خلیفہ اور جانشین کہنا منظور نہ کیا اور آثارِ مخالفت کی بنیاد قائم ہو گئی، تو میرے صادق مرنی حاجی احرارین جناب شاہ فضل حسین صاحب ارثی زیب وہ سجادہ حضرت شاہ ولایت محمد عبد المنعم قادری کثیر المعرفت علیہ الرحمۃ نے شاید اس دورانِ نبی کے لحاظ سے کہ شیرازہ منتشر ہو گیا ہے، مبادا کہیں دیگر مسائل شرعی میں بھی بجائے اتحاد کے صورت اختلاف رونما نہ ہو، ار ربیع الثانی کو بعد فراغ فاتحہ حضرت غوث ثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب میں رخصت طلب ہوا تو ارشاد فرمایا کہ بیٹھو اور بگوش ہوش سُنو کہ وقت بہت نازک آگیا ہے اس لئے بقدر امکان کوشش کرو کہ ہمارے رہنمائے کامل کے ممتاز حالات اور مقدس واقعات اور مفید ہدایات و ارشادات جو اکثر حجاب سماعت حاضرین میں نہاں اور گوشہ خاطر خدام باتملکین میں پنہاں ہیں، لہذا ضرورت اس کی ہے کہ وہ گوہر صدف سینہ زیب تاج سفینہ ہو جائیں تاکہ اس مجموعہ کی درق گردانی سے ہم حلقہ بگوش سبق آموزیوں، اور وہی مکمل مجموعہ

ہمارے مسلک کا مستقل دستور العمل اور مستند فتاویٰ بھی ہوگا، جس سے غلامان وارثی اپنے مشربی قبود و شرائط معلوم کریں گے، اور آئندہ نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گی۔ لیکن صنعت بصارت سے مجبور ہوں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم اس مجموعہ کو تیار کرو۔“

میں نے بکمال ادب عرض کیا کہ آپ کے حکم کی تعمیل میرے لئے باعث سعادت ہے، لیکن فسون نہ تاریخ نویسی کی اہلیت ہے۔ اور نہ اپنی ضعیف اور محدود معلومات اس لائق کہ ایسی گرانقدر خدمت بجالانے کی جسارت کروں۔ بقول عبارتوں کجا دین ناتواں کجا۔

مدوح الشان نے میری ہمت افزائی کے خیال سے فرمایا کہ تمہاری قلیل معلومات کی اس طرح تکمیل بھی ہو سکتی ہے کہ یہ تو سنا ہوگا کہ یہ فقیر اپنے آقائے محترم ذوالفضل والکرم سے آٹھ سال عمر میں چھوٹا ہے مجھ کو یاد ہے کہ جب سرکار عالم پناہ میرے بڑے چچا سے قرآن مجید حفظ فرماتے تھے تو میں اس وقت شاید پارہ عم پڑھتا تھا۔ آپ ایک سال میں حافظ ہو گئے اور میں ناظرہ خواں ہی رہا۔ اس وقت سے آپ کے حالات و واقعات کا بقدر حیثیت مجھ کو علم ہے اور علیٰ ہذا حضور کے اکثر ملفوظات بھی میرے صفحہ یاد میں محفوظ ہیں، جن سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو اور یہ بھی یاد رکھو کہ جس قدر سیرت وارثی لکھنے میں آج تم کو آسانی ہوگی، اسی قدر بعد میرے دشواریاں پیش آئیں گی۔“

میں نے دست بستہ عرض کیا کہ آپ کا یہ ارشاد بہت درست ہے کہ تسلسل اور صحت کے ساتھ حضور کے سفر و حضر کے حالات سے باخبر صرف آپ کی ذات ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ جب آقائے نامدار کے دیدار ظاہری سے محروم ہوا ہوں کسی کام سے دل لگی نہیں، دماغ معطل و بیکار ہے، لہذا استدعی ہوں کہ تھوڑی مہلت مرحمت ہو۔ تاکہ اطمینان سے آپ کے فرمان کی تعمیل کروں۔

جناب شاہ صاحب قبلہ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ ”سچ کہتے ہو کہ اس کام کا بغیر اطمینان کامل خوش اسلوبی سے انجام پانا مشکل ہے۔ خیر۔ مرضی مولا ازہمہ اولیٰ۔ ہم بھی چراغ سحری ہیں معلوم نہیں سائیں کو کیا منظور ہے۔“

اس قصہ کو صرف پانچ ماہ گزرے تھے کہ ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ ہجری کو مالک حقیقی

نے شاہ صاحب مدوح کو دوسرے عالم میں بلا لیا، چنانچہ آپ کے وصال کی تاریخ یہ ہے۔

بود حق بین و حق پرست و برفت تاحمد ہمیں روشن از مہد

سال ہجری فوت اور گفتم آہ فضل حسین منعم عمید

افسوس جناب شاہ صاحب قبلہ کے بعد پھر کوئی ایسا شفیق ناصح نہ رہا جو اس مشربی خدمت کے واسطے حکماً تاکید فرماتا۔ حالانکہ یہ اقتضای ارادت، خود مجھ کو متناہی کہ حضور قبلہ عالم کے حالات اور ارشادات جو اخوان ملت کے متفرق سینوں میں محفوظ ہیں ان شاہدانِ معنی کی مجموعی شانِ جمال سے میری آنکھیں بھی شرف اندوز ہوں، لیکن بہت عدم اہلیت، مجھے یہ ہمت کبھی نہ ہوئی کہ اس مجموعے کے مرتب کرنے کی جسارت کروں۔ بلکہ خیال یہ تھا کہ پرستارانِ بارگاہ و ارثی کی اس کثیر التعداد جماعت میں سینکڑوں لائق مؤلفین اور قابل مصنفین بھی ہیں اور متعدد حق شناس صاحب دید و یافت بھی ہوں گے، ان میں سے کوئی بلند حوصلہ اس خدمت کو انجام دے۔

چنانچہ اکثر برادرانِ طریقت نے سیرت و ارثی کو مکمل دیکھنے کا جب بے چینی کے ساتھ شوق ظاہر کیا ہے تو میں نے ہمیشہ تسکین کے طور پر یہی عرض کیا کہ ”دیر آید درست آید“ کا مضمون ہے۔ جس وقت وہ کریم کار ساز ہمارے شوق و ذوق پر بندہ نوازی کی شان سے نظر فرمائے گا، اسی وقت بمصداق ”شخصے از غیب برون آید و کارے بکند“ ایسا شخص پیدا ہو جائے گا، جو اس ذریعہ خدمت کو انجام دے گا، اور انشاء اللہ سیرت و ارثی کے مکمل مجموعہ کو دیکھ کر ہماری منتظر آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ لیکن اس مبارک وقت کا انتظار بھی ضروری ہے، کیونکہ ہمارا مذہب ہی کلیہ ہے۔

”کل امرئ مرہونٌ بآوقا تہا“

لیکن خدا کے فضل و کرم سے تھوڑے عرصہ کے بعد برادرانِ طریقت نے مختلف عنوان سے حضور قبلہ عالم کے حالات و واقعات کے وہ حصے جو ضروری تصور ہوئے قلمبند فرمائے۔ اور جس طرح ہر ایک مؤلف نے پیرایہ جداگانہ اختیار کیا، اسی طرح مختلف زبانوں میں یہ رسالے تالیف فرمائے ہیں۔ اگر کوئی اردو میں ہے، تو کوئی فارسی میں، اور کوئی انگریزی میں۔ چنانچہ پانچ

رسالے ۳۲۲ھ ہجری سے آج تک زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ اور دو رسالے اسی موضوع پر حضور قبلہ عالم کے عہد حاضر ہی میں شائع ہو چکے تھے۔ میں نے ان رسالوں کی ورق گردانی کی ہے۔ مگر غلامان وارثی کا وہی تقاضا بدستور ہے کہ سیرت وارثی کی ضرورت ہے۔ اور قرینہ ہے کہ ناظرین کو بھی حیرت ہوگی کہ باوجودیکہ سات رسالے موجود ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سیرت وارثی کی ایسی شوق کے ساتھ تلاش ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب ان ساتوں رسالوں کا خلاصہ نگارش کروں۔ تاکہ ناظرین کو بہ آسانی اس کا اندازہ ہو جائے کہ لائق مولفین کو اس اہم ترین خدمت میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اور اب جدید سیرت وارثی کی ضرورت ہے یا نہیں۔

چنانچہ پہلی کتاب سیرت وارثی میں "تحفۃ الاصفیاء" ہے جس کو حضور قبلہ عالم کے عہد حاضر میں منشی خدا بخش صاحب وارثی متخلص بہ شائق دریا بادی نے تحریر فرمایا تھا۔ اور ۳۰۵ھ ہجری میں مولوی محمد یحییٰ صاحب وارثی پٹنہ نے انڈین کرائنکل پریس واقع بانکی پور میں چھپوا کر سرکار عالم پناہ کی جناب میں پیش کی اور وہ کتاب تحفۃ تقسیم ہوئی۔

یہ کتاب فارسی میں ہے۔ اور بلحاظ نقش اول ہونے کے اپنے عالی خیال مصنف کی اولوالعزمی پر گواہی دیتی ہے کیونکہ مصنف موصوف کو حالات و واقعات کی تلاش اور ان کی جائے وقوع اور ان کا زمانہ اور صحت کی تحقیق میں کس قدر دقتیں پیش آئی ہوں گی۔ اسی لئے کہ اُس وقت تک جملہ واقعات حجاب حفا میں مستور تھے۔ اس خیال سے اگر منشی خدا بخش صاحب کو مولفین سیرت وارثی کا پیشرو اور علمبردار کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔

سیرت وارثی کے اس پہلے مجموعہ میں علاوہ دیگر خوبیوں کے صحت مضامین کی ایک خاص صفت یہ ہے کہ ازبائے بسم اللہ تا تائے تمت جملہ واقعات کو کسی نے شکوک و شبہات کی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ عموماً مولفین مابعد نے حضور قبلہ عالم کے ابتدائی حالات اسی کتاب سے اخذ فرمائے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مصنف موصوف سن رسیدہ اور قدیم اراد مند تھے۔ ممکن ہے کہ اکثر واقعات آپ کے چشم دید ہوں۔ اور جو حالات شنیدہ منقول ہیں ان کے بھی راوی اس زمانہ کے وہی معرا و سابق الاراد

حضرات ہوں گے جن کی آنکھیں حضور قبلہ عالم کے ابتدائی عہد ظاہری کی دید سے مشرف تھیں۔ اسی لئے یہ کتاب غلطی کے الزام سے محفوظ رہی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کو مقبولیت کا افتخار اور صحت کا اقتدار اس وجہ سے حاصل ہوا کہ مصنف مدوح نے پہلے اس کا مسودہ سرکار عالم پناہ کے حضور پیش کیا جس کو جناب حضرت نے مختلف اوقات میں مکرر سرگرد ملاحظہ فرمایا۔ جب خدام نے دیکھا کہ یہ کتاب پسندیدہ ہے تو بہ اصرار تمام طباعت کی منظوری حاصل کی۔ اس لئے نہ اس کی صحت میں عذر ہوا نہ ہو سکتا ہے۔

البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تحفۃ الاصفیاء کو لائق مولف نے بیس سال قبل وصال تالیف فرمایا تھا اور اسی زمانہ تک کے حالات اس میں منقول ہیں۔ اس لئے مذکور کو مکمل سیرت و ارثی کہنا موزوں نہیں معلوم ہوتا اور چونکہ مرید خوش عقیدت نے ذوق و شوق میں عامہ فرسائی کی ہے۔ اس واسطے ارادت کے پھولوں کی دل آویز خوشبو سے عبارت زیادہ معطر ہے۔ اور مورخانہ طرز کی بے تکلفی اور سادگی کا اثر کم نمایاں ہوتا ہے۔ بہر کیف یہ کتاب باعتبار صحت اپنی نظیر آپ ہے۔ اور نجیال تقدم اس کو قابل قدر کہہ سکتے ہیں۔ لیکن افسوس مکرر اشاعت نہ ہونے سے اب اس کتاب کا کیا ب کتابوں کی فہرست میں نام ہے۔

عین الیقین دوسری کتاب سیرت و ارثی میں "عین الیقین" ہے جس کو حکیم سید مبارک حسین صاحب معروف بہ حکیم سید عبدالادشاہ و ارثی متخلص بہ تخیر رئیس موضع شاہو بیگہ من مضافات بہار ضلع گیا نے ۱۳۱۲ھ ہجری میں تالیف فرمایا۔ یہ کتاب تین باب میں منقسم ہے۔ باب اول میں حالات و واقعات باب دوم میں خرق عادات۔ باب سوم میں ملفوظات ہیں۔

اس کتاب کے عنوان میں تو ضرور سوانح عمری کی شان ہے۔ لیکن لائق مولف کی اختصار پسند طبیعت نے چند روایات لکھ کر اس چار جزو کے رسالہ کو ختم کر دیا۔ اس لئے بجائے سیرت و ارثی کہنے کے اگر سرکار عالم پناہ کے اٹھائیس سال کے حالات و واقعات کا چھوٹا سا حصہ اس کو کہیں تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ قرینہ ہے کہ مولف مدوح نے اپنے شوق و ارادہ سے یہ کتاب تالیف نہیں فرمائی۔ صرف اجباب کے اصرار سے چند واقعات مجتمع کر دیئے۔ اس لئے کہ حکیم صاحب قابل اور ذہین اور وسیع نظر

ہونے کے علاوہ بہت طبع اور متین اور صاحب مذاق اور پرگوشا عرتھے۔ اور تالیف و تصنیف میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا اگر آپ سیرت و ارثی لکھنے کا عزم باہجزم فرماتے تو یقینی وہ کتاب جامع اور مکمل ہوتی۔ شاید اسی وجہ سے واقعات کی تصحیح و تصدیق کی جانب بھی اتنا فکرم فرمایا۔ کہ کوئی واقعہ نامتام اور کوئی غیر معروف ہے۔

الوارث | تیسری کتاب سیرت و ارثی میں جو شائع ہوئی وہ موسوم بہ "الوارث" ہے جس کو انگریزی میں حاجی غفور شاہ صاحب و ارثی حسامی متوطن موضع کرائی پور کے رَضَلَع گیا پٹنہ نے حضور قبلہ عالم کے وصال کے بعد ۱۳۳۳ھ ہجری مطابق ۱۹۱۲ء میں مورخانہ طرز اور قابلانہ طریق اور فلسفیانہ دلائل کے ساتھ تالیف فرمایا جس کا ترجمہ بھی اسٹیم پریس لاہور میں چھپ کر شائع ہوا۔

حالانکہ یہ رسالہ بلحاظ مضامین بہت محدود اور باعتبار ضخامت نہایت مختصر ہے۔ اور مولف موصوف نے بحیال آسانی بطور انتخاب چند واقعات قلمبند فرما کر اپنے مختصر رسالہ کو ختم کر دیا ہے لیکن عبارت کی تہذیب اور متانت کے لحاظ سے یہ رسالہ تعلیم یافتہ حضرات کے واسطے خوانِ نعمت ہے۔ مگر یہ بھی ضرور ہے کہ اس چند واقعات مجموعہ کو سوانحِ عمری کہنے میں شخص کو تامل ہو گا۔ اور شاید لائقِ مولف نے بھی اس رسالہ کو سیرت و ارثی سمجھ کر شائع نہ فرمایا ہو گا۔ کیونکہ سیاق عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کو ایک مہتمم بالشان ہستی کے نام نامی سے آشنا کرنا منظور تھا۔

غرض اس اختصار کے باعث رسالہ مذکور کے مطالعہ سے ان شائقین کی حرص اور مشاقق آنکھوں کو بھی سیری نہیں ہوئی جو رشتہ ارادت و عقیدت کو مضبوط اور استوار کرنے کے واسطے اپنے مرشد کامل کی اٹھائی سال کی سرگذشت کو اپنا دستور العمل بنانا چاہتے ہیں۔

حیات و ارث | چوتھی کتاب موسوم بہ حیات و ارث ہے۔ جو ۱۳۳۲ھ ہجری میں مولوی مرزا محمد بیگ صاحب و ارثی فتحپوری نے تالیف فرمائی۔ اور مطبع حکیم برہم دافع گورکھپور میں چھپ کر شائع ہوئی۔ مرزا منعم بیگ صاحب قدیم بلکہ خاندانی علقہ بگوش بارگاہ و ارثی تھے۔ چنانچہ آپ کے بزرگ اپنے وطن مالوہ کو خیر باد کہہ کر مع اہل و عیال دیوبند شریف آئے اور پیشوا کے برحق کے ظلِ طہافت

میں بود و باش اختیار کی۔ اور دائمی خدمتگزاری کا افتخار حاصل کیا۔ حتیٰ کہ مرزا صاحب موصوف کا انتقال ہو گیا۔ لیکن آپ کی اہلیہ کو جو ارباوی برحق کی مفارقت گوارا نہیں ہوئی۔ ہمنوز دیوبند شریف میں قیام فرمائیں۔

مرزا صاحب مرحوم کی اس تالیف منیف کا نام زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ یہ کتاب سرکار عالم پناہ کی مقدس سیرت میں ہے اور درحقیقت مولف موصوف نے اس دو سو صفحات کی کتاب کے تقریباً نصف حصہ میں پیشوائے کامل کے وہ مشہور حالات و عادات قلمبند فرمائے ہیں جن میں زیادہ واقعات آپ کے چشم دید اور آپ کے خاندان کے متعلق ہیں۔ خصوصاً حضور قبلہ عالم کی علالت کا حال۔ علاج کی صراحت۔ عزمہ صفر ۱۳۲۳ھ ہجری کا واقعہ جانکاہ۔ تجہیز و تکفین کا ذکر کمال وضاحت اور بغیر کسی رورعایت کے تسطیر فرمایا ہے۔ اور جہاں حضور قبلہ عالم کے طرز معاشرت کا ذکر آ گیا ہے وہاں نہایت فصیح اور برجستہ الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچ دیا ہے جس کو آپ کا خاص حصہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اور بقیہ نصف حصہ میں یا تو واقعات کی شاعرانہ پیرایہ میں زیادہ صراحت اور غیر ضروری تفصیل ہے یا اپنے تعلقات اور غلامان و وارثی کے خدمات کا بے محل ذکر ہے۔ اس لئے اگر بہ نظر تنقح دیکھا جائے تو اس رسالہ کی نسبت یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب چند واقعات کا مجموعہ ہے جس میں ایک عقیدت شعار حلقہ بگوش نے اپنے شیخ کامل کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف جمیلہ نگارش کئے ہیں۔ اس واسطے اگر بجائے حیات و آرتھ کے اس رسالہ کا صفات و آرتھ نام ہو تو بلجاظ مضامین زیادہ مناسب ہے۔

مشکوٰۃ حقانیہ | پانچویں کتاب سیرت و وارثی میں مشکوٰۃ حقانیہ ہے جس کو مولوی فضل حسین صاحب وارثی صدیقی متوطن اٹاواہ نے بہ سعی بلیغ اور بہ اسناد مورخانہ طریق سے ۱۳۳۶ھ ہجری میں تالیف فرمایا اور مضامین کی ترتیب میں ایسی غیر معمولی جانفشانی فرمائی جس کی نسبت اگر یہ کہا جائے تو ہرگز بے جا نہ ہوگا کہ غلامان و وارثی کے اس کثیر گروہ میں اسی ایک حلقہ بگوش کا یہ ازلی حصہ تھا۔ جس نے اس گرانقدر اور ضروری خدمت کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ "ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ"

کیونکہ مولفین سیرت وارثی نے حضور قبلہ عالم کے ابتدائے حالات اکثر تحفۃ الاصفیا سے نقل فرمائے ہیں۔ یا جس قدر واقعات چشم دید تھے ان کو قلمبند کیا۔ یا اخوان ملت سے جوئے ان کا مجموعہ اپنی قابلیت سے مرتب کر دیا۔ اور اپنی تالیف کو مشہور اور محدود واقعات پر ختم کر دیا۔ کسی نے حصول حالات کے لئے تفتیش اور کوشش نہیں کی۔ حالانکہ جس طرح آپ کے صفات عالیہ بے حد و اندازہ ہیں۔ اسی طرح وہ مقدس حالات جو مخصوص اور قابل یادگار ہیں وہ بھی لانا تھا اور بے شمار ہیں۔ لیکن ان کی تلاش کے لئے کوشش اور ان کی فراہمی کے واسطے جستجو کرنا یہ بھی آسان نہیں۔ بلکہ بہت دشوار کام ہے۔

مالک حقیقی کی عنایت سے یہ زرین خدمت پہلے صاحب تحفۃ الاصفیا کو نصیب ہوئی۔ مابعد اس قابل افتخار سعادت کا سہرا مولوی فضل حسین صاحب وارثی کے سر پر باندھا گیا۔ کہ وہ نوجوان مرد میدان بن کر اس کوشش کے لئے ہمہ تن مستعد ہو گیا کہ وہ حالات جو مختلف سینوں میں محفوظ ہیں ان کو حاصل کرنے کی جستجو کی جائے۔ چنانچہ اس پرستار بارگاہ وارثی نے اپنی بقیہ عمر اسی سرگردانی میں صرف کر دی کہ وہ گوہر معنی دستیاب ہوں۔ حتیٰ کہ وہ جانباز سیرت وارثی کا مسودہ کر ہی چکا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہا اور سیرت نویس صاحب سیرت کے جو ارعاطفت میں پہنچ کر حیات بعدالما کا صحیح معنی میں مصداق ہوا۔ ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“

میرے خیال میں مشکوٰۃ حقانیہ کی مجموعی خوبی کو اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو بیاختہ کہنا پڑے گا کہ واقعی یہ سیرت وارثی کا مکمل مجموعہ ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ کتاب اپنے عالی خیال مؤلف کے انتقال کے بعد ۱۳۳۵ھ ہجری میں حلیہ طبع سے محلی ہو کر شائع ہوئی۔ اگر مؤلف مدوح کی نگرانی میں یا کافی نظر ثانی کے بعد چھپتی تو کم سے کم وہ غیر مربوط الفاظ جن کو اصل واقعہ سے سروکار نہیں ان کی ترمیم ہو جاتی۔ یا وہ غیر مصدقہ واقعات جو توصیف کے پردہ میں توہین آمیز مفہوم کا جامہ پہنے ہوئے ہیں وہ نکل جاتے۔ یا دستار بندی کی سرخی کے تحت میں جو ذکر نام رہ گیا ہے۔ اس کو اسی طرح پورا کر دیا جاتا۔ جس طرح حضور قبلہ عالم نے اکثر فرمایا ہے۔ اور اس کے سامعین بقید حیات ہیں وغیرہ وغیرہ

اگر یہ چند سقم نکل جائے تو آج اس لاجواب اور مکمل کتاب کے واسطے ترمیم اور تفسیح کی ضرورت نہ پیش آتی۔
انیسویں صدی کا صوفی۔ اچھی کتاب کا نام انیسویں صدی کا صوفی ہے جس کو نہایت ثنائت
انگریزی میں خان بہادر مولوی افتخار حسین وارثی کا کوروی مرحوم رجسٹرار چیف کورٹ لکھنؤ نے تالیف فرمایا۔
باوجودیکہ لائق مولف نے بہ نظر اختصار حضور قبلہ عالم کے بعض حالات و عادات کا ذکر اس سال
میں کیا ہے۔ لیکن ہمارے رہنمائے کامل مظہر الوار الہی کے ہر ایک معمولی واقعہ میں حقانیت و روحانیت
کی غیر معمولی شان ہے۔ اس واسطے قرینہ ہے کہ یہ مختصر مجموعہ یورپ کے اس بلند حوصلہ طبقہ کے
حق میں زیادہ مفید ثابت ہو جو اس وقت مذہب حقہ کا متجسس اور روحانیت کا گردیدہ ہے۔
اس مختصر رسالہ کا تذکرہ سیرت وارثی کے سلسلہ میں نہ کرتا مگر سبب تالیف اس کا ایک مقدر
یورپین کا اشارہ ہے۔ جو زبان حال سے اپنی ارادت کا اظہار اور عقیدت کا اقرار کرتا ہے۔ اور
حضور قبلہ عالم کی عظمت و جلالت کی آواز بلند شہادت دے رہا ہے وہ یہ کہ مسٹر برن ممبر پارلیمنٹ
جب بنارس کے کمشنر تھے۔ اس زمانہ میں ان کو منجانب اللہ یہ خیال ہوا کہ ہندوستان کی وہ جلیل القدر
اور کبیر الشان ہستی جس کی صورت و سیرت عین حقیقت عیسوی کی تصویر اور جس کا نورانی پیکر حقانیت
کا مخصوص آئینہ ہے۔ اُس کے حالات زندگی اعلیٰ پیمانہ پر مرتب کرنا ہماری سعادت کا باعث ہوگا۔
اور اپنے اس خیال کو کامیاب بنانے کے لئے کوشش شروع کر دی۔ جو کتابیں اس مضمون میں شائع
ہو چکی تھیں ان کو جمع کیا۔ تقریباً آٹھ دس فوٹو مختلف اوقات کے اس لئے بہم پہنچائے کہ ہر عہد
کے واقعات کی تمہید اس زمانہ کے فوٹو سے شروع کی جائے۔ دیوی شریف آئے۔ عمارت آستانہ
اقدس کا نقشہ طلب کیا۔ تاریخ تعمیر جو کندہ ہے وہ نقل کی سیرت میں جو کتابیں موجود تھیں ان کو دکھائی
گئیں۔ لیکن شاید بہت عظیم الفرستی اس خدمت کو جب خود انجام نہ دے سکے تو کسی موقع پر
مولوی افتخار حسین صاحب ممدوح سے فرمائش کی کہ تم جناب حاجی صاحب قبلہ کی سیرت میں ایک
رسالہ لکھو۔ چنانچہ مولف موصوفی نے اس فرمائش کی تعمیل میں یہ رسالہ تالیف فرمایا۔ لہذا یہ رسالہ ایک
باوقار یورپین کی ارادت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے میں نے اس کا ذکر کیا۔ اور خیال ہوا کہ گو مختصر الفاظ

میں یہ بعض واقعات کا تذکرہ ہی سہی، مگر سیرت وارثی کا ضمیمہ ضرور ہے۔
جلوہ وارث | ساتویں کتاب سیرت وارثی میں موسوم بہ "جلوہ وارث" ہے جس کو حکیم محمد صفدر علی صاحب وارثی متوطن موضع گدیہ ضلع بارہ نکی سکونت پذیر بہرائچ نے ۱۹۳۱ء میں تالیف فرمایا حکیم صاحب موصوف النوار وارثی کے قدیم پرستار ہیں۔ بلکہ خاندانی جانثاری اور خدمتگزاری کا شرف و افتخار آپ کو حاصل ہے۔ اور طبیب عاذق ہونے کے علاوہ آپ پابند اوقات ذاکر شاغل اور صاحب کیف بزرگ ہیں۔

مؤلف مدوح نے اس ۲۸۰ صفحات کے رسالہ میں تہیذاً اور تصریحاً دیگر مضامین بھی تسطیر فرمائے ہیں۔ لیکن دو مضمون زیادہ واضح اور بالتفصیل ہیں۔ سیرت وارثی، جو از خلافت سیرت وارثی کی تشریح میں بعض حالات تحفۃ الاصفیاء وغیرہ سے نقل کرنے کے بعد لائق مؤلف نے لکھ دیا ہے کہ باقی واقعات کے چشم دید ہیں اور جو از خلافت میں پہلے نص صریح اور اخبار و آثار سے بحث کی ہے۔ بعدہ عقلی دلائل اور تاریخی حوالے دے کر سید محمد ابراہیم صاحب کی سجادہ نشینی ثابت فرمائی ہے۔ گو اس مسئلہ میں ابتدائی حصہ سے مجھے اتفاق ہے۔ لیکن آخری نتیجہ کی نسبت مؤلف موصوف سے ہم خیال ہونے کا شرف مجھ کو نہیں حاصل ہے۔ اور نہ اس موقع پر تردید کا محل ہے۔ مگر نہایت ادب کے ساتھ یہ ضرور عرض کروں گا کہ مؤلف مدوح کی اس طویل بحث سے یہ سیرت کی کتاب مناظرہ کی کتاب ہو گئی۔ کاش حکیم صاحب قبلہ سیرت وارثی میں علیحدہ ایک کتاب تالیف فرماتے اور مباحث سجادگی کا رسالہ علیحدہ تصنیف کرتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔ کہ سیرت کے شائقین سیرت کے رسالے سے فائدہ اٹھاتے اور سجادگی کے گرویدہ بحث و استدلال کے مجموعہ کا مطالعہ کرتے۔ اور حکیم صاحب موصوف کے تالیف اور تصنیف کردہ دونوں رسالے اپنے محل پر مفید اور بکار آمد ثابت ہوتے۔

اور مؤلف موصوف نے جیسا اپنی اس کتاب کے صفحہ ۲۶ میں اعلان فرمایا ہے کہ "واضح رہے کہ ان حالات کو جو دیگر اصحاب تحریر کر چکے ہیں۔ مگر تحریر کرنا مناسب نہ سمجھ کر صرف وہ واقعات

ضروری اور مصدقہ قلبند کئے جاتے ہیں جن سے لوگ لاعلم ہیں۔ واقعی ممتاز محقق نے ایسا ہی کیا کہ وہ لطائف و معارف تسطیر فرمائے۔ جن سے لوگ لاعلم تھے۔ یعنی جملہ غلامان و ارثی۔ حتیٰ کہ آستانہ اقدس کے حاضر باش۔ بلکہ خدام خاص اور دیوبندی شریف کے باشندوں کو بھی اس کا علم نہیں ہے کہ چینی میں پختہ سند تھے بنے تھے۔ اور حضور قبلہ عالم جنت یعنی پشت پر استراحت فرماتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ان چیزوں کا وجود عالم ظاہر میں تو کبھی تھا ہی نہیں کہ ظاہر میں آنکھیں ان کو دیکھ سکیں۔ بہر کیف اس سرسری تبصرہ سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض رسائل مذکورہ بالا کو ان کی معمولی عدم صحت کے علاوہ صرف ان کے اختصار مضامین کے لحاظ سے مبصرین مکمل سیرت و ارثی کہنے میں تامل فرمائیں گے۔ البتہ تحفۃ الاصفیاء من حیث الصحیح ضرور مستند ہے۔ لیکن باعتبار مضامین اس وجہ سے ناتمام ہے کہ وصال سے بیس سال قبل تالیف ہوئی تھی اور مشکوٰۃ حقانیہ خیال تفصیلی حالات اور کثرت واقعات اس کی سزاوار ہے کہ اس کو سیرت ارثی کا مکمل مجموعہ کہا جائے۔ مگر باعتبار صحت معمولی ترمیم اور قدرے اضافہ کی محتاج ہے۔ اور یہ ضرور نقص ہے۔

ان وجوہات سے غلامان و ارثی کا یہ تقاضا کہ مکمل سیرت و ارثی کی ہم کو ضرورت ہے۔ درست اور بہت درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ایسی صورت کیوں نہ اختیار کی جائے جو مفید بھی ہو اور آسان بھی۔ اور وہ یہ کہ اگر لازمی ترمیم اور ضروری اضافہ کے بعد مشکوٰۃ حقانیہ کی دور بارہ اشاعت ہو سکتی ہو تو یہی کتاب ہمارے واسطے کافی اور بہت کافی ہوگی۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ موجودہ رسائل میں بعض ضعیف اور موضوع روایات اور مضامین کے مطالعہ سے متاثر ہو کر مخصوص اخوان ملت خیال فرماتے ہیں کہ اب مکمل سیرت و ارثی کے ساتھ ہم کو اس کی بھی ضرورت پیش آگئی ہے کہ ان واقعات و روایات کی بھی تصحیح کمال تصریح کر دی جائے جن کے لکھنے میں مؤلفین سے لغزش ہوئی ہے۔ حالانکہ زیادہ لغزشیں تو ایسی ہیں جن سے واقعات کی اہمیت کو نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن اخلاقی شان اور مشکوک صورت

پیدا ہو گئی۔ یا کسی مولف نے بغیر تحقیق کے ایسا قصہ لکھ دیا ہے کہ جو باوجودیکہ ضرر مسلک نہیں مگر خداف واقعہ ضرور ہے۔ لیکن بعض مؤلفین نے محروم معلومات کے باعث یا سہواً ایسا بھی کیا ہے کہ ایک واقعہ کا پہلا حصہ تو نقل کیا۔ مگر وہ آخری حصہ محذوف ہے۔ جس کو قبلہ عالم نے متواتر ارشاد فرمایا ہے۔ اور اس کے سامعین ہنوز زندہ ہیں۔ یا کسی مولف کی عدم واقفیت نے ہمارے مشربی پہلو کو یہ صدمہ پہنچایا کہ وہ امور اور عادات جو سرکار عالم پناہ کے متروکات قطعہ میں داخل ہیں۔ ان میں سے کسی امر یا عادت کا وقوع ہمارے پیشوائے کامل کی ذات خجستہ صفات کے ساتھ منسوب کیا۔ لہذا ان لغزشوں کی تصحیح اور ترمیم اگر آج نہ کی جائے گی تو کل ہی رسائے ہمارے مسلک کے سدراہ اور مشرب میں رخنہ انداز ہوں گے۔ کیونکہ وہ ارادت شعار جو الوار و ارثی کے قدیم پرستار تھے ان سے دنیا خالی ہو رہی ہے۔ چند ہستیاں ایسی باقی ہیں جن کو بلحاظ قدامت جناب حضرت کے حالات سے تھوڑی بہت واقفیت ہے۔ اور انہیں کے ذریعہ سے ہم واقعات کی صحت اور عدم صحت کی تحقیق کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ مہر خدائے شناس بھی باغ عالم فانی کی سر کر چکے۔ داعی اجل کو لبیک کہنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ عنقریب وہ زمانہ آ رہا ہے کہ یہ قدیم اور معتنم صورتیں جو آج بزم عالم میں جھلملاتے ہیں۔ چرائے سحری کی طرح دکھائی دیتی ہیں کل باد فنا کا جھوکا جب ان کو محذوم کروے گا۔ اس وقت اس تصحیح کا ذریعہ بھی مفقود اور تبصریح کا باب مسدود ہو جائے گا اور آئندہ نسلیں انہیں غیر مصدقہ اقوال کی تقلید کریں گی اور حضرت وارث پاک کے صحیح مسلک کے علم اور اس پر عمل کرنے کے فیوض سے محروم رہیں گے۔

اس لئے لازماًت سے نہیں بلکہ واجبات سے ہے کہ کمال عجلت اس مشربی خدمت کی واسطے

تیار ہو جائیں۔ ورنہ آج جس کو مشکل کہتے ہیں کل اسی مشکل کا مجبوری نام ہوگا اور جو کام آج اہم اور دشوار معلوم ہوتا ہے۔ کل ہی ناممکن اور محال سمجھا جائے گا۔

پس بقول حضرت عافظ شیراز علیہ الرحمۃ سے ”درکار خیر حاجت پیچ استخارہ نیست“ اب مناسب یہی ہے کہ کار ساز حقیقی کے بھروسے پر کھڑے ہو جائیں۔ بصدق ”السَّعْيُ مَبْنِيٌّ وَالْإِنْتِظَامُ

مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی“ بلکہ ہم حلقہ بگوش اس مشربی خدمت میں دوش بدوش کام کریں۔ تاکہ حضور قبلہ عالم کی صحیح اور مکمل سیرت کے مطالعہ سے ہمارے بھولے ہوئے سبق ہم کو یاد ہو جائیں اور بعد ہمارے ہماری آئندہ نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھاویں۔

انہوں نے ملت کی اس خلوص آمیز نصیحت سے اس قدر قلب متاثر ہوا کہ بجز خاموشی کے کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اس وجہ سے کہ ایک طرف تو یہ خیال کہ مجھ نا اہل سے اس اہم اور دشوار خدمت کی بجا آوری محال ہے۔ دوسری طرف یہ دیکھنا کہ تشویش تھی کہ سہو آیا بسبب عدم تحقیق و قلت معلومات مؤلفین ذی صفات سے جو لغزش اور فرو گذاشت ہو گئی ہے، اس کی تصحیح اگر نہ کی گئی تو واقعی احتمال ہے کہ اتحاد خیالات میں افتراق کی بنیاد قائم ہو جائے گی اور آئندہ انہیں غلط واقعات کو صحیح مان لیا جائے گا اور انہوں نے اس کے لئے باعث ذلت و ضلالت ثابت ہوگا۔

لیکن خدا کا احسان ہے کہ میرے تخیلات کی اس متضاد کشمکش کو آخر الذکر اندیشہ نے رفع کیا اور بجانب اللہ یہ سمجھ میں آیا کہ اس اختلاف کے سدباب کے واسطے یہ رائے بہت صاحب ہے کہ ایک مشرح کتاب میں اس کی تصحیح کر دی جائے۔ کیونکہ درحقیقت بارگاہ وارثی کے حلقہ بگوش عنقریب روپوش ہونے والے ہیں۔ قید ہستی سے آزاد ہو کر دوسرے عالم میں آباد ہو رہے ہیں اور ہماری معلومات کا دفتر ہمیشہ کے لئے بند ہوا چاہتا ہے۔ پس ایسے نازک وقت میں اپنے مسلک کی خدمت میں اس قدر تذبذب اور ضرورت سے زیادہ پس و پیش کرنا یقینی ہو جس نفاذ کی عکاسی اور تیرے ضعف ارادت کی دلیل ہے۔

اور یہ بھی درست ہے کہ اب سکوت کا محل نہیں ہے اور حالت موجودہ میں اس قدیم مقولہ کی تقلید کہ ”ع این کار میکنم و نہ انکار میکنم“ صریح غلطی ہے۔ کیونکہ یہ خیال نہ مناسب وقت ہے نہ مفید مطلب بلکہ یہ کلیہ تو تیرے حسب حال ہو ہی نہیں سکتا، اس واسطے کہ مفتی طریقت کا جب یہ فتویٰ ہے کہ تادم آخر شیخ کی خدمت مریدین کا فرض منصبی ہے۔ تو مسلک شیخ کی حمایت اور تحفظ بالمعنی خدمت شیخ ہے۔ لہذا بجز اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم اپنی حقیر خدمت کو

لائق نذر سرکار ہو یا نہ ہو بصدعجز و انکسار پیش کریں۔

حالانکہ بظاہر یہ اندازہ بھی غلط نہیں معلوم ہوتا کہ میری ضعیف و اقصیت سیرت نگاری کے بارگراں کو اٹھانہیں سکتی۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم یہ دعویٰ بھی کشادہ پیشانی سے نہیں کر سکتے کہ ہلکا بوجھ ہوتا تو آسانی اٹھالیتے۔ کیونکہ مشاہدات سے ہے کہ اکثر معمولی کام ہم سے باوجود کوشش بلیغ کے انجام نہیں پایا اور کبھی غیر معمولی کاموں میں خلاف امید حیرت خیز کامیابی ہوئی۔ اس تجربہ سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کامیابی اور عدم کامیابی ضعیف قوت اور کمزوری پر نہیں توڑا ہے۔ اس لئے ہم کو مجبوراً ہی کہنا پڑے گا کہ اگر توفیق ایزدی اور امداد الہی شامل ہو تو بڑے سے بڑا اہم و دشوار کام ایک شخص کے ناتواں ہاتھوں سے انجام پاسکتا ہے۔ اور اگر سرکار احدیت نے حمایت نہ فرمائی تو معمولی خدمت کے انجام دینے میں بھی قوی اور زبردست ہاتھ مجبور اور شل ہو جاتے ہیں اور وہ خدمت ناتمام رہتی ہے۔

پس پہلی صورت ”ذَلِكَ فَضَّلَ اللَّهُ يَوْجِيَهُ مِنْ يَشَاءُ“ کی تفسیر ہے۔ اور دوسری حالت میں خدائے جبار صولت و جلالت کا اظہار ہوتا ہے جس کی نسبت حضرت تاجدار اقلیم ولایت فرمایا ہے۔ ”عَرَفْتُ رَبِّي بِفَسْنِ الْعَزَائِمِ“ اس واسطے ہر دو حالت میں نہ ہماری ناتوانی خارج ہوتی ہے اور نہ توانائی کا آتی ہے۔ بنانے والا بھی وہی کارساز حقیقی ہے اور بگاڑنے والا بھی وہی قادر برحق فاعل مطلق ہے۔ اس لئے اپنی طاقت اور کمزوری پر بھروسا اور اعتبار کرنا حماقت ہے۔

لہذا ہم کو لازم ہے کہ خدمت سرکار عالم پناہ کے لئے آمادہ اور تیار ہو جائیں۔ بقول ”تن از پئے کار آمدہ بیکار مدار“ اگر اس بندہ نواز کی جانب سے پرورش کا آغاز ہوا تو اسی محدود معلومات سے غیر محدود خدمات انجام پاسکتے ہیں اور انہیں کمزور ہاتھوں سے انشاء اللہ سیرت وارثی کا تکلمہ ہو جائے گا۔ بس خدا کے بھروسے پر قلم اٹھاؤ اور دل کی زبان سے کہو

”وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا“

اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کروں گا کہ اس دیباچہ میں بعض مقام پر سیرت وارثی کے ساتھ

لفظ مکمل جو استعمال کیا گیا ہے، اس کی تصریح بھی کر دینا میرا ذاتی فرض ہے۔ لہذا گزارش یہ ہے کہ لفظ مکمل کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ حضور قبلہ عالم کے حالات کا مجموعہ جو آئندہ تالیف کیا جائے، وہ ۱۲۲۳ھ سے ۱۲۲۳ھ ہجری تک اٹھاسی سال کا روزنامہ ہو، جو قطعی نامکن اور محال ہے۔

بلکہ لفظ مکمل سے مراد یہ ہے کہ وہ مجموعہ کثرت واقعات سے ملو اور صحت حالات سے بقدر امکان آراستہ ہو اور ضروری تصریح و تشریح اور لازمی تنقید و تنقیح کے علاوہ مولف اس کا بھی کافی اہتمام کرے کہ موجودہ رسائل کے اکثر مضامین میں حضرات مولفین سے جو ایسی لغزش اور فرو گذاشت ہو گئی ہے جس سے اختلافات کے رونما ہونے کا اندیشہ ہے یا بعض غیر مصدقہ واقعات کا مشربی خصوصیات پر خراب اثر پڑتا ہے، ان کی ترمیم و تصحیح بھی بعنوان احسن اور مستند روایات کے حوالے سے کر دی جائے، تب وہ مجموعہ اپنی صحت کلی اور کثرت مضامین کے اعتبار سے اس کا مستحق اور سزاوار ہوگا کہ غلامان وارثی، اس کو مکمل سیرت وارثی کہیں اور اپنا مشربی دستور العمل سمجھیں۔

چنانچہ یہ پیمبر و پیچراں اس گرانقدر خدمت کے لئے محض اس خوف سے آمادہ ہوا کہ ہمارے اتحاد خیالات میں اختلافات کی بنیاد نہ قائم ہو جائے۔ اور نظر غائر سے دیکھا تو یہ اندیشہ اس لئے بے محل بھی نہ تھا کہ سیرت وارثی میں جو رسالے موجود ہیں وہ تصحیح طلب ضرور ہیں۔ بلکہ جو رسالے مختصر مضامین پر ختم ہو گئے ہیں ان میں غلطیاں بھی کم یا نہیں ہیں اور جو رسالے حجم اور ضخیم ہیں ان میں غلطیاں کثیر اور فاحش ہیں۔ لہذا اگر امداد خداوندی معاون و دستگیر ہوئی تو دیرینہ غلامان بارگاہ وارثی کے مشورہ سے پہلی کوشش میری یہی ہوگی کہ ان غیر مصدقہ روایات کی مستند طریق سے تصحیح ہو جائے۔ اور امید ہے کہ اس کوشش میں مجھ کو ضرور کامیابی ہوگی۔ اس جہت سے کہ آستانہ اقدس کے چند قدیم حلقہ بگوش ابھی بقید حیات ہیں۔

اور دوسری شرط۔ یعنی کثرت حالات و واقعات۔ درحقیقت اس کی بھی ضرورت اس لئے ہے کہ عموماً کثرت مضامین ہی کے لحاظ سے کتاب کو مکمل کہنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

لہذا حضور کے قابل یادگار واقعات دو نوع پر منقسم ہیں۔ ایک قسم وہ جو حضور کی زبان مبارک سے منسے گئے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جن کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر وقوع ہوا۔

قسم اول کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ حضور قبیلہ عالم نے بجز ہدایات ضروری، یا کسی مسئلہ کی تصریح تو اکثر کمال وضاحت بیان فرمائی، لیکن اپنے سفر و حضر کے واقعات کا تفصیل کے ساتھ بہت کم ذکر کیا ہے اور اگر یہ سبیل تذکرہ کوئی واقعہ کبھی بیان بھی فرمایا تو بہت مجمل اور مختصر الفاظ میں یا بصدقہ "گفتہ آید در حدیث دیگران" یوں کہ فلاں مقام پر ایک شاہ صاحب کو یہ واقعہ پیش آیا۔ اور اس احتیاط اور استتار کی خاص وجہ یہ تھی کہ مزاج ہمالیوں کا یہ انداز تھا کہ منو و شہرت کے تذکرہ سے ہمیشہ احتراز رہا۔ اس لحاظ سے اوائل زمانہ کے حالات و واقعات کا غلامانِ حاضرین کو کبھی کافی علم نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے موجودہ رسائل سیرت و ارثی اس صفت سے گویا کم عمر ہیں۔

اور واقعات قسم ثانی کی حقیقت یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً مختلف مقامات پر ان کا وقوع ہوا اور وہاں کے حاضرین نے ان کو چشم خود دیکھا اور ان سے دیگر افراد کو خبر ہوئی۔ حتیٰ کہ مؤلفین نے اپنی تالیف میں ان کو نقل کر دیا اور ہزاروں اب تک غلامانِ وارثی کے صندوقِ سینہ میں محفوظ ہوں گے اس اعتبار سے جدید مجموعہ میں بھی وہی واقعات منقول ہوں گے جن کو مؤلفین سیرت و ارثی نگارش کر چکے ہیں۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ مؤلف کی معلومات کے لحاظ سے ان کی تعداد میں کچھ اضافہ ہو جائے گا۔

حالانکہ جس طرح آپ کے صفات بے حد بے اندازہ ہیں اسی طرح آپ کے قابل یادگار واقعات بھی لاتعداد لاکھسی ہیں۔ کیونکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ قریب قریب روزانہ عجیب و غریب واقعات ظہور پذیر ہوتے تھے، جن کا اندازہ موجودہ رسائل سیرت و ارثی سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ کہ ہر ایک مؤلف نے اپنی تالیف میں زیادہ واقعات ایسے نگارش فرمائے ہیں جو دیگر تالیفات میں نہیں ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مؤلفین نے وہی واقعات قلمبند فرمائے جو مشاہدات میں تھے یا اپنے وطن کے دیگر مشاہدین سے منسے تھے۔ اسی لئے قرینہ ہے کہ علاوہ مشہور اور

مطبوعہ واقعات کے ایسے بھی اور سوانح فراہم ہو جائیں جو پرستاران بارگاہ وارثی کے دلوں میں
ہنوز مستور ہیں اور ضبط تحریر میں نہیں آئے۔

یہ بھی عرض کروں گا کہ اس مجموعہ میں خوارق عادات کا کوئی عنوان بالالتزام نہ ہوگا۔ اس خیال
سے نہیں کہ فلسفہ مغربی کے فیوض و برکات سے جو حضرات مستفیض ہیں وہ اخبار کشف و کرامت سن کر
خلاف نچر فرمائیں گے۔ بلکہ اس جہت سے یہ ارادہ کیا ہے کہ خرق عادت نہ کوئی ممتاز اور عزیز القدر
صفت ہے اور نہ لازمہ ولایت اور نہ مردان خدا کی واقعی عظمت و جلالت کے سامنے اس
کی کوئی وقعت ہے۔ حتیٰ کہ متقدمین حضرات صوفیہ کرام نے بہ نظر تحقیر اس کو حیض الرجال فرمایا ہے۔
مگر اس کی مجبوری ہے کہ حضور قبلہ عالم کے روزمرہ کے واقعات کو کوئی شخص اپنے خیال میں خوارق
عادات سمجھے۔

بلکہ سنا ہے کہ اکثر سمجھدار اور ہوشیار افراد سرکار عالم پناہ کے بعض واقعات کو کرامت
اور خرق عادت سمجھتے ہیں اور یہ ملاحظہ ان کو اس وجہ سے ہوا کہ آپ کے صفات عالیہ اس قدر
ممتاز اور حلیلہ اشان ہیں کہ ان کے جلوے اور اثرات جو حضور کے عادات کے حجابات میں
نمایاں ہوتے ہیں ان کی روشنی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے اور دیکھنے والے میا ختہ پکاراٹھتے
ہیں کہ یہ خوارق عادات ہیں۔

اور دراصل واقعہ بھی یہی ہے کہ اس منظر صفات الہیہ کی ایک ایک بات ہزار ہزار خوبیوں سے
ملو ہے اور آپ کے معمولی حرکات و سکنات کرشمہ قدرت نظر آتے ہیں۔ بلکہ چوبیس گھنٹے کے اقوال
افعال کو اگر بغور و تامل دیکھا جائے تو کشف و کرامت سے بہت زیادہ بلند اور روشن اور عظیم
الشان معلوم ہوتے ہیں حالانکہ وہ حضور کے فطری اور روزمرہ کے معمولی عادات ہیں۔ مگر
ابتداء سے ان کا ظہور اسی شان سے ہوتا رہا۔ اور ان کی ہر ادھیرت افزا اور ہر انداز
نمونہ اعجاز نظر آیا۔ بہر کیف ہر شخص اپنے خیال کا مختار ہے۔ جس کا دل چاہے حضور کی ہر بات
کو خرق عادت کہے یا اقتضائے فطرت سمجھے۔ اس میں بحث نہ کروں گا۔ لیکن حضور کے جملہ واقعات

کو خوارق عادات بھی نہ کہوں گا

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شان امتیاز آپ کے صفات عالیہ میں کس وجہ سے ہے۔ اور صفات جلیلہ کے آثار کا اظہار آپ کے حالات و واقعات سے اس قدر کیوں ہوتا ہے۔ اس کی نسبت ہم اسی قدر کہہ سکتے ہیں ”هَذَا مِنْ مَّوَاهِبِ وَاهِبِ الْعَطِيَّاتِ“ کہ یہ عطیات وہی کی نشانیوں ہیں کہ آپ کے مقدس صفات دیکھ کر خاص و عام کے قلوب ایسے متاثر ہو جاتے ہیں کہ آپ کی ہر بات اور ہر عادت کو مافوق الفطرت سمجھتے ہیں۔

یا اس علوی مرتبت اور اظہار عظمت کی وجہ اور حقیقت یہ ہو کہ آپ کا مسلک عین عشق ہے اور عشق کامل کے شرائط و قیود کی آپ نے بدرجہ اتم پابندی فرمائی اور اس کے مخصوص نتائج کو کمال ضبط و تحمل برداشت کیا اور نہایت استقلال سے ان کو بہ حد کمال پہنچا دیا۔ یعنی ماسوے اللہ سے دست بردار ہو گئے تعلقات سے انقطاع قطعی کیا۔ خواہشات سے فراغ۔ لذات کا ترک کامل مجاہدات میں ہمہ تن مصروفیت، عافیت سے کنارہ کشی، نمود و شہرت سے نفرت جاہ و ثروت سے احتراز کلی، اسباب دلدیر سے اجتناب، زاہدانہ روش، کریمانہ مزاج، تسلیم کی پابندی، رضا پر راضی ہر حال میں مسرور، دن رات ایک خیال میں مصروف رہنا اور ایک ذات سے سروکار رکھنا، یہی اٹھاسی سال تک آپ کا دستور العمل رہا۔

اور اسی مناسبت سے مسترشدین کو بھی محبت کی ہدایت فرمائی۔ اور آپ کے عشق کامل کے اثرات سے یہ مفید تاکید ایسی موثر ہوئی کہ آپ کا کوئی دست گرفتہ ایسا نہ ہو گا کہ جس کا قلب بقدر استعداد محبت سے مملونہ ہو۔

اور یہی صورت آپ کے تصرفات میں دیکھی گئی کہ جس شخص سے تبسم لبوں سے ایک بار بات کی، وہ تاحیات شمع جمال کا پروانہ رہا۔ اور جس کو ان وحدت شناس آنکھوں نے نظر عنایت سے دیکھا وہ تفرید کا شیفہ اور تجرید کا ذریعہ ہو گیا

غرض آپ کے عشق کامل کی گہری اور تیز روشنی کی وجہ سے آپ کے عادات و واقعات، ہدایات و

تصرفات بھی متناز اور مرتفع ہوئے اور دیکھنے والوں کی آنکھوں نے اپنی خیرگی کی وجہ سے اگر ان کو خوارق عادت سمجھا تو ایک طور پر وہ بے قصور ہیں۔

لیکن آپ کے عشقِ کامل کی اس مذکورہ تصریح سے ناظرین کو اگر گونہ ٹھہرا ہوا ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ اس مجموعہ میں ہی اخلاقی صفات حضور قبلہ عالم کے حالات میں آپ دیکھیں گے اور قریب قریب جملہ ہدایات کو محبت پر مشتمل پائیں گے اور انہیں مراتب و درجات کے برکات و تصرفات آپ کی نظر سے گزریں گے۔ ایک عذر اور کروں گا کہ حضور قبلہ عالم کے ایسے حالات یا ارشادات، جن کا مضمون یا مفہوم بلند ہمارے ادراک سے باہر ہو اور عقلاً و نقلاً جن کی اشاعت بالاعلان مناسب نہ ہو، ان کو اس مجموعہ میں نگارش نہ کروں گا۔ اس لیے کہ خلاف آداب شیخ اور منافی احکام صوفیہ کرام و نیز شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے "تَكَلَّمُوا النَّاسَ عَلَى قَدْرِ عَقُولِهِمْ"۔

یہ امر بھی ناظرین با تمکین کی خدمت میں قابل گزارش ہے کہ خاکسار نے حضور اقدس کے ارشادات جہاں بیان کئے ہیں وہاں حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ خود حضور ہی کے الفاظ لکھوں لیکن اکثر مقام پر مترادفات آگئے ہوں گے اور یہ بھی ہوا ہو گا کہ اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق ان کو اپنے لفظوں میں ادا کیا ہو گا۔ اپنی اس کمزوری کا اعتراف کرتے ہوئے میں اپنے آقائے نامدار نیز قارئین کرام سے خواستگار عفو ہوں۔ وَالْعَدْلُ عِنْدَ كِرَامِ النَّاسِ مَقْبُولٌ۔

اسی کے ساتھ یہ بھی التماس ہے کہ یہ میچہاں تمام عمر اپنی عدم اہلیت کا معترف رہا اور بڑے ہا پے میں یہ جبارت کہ اہم اور گر انقدر خدمت کے لئے آمادہ ہو گیا مگر مجبوراً نہ صحائف سیرت دارنی میں غیر صدقہ اور خلاف واقعہ مضامین منقول ہوئے نہ اس کبر سنی میں ایسے دشوار کام کے لئے کھڑا ہوتا جس کا میں سرگزاہ نہیں ہوں۔ لہذا مخصوص طور پر انخوان ملت کی خدمت گرامی میں یہ استدعا ہے کہ آپ میری غلطیوں کی قلم عفو و کرم سے تصحیح فرمادیں وَاللَّهُ الْمَوْفِقُ وَالْمُعِينُ وَبِهِ نَسْتَعِينُ عَلَى التَّوْبَةِ۔

آپ کا خادم
محمد ابراہیم شیدا وارنی غفرلہ اللہ الرحیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُ اللّٰهَ التَّعِیْنَ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْاِمْنِ اِمْا بَعْدُ۔ یہ مجموعہ ایسے فرد فرید صاحب تجرید کی سیرت میں ہے جو پیکر شبری میں اُس بے نام و نشان کا منظر اتم اور ہم نام ہے جس کی صفت خیر الوارثین ہے۔

شرف خاندانی | دنیا میں ایسی نادرا الوجود ہستیوں کا ظہور شاذا اور عرصہ دراز کے بعد معزز و ممتاز خاندان میں ہوتا ہے۔ اور ان کے چشمہ فیوض و برکات سے ہزاروں مردہ دل افراد روحانی آبِ حیات سے سیراب ہوتے ہیں جیسا کہ ہمارے اس عدیم النظیر دستگیر نے سید الکوین خامس آلِ عباسی امام حسین علیہ التحیۃ و الثنا کی چھبیسویں پشت میں، امام ابن امام، موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نسل سے نیشاپور کے سادات ذوی الفضائل و البرکات کے خاندان میں ہزار جاہ و جلال ظہور اجلال فرمایا۔ اور تمام عمر ہی کام کیا کہ خاص و عام کو محبت شاہد حقیقی کی ہدایت فرمائی۔

چنانچہ دیوبند شریف کے مقتدر اور ممتاز حضرات کو حضور قبلہ عالم کے نسبی اعزاز اور خاندانی امتیاز کا پورا اعتراف ہے اور مولفین سیرت و ارثی کا بھی اتفاق ہے کہ آپ کے اجداد امجد نیشاپور کے ذی شرف اور صاحب اختصاص سادات تھے۔ سید اشرف ابی طالب جن کو بعض مورخین نے سید اشرف الدین ابی طالب بھی لکھا ہے۔ مع اہل و عیال ہندوستان آئے۔ جیسا کہ مولانا سید حمی الدین رسول پوری جو اسی خاندان کے ایک مقدس عالم اور حضرت مخدوم سید غلام الدین اعلیٰ بزرگ علیہ الرحمۃ کی چوتھی پشت میں ہیں، اپنی کتاب "سیر السادات" فارسی علمی

مکتوبہ ۱۰۲۱ھ ہجری میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہلاکوخاں نے جسکو نبی فاطمہ سے قلبی عناد تھا ۹۵۶ھ ہجری میں جب بغداد فتح کیا اور خلیفہ مجتہد ہاشمی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور بلاد و امصار کو تاخت و تاراج کرنے لگا تو آپ کے مورث اعلیٰ سید اشرف ابی طالب علیہ الرحمۃ نے جو اپنے ہم عصر علماء میں ذی احترام اور مشائخین وقت کے سردار اور امام تھے مع اہل و عیال ہجرت فرمائی اور نیشاپور سے ہندوستان تشریف لائے اور قصبہ کنتور ضلع بارہ ننگی میں آبادی کے باہر قیام فرمایا اور بعدہ وہیں مکان تعمیر کرایا جو مکان اب رسول پور کے نام سے مشہور ہے اور اس کا صدر دروازہ ہنوز موجود ہے جس کو علامہ الدین اعلیٰ بزرگ کا پھانک کہتے ہیں کیونکہ سید اشرف ابی طالب کے پوتے سید علاء الدین اعلیٰ بزرگ ہیں جن کا حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمۃ کے خلفائے اجل میں شمار ہے۔

علی ہذا صاحب "نجوم السما" صفحہ ۴۲۰ میں سید اشرف ابی طالب علیہ الرحمۃ کی تشریف آوری کا واقعہ "مرآة الاسرائیلسے جو نہایت مستند کتاب ہے، نقل فرماتے ہیں کہ "صاحب مرآة الاسرائیل آوردہ کہ سید اشرف الدین ابی طالب کہ با یک بردار کہ سید محمد نام داشت در حادثہ ہلاکوخاں از ملک خراسان برآمدہ۔ و دیار ہندوستان رسیدہ۔ وہم در ان تاریخ مسطور است کہ سید اشرف الدین ابی طالب کہ بکالات صوبی و معنوی در قصبہ کنتور مقیم گشت۔ تا آنکہ ازین عالم نقل کرد۔ بعد از وے سید عزالدین پسرش بجائے پدرا قائم مقام شد و از وے پسر سید علاء الدین در قصبہ کنتور متولد گشت۔ و بعد از بلوغ انواع علوم صوری و معنوی حاصل کردہ۔"

الغرض یہ مسلمہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کے جد امجد سید اشرف ابو طالب علیہ الرحمۃ نیشاپور سے تشریف لائے۔ اور قصبہ کنتور میں اقامت پذیر ہوئے۔ اور صحیح النسب سادات کاظمی تھے۔ اور اپنی سیادت خاندانی کی عظمت و شان کو کمال احتیاط ہمیشہ محفوظ رکھا۔

چنانچہ صاحب "لطائف اشرفی" صفحہ ۲۲۳ جلد دوم مطبوعہ مطبع نصرت المطابع دہلی میں حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر بن نانی قدس سرہ الغریز کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ "چوں در زمان سلطان السلاطین ابراہیم غلام اللہ ملکہ در جو پور این فقیر در آمد۔ اکابر و اماثر شہر ہمہ فقیر را بشرف قدم مشرف ساختند۔"

چوں حضرت میر صد جہاں از نسب بعضی سادات استفسار کرده شد۔ اکثر سادات ہند را مجہول
النسب میگفتند۔ اما بعض سادات را بسیار در صحت نسب ایشان مبالغہ می کردند۔ از انجمله سادات
قبیلہ کننور را سادات معروف النسب در ہند می گفتند۔“

علی ہذا خود حضور قبلہ عالم نے اپنے خاندان کی امتیازی شان کا ذکر بگہرت سادگی کے ساتھ
ان الفاظ میں متواتر فرمایا ہے کہ ”ہمارے اجداد نیشاپور کے رہنے والے تھے“ اور بھی اکثر فرمایا ہے
”ہمارے اجداد نے غیر کفو میں شادی نہیں کی۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”ہم سید واڑہ میں
ایک سید بظاہر رند مزاج تھے۔ لوگوں نے امتحان کے طور پر ان کے دامن پر آگ رکھ دی
اور دامن نہ جلا۔“ یہ بھی اکثر فرمایا ہے کہ ہمارے خاندان کی بی بیوں نے حضرت فاطمہ کی سینک
کھانے جب آتی تھیں تو پہلے ان کو چوڑے کھلایا جاتا تھا۔ اگر چوڑے کا اثر زبان پر نہ ہوا، تب ان کو
سینک کھلاتے تھے۔“

یہ ملفوظات شاہد صادق ہیں کہ آپ کے اجداد امجد نیشاپور کے صحیح النسب سادات تھے اور
باوجود اس غریبی الوطنی کے۔ غیر کفو کی مشارکت سے اپنے خاندان کی شان سیادت کو محفوظ رکھا اور قبیلہ
کننور کے قیام کو جب چار صدی سے زیادہ عرصہ ہو گیا۔ تو کسی وجہ سے سید عبد الاحد علیہ الرحمۃ نے اپنی
سکونت میں تھوڑی ترمیم فرمائی۔ جیسا کہ صاحب ضمیمہ ”سیر السادات“ نگارش فرماتے ہیں کہ سید
اشرف انی طالب علیہ الرحمۃ کی آٹھویں پشت میں سید عبد الاحد علیہ الرحمۃ رحمۃ اللہ علیہ ہجری میں قیام کا
ارادہ فرما کر کننور سے دیوبند شریف آئے۔ اہالیان قبیلہ آپ کی تشریف آوری سے نہایت مسرور
ہوئے۔ کیونکہ آپ کے فیوض و برکات کا اطراف و اکناف میں شہرہ تھا۔ چونکہ آپ عالم علوم شریعت
بھی تھے۔ اور واقف رموز حقیقت بھی۔ اس لئے آپ کی ذات مجموعہ صفات سے درس و تدریس کے
ساتھ رشد و ہدایت کا فیض بھی جاری ہوا اور رحمۃ اللہ علیہ ہجری میں میران سید احمد علیہ الرحمۃ دیوبند شریف
میں پیدا ہوئے اور ان کے صاحبزادے سید کریم اللہ علیہ الرحمۃ تھے جن کے تین صاحبزادے تھے
سید سلامت علی، سید بشارت علی، سید شیر علی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

آپکی والدہ کا نسب | سید سلامت علی علیہ الرحمۃ کے دو صاحبزادے۔ ایک نام سید خرم علی علیہ الرحمۃ

جنگی اولاد بریلی میں ہے اور دوسرے کا اسم گرامی سید قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ، جو حضور قبلہ عالم کے پد بزرگوار

تھے اور جن کا عقد نکاح حقیقی چچا سید شبیر علی علیہ الرحمۃ کی صاحبزادی سیدہ بی بی سکینہ عرف چاندن بی بی سے

سے ہوا۔ جس بی بی کو خدا نے یہ شرف دیا کہ وہ حضور قبلہ عالم کی والدہ ماجدہ ہوئیں۔ "ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ"

بعض حضرات نے حضور قبلہ عالم کے خاندانی حالات اور نسبی واقعات مذکورہ میں چند مگر معمولی

اختلاف بھی فرمائی ہیں۔ اول مؤلف "حیات و وارث" نے صفحہ ۱۱ میں بجائے سید اشرف ابی طالب کے

سید اشرف علی ابی طالب تحریر فرمایا ہے، جو نہ کسی قدیم مورخ نے لکھا ہے۔ اور نہ میں نے ان نسبی

شجروں میں سید اشرف علی مسطور دیکھا ہے، جو مختلف عنوان سے اور متعدد صورتوں میں شائع ہوئے ہیں۔

دوم۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ حضور قبلہ عالم کے عم مکرم سید خرم علی علیہ الرحمۃ کا اسم گرامی

سید رمضان علی صاحب تھا۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ "ضمیمہ سیر السادات" قلمی جسکو بلجاظہ اہل سنت

اور معتبر کہہ سکتے ہیں، اس میں آپ کے چچا کا نام اقدس سید خرم علی مرقوم ہے۔ البتہ دیوبند شریف کے

بعض معتمد حضرات سے یہ سنا ہے کہ آپ کے پد بزرگوار حضرت سید قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ کا عرف رضا

بھی تھا۔ اور بعض مؤلفین سیرت و وارثی نے بھی لکھا ہے۔

سوم۔ مضافات دیوبند شریف کے بعض حضرات کو حضور قبلہ عالم کی والدہ مکرمہ کے اسم گرامی

اور عرفیت سے تو پورا اتفاق ہے، لیکن ولدیت میں اسقدر اختلاف فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ سید

اسد علی صاحب رئیس جو راس کی صاحبزادی تھیں چنانچہ حکیم صفدر علی صاحب دار ثنی مؤلف "جلوہ وارث"

صفحہ ۵۰ میں دونوں روایات مذکورہ لکھنے کے بعد قول آخر الذکر کی تائید میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"جب مولف نے خود سلطان الاولیاء سے دریافت کیا کہ آپ کی والدہ کا کیا نام تھا۔ فرمایا کہ سکینہ بھری

نے پوچھا کہ آپ کا نانا کہاں تھا؟ فرمایا جو راس میں اور سید شاہ کرا شاہ ہمارے نانا تھے۔

لیکن جناب شاہ فضل حسین صاحب دار ثنی سجادہ نشین حضرت شاہ محمد عبدالمنعم صاحب قادی

کنٹر المعرفت علیہ الرحمۃ اور جناب معروف شاہ صاحب دار ثنی قدیم خد متگزار و مقرب بارگاہ

دینیدگیر شرفائے دیوبند شریف نے بالاتفاق یہ فرمایا ہے کہ حضور کی والدہ معظمہ سید شیر علی صاحب کی صاحبزادی تھیں۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ بظاہر ان دونوں روایتوں میں گو کافی اختلاف ہے، مگر ایک طور پر یہ دونوں اقوال کا نتیجہ آخر متحد بھی ہے کہ یہ دونوں روایتیں زبان حال سے شاہد ہیں کہ آپ کی والدہ مکرمہ نسل نبی فاطمہ سے تھیں، جس سے قبلہ عالم کی سیادت کاملہ ثابت ہوتی ہے۔

البتہ لائق مولف "جلوۂ وارث" کی نقل کردہ روایت حضور کے آباؤ اجداد کی اس قدیم احتیاط کے ضرور منافی ہے کہ ہمیشہ دوسرے خاندان کی مشارکت سے احتراز قسطی فرمایا اور یہی نگہداشت اس عدیم النظیر اور فقید المثال سیادت نیشاپوری کا خاص طرہ امتیاز ہے جیسا کہ صاحب "لطائف اشرفی" صفحہ ۲۱۲ جلد اول حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کی سیاحت کے سلسلہ میں تسطیر فرماتے ہیں کہ "حضرت مخدوم از آنجائے روئے بقصبہ کنتور کردند بخانہ شیخ محمود کنتوری نزول فرمودند و در خانقاہ شیخ سعد الدیکیسہ دارآمدند و شرف التقادریافتند و سادات کنتور نیز چند روز ہر کدامی بنوبت خیمافت کردند۔ یہ نسبت سادات کنتور فرمودند کہ اس سادات صحیح النسب اند و فرمودند کہ باہر کس از مردم لواحق قرابتے نکنند"

بلکہ صاحب "جلوۂ وارث" کی نقل کردہ روایت حضور قبلہ عالم کے اس مشہور اور مستند ارشاد کے بھی صریح خلاف ہے جسکا ذکر مؤلفین سیرت وارثی نے اپنی تالیفات میں مختلف الفاظ میں کیا ہے اور جس کو حاضرین بارگاہ وارثی نے بارہا حضور کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ اور جس کو یہ حقیر مولف "منہاج العشقیہ" جلد اول صفحہ ۲۴ مطبوعہ ۱۳۳۰ ہجری نگارش بھی کر چکا ہے کہ حضور نے متواتر فرمایا ہمارے بزرگ سادات نیشاپور تھے اور ہمارے ہی غیر کفوس سے مناکحت نہیں ہوتی۔ لہذا یہ عرض کروں گا کہ جس طرح ہم کو سید اسد علی صاحب رئیس جو اس کے شرف سیادت کا اقرار ہے، اسی طرح ہمارا یہ خیال بھی بچتہ ہے کہ یہ کاظمی نیشاپوری سیادت جس کا خون ہمیشہ دوسرے کی شکرگت سے محفوظ رہا ہو۔ اس کا تقاضا بھی ہو سکتا ہے کہ سید قربان علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ

کی مناکحت اپنے حقیقی چچا سید شیر علی علیہ الرحمۃ کی صاحبزادی سے ہوئی ہو چنانچہ مولف مشکوٰۃ
حقانیہ نے صفحہ ۴۴ میں بحال وضاحت لکھا ہے کہ "حضور انور کے پدر بزرگوار سید قربان علی شاہ صاحب
تھے جن کا عقدا اپنے حقیقی عم مکرم سید شیر علی صاحب کی صاحبزادی سے ہوا۔ اس سلسلہ سے آپ سید
سلامت علی شاہ کے پوتے اور سید شیر علی صاحب کے نواسے ہیں۔"

اب علاوہ دیگر روایات اور مؤلفین سیرت و ارثی کی تحقیقات کے ہماری غیرت ایمانی
اس کی مقتضی ہے کہ کم سے کم صرف حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد
کو بغور دیکھیں کہ "ہرگز با مردم نواحی قرابتے نہ کنند" اور یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ ایک مخدوم صاحب
حقائق کو معارف کا مختصر جملہ سن لینے کے بعد ہم کو خیال کرنا لازم ہے کہ سید قربان علی شاہ صاحب علیہ
الرحمۃ کی شادی غیر کفوئیں ہونا چاہیے یا اپنے حقیقی عم مکرم کی صاحبزادی سے۔ قرینہ ہے کہ ایسے ذی شرف
اور محتاط خاندان کے نسبت کوئی سمجھدار ہرگز یہ کہنے کے لئے تیار نہ ہوگا کہ غیر کفوئیں۔

پھر ہماری ارادت اور عقیدت کا مدار اس پر ہے کہ حضور قبلہ عالم کے ارشاد کی بصدق دلی تصدیق
کریں۔ اور اس کا تیشن ہو کہ آپ کا منظر خون غیر کفو کی آمیزش سے قطعاً پاک ہے اور آپ کے اعداد و اجاد
کی عظمت سیادت ہمیشہ محفوظ رہی جیسا کہ آپ کے دیگر ارشادات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

چنانچہ بیدم شاہ صاحب و ارثی جن کا اب قدیم فقرا میں شمار ہے۔ کیونکہ تقریباً چالیس سال سے
آپ حامل خرقہ و ارثی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ موسم سرما تھا کہ بغرض حصول سعادت قدس دیوی شریف حاضر
ہوا۔ دیکھا کہ حضور قبلہ عالم کمرہ میں استراحت فرما رہے اور مولوی عبدالحی صاحب و ارثی جلوری پاؤں دبا
رہے ہیں۔ میں بھی ایک گوشہ میں بیٹھ گیا حضور نے مولوی صاحب مہوف سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "ہمارے
مورث اعلیٰ نے نیشاپور سے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تو پہلے خراسان گئے اور امام
رضا علیہ السلام کے مزار اقدس پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا کہ خدا ہم ہندوستان جاتے ہیں۔ مگر آپ
سے عہد کرتے ہیں کہ کسی حالت میں رہیں لیکن اپنی عظمت سیادت کو ہمیشہ محفوظ رکھیں گے اور
نسب میں داغ نہ لگائیں گے۔ چنانچہ وہی کیا کہ ہمارے اجداد نے غیر کفوئیں مناکحت نہیں

کی۔ بلکہ اکثر یہ ہوا ہے کہ خاندان میں کوئی لڑکا نہ ہوا تو کنواری لڑکیاں بوڑھی ہو کر مر گئیں۔ مگر ان کی غیر کفوئیں شادی نہیں کی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ اپنے اعز میں لڑکی نہ ملی تو مرد بوڑھے ہو گئے۔ لیکن دوسرے خاندان کے سیدوں میں بھی شادی نہ کی اور اپنی سیادت نیشاپوری کا پورا تحفظ کیا۔

اور قرینہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کا یہ ارشاد تو ان غلامان وارثی نے ضرور مگبوش خود سنا ہوگا جو زیادہ حاضر باش رہتے یا اکثر حاضر ہوتے تھے۔ کیونکہ آپ نے متواتر فرمایا ہے کہ ہمارے دادا کی شادی ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ اور دادی کی عمر اُس وقت چودہ سال کی تھی۔ جب اُس کی یہ تھی کہ خاندان میں نہ اور کوئی لڑکی تھی نہ لڑکا۔ آخر یہی کرنا پڑا کہ چودہ سال کی لڑکی کی شادی ساٹھ سال کے بوڑھے کے ساتھ کر دی۔ مگر اپنے خون کو دوسرے خاندان کی شرکت سے محفوظ رکھا۔

حضور قبلہ عالم کے ان ارشادات کا ایک ایک حرف زبان حال سے شاہد ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد نے اپنے خاندان کی شان و عظمت کو کمال احتیاط پیش نظر رکھا، اور نسب کا وہ تحفظ فرمایا کہ کبھی اور کسی حالت میں غیر کفو کی مشارکت گوارا نہ کی۔ اس اہتمام و احتیاط کو دیکھ کر کبھی اس کا وہم و خیال بھی نہیں آسکتا کہ سید قربان علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی شادی دوسرے خاندان میں ہوئی ہو۔ اس لئے مقتدر حضرات دیوبند شریف کا یہ فرمانا بہت صحیح معلوم ہوتا ہے کہ حضور قبلہ عالم کی والدہ ماجدہ آپ کے دادا کے حقیقی بھائی سید شیر علی صاحب علیہ الرحمۃ کی صاحبزادی تھیں اور آپ کا اچھوتا اور بے داغ شجرہ نسبی یہ ہے، جو ضمیمہ سیر السادات سے نقل کرتا ہوں۔

آپ کا شجرہ نسبی حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ اعلیٰ اللہ مقامہ۔ ابن حکیم سید قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ۔ ابن سید سلامت علی علیہ الرحمۃ۔ ابن سید کرم اللہ علیہ الرحمۃ۔ ابن میران سید احمد علیہ الرحمۃ۔ ابن سید عبدالاحد علیہ الرحمۃ۔ ابن سید عمر نور علیہ الرحمۃ۔ ابن سید زین العابدین علیہ الرحمۃ۔ ابن سید عمر شاہ علیہ الرحمۃ۔ ابن سید عبدالواحد علیہ الرحمۃ۔ ابن سید عبدالآد علیہ الرحمۃ۔ ابن سید

علامہ الدین اعلیٰ بزرگ علیہ الرحمۃ، ابن سید عزالدین علیہ الرحمۃ، ابن سید اشرف ابی طالب علیہ الرحمۃ
 ابن سید شروق علیہ الرحمۃ، ابن سید ابوالقاسم علیہ الرحمۃ، ابن سید عسکری علیہ الرحمۃ، ابن سید ابو محمد علیہ الرحمۃ
 ابن سید محمد جعفر علیہ الرحمۃ، ابن سید محمد مہدی علیہ الرحمۃ، ابن سید علی رضا علیہ الرحمۃ، ابن سید قاسم حمزہ علیہ
 الرحمۃ، ابن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، ابن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، ابن حضرت
 امام شہد باقر علیہ السلام، ابن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، ابن حضرت امام حسین علیہ السلام، ابن
 حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثناء زوج سید النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا بنت حضرت احمد
 مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور قبلہ عالم کا یہ نسب شجرہ مثل شجرہ طریقت کے غیر معمولی طور پر شائع ہوا بعض اخوان ملت نے
 اسکو نظم فرمایا بعض نے نثر چھپوا کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا بعض مولفین سیرت و ارثی سنے بہ سلسلہ
 ذکر نسب یہ شجرہ بھی لکھا ہے چنانچہ صاحب "مشکوٰۃ حقانیہ" نے بھی صفحہ ۴۴ میں یہ شجرہ نقل فرمایا ہے۔
 لیکن تعجب ہے کہ باوجود اس شہرت کے لائق مولف "مشکوٰۃ حقانیہ" سے یہ صریح لغزش ہوئی
 کہ حضور قبلہ عالم کے تین نامور اجداد کے اسمائے گرامی سے یہ شجرہ فضالی ہے۔ کیونکہ صحیح شجرہ میں آپ کے
 اجداد اجداد کے نام نامی اس سلسلہ سے ہیں کہ سید کرم اللہ ابن میران سید احمد ابن سید عبدالاحد ابن
 سید عمر نور ابن سید زین العابدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

مگر مولف موصوف نے سید کرم اللہ کے بعد سید زین العابدین کا نام لکھ دیا ہے اور درمیان
 کے تین اجداد میران سید احمد ابن سید عبدالاحد ابن سید عمر نور کے نام محذوف ہیں۔ یا تو یہ غلطی مولف
 کی تحقیق کی ہے یا کاتب اور تصحیح کرنے والے کی، بہر کیف غلطی ضرور ہے۔ لہذا جن حضرات کے
 پاس مشکوٰۃ حقانیہ ہو ان کو چاہیے کہ ہر سہ نام کا اضافہ فرما کر شجرہ صحیح کر لیں۔

آپ کی ولادت کی بشارت مقربین بارگاہ احدیت کی ولادت باسعادت کی بشارت اکثر مقدس اور
 ابرار حضرات دیتے ہیں جس کو وہ سر سے لفظوں میں یہ کہنا چاہیے کہ ان کی آمد کا منجانب اللہ اعلان
 ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا ہمارے حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری کا تذکرہ بھی سیکڑوں برس پہلے اولیائے عظام

نے اپنے اپنے وقت میں فرمایا ہے حتیٰ کہ بحال شرح و بسط حضور کے صفات و برکات کے ساتھ آپ کے مسلک و مشرب سے بھی خلق کو خبردار کر دیا ہے جن پیشین گوئیوں کو مؤلفین سیرت و ارثی تحریر فرما چکے ہیں۔ بلکہ حضرت شاہ سید عبدالرزاق صاحب بانسوی قدس سرہ کی پیشین گوئی۔ اور حضرت شاہ نجات اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کا کشفی ارشاد۔ اور مولانا عبدالرحمن صاحب مؤحد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت کو نہایت وضاحت کے ساتھ صاحب "مشکوٰۃ حقانیہ" نے صفحہ ۱۲ و ۱۳ میں تفسیر فرمایا ہے۔ اور ان بشارتوں کا مطالعہ بھی ناظرین نے ضرور کیا ہوگا۔ اس لئے اب انہیں پیشین گوئیوں کا مکرر اعادہ کرنا۔ بے محل طوالت ہے۔ لہذا بہ نظر اختصار۔ مگر تھوڑی وضاحت کے ساتھ صرف ایک پیشین گوئی جو بہت مستند اور نہایت مشرح اور واضح ہے۔ اس باب میں نقل کرتا ہوں۔

سید ناظم علی صاحب کنتوری رسول پوری ضمیمہ سیر السادات قلمی میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور قبائے عالم کے جدا مجد حضرت میران سید احمد علیہ الرحمۃ جو ۱۱۴۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور جب والد بزرگوار سے کتب درسیہ میں فراغ حاصل کیا۔ اور قصبہ دیوبند شریف میں جو اُس وقت دارالعلوم تھا سلسلہ درس و تدریس جاری فرمایا۔ اور چونکہ صاحب حقائق و معارف تھے اس لئے بہ نظر ہدایت باب علوم طریقت کشادہ تھا۔ اور طالبان حق کو روز حقیقت سے مستفیض فرماتے تھے، ایک وزموج الصفات و تلکدہ کے قریب برب تالاب چند باران طریقت کو گرم سخن تھے کہ ایک صاحب باطن درویش نے قریب آ کر آپ کو کہا السلام علیک وعلیٰ ذلک الذی فی صلیک لان اللہ تبارک و تعالیٰ قد نور سیماکم بنورہ وانشرف الارض بظہورہ فطوبی لکمزیا سیدی میران سید احمد فرمود آ رہے می بینم شہیم مشکبارش در چستان عالم منتشر و نمایاے حسن و جمالش چون ہر باباں و نشر۔

حاضرین صحبت مستفسر حال ہوئے کہ ہم کچھ نہیں سمجھے کہ اس بزرگ درویش نے کس فرزند ارجمند کی آپ کو بشارت دی۔ اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ اگر مصالحت نہ ہو تو اس اسرار سے ہم کو بھی خبردار کیا جائے (میران سید احمد) فرمود کہ حق تعالیٰ نے مرا فرزند سے کرامت فرمود کہ وصلب پنجم از مصلب من ظاہر خواہد شد الحق انور دیدہ میران سید احمد است۔ "و جگر بند میران

سید احمدؒ است۔ کہ عدد اسم پاکش بہ ہیں ہر دو کلمہ بیرون آئند۔ واسم او ازیکے اسم ذات است۔
 وصفات او بیرون از حدود جہات است۔ مقام علویش پایاں ندارد نظام سلوکش کہ شمار و شمعیست
 در شبستان مصطفوی و سروریت از گلستان مرقضوی۔ منزل فقر کا شانہ او۔ و سیرت کت خنجانہ او۔
 ینشان عشق را شیر ببر۔ تاجدار اقلیم رضا و صبر۔ در عہد خود از شرق تا غرب متصرف خواہد شد۔ گبر و
 ترسا۔ یہود و نصاریٰ مسلم و مشرک۔ بلکہ ہر مذہب و ملت را رہبر کامل شدہ۔ ہر یکے را ہر امش
 خواہد رسانید۔ در اقطار عالم بہر گوشہ کہ حی بنیم نشانش می یابم۔ در ہر وان منزل تفرید۔ سا لکان وادی
 تجرید۔ عزلت نشینان بساط طریقت۔ خواصان قلم حقیقت۔ بادہ نوشان ینجانہ محبت۔ سرستان
 خنجانہ مودت۔ عقدہ کشایاں اسرار معرفت مسند نشینان کاخ مکرمت۔ شہسواران میدان ابتلا۔
 سر حلقگان مکتب ولا۔ نظر بازان منزل ناسوت راز داران انجمن ملکوت۔ سرفروشان میدان جبروت
 مدہوشان بام لاہوت۔ ہمہ حلقہ بگوش آن بادہ فروش خواہند شد۔

حضرت میران سید احمد قدس سرہ کا یہ مکاشفہ جو آپ کی قوت روحانی کی بین دلیل
 ہے اور جس کو صحیح معنی میں حضور قبلہ عالم کی ولادت با سعادت کا مژدہ اور آپ کی عظمت و جلالت
 کا طلی خط میں اعلان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ لیکن اس مرد خدا رسیدہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ جس
 نے اگر میران سید احمد سے کہا "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْکَ وَعَلٰی وَکَلِکَ الَّذِیْ فِیْ صُلْبِکَ" اور میران سید
 احمد علیہ الرحمۃ کے ان یاران طریقت کے ہم شکر گزار ہیں جن کے استفسار سے سید صاحب مجدد
 انشان نے اپنے اس مکاشفہ کو کمال وضاحت اظہار فرمایا۔

واقعی مردان حق کا کلام بھی حق ہوتا ہے کہ میران سید احمد علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا تھا۔ اُس
 کا بہ ہمہ قیود و صفات ظہور ہوا کہ آپ کی پانچویں پشت میں۔ بایں سلسلہ کہ آپ کے صاحبزادہ سید کرم اللہ
 اور ان کے فرزند سید سلامت علی ان کے نور دیدہ سید قربان علی شاہ اور ان کے نخت جگر سید وارث
 شاہ اعظم اللہ ذکرہ منصب شہود پر جلوہ افروز ہوئے۔ جن کا وجود باوجود اہل عالم کے لئے عین رحمت
 خداوندی ہے جیسا کہ اس برگزیدہ مرد خدا نے فرمایا تھا کہ "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْکَ وَعَلٰی وَکَلِکَ الَّذِیْ فِیْ صُلْبِکَ" اور میران سید

لیکن نظر غائر سے دیکھا جائے تو جس طرح یہ مکاشفہ جامع اور معنی خیز شرح اور مبسوط ہے اسی طرح یہ بشارت ایک ذات کے واسطے مقید اور محدود بھی اس قدر ہے کہ دوسری ذات کی ساتھ تاویل بھی منسوب نہیں کر سکتے۔ اور چونکہ میران سید احمد علیہ الرحمۃ کی مقدس ہستی مجموعہ صفات اور جامع فضل و کمالات تھی۔ لہذا آپ کا وہی مکاشفہ بھی لطائف و معارف کا مجموعہ ہے۔ بمصداق

کلام الملوک ملوک الملکلام۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ مقربین بارگاہ رب العزت کے مکاشفات سے تاویلاً فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ مثلاً کسی برگزیدہ خدا نے کسی مصلحت سے فرمایا کہ مغرب میں ایک خدا کا مقبول بندہ پیدا ہوگا۔ جو دین الہی کی حمایت کرے گا اور جنت کی کنجی اس کے ہاتھ میں ہوگی۔ تو مبشر کی جائے قیام سے مغرب کی سمت ہر مقدس شخص کو اس کے حلقہ بگوش اس بشارت کا مصداق سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن میران سید احمد علیہ الرحمۃ کے اس مکاشفہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ کہ تاویل سے ثابت کیا جائے یا کسی منطقی دلیل سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ اس مکاشفہ کے ابتدائی شرائط و قیود کو پہلے ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

کہ آپ نے یاران موافق کے استفسار کرنے پر فرمایا "حق تعالیٰ مرا فرزندے کرامت فرمود کہ در صلب نیم از صلب من ظاہر خواهد شد" انہیں دو حملوں میں کس قدر احتیاط اور استحکام سے تاویل کا سدباب فرمایا ہے۔ اگر صرف حق تعالیٰ مرا فرزندے کرامت فرمود۔ ارشاد ہوتا تو آپ کی نسل کا ہر فرزند کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ بشارت میرے حق میں ہے۔ لیکن آپ کے فقرہ آخر الذکر سے یہ بشارت مشروط ہوگی۔ کہ میری پانچویں پشت میں جو فرزند پیدا ہوگا وہ اس بشارت کا مصداق اور ان صفات سے موصوف ہوگا۔

علاوہ اس کے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ بھی از روئے کشف باطنی ظاہر ہو گیا تھا کہ میری پانچویں پشت میں ایک ہی اولاد نرینہ ہوگی اور وہی ہوگا کہ حضرت سید قربان علی شاہ علیہ الرحمۃ کے اگر دو چار لڑکے ہوتے تو اس بشارت کا گمان ہر لڑکے پر ہو سکتا تھا۔ مگر قضا و قدر نے اس

بشارت کو مشتبہ نہیں ہونے دیا بلکہ آپ کی پانچویں پشت میں ایک ہی فرزند ہوا۔ جس کو بغیر کسی شک و شبہ کے اس بشارت کا مصداق سمجھ سکتے ہیں۔

پھر آپ نے نہایت بلیغ بلکہ تعجب خیز یہ جملے فرمائے کہ: ”اور نوریدہ میران سید احمد و حکمران میران سید احمد است۔ کہ عدد اسم پاكش به ہمیں دو کلمہ بیرون می آید۔“ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نظر احتیاط آپ نے یہ جملے فرمائے کہ باوجود اس صراحت کے بھی اگر کوئی تاویل کرے تو وہ باطل سمجھی جائے۔ اس لئے کہ ہمارا مقصود اصلی اس مولود مسعود سے ہے۔ جس کے اسم گرامی کے اعداد باقی^{۹۹} ابجد نوریدہ میران سید احمد کے ہم عدد۔ اور حکمران میران سید احمد کے اعداد کے مطابق ہوں گے۔ یعنی ہر دو کلمہ کے اعداد سات سو سات ہوتے ہیں۔ پس میری پانچویں پشت کے فرزند ارجمند کے نام نامی کے اعداد بھی سات سو سات ہوں گے۔ اور وہی اس بشارت کا مصداق ہوگا۔

ان دو جملوں نے اس پیشین گوئی کو ایسا محدود کر لیا کہ اب کوئی دوسرا شخص اس بشارت سے منسوب نہیں ہو سکتا لیکن مدوح الصفات نے پھر احتیاط فرمائی تاکہ عوام کو مغالطہ نہ ہو۔ کیونکہ اکثر الفاظ کے اعداد سات سو سات ہوتے ہیں۔ شاید کوئی لفظ بصورت اسم ہو تو بھی اس کا موسوم اس بشارت کا مصداق نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ اس فرزند کے نام نامی کی ایک تعریف یہ بھی ہے ”اسم او یکے از اسم ذات است۔“ یعنی ہمارا فرزند جس نام سے دنیا میں پکارا جائے گا۔ وہ اللہ جل جلالہ کے اسمائے مقدسہ میں سے ایک اسم پاک ہوگا کہ شاید کوئی شخص اپنا نام سات سو سات عدد کا پیش کرے اور سمجھے کہ میں اس بشارت کا مصداق ہوں۔ تو یہ دعویٰ اس کا غلط سمجھا جائے۔ کیونکہ شرط یہ بھی ہے کہ وہ لفظ علاوہ سات سو سات ہونے کے اسم ذات بھی ہو۔

اب میران سید احمد کے پانچویں پشت کے نور نظر کے نام نامی کی یہ خصوصیت بھی دیکھنا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نور و نہ ناموں میں صرف ایک ہی نام وارث ایسا ہے جس کے سات سو سات عدد ہوتے ہیں۔ یہ بھی حضور قبلہ عالم کی یکتائی کی بین دلیل ہے۔ اور میران سید احمد علیہ الرحمۃ کا ارشاد یقینی صادق مکاشفہ تھا۔ اور اظہار کشف میں یہ لطائف و نکات آپ کے علوی مرتبت کے شاہد

ہیں۔ اور واقعی بجز اولیائی عظام کے ایسا معنی خیز کلام کسی کا ہو نہیں سکتا۔

میران سید احمد علیہ الرحمۃ نے اپنی اس پیشین گوئی میں فرزند ارجمند کے نام نامی کی کما حقہ صراحت فرما کر اس جلیل القدر نور نظر کے مخصوص صفات اور غیر معمولی فیوض و برکات کا اظہار فرمایا کہ: "ادنیستان عشق را شیر بر و تاجدار اقلیم رضا و صبر۔ دور عہد خود از شرق تا غرب متصرف خواہد شد۔ گبر و ترسا، یہود و نصاریٰ مسلم و مشرک۔ بلکہ ہر مذہب و ملت را رہبر کامل شدہ۔ و ہر یکے را ہر امش خواہد رسانید" الحق۔ میران سید احمد علیہ الرحمۃ کے اس مکاشفہ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اس فرزند کا مسلک عین عشق۔ اور مشرب۔ رضا و تسلیم ہوگا۔ اور حرف بحرف وہی ہوگا۔ جیسا کہ خود حضور نے متواتر فرمایا ہے کہ "ہمارا مسدک عشق ہے" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "رضاء و تسلیم ہماری دادی حضرت خاتون جنت کے گھر کی لوٹدی ہے" بلکہ اسی مناسبت سے اپنے جملہ غلاموں کو بغیر کسی تحقیق کے محبت کی ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ فخر و مباہات کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے تصرفات سے جملہ غلامان بارگاہ وارتی کے قلوب بقدر استعداد محبت کے اثرات سے یقینی متاثر ہیں۔ اور اگر ناظرین غور و تامل سے ملاحظہ فرمائیں گے تو اس رسالے میں حضور کے اٹھائیس سال کے حالات و واقعات۔ ہدایات و ارشادات کو رموز عشق کامل کے جزئیات سے خالی نہ پائیں گے۔ اور یہی صورت تصرفات میں نظر آئیں گی۔ کہ ہمیشہ طالبان حق کی پرورش مخلوط بہ محبت ہوئی۔

اور یہ تو سب نے آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس پیشین گوئی کے مطابق اقطار عالم میں حضور کی عظمت و جلالت کا تقارہ بجا۔ اور بغیر کسی تحریک کے مختلف ممالک کے باشندے مسافت دور و دراز کو طے کر کے آستانہ فیض کا شانہ پر آئے۔ اور ظل حمایت وارتی میں پناہ گزیں ہوئے اور بلا تخصیص مذہب و ملت سب کو حضور نے محبت الہی کی ہدایت فرمائی اور اس رہنمائے کامل کے فیوض و برکات سے مستفیض ہو کر ہزاروں کامیاب اور فائز المرام ہو گئے جن کے حالات آئندہ بالتفصیل نگارش کروں گا۔ انشاء اللہ

آپ کی عظمت کا اقرار۔ آخر میں میران سید احمد علیہ الرحمۃ نے اپنی پیشین گوئی کو اس مضمون پر

ختم فرمایا کہ وہ نورِ نظرِ ایسا وحید العصر اور جلیل القدر ہوگا کہ اس کے ہم عصر مقررین بارگاہِ احدیت اُس کی رفعت و عظمت کا اقرار کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضورِ قبلہ عالم کے مراتبِ علیا کا مشہور و معروف حضراتِ اہلِ حقائق و معارف نے اعتراف فرمایا۔ جس کی صراحت مؤلفین سیرت و ارثی نے مختلف عنوانوں کے تحت میں نقل فرمائی ہے۔ اور صاحبِ مشکوٰۃ حقانیہ نے تو خاص طور پر حضرت مولانا فضل الرحمن صاحبِ قدس سرہ کے بعض ایسے ارشادات لکھے ہیں جو اس مکاشفہ کے شاہِ صادق ہیں۔

اور حاجی اوگھٹ شاہ صاحبِ وارثی جن کا اب دیرنیہ غلاموں اور قدیم فقرا میں شمار ہے کیونکہ آپ ۱۳۱۲ھ ہجری سے حاملِ خرقہ وارثی ہیں۔ اور پانچ سال تک مستقل طور پر اس خدمت کے لئے مامور رہے کہ غلامانِ وارثی کے عرض کا جواب لگا کر دیتے تھے۔ آپ رسالہ "رشحات الانس" صفحہ ۳۹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سیاحت کے سلسلہ میں ابنالہ گیا تو پہلے حضرت سائیں تکل شاہ صاحب کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ سائیں صاحب قبلہ نے جن کا عارفین وقت میں شمار تھا۔ شاید میرا لباس دیکھ کر حشمِ نم فرمائی۔ اور پر جوش لہجہ میں ارشاد ہوا کہ "رسولِ کریم و ادر حاجی صاحب دا فیض ساندھے نال آوند ہے۔ اور مجھ پر یہ عنایت فرمائی کہ اپنے ایک خلیفہ کو حکم دیا کہ ان کو اپنے ساتھ کھانا کھلاؤ۔"

علی ہذا مولوی محمد یحییٰ صاحبِ وارثی۔ وکیلِ درہن عظیم آباد جن کو حضورِ قبلہ عالم نے پابندِ وضع فرمایا تھا۔ اپنا یہ واقعہ بیان کرتے تھے کہ حسبِ معمول ایک انوار کو مدرسہ والے مکان میں تھا کہ ناگاہ جناب نور الدین شاہ صاحب۔ مجذوب و سالک۔ جن کو صوبہ بہار کا مل اور صاحبِ حقائق جانتا تھا تشریف لائے ہیں نے چائے اور حقہ پیش کیا۔ اتفاق سے دونوں چیزیں قبول فرمائیں۔ اور کمالِ شفقت ارشاد ہوا کہ مولوی صاحب آپ کہاں گئے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ ملاکی دوڑ مسجد آستان بوسی کے لئے دیوی شریف گیا تھا فرمایا۔ خوش قسمت۔ وہ شیر خدا کا پوتا۔ ایک نظر عنایت سے۔ قطرہ کو دریا بنا دیتا ہے مولوی صاحب۔ میرے کاسہ گدائی میں اسی کا دیا ہوا کڑا ہے۔

اسی طرح میرے قدیم عنایت فرما مولوی فخر الحسن صاحب ساکن آگرہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے پیر و مرشد حضرت محمدی شاہ صاحب مقیم الہ آباد سے (جو شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی کے خلیفہ تھے) عرض کیا کہ جناب حاجی صاحب قبلہ کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا۔ حاجی صاحب مردان خدا میں سے ہیں۔ اور انہوں نے عشق کی دشوار گزار منزل کو بہ ثبات و استقلال طے فرمایا ہے۔ اور آج محبت کا فتح باب انھیں کے فیضان سے ہوتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور قبلہ عالم دو روز سے نواب صادق علی خان صاحب وارثی رئیس در بھنگہ کے مہمان تھے۔ ناگاہ مجھے یہ حکم ہوا کہ مظفر پور جاؤ۔ اور وہاں ایک مکان کا انتظام کرو کل ہم آئیں گے اور ایک شب وہاں رہیں گے۔ میں فوراً روانہ ہوا۔ اور سید علی حسین صاحب وارثی رئیس پٹنہ۔ جو اب محروق شاہ کے ممتاز خطاب سے سرفراز ہیں اور شب و روز آستانہ اقدس کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ میرے ہمراہ چلے۔ اتفاق سے مظفر پور میں پہلے جناب اصغر علی شاہ صاحب سے جو اُس دیار میں بہت معروف بزرگ تھے۔ ملاقات ہوئی۔ اخی مکرم محرق شاہ صاحب نے اُن کی بہت تعظیم کی۔ مگر مجھ سے خلاف ادب سخت گفتگو ہو گئی۔ دوسرے روز دیکھا کہ اسٹیشن پر استقبالی مجمع میں اصغر علی شاہ صاحب بھی موجود ہیں۔ اور پاکی کے ساتھ اُس مکان تک آئے جو حضور کے قیام کے واسطے تجویز کیا گیا تھا۔ پھر رات کو آکر قدم بوسی کے متمنی ہوئے۔ میں سرکار عالم پناہ کے حضور میں لے گیا۔ شاہ صاحب موصوف نے لب فرش پہنچ کر بجالا ادب زمین بوسی کی اور وہیں دست بستہ کھڑے رہے۔ حضور نے فرمایا۔ "قاعدے سے رہو ورنہ نکال دیئے جاؤ گے۔"

شاہ صاحب نے ابدیدہ ہو کر عرض کیا۔ کہ آپ کا بھکاری ہوں مجال نہیں کہ خلاف حکم گردن ہلاؤں حضور نے خادم سے فرمایا کہ ان کو دو روپیہ اور ایک تہ بند دے دو۔ اور ارشاد ہوا کہ شاہ جی "اب جاؤ پھر ملاقات ہوگی۔"

عرض ایسے واقعات بکثرت ہیں قریب قریب بارگاہ وارثی کے ہر ایک حلقہ بگوش نے

لے معروف پیکل شاہ۔

ضرور دیکھایا سنا ہوگا کہ اکثر بادیاں راہ طریقت و سرستان بادہ وحدت نے حضور قبلہ عالم کی عظمت و جلالت کی علی الاعلان شہادت دی۔ اور میران سید احمد علیہ الرحمۃ کی اس پیشین گوئی کا کامل طور پر اظہار ہو گیا اور جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی جلیل الشان فرزند آپ کی پانچویں پشت میں پیدا ہوا۔

جائے ولادت حضور قبلہ عالم کی جائے ولادت کے لئے منشا آنہی نے دیوئی شریف کو تجویز فرمایا نواح اودہ میں ہمیشہ سے یہ قصبہ ہر حیثیت سے مدوح اور ممتاز اور مردم خیز رہا جسکو تاریخی اہمیت بھی حاصل ہے اور بہت مشہور و معروف علمائے دین اس سرزمین پر پیدا ہوئے جن کے نام نامی سے ہر اہل علم واقف ہے اور ان کی تصانیف کے مطالعہ سے ان کا کمال علمی ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ جس طرح اس بستی کو بھرت علمائے شریعت ہمیشہ سے دارالعلوم کی حیثیت حاصل رہی۔ اسی طرح مقدس اور برابر بزرگوں کے فیض و برکت رشد و ہدایت کی وجہ سے یہ مقام ہمیشہ طریقت کا سرچشمہ رہا۔ چنانچہ اکثر اہل قصبہ نے فرمایا ہے کہ ہر زمانہ میں یہاں ایک ولی ضرور رہا۔ لیکن قیام ازل نے یہ سعادت ابدی اس قصبہ کو اور تفضیض فرمائی کہ خدا کے عاشق صادق نے پہلا قدم اس سرزمین پر رکھا۔ اور آپ کے مدارج عالیہ اور مراتب جلیلہ کے باعث دنیا کے بڑے حصہ میں اس مقدس طبقہ کی شرافت زبان زد خلاق ہو گئی۔

اکثر معزز حضرات دیوئی شریف، اور خصوصاً بعض بزرگ اور ہماری واجب التعمیم خوزادیوں نے یہ فرمایا ہے کہ جب حضور قبلہ عالم کی ولادت باسعادت کا زمانہ قریب آیا تو آپ کی والدہ مکرمہ نے مختلف اوقات میں عجیب و غریب واقعات ملاحظہ فرمائے جن کا بصراحت نگارش کرنا اس لئے مجھے مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ حضرات روشن خیال میری اس جسارت کو ارادت کا جوش اور عقیدت کا غلو متصور نہ فرمائیں۔ بایں لحاظ اس تاریخی حیثیت کے رسالہ میں وہی مضامین لکھنا بہتر سمجھتا ہوں جو ایسے شکوک و شبہات سے معرا اور عام پسند ہوں۔

گوکہ یہ مسئلہ نادر الوجود اور عدیم النظیر ہستیوں کے معمولی حالات بھی غیر معمولی واقعات سے بہت زیادہ بلند اور ممتاز اور اکثر فوق الفطرت بھی ہوتے ہیں۔ حالانکہ جن کو ہم عجیب و غریب کہتے

ہیں وہ ان مقدس نفوس کے درجات عالیہ کا اظہار اور صفات جلیلہ کے برکات و اثرات کی روشنی ہوتی ہے جس کے نظارے سے ہم ظاہر بینوں کو تعجب ہوتا ہے۔ پس اگر ہمارے تصور جو آیتہ من آیات اللہ کے حقیقی مصداق ہیں، ان کے ظہور اجلال کے زمانہ میں بعض حیرت خیز واقعات کا اظہار ہوا تو کچھ تعجبات سے نہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا وقوع لازماً سے تھا اور وہ سب قابل تسلیم ہیں۔

سال ولادت لیکن سال ولادت میں مؤلفین وراثی کا اختلاف ہے صاحب "تحفۃ الاصفیاء" تحریر فرماتے ہیں کہ یکم رمضان ۱۲۳۵ھ ہجری میں حضور قبلہ عالم نے اپنے ذی ثبات قدم مہینت لزوم کو اس خالکدان عالم کو سرفراز فرمایا اور مولف "حیات و وارث" تفسیر فرماتے ہیں کہ ۱۲۳۲ھ ہجری میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اور حکیم صفدر علی صاحب مولف "جلوہ وارث" صفحہ ۵۰ میں ارقام فرماتے ہیں کہ یکم صفر المظفر ۱۲۳۵ھ ہجری میں اس منظر انوار الہی نے دنیا کو منور فرمایا اور مولف "الوارث" نے لکھا ہے کہ ۱۸۲۳ء میں آپ منصب شہود پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور سید ناظم علی صاحب رسول پوری نے ضمیمہ سیر السادات "قلمی مکتوبہ" ۱۲۴۴ھ ہجری میں لگارش فرمایا ہے کہ ۱۲۳۹ھ ہجری میں وہ مقتدا کمال غلوت عدم سے بلوت عالم میں تشریف فرما ہوا۔ اور نصیحت شاہ صاحب وراثی رئیس بایزید پور ضلع مونگیر نے حضور کا سال ولادت ۱۲۳۳ھ ہجری فرمایا ہے اور حضرت معروف شاہ صاحب رئیس دیوبند شریف و قدیم خدمتگزار بارگاہ وراثی فرماتے تھے کہ ۱۱ رمضان ۱۲۲۸ھ ہجری میں وہ یتیم رونق افروز بزم عالم ہوا۔ اور پیر محمد صاحب جو دیوبند شریف کے معمر باشندوں میں تھے گو آپ کا طبقہ اعلیٰ میں شمار نہ تھا، مگر عمر میں حضور سے زیادہ تھے، انہوں نے ایک مرتبہ بسبب تذکرہ فرمایا کہ آپ ۱۲۳۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور خان بہادر مولوی بہال الدین احمد صاحب رئیس دیوبند شریف جن کو اپنے ناہال کی طرف سے نسبتاً تقرب فاندانی بھی حضور سے حاصل تھا، وہ فرماتے تھے کہ میرے حساب سے آپ کا سال ولادت ۱۲۳۵ھ یا ۱۲۳۶ھ ہجری ہے۔

لیکن جناب شاہ فضل حسین صاحب وراثی سجادہ نشین حضرت شاہ محمد عبدالمنعم قادری کنز المعرفت قدس سرہ فرماتے تھے کہ ۱۲۳۲ھ ہجری میں ہمارے سرپرست وارث ارث رضوی کا

نقل حمایت سایہ فگن ہوا اور مدوح الشان دلیل یہ پیش فرماتے تھے کہ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ بھائی غلام علی صاحب وارثی عرف گھٹے میاں سے چار سال چھوٹا ہوں اور گھٹے بھائی چار سال سرکار عالم پناہ سے چھوٹے تھے۔ اس حساب سے میں آٹھ سال عمر میں حضور قبلہ عالم سے چھوٹا ہوں۔ اور میں نے بعض خانگی حسابات میں اپنی پیدائش کی تقریبات کا ذکر دیکھا ہے کہ میں ۱۲۳۲ھ فصلی مطابق ۱۲۴۲ھ ہجری میں پیدا ہوا ہوں؛ لہذا میری پیدائش سے آٹھ سال قبل حضور کی ولادت ہوئی، تو وہ ۱۲۳۲ھ ہجری ہوتا ہے۔

قرینہ ہے کہ روایات مذکورہ میں اس اختلاف کا بڑا سبب یہ ہو کہ سال ولادت کے اظہار میں خود عمائدین دیوبند شریف کے بیانات مختلف ہیں اور وہ بھی اکثر بغیر سند و حوالہ کے۔ شاید ابتداء میں حضور کا سال ولادت ضبط تحریر میں نہیں آیا، کیونکہ ایسی تحریر کا کسی روایت میں ذکر نہیں ہے۔

پھر جس وقت حضور کے بعض معرا عزا بقید حیات تھے، اس زمانہ میں بھی اس کی تعین نہیں کی گئی عرصہ دراز کے بعد جب یہ خیال پیدا ہوا تو اس وقت کے عمر اور ممتاز حضرات سے ان کا شنیدہ یا قیاسی سال ولادت مولفین نے جوٹا، وہ قلمبند کیا، اور چونکہ اس کی تصحیح دشوار بلکہ محال تھی اس لئے اس کا محاکمہ بھی اہمیت سے خالی نہ تھا کہ کون روایت ان میں صحیح اور مصدقہ ہے بظاہر جو روایت مقبر معلوم ہوئی، مولفین نے وہ ہی نقل فرمائی۔

الغرض اب مجھ کو بھی وہی صورت اختیار کرنا چاہیے۔ جو دیگر مولفین کر چکے ہیں۔ کہ روایات مذکورہ کو بہ نظر تامل دیکھوں۔ اور جو روایت بلحاظ اسناد و مصدقہ معلوم ہو، اسی روایت کے مطابق سال ولادت لگائیں کروں۔

لہذا میرے خیال میں اصولاً جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی کی مصدقہ روایت کو زیادہ مستند اور مدلل کہنا چاہیے، اس لئے کہ اول تو شاہ صاحب مدوح الصفات کی ذاتی شخصیت اور مشربی امتیاز، اور بارگاہ وارثی کا تقرب، اور قدیم خدمتگذاری کا شرف، اس کا مقتضی ہے کہ ہم آپ کی بیان کردہ روایت کو صحیح جانیں۔ دوم یہ کہ سال ولادت بیان کرنے کے لئے شاہ صاحب موصوف

کا عمر ہونا یقینی متاخرین کے بیان سے بہت زیادہ واقع ہے۔ سووم یہ کہ آپ کے والدین کا عمر کی تفریق بیان کرنا۔ اس کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ عموماً بزرگ اپنے بچوں کی عمر سے کما حقہ واقف ہوتے ہیں۔ خصوصاً یہ عمر بزرگ تو حضور کی تقریب ولادت میں شریک ہونے ہوں گے چارم یہ کہ اپنا سال پیدائش خانگی حساب کے کاغذات میں دیکھ کر پھر اس حساب سے حضور کا سال ولادت ۱۲۳۲ھ ہجری ثابت کرنا اس روایت کی صحت کے لئے نہایت قوی اور بین دلیل ہو سکتی ہے لہذا میرا قیاس یہ ہے کہ اس روایت کی بنا پر اگر حضور قبلہ عالم کا سال ولادت ۱۲۳۲ھ ہجری صحیح مان لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اس روایت کی صحت کا مولف جلوہ وارث نے بھی اقرار کیا ہے۔ اور صفحہ ۱۵۱ میں بایں الفاظ تحریر فرمایا ہے: "میاں فضل حسین شاہ صاحب سجادہ نشین حضرت منعم شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سلطان الاولیاء سے آٹھ سال چھوٹا ہوں میری پیدائش ۱۲۲۴ھ ہجری کی ہے۔ اس حساب سے حضرت سلطان الاولیاء کی ولادت ۱۲۳۲ھ ہجری میں ثابت ہوتی ہے اور یہ قول صحیح اور مستند ہے۔"

لیکن لائق مولف نے اس روایت کو مدلل اور قابل اطمینان دیکھ کر صحیح اور مستند تو فرمایا۔ اور شاہ فضل حسین شاہ صاحب سے سرکار عالم پناہ کا آٹھ سال بڑا ہونا بھی تسلیم کیا جو یقینی امر تھا۔ مگر آنکھ بند کر کے شاہ صاحب موصوف کا بیان ایسے سیاق عبارت سے قلمبند کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہے کہ شاہ صاحب کی پیدائش ۱۲۲۴ھ ہجری میں تحریر کی ہے۔ اور سرکار عالم پناہ کی ولادت ۱۲۳۲ھ ہجری میں نگارش فرمائی ہے۔ یہ انقلاب عظیم کہ چھوٹے کو بڑا، اور بڑے کو چھوٹا کر دینا یہ آپ کے زور قلم کی شان ہے جس سے تالیفات میں جناب کے ذوق سلیم کا اظہار ہوتا ہے۔

غرض جناب شاہ فضل حسین صاحب کی اس روایت کو اکثر حضرات نے مستند مانا ہے لیکن ایک بحث تھوڑی صراحت کے ساتھ لائق ذکر اور قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ جس طرح باعتبار دیگر

روایات کے جناب شاہ فضل حسین صاحب دارنی علیہ الرحمۃ کی مصدقہ روایت سے حضور قبلہ عالم کمال ولادت ۱۲۳۴ھ ہجری ثابت ہوتا ہے، اسی طرح منشی خدابخش صاحب دارنی، شائق دریاباد کا یہ لکھنا کہ سرکار عالم پناہ نے ۱۲۳۸ھ ہجری میں اپنے قدم مہمنت لزوم سے خاکدان عالم کو سرفراز فرمایا، صحیح اور مستند معلوم ہوتا ہے، مگر ہر دو روایات میں تھوڑا فرق امتیازی ضرور ہے۔ وہ یہ کہ منشی صاحب موصوف نے ۱۲۳۸ھ ہجری کی روایت بغیر کسی سند اور حوالہ کے تحریر فرمائی ہے اور شاہ صاحب ممدوح الشان کا ارشاد علاوہ آپ کی ذاتی شخصیت کے روایت مدلل اور خانگی کاغذات کے حوالے سے ہے، مگر دیگر واقعات کو ملا کر غور و تامل سے دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحفۃ الاصفیاء کی نقل کردہ روایت بھی قابل وثوق و اعتبار ہو سکتی ہے۔

مثلاً یہ مسلمہ ہے کہ حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کا وصال ۱۲۵۲ھ ہجری میں ہوا جس کا مولفین سیرت دارنی نے بالاتفاق اقرار کیا ہے۔ بلکہ بعض دیگر مصنفین نے بھی ہمارے مخدوم علیہ الرحمۃ کا سال وصال بھی تسطیر فرمایا ہے اور اس میں بھی زیادہ اختلاف نہیں ہے کہ بعد فاتحہ سیوم حضور قبلہ عالم کی دستار بندی ہوئی اور اُس وقت آپ کی عمر شریف چودہ یا پندرہ سال کی تھی اس حساب سے دیکھا جائے تو ۱۲۵۲ھ ہجری میں سے پندرہ سال تفریق کرنے سے وہی ۱۲۳۸ھ ہجری باقی رہتے ہیں۔ جو صاحب تحفۃ الاصفیاء نے آپ کا سال ولادت لکھا ہے۔

بلکہ حضور قبلہ عالم کے ایک ارشاد سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۲۵۲ھ ہجری میں آپ کی عمر شریف پندرہ سال کی تھی۔ چنانچہ پہلے سفر حجاز میں بیسی کے مشہور تاجر سیٹھ یوسف ذکر یا کی مہمانداری کا ذکر، سٹرا براہیم مہین کی بیعت کے وقت، جو بانگی پور میں آیا، تو سرکار عالم پناہ نے ارشاد فرمایا کہ ”اُس وقت ہماری عمر پندرہ سال کی تھی“ جس کا مفصل تذکرہ سفر حجاز کے سلسلہ میں آئندہ آئے گا، لہذا حساب کیا جائے تو حضور قبلہ عالم کے اس ارشاد سے بھی آپ کا سال ولادت وہی ظاہر ہوتا ہے جو مولف تحفۃ الاصفیاء نے تحریر کیا ہے۔ اس واسطے کہ سب کا اتفاق ہے کہ پہلا سفر حجاز ربیع الثانی ۱۲۵۲ھ ہجری میں ہوا جس میں سیٹھ یوسف ذکر یا کا معہ اہل و عیال کے حلقہ بگوش

ہونا اور تاروانگی جہاز خدمت مہمانداری کرنا مذکور ہے اور حسب ارشاد اس وقت آپ کی عمر شریف
پندرہ سال کی تھی پس بارہ سوترپن میں سے اگر پندرہ تفریق کئے جائیں تو باقی بارہ سواڑتیس رہتے
ہیں۔ اس لئے صاحب تحفۃ الاصفیاء کی یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ حضور قبلہ عالم کا سال ولادت
۱۲۳۸ھ ہجری ہے۔

غرض روایات کا مطالعہ کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سبب اس اختلاف کا یہ ہے کہ عرصہ
کے بعد جب سال ولادت کی تفتیش کی گئی تو اس وقت کے معزز حضرات نے اپنی اپنی شنیدہ معلومات
کا جو ان کے حافظہ میں محفوظ تھی اس کا اظہار کر دیا۔ مگر اس اختلاف کے ساتھ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر ایک
روایت کا راوی ایسا مقتدر اور ممتاز ہے جس کی وجاہت کے لحاظ سے کسی روایت کی نسبت عدم
صحت کا خیال بھی نہیں کر سکتے۔

علاوہ اس کے روایات کی صحت اور عدم صحت کی تحقیق کرنا بوجہ بعد زمانہ کے اب اس قدر
اہم اور دشوار ہے کہ شاید کسی کو اس کوشش میں کامیابی نہیں ہو سکتی اور نہ کسی کا محاکمہ کلیتہً صحیح مانا جا
سکتا ہے۔ بلکہ میرا یہ عرض کرنا کہ جناب شاہ فضل حسین صاحب کی فرمودہ روایت اصولاً مستند ہے اور
حضور قبلہ کا ارشاد ملانے سے تحفۃ الاصفیاء کا نقل کردہ سال ولادت بھی صحیح معلوم ہوتا ہے، ہرگز اس
کا سزاوار نہیں ہے کہ جملہ غلامان بارگاہ وارثی اس کو فیصلہ ناطق اور مکمل محاکمہ تصور فرمائیں۔ بلکہ زیادہ
مناسب یہ معلوم ہوتا ہے، اور اسی میں آسانی بھی ہے کہ ناظرین روایات مذکورہ کو نظر غائر سے
ملاحظہ فرمائیں اور از روئے درایت جو قول زیادہ مستند اور واضح اور قابل اطمینان معلوم ہو اسی
کو اپنے آقائے نامدار کا سال ولادت قرار دے لیں۔

اس لئے کہ سال ولادت کے اختلاف سے نہ ہمارے عمل میں کوئی خلل آتا ہے اور
نہ مشربی پہلو کو کسی قسم کا صدمہ پہنچتا ہے۔ بجز اس کے کہ ہم اپنی محدود اور کمزور معلومات کی وجہ سے
صحیح روایت دریافت نہ کر سکے۔

ایام رضاعت | علی ہذا یہ بھی مستند حضرات نے بالاتفاق فرمایا ہے کہ شاید بے نیاز کے اس عاشق

جانبا ز نے ہنوز بزم عالم وجود میں قدم نہیں رکھا تھا کہ عشق کرشمہ ساز کی نیزنگیوں کا آغاز ہوا۔ اسباب ابتلا اور سامان امتحان مہیا ہونے لگے۔ چنانچہ شکم ماورہی میں معلم وہی نے مسلک عشاق کا دستور العمل سنا دیا۔ تخرید کامل کے باب میں تعلقات عالم سے انقطاع قطعی کا سبق دے کر ”و کفی باللہ و کفلاً“ کے رموز صوری و لکات معنوی تعلیم فرمائے تو حسب فشا حضرت قضا و قدر وارث ارث مصطفو نے پہلے جد اعلیٰ کی سنت قدیمہ ادا کی۔ یعنی پدر بزرگوار نے ہمیشہ کے لئے دارالقرار میں اقامت اختیار فرمائی اور یہ نونہال گلشن مرتضوی حمایت پدری سے سبکبار ہو کر دیدار یار کے لئے سرکبف میدانِ رضا و تسلیم میں آنے کے واسطے تیار ہو گیا۔

اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں۔ بلکہ مولف مشکوٰۃ حقانیہ کا ہی خیال ہے کہ حضور قبلہ عالم کی عمر تقریباً دو سال سے کچھ زیادہ تھی کہ عالم اسباب میں عافیت کے ابواب مسدود ہو گئے۔ شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور اس درتیم کی صرف آغوش مادری میں نشوونما ہونے لگی۔

لیکن غیور شاہد حقیقی کو یہ بھی منظور نہ ہوا کہ ہمارا عاشق عارضی طور پر بھی کسی اور سے مانوس ہو۔ چنانچہ نین سال کی عمر تھی کہ یہ تیم بچہ آغوش مادر مہربان سے بھی کنارہ کش ہوا۔ اور حکم الحاکمین نے اس خاتون منظرہ کو دوسرے عالم میں بلا لیا۔

اس حادثہ جانکاہ کے بعد حضور قبلہ عالم کی جدہ مکرمہ جناب سیدہ حیات النساء صاحبہ اپنے تیمم پوتے کی ایسی کفیل اور مصروف پرورش ہوئیں کہ باوجود مہربان دایہ کی خدمت کے آپ بھی ہر وقت بہ نفس نفیس خدمت و نگرانی فرماتی تھیں۔ بلکہ حضور کے دیگر اعزا بھی آپ کے حیرت انگیز عادات جن کا زمانہ رضاعت سے اظہار ہو رہا تھا۔ دیکھ کر گر ویدہ ہو گئے تھے۔ اور اس کا یقین ہو چکا تھا کہ یہ بچہ ضرور برگزیدہ خدا اور صاحب مقامات علیا ہے۔ کیونکہ عام بچوں کے حالات سے آپ کے عادات بالکل جداگانہ اور بہت ممتاز تھے۔ جیسا کہ دیوی شریف کے معزز اشخاص کا بیان ہے کہ ہماری بزرگ مستورات جب حضور قبلہ عالم کے عہد طفلی کا ذکر فرماتی تھیں۔ تو تعجب کے ساتھ کہتی تھیں کہ ایسے خصائل کا بچہ دیکھنا کیسا سنا بھی نہیں۔

چنانچہ آپ کے عادات کی نسبت مستند حضرات کا بیان ہے کہ دودھ نوش فرمانے میں یہ امتیازی شان تھی کہ بجز وقت معینہ کے آپ دیگر اوقات میں رغبت نہیں فرماتے تھے۔ اور وقت مقررہ پر نوش بھی فرماتے تو عام بچوں کی طرح جلد جلد اور گھبرا کے نہیں بلکہ اطمینان کے ساتھ اور مقدار میں کم پیتے تھے جس سے آپ کے صبر و سکون کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا۔

علی ہذا بول و براز کی یہ کیفیت تھی کہ ضرورت کے وقت ایسی جگرگداز آواز سے اشارہ فرماتے تھے کہ دایہ خبردار ہو جاتی تھی۔ اور با احتیاط تمام رفع ضرورت کراتی تھی۔ چنانچہ آپ کا بستر اور لباس وغیرہ ہمیشہ صاف۔ اور نجاست آلود ہونے سے محفوظ رہتا تھا۔ اور بوقت رفع حاجت چہرہ اقدس پر حجاب آمیز کیفیت طاری ہوتی تھی۔ اور اس وقت آپ سر اظہر مجھکا پتے تھے۔

یہی غیر معمولی صورت سونے کے وقت دیکھی گئی ہے کہ اول تو آپ سوتے بہت کم تھے اور جو کچھ سوتے تھے۔ وہ بھی غفلت کی نیند نہیں بلکہ بیدار خوابی کی صورت میں کچھ عرصہ تک آنکھیں بند رہتی تھیں۔ اور جب بیدار ہوتے تھے تو چہرہ سے نہ نیند کا خمار معلوم ہوتا تھا اور نہ آنکھوں پر غنودگی کا اثر۔ اور آپ ہمیشہ ہنستے ہوئے بیدار ہوتے تھے۔

نہ تمام بچوں کی طرح آپ روتے تھے۔ بلکہ زیادہ خاموش رہتے تھے۔ اور اکثر خاموشی کے وقت چہرہ اقدس کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ اور آنکھوں سے انتظار کی کیفیت نمایاں ہوتی تھی۔ اور جب تک آپکی یہ حالت رہتی تھی۔ دیکھنے والوں کو اس کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اپنی جانب مخاطب کریں۔ بلکہ خود متحیر اور ششدر ہو جاتے تھے۔

اکثر شب ماہ میں آپ چاند اور ستاروں کو اس طرح بغور دیکھتے اور مسکراتے تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ قدرت الہی کی صنعت گونا گوں کی چشم حقیقت میں سیر کر رہی ہے۔ غرض یہ عجیب و غریب حالات و عادات دیکھ کر آپ کے معرازا آپ کی تعظیم کرنے لگے۔ اور جس قدر آپ کی عمر زیادہ ہوتی گئی اسی قدر آپ کے عادات کی غیر معمولی شان بڑھتی گئی اور اسی کے ساتھ مزاج ہمایوں میں آزادی اور بے پروائی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ حتیٰ کہ

جب آپکی عمر شریف قریب پانچ سال کے ہوئی تو حضور کی دادی صاحبہ نے بسم اللہ کی تقریب نہایت اولوالعربی سے کی۔ اور مطابق رواج خاندانی ایک قابل معلم آپ کی تعلیم کے واسطے مقرر کیا۔ جو طبیعت کو عادی کرنے کے خیال سے وقتاً فوقتاً قاعدہ بغدادی پڑھاتا تھا اور زیادہ وقت آپ کے ساتھ کھیلنے میں صرف کرتا۔

کھیل بھی آپ کے ایسے تھے جن میں حقانیت کی صفت اور لہبیت کی شان تھی۔ اور جن سے بچنتی جو دو سخا۔ مہر و عطا کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ کھیل کی صورت میں آپ کا ایک مشغلہ یہ تھا کہ ٹوکئی نامی ایک حلوانی تھا۔ اس سے روزمرہ آپ شرنی خرید فرما کر بچوں کو تقسیم کرتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی برسبیل تذکرہ آپ کے عہد طفولیت کا ذکر آگیا تو اکثر حضور نے متبسم لبوں سے یا رشا فرمایا ہے کہ ہم بچپن میں دادی کے صندوقچہ میں سے اشرفی یا روپیہ۔ جو مل جاتا۔ نکال لاتے تھے۔ اور ٹوکئی کو دے کر یہ فرمائش کرتے تھے کہ اس کا ایک بتاشام کو بنا دو وہ ایک بتاشہ سیننی کے برابر بنا دیتا تھا۔ ہم اس کو توڑ توڑ کر لڑکوں کو تقسیم کرتے تھے۔ اور دادی کو جب یہ خبر ہوتی تھی۔ تو وہ بجائے خفا ہونے کے خوش ہوتی تھیں۔

یہ بھی مستند حضرات نے اپنے بزرگوں کا مقولہ بیان فرمایا ہے کہ اکثر حضور قبلہ عالم بچوں کو اپنے پاس بٹھا کر کھیل کے پیرایہ میں دنیا کی مذمت اور محبت الہی کی ہدایت فرماتے تھے۔ اور یہ بھی آپ کا مخصوص مشغل تھا کہ محلے کے غریبوں کو نقدی بھی تقسیم کرتے تھے۔ اور جب محتال کو اپنے اوڑھنے اور پہننے کے کپڑے دیدیتے تھے تو بہت زیادہ خوش ہوتے تھے۔

آپ کے یہ جلیل القدر عادات۔ جنکا کھیل کے پردہ میں اظہار ہوتا تھا۔ ان کو نظر غائر سے دیکھا جائے تو بغیر کسی تاویل کے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اوائل عمر سے آپ نے بال دنیا کو تنفر کی نظر سے دیکھا۔ اور بجائے اس کے کہ خود کوئی فائدہ اٹھائیں۔ اس کو معصوم بچوں۔ اور اہل حاجت پر تقسیم کیا۔ کیوں کہ آپ کے والدین کا متروکہ جو بہت قیمتی سرمایہ تھا۔ اس کے مالک فی الحقیقت آپ تھے۔ مگر اس غیور وارث ارث رضوی نے اس کو اپنی ملک میں رکھنا پسند

نہیں کیا، بلکہ اس سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچایا۔ اور خود ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“
پر عمل فرمایا۔

حضور کی صغیر سنی کے یہ مشاغل جو بظاہر کھیل کی شکل میں تھے، مگر درحقیقت یہ آپ کے علوی
مرتبیت کی نشانیاں اور آپ کے عشق کامل کے جلوے تھے۔ کیونکہ بچوں پر بزرگانہ شفقت کرنا خلق اللہ
کے ساتھ محبت اور بے غرض سلوک اور ان کی تکلیف کو رفع کرنا۔ مال دنیا سے متنفر ہونا معمولی
باتیں نہیں ہیں بلکہ آپ کی عظمت و جلال کی بنیادیں ہیں۔ کیونکہ حضرات صوفیہ کرام نے بالانفاس
فرمایا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے عاشق صادق کی مخصوص علامت یہ ہے کہ مخلوق خدا کو رحم
کی نظر سے دیکھے اور ان کی مشکلوں کو رفع کرے۔ اور ان کا ہمدرد اور سچا ہی خواہ ہو۔

چنانچہ مصر کے مشہور محدث اور فقیہ اور صوفی امام ابوالمواہب عبد الوہاب شمرانی علیہ الرحمۃ
نے اپنی مستند کتاب ”طبقات الکبریٰ“ جلد اول کے آخر حصہ میں شیخ داؤد کبیر بن ماخلاً علیہ الرحمۃ کا جو
ساتویں صدی کے بلند پایہ صوفی تھے یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ”وَكَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ مَنْ
أَحَبَّ اللَّهُ تَعَالَى أَحَبَّ كُلِّ مَا كَانَ مُسَبَّبًا مِنْهُ“ یعنی جسکو اللہ کی محبت
ہوگی وہ اس ہر چیز کو جس کا سبب وہ اللہ ہے دوست رکھے گا۔

چونکہ محبت کا خاصہ ہے کہ جس چیز کو محبوب کے اضافی نسبت بھی ہوگی۔ گودہ چیز حقیر یا کثیف
یا تکلیف رساں ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن غیب صادق کی نظریں بجائے تحقیر کے اس کی توقیر ہوتی ہے
اور اس کثیف چیز کو لطیف اور اس کی تکلیف رسائی کو راحت جاودانی جانتا ہے۔ محض اس خیال
سے کہ اس کو محبوب سے نسبت ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ مجنوں نے سگ لیلیٰ کی پابوی کیا۔
چہ جائیکہ انسان جس کو حضرت احدیت جل جلالہ سے حقیقی نسبت ہے کہ اس کی قدرت
کاملہ کا بے مثل نمونہ۔ اس کی ضعف خاص کا مکمل مجموعہ حتیٰ کہ ”خَلَقَ آدَمَ عَلَىٰ صُورَتِهِ“
کے طرہ امتیاز سے آراستہ اور ”نَفَخَتْ فِيهِ مِنْ رُوحِي“ کے شرف اختصاص کو
سر فراز ہے۔ اور درحقیقت جو اسرار الہی کا خزانہ۔ اور انوار حضرت واجب الوجود

کا آئینہ ہے۔ اس کی تکلیف و راحت کا خیال تو عاشقانِ شاہِ ہستی کا مخصوص نصب العین ہے۔ صرف اس نسبت سے کہ مجسمہ عنایت ایزدی کی دلپذیر تصویر ہے۔ اسی کو حضرت شیخ داؤد کبیر علیہ الرحمۃ نے مجھلا فرمایا کہ جو چیز محبوب سے منسوب ہو اس کو عاشق صادق دوست رکھتا ہے۔

بھی راز حضور کے متاعل مذکورہ میں مستتر تھا۔ کیونکہ آپ ازل سے سالک مسلک عشقِ حقیقی ہیں۔ اس مناسبت سے دنیا میں آکر پہلا کام وہی کیا جو عاشقوں کا خاصہ ہے کہ خلق اللہ کی ہمدردی پر آمادہ ہو گئے اور جس کی جو حیثیت تھی اس کی اسی اعتبار سے امداد فرمائی۔ بچوں کو بزرگانہ شفقت سے شیرینی کھلائی۔ مساکین کے ساتھ بے غرض سلوک کیا۔ جن کے قلوب اصلاح پذیر تھے ان کو محبت الہی کا سبق دیا۔ چنانچہ دیکھا ہے کہ آپ کی سفر سنی کے صحبت یافتہ اکثر صاحب دید و یافت اور فائز المرام ہوئے ہیں۔ الحاصل یہ حضور کے عشق کامل کی ایک صفت لازمہ تھی جس کو ہم کھیل کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

الغرض اس عاشقِ یزداں کی عمر شریف جب اس قابل ہوئی کہ باقاعدہ تعلیم ہو تو آپ کی دایا صاحبہ نے جو حضرت امیر علی شاہ صاحب سجادہ نشین حضرت شاہ ولایت محمد عبد المنعم قادری کنز المعرف علیہ الرحمۃ کی خوش عقیدہ مرید تھیں یہ تجویز فرمایا کہ میں اپنے پوتے کو قرآن شریف اپنے پیر و مرشد پر پڑھواؤں گی۔ تاکہ موجب برکت ہو۔

تعلیمِ علومِ ظاہری | چنانچہ جناب شاہ فضل حسین صاحب دار فنی زریب سجادہ حضرت شاہ ولایت محمد عبد المنعم قادری کنز المعرف فرماتے تھے کہ جب آپ کی جدہ مکرمہ نے بہ افقنائے خلوص و عقیدت اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا تو چچا صاحب نے ان کی یہ خواہش اس وجہ سے بخوشی منظور فرمائی کہ ان کو بھی خاص طور پر حضور قبلہ عالم سے محبت تھی۔ اور اکثر فرماتے تھے کہ یہ صاحبزادے خلق خدا کے بہت بڑے رہنما ہوں گے۔ اور تمام عالم میں ان کے نام کا ڈنکا بجے گا۔

الحاصل چچا صاحب سے آپ نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ روزانہ اس انوکھی شان سے آپ تشریف لاتے۔ کہ بڑی تقطیع کا قلمی اور حجم کلام مجسمہ چند جز والوں میں گردانا ہوا

سر پر رکھے اور دونوں ہاتھوں سے اُس کو پکڑے ہوئے۔ قریب آکر مقبضت لبوں سے چچا صاحب کو سلام کہتے تھے۔ یہ ادا دیکھ کر وہ فرماتے تھے کہ مٹھن میاں اتنا بڑا قرآن شریف کیوں لاتے ہیں لیکن آپ ہی قرآن اور اسی صورت سے لاتے۔ اور سبق پڑھ کر اسی شان سے مکان واپس جاتے تھے اور پھر مکان پر مٹھانہ نہیں کرتے تھے بلکہ دستوریہ تھا کہ گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر کسی گہرے خیال میں محاورے مستغرق رہتے تھے مگر انہی خدا داد و ذہانت سے دو سال کے اندر آپ حافظ قرآن ہو گئے۔ اور بعض ابتدائی کتابیں بھی نکل گئیں۔

لیکن آپ کی جدہ مکرمہ کا یہ خیال تھا کہ میرے تیم پوسے کی تعلیم مکمل اور وسیع پیمانہ پر ہو۔ اسی لحاظ سے محدودہ مدوحہ نے آپ کو ہمیشہ قابل متعلمین کے سپرد فرمایا۔ جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے بعض معلموں کے اسمائے گرامی بصرحت لکھے ہیں۔ مگر یہ قول بہت مستند ہے کہ مولوی امام علی صاحب علیہ الرحمۃ ساکن قصبہ سترکہ ضلع بارہ بنکی نے بھی جن کا اس دیار میں مقدس اور برابر بزرگوں میں شمار تھا۔ حضور قبلہ عالم کو ابتدائے کتب درسیہ کی تعلیم دی ہے۔ کیونکہ غلامہ دیگر مستند روایات کے خود حضور نے اکثر فرمایا ہے کہ مولوی امام علی صاحب نے ہم کو اس طرح پڑھایا کہ جب ہم پڑھتے تھے۔ تو نہایت شفقت سے پڑھاتے تھے اور جس وقت ہمارا دل گھبراتا تھا تو کہتے تھے کہ جاؤ کھیلو۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ مولوی امام علی صاحب نے ہم کو یاد بنا لیا تھا کبھی ہمارے واسطے جنگ بناتے تھے کبھی شاہان سلف کے واقعات بطور قصہ اس لئے بیان کرتے تھے کہ ہمارا دل بہلتے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مولوی امام علی صاحب خود بزرگ شخص تھے مگر ہماری تعظیم کرتے تھے اور جب ہم کہتے تھے کہ مولوی صاحب آپ تو ہمارے استاد ہیں۔ یہ تعظیم کیسی تو کہتے تھے کہ ہا جبرائیل میں تو ظاہری علم کا معلم ہوں اور تم خلق اللہ کو باطنی علم کا سبق دو گے۔ جناب مولوی امام علی صاحب کا بزرگ اور استاد ہو کر ایک نو عمر شاگرد کی تعظیم کرنے کا خاص سبب یہ تھا کہ اول تو خواہل دل اور باطن شناس تھے۔ دوم حضور قبلہ عالم کے بعض عادات و واقعات ایسے عجیب و غریب دیکھے تھے کہ مولوی صاحب مدوحہ نے اکثر آپ کی دادی صاحبہ سے کہا کہ یہ صاحبزادے مکتب عشق کے سنیافتہ ہیں معلوم وہی نے وہ علم تفویض فرمایا ہے جو بغیر پڑھے اور پڑھائے آتا ہے۔ ان کو ظاہری تعلیم کی حاجت نہیں یہ دوسروں کو وہ سبق پڑھائیں گے جس کے سمجھنے میں انسان کا فہم و ادراک قاصر ہے۔

لیکن حضور کی وادی صاحبہ ہمیشہ ہی زمانی تھیں کہ مولوی بقدر امکان کوشش فرمائی اور جس قدر پڑھیں ان کو پڑھائے
اس تمیم کے آباؤ اجداد باوجود ذی شرف اور صاحب حقائق و معارف ہونے کے علوم ظاہری کے بھی کما حقہ ماہر تھے
یہ لڑکا انہیں کی یادگار بلکہ سید وارثہ کا چراغ ہے اس لئے میری خواہش یہی ہے کہ اس کی تعلیم میں کوتاہی نہ ہو۔
غرض مولوی صاحب موصوف کمال احتیاط بغیر تنہیہ اور تشدد کے نہایت دیکھ بھال سے آپ کو پڑھانے
تھے۔ اور حضور کو بھی پڑھنے کا شوق تھا مگر اضطراب طبیعت کی وجہ سے دیر تک مسلسل نہیں پڑھتے تھے لیکن
ذہانت کے ساتھ چونکہ قوت حافظہ بھی تھی۔ اسی لئے دو چار مرتبہ پڑھتے سے سبق یاد ہو جاتا تھا۔

چنانچہ معمر حضرات کی مستند روایات سے ثابت ہے کہ اسی دوران میں جو لوازمات عشق باقی
تھے ان کا بھی اظہار ہوا کہ منور آپ کی عمر شریف سات یا آٹھ یا بر دایتے دس سال کی تھی کہ حقیقی کرشمہ ساز
شاہد بے نیاز کو یہ مشارکت بھی ناپسند ہوئی کہ جدہ مکرمہ کے سایہ عاطفت میں آپ کی نشوونما ہو۔ لہذا حسب
تقاضا منور آپ کی وادی صاحبہ نے اس دار فانی سے عالم جاودانی کا سفر فرمایا۔ اور بجز اس کے "العشق
نادر تحرق ما سوی المحبوب" تعلقات موجودات سے انقطاع قطعی ہوا۔ بقول مولانا علیہ الرحمۃ
عشق آل شعلہ است کہ چون بر فروخت ہر چیز معشوق باقی جملہ سوخت

اب بجز ذات خالق کائنات بظاہر کوئی شفیق نگران حال نہ رہا۔ اس لئے دیوی شریف کا قیام مناسب
نہ سمجھا۔ اور آپ کے حقیقی بہنوئی حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ آپ کو لکھنؤ لائے
اور تسلیم کا سلسلہ بدستور قائم رکھا۔ بلکہ علاوہ دیگر استادوں کے بعض کتابیں آپ نے حضرت
بلند شاہ صاحب قدس سرہ الغریب سے بھی پڑھیں اور خود حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب نے بھی جو
مولانا شاہ عبدالغریب صاحب محدث دہلوی کے فارغ التحصیل شاگرد تھے آپ کو نہایت دیکھ بھال سے پڑھایا۔
لیکن کسی مستند روایت سے بصراحت یہ نہیں معلوم ہوا کہ اس ہفت سالہ تعلیم کا آخری نتیجہ کیا ہوا
اور بظاہر کہاں تک آپ نے پڑھا۔ کیونکہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فراغ حاصل کیا بعض
کا قول ہے کہ کتب درسیہ قریب اختتام تھیں کہ جوش عشق نے بیقرار کیا۔ اور اکثر اوقات استغرائی
حالت رہنے لگی۔ چنانچہ سلسلہ تعلیم منقطع فرما کر آپ نے سیاحت ملک عرب کا قصد کیا بلکہ بعض

مترشدین کا یہ بھی خیال ہے کہ آپ نے چند ابتدائی کتابیں پڑھ کر مبصداق
 ما یقمان کوئے دلداریم رُخ بدینا و دین نمی آریم
 تعلقات دنیا سے احراز فرمایا اور ۱۲۵۳ھ ہجری میں زیارت حرمین شریفین کے شوق میں حضور نے پایادہ سفر کیا۔

لیکن حضور قبلہ عالم کے بعض حالات اور اکثر ارشادات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو
 علم ادب میں عبور اور تفسیر و حدیث میں کافی دستگاہ تھی۔ بلکہ علاوہ علم شریعت کے دیگر علوم و فنون
 کے بھی آپ ماہر تھے۔ مثلاً آپ نے ابتدائی تعلیم کا یہ قصہ اکثر بیان فرمایا ہے کہ جب ہم نے کافیہ
 شروع کیا اور مولوی صاحب نے کہا پڑھو۔ ”الکَلِمَةُ لَفْظٌ“ تو ہم نے کہا کہ جب کلمہ ایک لفظ ہے
 تو اس کا پڑھنا فضول ہے۔ ایک لفظ پڑھ کر ہم کیا کریں گے۔ اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ
 آپ نے عربی میں نحو شروع کی۔ اور سبق کے طور پر کافیہ پڑھا۔

علیٰ ہذا ایک مرتبہ کا یہ واقعہ ہے کہ حضور قبلہ عالم بانگی پور میں بسٹس مولوی سید شرف الدین
 دارنی کے یہاں تھے کہ مولوی لطافت حسین صاحب دارنی متوطن شیخپورہ ضلع مونگیر جو ادب اور محنت
 میں کمال دستگاہ رکھتے تھے۔ عربی میں ایک مطول قصیدہ کہہ کر لائے۔ ہنوز دو یا تین شعر پڑھے تھے
 کہ حضور نے قصیدہ ان کے ہاتھ سے لے کر بے تکلف پڑھنا شروع کیا۔ اور وہ دقیق لغات اور
 استعارات جو مصنف موصوف نے نظم کئے تھے ان کی تعریف کی اور فرمایا تم نے بڑی قابلیت صر
 کی۔ ورنہ یہ محاورات اہل زبان ہی ادا کر سکتے ہیں۔

اس واقعہ سے حضور کی ادبی استعداد کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ایسا بلوغ قصیدہ جربتہ
 اور بغیر کسی تکلف کے اس روانی کے ساتھ پڑھنا اور لغات عرب سے کماحقہ آگاہی۔ اور محاورات
 عرب سے اس قدر واقفیت بجز نشہی اور وسیع النظر شخص کے ہو نہیں سکتی۔

یا کبھی بہ سبیل تذکرہ کسی ایہ کریمہ کا ذکر آگیا۔ تو آپ نے بامحاورہ الفاظ میں اس کا ترجمہ کیا۔ او
 مسہ شان نزول اس کی تفسیر بیان کی۔ اور دیگر مفسرین کے اقوال سے استنباط فرمایا۔ بلکہ وہ رموز و
 نکات بیان کئے جن کا علم سامعین کو پہلے نہ تھا۔

ایک مرتبہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی اور حافظ احمد شاہ صاحب وارثی کے مکرر اصرار سے حضور قبلہ عالم کی جناب میں اس بچہ نے یہ عرض کیا کہ فضل صحابہ اور فضل اہلبیت میں کیا فرق ہے۔ ارشاد ہوا کہ اس مسئلہ میں صوفیائے کرام کے ساتھ قریب قریب جملہ متقدمین علماء و عظام کا اتفاق ہے کہ اصحاب رسالت مآب صلعم کی تعظیم واجب ہے۔ اور اہلبیت رسول اللہ کی محبت فرض ہے (اور یہ آیہ مودت "قُلْ لَا اسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اجْرًا اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی" کی تلاوت فرمائی۔ پہلے لفظی ترجمہ سمجھایا۔ بعدہ مع شان نزول اس کی تفسیر میں عرصہ تک سموز و نکات بیان فرمائے۔ ایک مرتبہ چودھری لطافت حسین صاحب وارثی رئیس رام دانہ ضلع ستیا پور کے یہاں حضور مہمان تھے اور یہ نجیف بھی ہمراہ رکاب تھا۔ اور ایک مولوی صاحب بھی جو شاہد اہل حدیث تھے۔ پہلے سے وہاں مقیم تھے۔ انہوں نے اپنے خیال کے مطابق رسول مقبول صل اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلیل القدر شان میں آیہ "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ" کے حوالے سے مساوات ظاہر کی۔ یہ سن کر وہاں کے دیگر حضرات نے بھی اختلاف کیا۔ اور میں نے بھی دیر تک مولوی صاحب اس مسئلہ میں گفتگو کی۔ مگر مولوی صاحب نے کسی کا عذر منظور نہ کیا۔ جب اس مباحثہ کی اطلاع حضور کو ہوئی تو فرمایا کہ بجائے اس بحث کے مولوی صاحب اسی قدر کہ دنیا کافی تھا کہ آپ کی پیش کردہ آیہ کریمہ کی دوسری صحیح قرأت فار بالفتم یعنی "مِنْ اَنْفُسِكُمْ" ہے جو آپ کے دعویٰ کے صحیح منافی ہے۔ یہ واقعات شاہد ہیں کہ آپ کو علم قرأت و تفسیر میں کافی مہارت تھی۔ اور مفسرین کے اقوال از بر تھے جو آپ کی فطری ذہانت اور قوت حافظہ کی بین دلیل بھی ہے کہ بارہ چودہ سال کی عمر میں جو پڑھا تھا۔ اور پھر کبھی درس تدریس کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور انہی سال کی عمر میں اس کو بیان کر دیا۔ معہذا اگر کبھی کسی حدیث کا ذکر آگیا تو بغیر عذرت و تامل بحوالہ اسرار الرجال اس کی صحت یا عدم صحت میں آپ نے برجستہ گفتگو کی۔ اور دوسری حدیث سے استدلال فرما کر اس مسئلہ میں ایسا مختصم فیصلہ کیا جس سے سامعین مطمئن ہو گئے۔

ایسا بھی ہوا کہ کسی اختلافی مسئلہ کو حضور سے دریافت کیا بلکہ مال شرح و بسط آئمہ مجتہدین

کے اقوال کا حوالہ دے کر فرمایا کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب ہے۔ اور امام شافعی کی یہ رائے ہے۔ اور حضرت صوفیہ یہ فرماتے ہیں۔

یہ بھی دیکھا ہے کہ حضور قبلہ عالم اہل عرب سے سلسلے عربی میں اور اہل ایران سے بے تکلف اور روانی کے ساتھ فارسی میں باتیں کرتے تھے۔

الحاصل اس مضمون کے واقعات بکثرت ہیں۔ جنکو یہ نظر غائر دیکھا جائے تو آپ کے فاضلہ ارشادات سے آپ کے علمی تبحر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ علوم ظاہری میں در فارغ التحصیل اور صاحب تحقیق اور وسیع النظر تھے۔ کیونکہ آپ کی معلومات بجائے خود ایک محقق عالم کی حیثیت رکھتی ہے۔

بہر کیف آپ نے فراغ حاصل کیا یا قریب فراغ آپ کی تعلیم ہوئی۔ اس میں نہ بحت کی ضرورت ہے اور نہ ہمارا یہ نشار ہے کہ آپ کی ظاہری تعلیم کا جو معیار ہو۔ اسی اعتبار سے آپ کے تبحر اور تحقیق کا اندازہ کریں۔ اس لئے کہ حضرات صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے بالاتفاق اور مسلمہ طور پر فرمایا ہے کہ مقربین بارگاہ حضرت اہدیت بل جلالت کو اس وجہ سے علوم ظاہری میں بھی پوری واقفیت بلکہ کامل عبور ہوتا ہے کہ جب سرکار مبدیہ فیاض سے ان کو علم باطن جس کو اصطلاحات صوفیہ میں عنایت وہی ہے۔ اور تشریف ازلی کہتے ہیں تفویض ہوتا ہے تو وہ برگزیدہ حق ظاہری درس و تدریس کے محتاج نہیں رہتے۔ بلکہ بغیر تعلیم و تربیت مشق و فراڈلت۔ بچہ ترقوت علم معنوی۔ جملہ علوم و فنون پر حاوی اور متصرف ہو جاتے ہیں۔ اور بوقت ضرورت۔ جب ان علوم و فنون کا ذکر آجاتا ہے۔ تو ایسی تصریح اور تشریح سے ان کی توجیہ فرماتے ہیں۔ کہ ان علوم و فنون کے بہترین ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ علوم و فنون اگر بشا بہ جسم ہیں۔ تو باطنی علم بمنزلہ روح کے ہے عالم علم ظاہر اہل دنیا ہیں۔ اور ماہر علم باطن اہل دل اور محبوبین حضرت ذوالمنن ہیں۔ بقول مولانا علیہ الرحمۃ۔

علمہائے اہل دل جمال شان علمہائے اہل تن اہمال شان

علم چوں بر دل زندیاریے شود علم چوں بر تن زندیاریے شود

گفت ایزد یحییٰ حمل اسفادہ بار باشد علم کان نبود ز ہو
 خویش را صافی کن از اوصاف خود تا بہ بینی ذات پاک صاف خود
 بینی اندر دل علوم انبیاء بے کتاب دے بے معید اوستا
 بے صحیحین و احادیث و روایات بلکہ اندر مشرب آب حیات

چنانچہ حضرات صوفیائے کرام نے علم کے اقسام و مدارج میں بحال صراحت فرمایا ہے
 کہ علم کی تین قسمیں ہیں۔ اول علم شریعت۔ جس کے قواعد و ضوابط اور جہت سفینہ ہیں۔ اور تحصیل
 اُس کی مشق اور کوشش پر موقوف ہے۔ جس کی تکمیل سے دینی معاملات اور دنیوی ضروریات
 کا انکشاف اور ہدایت و ضلالت کا امتیاز ہوتا ہے اور اُس کا عُن و کمال۔ درستی اقوال و
 احوال ہے۔

دوم۔ علم طریقت۔ جو تعلق رکھتا ہے تکمیل صفات نفسانیہ و روحانیہ سے جہت تخلق
 بہ اخلاق الہی۔ اُس کا معلم مرشد کمال ہوتا ہے۔ اور اس کی تعلیم بغیر تحریر و تقریر ہوتی ہے۔
 اور اس کا متعلم بے قوت چشم و گوش پڑھتا اور سمجھتا ہے۔ اسی علم کی نسبت مولانا علیہ الرحمۃ
 فرماتے ہیں۔

آل طرف کہ عشق می افزود درد بو حنیذہ شافی در سے نگر

سوم۔ علم حقیقت۔ یہ علم عین معرفت حق ہے۔ اس علم کے ذریعہ سے سالک
 اسماء و صفات، حقائق و معارف حضرت رب قدیر و قدیم سے آگاہ ہوتا ہے۔ جس کے
 حصول کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ سالک کو بغیر استدلال و برہان صرف مشاہدہ اور
 اعیان سے یہ علم حاصل ہوتا ہے۔ اس کو علم ذوقی و کشفی کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے
 کہ بے تامل و تکلف اور بغیر واسطہ و وسیلہ پروردگار عالم کی جانب سے یہ علم حاصل
 ہوتا ہے۔ اُس کو علم وہبی و لدنی کہتے ہیں۔ اس علم کی نسبت یہ کہنا صادق آتا ہے۔

علم آں باشد کہ جان زندہ کند مرد را باقی و پایندہ کند

حضرات عارفین اسی علم کے عالم۔ اور اسی علم کے برکات اور اثرات سے جملہ علوم و فنون پر قادر و متصرف ہوتے ہیں۔

چنانچہ دیکھنا یہ گیا ہے کہ حضور قبلہ عالم علاوہ علم شریعت کے جس کی بظاہر تعلیم ہوئی تھی دوسرے ان فنون پر بھی حاوی۔ اور ان کی حقیقت سے کما حقہ خبر دار تھے جن کی تحصیل کا نہ کسی روایت میں ذکر ہے اور نہ کوئی قرینہ ہے۔ مگر جب کبھی ان فنون کا تذکرہ آگیا تو ان کے اصول و قواعد ایسی صراحت و وضاحت سے بیان فرمائے کہ ان فنون کے ماہرین نے اقرار کیا کہ آپ کو کافی مہارت اور کامل دستگاہ ہے جس کی وجہ یہی تھی کہ آپ کو وہ علم بجانب اللہ تفویض ہوا تھا جو تمامی علوم و فنون کی اصل ہے اور جس کا عالم جملہ علوم و فنون پر قادر اور متصرف ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ یہ تحقیق کیا جائے کہ علم ظاہری میں آپ نے تکمیل فرمائی یا نہیں۔

بیعت طریقت | الغرض یہ روایت متواترات سے ہے کہ چھ سات سال مسلسل آپ کے اعزاز نے علوم ظاہری کی تعلیم میں پورا اہتمام فرمایا لیکن جس قدر آپ نے تعلیم میں ترقی فرمائی اسی قدر جوش و عشق روز افزوں ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ قریب قریب ہر وقت وجدانی حالت اور استغرائی کیفیت رہنے لگی۔ طبیعت تنہائی پسند ہو گئی۔ اکثر غیر آباد مقامات میں آپ تمام شب ذکر و تہجد میں مصروف رہتے تھے۔ جب حضرت حاجی خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے مزاج ہمالیوں کو فقر کی جانب زیادہ مائل دیکھا تو حسب سنت مشائخین عظام آپ کو سلسلہ قادریہ و چشتیہ میں داخل فرمایا۔ تو آپ کا سینہ بے کینہ جو ازل سے حقائق و معارف کا گنجینہ تھا۔ پیران طریقت کے فیضان سے اور زیادہ مصفا و مجلا ہو گیا۔ فراق شاہد حقیقی کے ناقابل برداشت اثرات کو اضطرابی کیفیت بڑھ گئی۔ رات دن بیقرار رہنے لگے۔

وصال حاجی خادم علی شاہ اسی دوران میں حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ صاحب علیہ الرحمۃ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ ہر چند مشہور اور مازق اطباء نے اتفاق رائے سے علاج میں بہت کوشش کی۔ مگر بجائے افادہ کے مرض میں یوماً فیوماً

ترقی ہوتی گئی۔ آخر وہ معمولی علالت بڑھ کر مرض الموت ہو گئی۔ اور تاریخ ۱۴ صفر المنظر
 ۱۲۵۲ھ ہجری کو جبکہ اظہر سے طائر روح پر فتوح نے پرواز کیا اور داخل جوار رحمت
 ایزدی ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

صبح کو علماء اور مشائخین اور شہر کے دیگر عابدین اور اعزاز اور مسترشدین
 جمع ہوئے۔ جناب اکبر شاہ صاحب اور بعض دیگر مقدس حضرات نے غسل دیا اور کمال
 تزک و احتشام جنازہ اٹھایا گیا۔ اور غلہ گولانچ میں سپرد مزار اقدس کیا گیا۔

بعض حضرات نے تاریخ وصال ۱۳ صفر ۱۲۵۳ھ ہجری تحریر فرمائی ہے۔ لیکن منشی
 شیخ بوعلی صاحب تعلقدار و رئیس دیوبند شریف حضرت خادم علی شاہ صاحب کے مخصوص حلقہ
 بگوش تھے۔ بلکہ ابتدائی علالت سے خدمت تیمارداری میں مصروف رہے۔ اور تاحیات بقید
 تاریخ مرشد برحق کا قفل کرتے رہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میری یادداشت میں لکھا ہے کہ ۱۴ صفر
 ۱۲۵۲ھ ہجری کو آپ کا وصال ہوا۔

رسم دستار بندی | تیسرے روز رسم فاتحہ خوانی ہوئی۔ روسا شہر اور مریدین و معتقین کے
 علاوہ علمائے دین و حضرات مشائخین کا مجمع ہوا۔ اور بعد فاتحہ خوانی کے رسم دستار بندی کا مسئلہ
 پیش ہوا۔ اور مولوی مناجان صاحب نے جو آپ کے لنگر خانہ کے مہتمم بھی تھے۔ تقریباً کشتی
 میں ایک دستار رکھ کر حضار جلسہ کے روبرو پیش کی۔ اور عرض کیا کہ آپ حضرت کو جو اس کا
 اہل معلوم ہو اس کو یہ خلعت مرحمت فرمائیں۔ چنانچہ نبیرہ حضرت غوث گویااری و نیز
 اکبر شاہ صاحب نے اس منصب کے واسطے حضور قبلہ عالم کو تجویز فرمایا۔ اور دیگر مشائخین
 نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور اس بگڑی کو حضور کے فرقہ انور پر مشائخین عظام نے
 اپنے مقدس ہاتھوں سے باندھا۔

یہاں تک دستار بندی کا واقعہ مستند روایات اور حضور قبلہ عالم کے ارشادات
 کے مطابق ہے۔ چنانچہ صاحب "مشکوٰۃ حقانیہ" نے صفحہ ۴۴ میں اسی مندرجہ بالا مضمون کو کسی

قدروصاحت کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ باوجود اس صراحت کے اصل واقعہ کے لحاظ سے یہ قصہ ہنوز نا تمام ہے۔ شاید پورے واقعات سے آپ کو اطلاع نہ تھی یا کسی مصلحت سے اس واقعہ کا آخری حصہ نظر انداز کیا گیا۔ کیونکہ حضور قبلہ عالم نے یہ قصہ تمام و کمال اور متواتر ارشاد فرمایا ہے جس سے خدام خاص اور دیوبندی شریفین کے ممتاز حضرات اور دیرینہ حلقہ بگوش کا حقدہ واقف ہیں۔

علی ہذا رسالہ "جلوہ وارث" کے قابل مولف حکیم صفدر علی صاحب دارنی نے صفحہ ۶۰ میں اس واقعہ دستار بندی کی دو صورتیں دکھائی ہیں۔ ایک صورت تو وہی نا تمام صورت ہے جو صاحب "مشکوٰۃ حقانیہ" نے نقل فرمائی ہے کہ بروز سوم مقدس اور برگزیدہ مشائخین نے حضور قبلہ عالم کے فرقہ انور پر گڑھی باندھی اور دوسری جدید صورت مولف موصوف صفحہ ۱۱ میں یہ ارقام فرماتے ہیں کہ "بمقابلہ مولف و نیز دیگر صاحبان مثل شیخ حسین صاحب نمبر وار موضع سادہ ضلع بارہ نکی حضرت سلطان الاولیاء نے تذکرہ خلافت فرمایا کہ۔ سنا سنا بوقت خرقہ پوشی ہم کو دیکر تے پہنائے گئے۔ ایک قادریہ دوسرا پشتیہ جب میں بازار کی سمت نکلا ایک کرتے کبابچی کو دے کر کباب کھالیا۔ اور دوسرا حلوانی کو دے کر شیرینی کھالیا۔

ترکیب عبارت کے قطع نظر چونکہ لفظ کرتے پوشی قبل اس کے نہیں سنی تھی۔ اس جہت سے غیر مانوس ضرور معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ جملہ دیرینہ حلقہ بگوش۔ اور بارگاہ وارنی کے زیادہ حاضر باش اور دیوبندی شریفین کے مقتدر رئیس۔ اور قدیم خدمت گزار۔ بلکہ خدام خاص جو آج بقید حیات ہیں ان کے کان لفظ کرتے پوشی سے آشنا نہیں ہیں حالانکہ یہ واقعہ دستار بندی انہوں نے حضور قبلہ عالم کی زبان مبارک سے متواتر سنا ہے۔

لیکن اتفاق سے مولف موصوف کی نقل کردہ اس روایت کے بھی بعض الفاظ اس صحیح اور مستند روایت کے مخصوص مضامین سے ملتے ہیں جو ذیل میں نگارش کرتا ہوں۔

جناب شاہ فضل حسین صاحب دارنی زینب سجادہ حضرت شاہ محمد عبدالمنعم قادری کنز المعرفت

علیہ الرحمۃ۔ جو دیوبند شریف کے معمر اور ممتاز اور ذی وجاہت بزرگ۔ اور حضور قبلہ عالم نے قدیم خد
 حلقہ بگوش نے۔ اس تقریب دستار بندی کی نسبت اکثر فرمایا ہے کہ بھائی شیخ غلام علی صاحب عرف گھیٹے
 میاں جو حضور قبلہ عالم کے ہم مکتب اور ساتھ کھیلنے والوں میں تھے۔ اپنے والد کے ہمراہ سیدی
 حضرت حاجی خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے فاتحہ سوم میں لکھنو گئے تھے۔ چونکہ گھیٹے میاں سچوٹی
 اور بچپن سے بے تکلف تھے۔ بعد رسم دستار بندی کے حضور سے کہا کہ اس وقت کباب کھانے کو
 دل چاہتا ہے حضور نے کبابی سے چار پیسے کے کباب خرید فرمائیے۔ جب کبابی نے پیسے طلب کئے
 تو آپ نے فرمایا کہ پیسے تو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ کبابی نے کہا اگر پیسے نہیں ہیں تو ان کی عوض کوئی اور
 چیز دیدیجئے حضور قبلہ عالم نے وہی دستار جو کمال اہتمام آپ کے سر اقدس پر باندھی گئی تھی اتار کر کبابی
 کو دیدی۔ اور فرمایا کہ اپنے پیسوں کے بجائے یہ لے لو۔ کبابی یہ خلعت فاخرہ پاکر مسرور ہو گیا۔ اور
 اس دستار کو حزر جان بنایا۔

حقیقت یہ ہے کہ عاشقان جانناز کا خاصہ ہے کہ اسباب نمود و نمائش سے ہمیشہ احتراز قطعی فرما
 ہیں۔ اور ماسوائے شاہد حقیقی موجودات سے مستغنی اور بے نیاز ہوتے ہیں۔ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ
 گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی است
 اسیر بند تو از ہر دو عالم آزاد است

بلکہ اس نجیف نے بھی اس معمر کبابی کو اپنی صغریٰ میں دیکھا تھا۔ اور اس کا تذکرہ حضور قبلہ عالم
 سے بھی عرض کر چکا تھا کہ میں اس خوش نصیب کبابی کا روشناس ہوں۔ اس لحاظ سے میری حاضری کے وقت
 جب اس کبابی کا ذکر آتا تھا تو حضور مجھ سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے کہ شیدا تم نے تو اس کبابی کو دیکھا ہے۔
 چنانچہ جس زمانہ میں بھبت کثرت صفت قرب و جوار کی بھی سیاحت موقوف فرما کر حضور
 دیوبند شریف میں قیام پذیر تھے۔ تو ایک روز مستر شین کا مجمع تھا حضور قبلہ عالم نے ٹھاکر
 پنجم سنگھ صاحب دارنی رئیس ملاؤلی ضلع مین پوری سے جو آج وقار شاہ کے ممتاز خطاب سے
 موصوف ہیں۔ مخاطب ہو کر فرمایا کہ ٹھاکر حاجی خادم علی شاہ (علیہ الرحمۃ) کے سوم میں جب لوگ
 جمع ہوئے تو مولوی مناجان نے ہم سے کہا کہ آج تمہارے پگڑی بندھے گی۔ ہم نے کہا کہ پگڑی ہوگی

کا جھگڑا ہم نہیں جانتے۔ انہوں نے دکھایا کہ کشتی میں ایک بگڑی اور بہت سے روپیہ رکھے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم نے دل میں کہا کہ یہ نقد مال ہاتھ آئے گا تو خوب خرچ کریں گے۔ لیکن محفل میں لا کر بگڑی تو ہمارے سر پر باندھ دی گئی۔ اور وہ روپیہ گھر میں بھیج دیئے گئے۔ جب قوالی ہونے لگی تو ہم اٹھ کر چلے آئے گھیسٹے نے کہا چلو کباب کھائیں۔ ہم نے چار پیسے کے کباب لئے۔ کبابی نے پیسے مانگے۔ تو ہم نے بگڑی اتار کر دے دی اور کہا اپنے پیسوں کے بدلے میں اس کو لے لو۔ گھر میں آئے۔ اور ہمیشہ ہر نے یہ حال سنا تو کہا معلوم ہو گیا کہ تم سید واڑہ کا نام خوب روشن کرو گے۔

غرض حضور قبلہ عالم کی دستار بندی کا واقعہ بھی اپنی نوعیت میں یگانہ ہے۔ اور اس قدر مشہور ہے کہ ارباب دیوبند شریف تو اپنے بزرگوں سے سن کر عام طور واقف ہیں۔ اور غلامانِ وارثی میں وہ اراکمند جن کو دیرینہ شرف حضوری حاصل ہے۔ یا جن کو سعادت آستان بوسی اکثر نصیب ہوتی تھی اور شرف حاضری سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے تو خود حضور کی زبان فیض ترجمان سے یہ قصہ بالتفصیل اور متواتر ضرور سنا ہوگا۔ کیونکہ اکثر حضور اپنی دستار بندی کا واقعہ بیان فرماتے تھے۔ اور کبابی کا ذکر تو ایسے حجاب سے آگیاں انداز اور متبسم لبوں سے کرتے تھے کہ شانِ محبوبیت کا اظہار ہوتا تھا۔

سلسلہ رشد و ہدایت لیکن جس طرح چار پیسے کے عوض گراں بہا خلعت دے کر کبابی کی پرورش فرمائی۔ اسی طرح خاص و عام کی امداد و دستگیری آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ اگر غربا و مساکین کے ساتھ مالی سلوک کرتے۔ تو طالبینِ حق کی رہنمائی اور بحال شفقت ان کو محبت الہی کی ہدایت فرماتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی قلیل عرصے میں سینکڑوں اراکمند داخل سلسلہ ہوئے اور بعض خوش نصیب آپ کے تصرفات سے صاحب دید و یافت ہو گئے۔ چنانچہ میر سے والد ماجد کو بھی اسی دوران میں تمغائے غلامی مرحمت ہوا۔ حالانکہ بظاہر وہ ذی استعداد اور بہت متشرع شخص تھے۔ اور عمر بھی اونتیس سال کی تھی۔ مگر ان کی ارادت کا عجیب قصہ ہے۔ چنانچہ والد ماجد نے اپنی ارادت کا واقعہ یوں بیان فرمایا ہے کہ حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی روحانی شخصیت کا چونکہ فہرہ تھا۔ اس لحاظ سے میں بھی بطور نیاز مندی

اُن کی تقریب سیوم میں شریک ہوا۔ بعد نماز خوانی کے دیکھا کہ نہایت وجہ اور غایت حسین ایک نو عمر صاحبزادہ کے سر اقدس پر مقتدر مشائخین نے بگڑی باندھی میرے دل پر اُن صاحبزادہ کی عظمت و جلالت کا غیر معمولی اثر ہوا۔ ارادہ کیا کہ مصافحہ کروں۔ مگر عرب حق ایسا سدرہ ہوا کہ قریب نہ جاسکا۔ اور مکان واپس آیا۔ لیکن اس کا یقین کائل ہو گیا کہ یہ صاحبزادہ برگزیدہ خدا ہیں۔ اور ان کے پردہ میں کوئی بڑی قوت کار فرما ہے۔

چند روز کے بعد انہیں صاحبزادے کو عالم رویا میں یہ فرماتے دیکھا کہ ”ہمارے پاس آیا کرو“ علی الصباح حصول قدمبوسی کے شوق میں گھر سے چلا۔ جب مسجد پل قصاباں کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہی صاحبزادے مسجد سے برآمد ہوئے۔ اور میرے سلام کا نہایت اخلاق سے جواب دے کر فرمایا کہ ”ٹھہرو ہم آتے ہیں“۔ تھوڑے عرصہ میں زمانی مجلس راتے سے دوڑ کر چرخی اور ایک کنگوا ہاتھ میں لئے تشریف لائے۔ اور کنگوا مجھ کو دے کر ارشاد ہوا کہ ”چھوڑائی دو“ حسب الحکم کنگوے کی ڈور پکڑ کر ہنوز دس پندرہ قدم گیا تھا کہ مسکرا کر فرمایا ”اب ڈور نہ چھوڑے“۔ اس مختصر جملہ کا میرے قلب پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ اشکبار قدموں پر گرا اور عرض کیا کہ شدت گیری فرمانے کہ میرے کمزور ہاتھوں سے آپ کی ڈور نہ چھوڑے۔ آپ بیٹھ گئے۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہو۔ ”ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا“ میں نے یہ جملہ ادا کیا تو آپ نے ہاتھ چھوڑ کر چند ہدایتیں کیں۔ اور فرمایا۔ جاؤ۔ دنیا کے طالب نہ ہونا۔ اور خدا کی محبت میں بندگان خدا کی بقدر امکان خدمت کرنا۔ اور قلب کی نگرانی۔ اور انفاس کے شمار سے غافل نہ ہونا۔ اور آپ مجلس راتے میں تشریف لے گئے۔

میں حسب ہدایت مکان تو واپس آیا۔ مگر دل کا تقاضا تھا کہ یہیں پڑھے رہوں۔ اور انہیں کی دل پذیر صورت کو جو قدرت کی شہم تصویر ہے دیکھا کر در بلکہ اسی اضطراب کی وجہ سے روزانہ خدمت^{والا} میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد آپ نے یہ پرورش فرمائی کہ غریب خانہ پر تشریف لائیے۔ اور تمہاری والدہ کو بھی داخل سلسلہ فرمایا۔ اور تاکید ارشاد ہوا کہ ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی

صورت یہاں بھی تمہارے ساتھ رہے گی۔ اور قبر میں بھی اُسی کا سامنا ہوگا۔ اور حشر میں بھی اُسی کو دیکھو گی۔“

والد مرحوم ناقل تھے کہ اسی زمانہ میں دارا خاں صاحب۔ داروغہ سلطان حسین صاحب۔ علی دادخاں صاحب۔ مولوی امتیاز علی صاحب فرخ آبادی۔ شاہزادہ نواب جہانگیر مرزا صاحب بھی حلقہ غلامی میں داخل ہوئے اور ان کی ارادت و بیعت کے واقعات بھی عجیب و غریب ہیں۔ (جن کا تذکرہ مولف آئندہ نگارش کرے گا۔)

سفر حجاز کے مختصر حالات | غرض آخر ربیع الاول تک رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور متعدد دہندگان خدا کو حلقہ بگوش ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور شروع ربیع الثانی میں حضور قبلہ عالم دیوبند شریف تشریف لے گئے۔ اور بزرگوں کا متروکہ اثاثا البیت پہلے غریب اہل محلہ و تیز مساکین کو تقسیم فرمایا۔ اور جملہ جائیداد زینداری اور کتابوں کا بیش قیمت ذخیرہ اعزاء و احباب کو دیا۔ اور ملکیت کے کاغذات تالاب میں ڈلو کر جب بجز ذات حضرت احدیت جل جلالہ دنیا کی کسی چیز سے آپ کو سروکار نہ رہا، تو اربعہ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ ہجری مطابق ۱۸۳۸ء کو عازم سفر حرمین شریفین ہوئے۔ مریدین و معتدین نے بہت اصرار کیا کہ ایسے دور و دراز سفر کے واسطے زاد راہ کے علاوہ ایک رفیق کا ہمراہ رکاب ہونا بہت ضروری ہے۔ مگر حضور نے انتظام عالم اسباب کو قطعی ناپسند کیا۔ اور گئی **بِاللّٰهِ وَكَيْلًا** فرما کر پاپیادہ روانہ ہوئے۔ بمصداق

حافظ چو تو پادرسم عشق نہادی در دامن او دست زن و از ہمہ بگسل

یہ روایت بھی مشہور ہے کہ حضور قبلہ عالم نے حضرت حاجی خاں دام علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو عالم رویا میں دیکھا کہ سفر مکہ معظمہ کا اشارہ فرماتے ہیں۔ پس آپ کے شوق باطنی کو اشتعال ہوا۔ تعلقات دنیا سے دست کش ہوئے۔ اور حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض جزئیات کے سوا اس مقدس سفر کے جملہ حالات سے

کما حقہ اور بائیل واقفیت ہم کو نہیں ہے۔ کیونکہ جو واقعات ہندوستان کے اندر رونما ہوئے ان میں سے چند مقامات کے کچھ حالات ان سابق الارادت حضرات سے تو ضرور منقول ہیں جو اس دوران میں شرف بیعت سے مشرف اور خدمت مہانداری سے مستفید ہوئے۔ اور وہ حالات جن کا وقوع ہندوستان کے باہر ہوا۔ ان کی نسبت زیادہ سے زیادہ ہماری واقفیت کا یہ معیار ہے کہ اکثر واقعات کا صرف ابتدائی حصہ ہم نے سنا ہے۔ اور بعض کے نتیجہ آخر کا علم ہے۔ اور کسی کے درمیانی مضمون سے کان آشنا ہیں مگر کوئی مکمل واقعہ مستند ذرائع سے بصراحت گوش گزار نہیں ہوا اس لئے اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ کہ سر زمین عرب کے مسلسل حالات اور مفصل واقعات گویا بصورت اسرار پردہ خفایں مستتر ہیں جن کا اظہار کسی خاص وجہ سے عام طور پر نہیں ہوا۔ اور اسی وجہ سے ہم کو اعتراف ہے کہ ہماری معلومات کا دائرہ بہت محدود ہے۔

جس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ ہم غلامانِ وارثی کو اس مبارک سفر کے واقعات سے خبردار ہونے کے لئے صرف دو ہی ذرائع تھے۔ ایک یہ کہ وہ شخص بیان کرتا جو چار سال تک برابر اس سفر میں حضور قبلہ عالم کے ہمراہ رکاب ہوتا۔ اور دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ خود سرکار عالم پناہ ہر مقام کے حالات بائیل بیان فرماتے۔ لیکن یہ دونوں ذرائع تقریباً مفقود رہے۔

کیونکہ مستند روایات اور حضور کے ارشادات سے ثابت ہے کہ اس چار سالہ سفر میں کوئی خادم مستقل طور پر آپ کی خدمت بابرکت میں نہیں رہا۔ جو حضور کے ہمراہ۔ یا بعد کو یہاں آتا۔ اور مختلف مقامات کے مفصل حالات بیان کرتا۔ بلکہ کوئی ایسا خادم بھی آپ کا نہیں آیا جو چند روز ہی فیضانِ خدمت سے مستفیض ہوا ہوتا۔ جس سے کچھ تو اس مقدس سفر کے حالات معلوم ہوتے۔ اور بعض خدام کے اسمائے گرامی جو اکثر بیان کئے جاتے ہیں۔ تو وہ بغیر معتبر حوالہ کے ہیں۔ اس لئے وہ منقطع روایات قابلِ اطمینان نہیں۔ اور اگر ان کو صحیح بھی مان لیا جائے تو فرینہ ہے کہ راوی نے شاید ان لوگوں کو خدام کے خطاب سے موصوف کیا ہے جو ایسے دشوار گزار راستہ میں کچھ روز کے واسطے عموماً ہم سفر ہو جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ حضور کے کسی ارشاد سے خادم

کا ہمراہ ہونا ثابت نہیں ہے۔ اگر کوئی بحیثیت خادم ہوتا تو آپ اس کا ذکر کبھی ضرور فرماتے۔ یا ایسا ہوا ہو کہ آپ کے فیض عام کا چشمہ کبھی بند تو ہوا نہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ وہ خادم اصحاب قبلہ عالم کے عام ارادتمندوں میں سے ہوں۔ اور ایک محدود زمانہ تک وہ شرف خدمت سے مستفید بھی ہوئے ہوں۔ مگر وہ لوگ بھی ہندوستان واپس نہیں آسکے۔ یا آسکے بھی ہوں تو کسی دور و دراز مقام کے باشندہ تھے۔ جو بعد مسافت کے لحاظ سے اس دیار میں نہیں آسکے ورنہ ضرور تھا۔ کہ اس مقدس سفر کی کوئی روایت تو ان سے منقول ہوتی۔ مگر ایسا ہوا نہیں۔

اب رہی دوسری صورت کہ خود حضور قبلہ عالم اپنے سفر کے مسلسل حالات اور مفصل واقعات۔ اور فیوض و برکات کے افسانے اور مخصوص تصرفات کے قصے بیان فرماتے۔ تو وہ سوانح سراپا معتبر بھی ہوتے۔ اور آج ان کے نقل کرنے میں بہت زیادہ آسانی ہوتی۔ لیکن یہ آپ کی سادگی پسند طبیعت کے منافی تھا۔ کیونکہ مزاج ہمالیوں کو نمود و شہرت سے قطعاً نفرت تھی۔

علی الخصوص واقعات حجاز کے اظہار میں متضاد کشمکش تھی کہ انداز طبیعت تو اس کا متقاضی ہے کہ اس واقعہ کا ہرگز ذکر نہ آئے جس میں اپنی عظمت و جلالت کا اشارہ بھی ہو۔ اور حقیقت حال یہ کہ آپ کے اس سفر کا قریب قریب کوئی واقعہ ایسا نہیں جو غیر معمولی نہ ہو۔ تو ایسی محتاط اور عالی خیال ہستی کو کیونکر گوارا ہو سکتا تھا کہ خود اپنے واقعات جو عجیب بلکہ عجیب تر۔ اور خوارق عادات سے زیادہ روشن اور جلیل القدر ہوں ان کا ہم غلاموں کے سامنے حرف بحرف اعادہ فرمایا جاتا۔ بلکہ اس مقدس سفر کے واقعات پر موقوف نہیں ہے۔ آپ کے مخصوص عادات میں اس عادت کا بھی خصوصیت کے ساتھ شمار ہے کہ اپنا کوئی غیر معمولی واقعہ مفصل اور بصراحت نہیں فرماتے تھے۔ اگر کبھی یہ سبیل تذکرہ کسی عجیب و غریب واقعہ کا ذکر آگیا تو بمصداق ”گفتہ آید در حدیث دیگران“ آپ اسی قدر فرما کر اس قصہ کو ختم کر دیتے تھے کہ۔ ایک شاہ صاحب تھے انہوں نے ایسا کیا۔

اسی طریقہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ سفر حجاز کے کسی واقعہ کا ذکر آگیا۔ اور سلسلہ تقریر کے لحاظ سے کوئی حصہ اس واقعہ کا بیان کرنا لازمی ہوا۔ تو حضور قبلہ عالم نے حجاب آمیز تبسم فرما کر دبی زبان سے مختصر الفاظ میں اس واقعہ کا صرف وہی حصہ بیان کیا۔ اور بقیہ مضمون کو چھوڑ دیا۔

چنانچہ ایسے مواقع بیشتر پیش آئے اور مختلف واقعات کے ابتدائی حصص یا آخری نتائج ضرور غلامان وارثی کے گوش گزار ہوئے ہیں۔ مگر ان کی اس غیر مکمل واقفیت کو سوائے مجل یا نا تمام معلومات کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ سفر حجاز کے حالات و واقعات کی بوری تصریح اور کامل تشریح صحت کے ساتھ تو ناممکنات سے ہے۔ البتہ اسی قدر ہو سکتا ہے کہ سرکار عالم پناہ کے انہیں مختصر ارشادات کا مضمون و مفہوم ضبط تحریر میں آسکتا ہے۔ جو وقتاً فوقتاً آپ نے ارشاد فرمائے ہیں۔ اور تو بیع معلومات کے واسطے زیادہ کوشش کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے حضور کے سوانح سے واقف ہونا بلحاظ صحت اسی قدر کافی بھی ہے اور مفید بھی۔

علیٰ ہذا اس کی صراحت بھی دشوار ہے کہ سرکار عالم پناہ نے لکھنؤ سے پہلا سفر جو بابا پناہ فرمایا تو کس راستہ سے اور کس کس شہر سے آپ کا گزر ہوا۔ اور کہاں کہاں آپ قیام پزیر ہوئے کیونکہ حضور قبلہ عالم سے اس کا ذکر بھی مسلسل نہیں سنا۔ لہذا اس کی نسبت بھی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ انہیں مقامات کا ذکر کروں گا۔ جن کا تذکرہ حضور نے کیا ہے۔ یا جس جس مقام کے معراور مستند حضرات نے حضور کی تشریف آوری کا حال مفصل یا بالاجمال چشم دید بیان کیا ہے یا معتبر روایات سے مجھ کو علم ہوا ہے۔ اور باقی مقامات کا ذکر چھوڑ دوں گا۔

چنانچہ منقول ہے کہ حضور قبلہ عالم جب بروز شنبہ قریب اشراق اپنی ہمیشہ معظمہ سے وداع ہو کر مجلس رائے سے برآمد ہوئے تو اسباب سفر میں صرف ایک سیاہ کمل آپ کے دوش مبارک پر تھا۔ پہلے جا کر حضرت حاجی سید فادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار پرہ الوار سے مل کر رخصت ہوئے۔ بعدہ مریدین و معتقدین سے مل کر دید شاہ حقیقی کے شوق میں کانپور کی

طرف تشریف لے گئے۔ اور شاید پہلا مقام اوتاؤ کے قریب ایک موضع میں ہوا۔
قیام اوتاؤ | جیسا کہ ڈپٹی محمد باقر خاں صاحب وارثی رئیس موضع آسیون ضلع اوتاؤ کہتے تھے
 کہ میرے والد ماجد نے جو ایک ہفتہ قبل آپ کے سلسلہ میں داخل ہو کر لکھنؤ سے واپس آئے
 تھے دیکھا کہ آپ تشریف لاتے ہیں۔ بیاختہ کہنے لگے ”مژدہ اے دل کہ میجا نفسے می آید“
 قدمبوسی کے بعد بحال اصرار حضور کو غریب خانہ پر لائے اور انتظام مہانداری میں مصروف ہوئے
 اہل بستی کو خبر ہوئی تو بعض فیضان صحبت سے مستفیض ہوئے اور بعض ارادتمندوں نے حلقہ بگوش
 ہو کر شرف غلامی حاصل کیا۔ صبح کو حضور نے عزم سفر فرمایا اور کانپور کی جانب روانہ ہوئے۔
قیام شکوہ آباد | قرینہ ہے کہ حضور قبلہ عالم نے قنوج اور فرخ آباد وغیرہ میں بھی قیام
 فرمایا۔ کیونکہ اس دیار کے تاریخی مقامات کا اکثر ذکر کیا ہے اور وہاں کے بعض باشندوں کا قدیم
 ارادتمندوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اور یہ تو خود حضور نے فرمایا ہے کہ ”ہم میں پوری کے راستہ
 سے شکوہ آباد گئے تھے۔ اور چاند تبا کو فردش کے مکان میں رہے تھے۔“

شیخ چاند تبا کو کے مشہور تاجر تھے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ میں اپنے چچا کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ
 کر آ رہا تھا۔ دیکھا کہ تالاب کے کنارے ایک نوجوان۔ مگر فرشتہ صورت درویش تنہا بیٹھے ہیں۔ چچا ان
 کے قریب گئے تو مدوح نے عجب دل فریب لہجہ میں فرمایا ”آگے“ چچا صاحب قدمبوس ہوئے۔ تو
 ارشاد ہوا ”تم تو ازلی مرید ہو۔“ میں نے عرض کیا کہ حضور میں۔ فرمایا ”اچھا آؤ۔ تم بھی مرید ہو جاؤ۔“ میں
 مرید ہوا تو فرمایا کہ ”خدا کا طالب جھوٹ نہیں بولتا۔ جاؤ ہمیشہ ایمانداری سے کام کرنا۔“

پھر ہم دونوں کے اصرار سے آپ مکان پر تشریف لائے اور اسی روز ہمارا گل خاندان داخل
 سلسلہ ہو گیا۔ اور شہر سے جو شخص آتا تھا۔ خدا معلوم کیا دیکھ کر بیعت کی استدعا کرتا تھا۔ لیکن بعض کو
 حضور یہ فرماتے تھے کہ ”تم جس کے مرید ہو اسی کو دیکھو۔ تم کو اسی صورت میں خدا ملے گا۔“ اور جس کو
 مرید کرتے اس کو کوئی نصیحت ضرور فرماتے تھے۔ کسی کو حکم دیا کہ ”ماں باپ کی خدمت سے
 غافل نہ ہونا۔“ کسی سے فرمایا ”رشوت نہ لینا۔“ کسی سے ارشاد ہوا ”خدا کے حکم کی تعمیل

محبت خدا کی دلیل ہے۔ "مولوی احسان الہی صاحب جو شکوہ آباد کے مقتدر رئیس تھے۔ ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ "خلق اللہ کی خدمت ایمان کی نشانی ہے" مولوی صاحب موصوف کو بہت منظم شخص تھے مگر حضور کے اس ارشاد کا ایسا اثر ہوا کہ اسی روز سے خیرات کرنے لگے حتیٰ کہ اپنی گل جائداد مساکین کی امداد میں صرف کر دی۔ اور بعد فراغ حج بیت اللہ مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ اور وہیں انتقال ہوا۔

غلامی ہذا ایک روز مولوی جلال الدین صاحب و اعظم پنجابی شوق قد مبوسی میں حاضر ہوئے۔ میں نے خدمت والا میں ان کو پیش کیا حضور نے معاف فرمایا۔ اور فرمایا۔ مولوی صاحب جناب شیر خدا علی مرتضیٰ کا قول ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں سوتیں ہیں۔ ایک جس قدر راضی ہوگی دوسری اسی قدر ناخوش ہوگی۔ مولوی صاحب رونے لگے۔ اور بکمال عجز و انکسار عرض کیا کہ میں دنیا اور تعلقات دنیا سے دست بردار ہوتا ہوں۔ میری رہنمائی فرمائیے۔ حضور نے ان کو مرید کیا۔ اور جلال شاہ خطاب مرحمت فرما کر حکم دیا کہ بستی کے باہر رہا کرو۔ کسی سے سوال نہ کرنا۔ اور خدا کی محبت میں مٹ جانا۔

محمد بخش صاحب شکوہ آبادی۔ قدیم حلقہ بگوش بارگاہ وارثی۔ جو اکثر دیوبند شریف بھی آئے ہیں کہتے تھے کہ حضور کی تشریف آوری کی خبر پا کر قرب و چوارہ کے لوگ روزانہ آتے اور داخل سلسلہ ہوتے تھے۔ چنانچہ اسی دوران میں مجھ کو بھی شرف غلامی حاصل ہوا اور پہلی ہدایت مجھ کو یہ ہوئی کہ "جو اپنے معاملات خدا کے سپرد کرتا ہے۔ خدا اس کی پوری مدد کرتا ہے۔"

اسی زمانہ میں منور خاں گوالیاری جو میرے مکان کے قریب رہتے تھے اور شکوہ آباد میں غلے کے بڑے تاجر تھے حضور کی قد مبوسی کے شائق ہوئے۔ اور میرے ہمراہ حاضر ہو کر شرف بیت سے مشرف ہوئے حضور قبلہ عالم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا "خاندان صاحب دنیا کی محبت انسان کو حیوان سے بدتر بنا دیتی ہے۔ اور خدا کی محبت سے انسان فرشتہ صفت ہو جاتا ہے" دوسرے روز خاندان صاحب نے حاضر خدمت ہو کر یہ عرض کیا کہ رات کو میں نے یہ خواب دیکھا کہ مر رہا ہوں اور ایک بوڑھی عورت جس کا لباس کثیف اور متعفن ہے۔ میرے پاس کھڑی ہے۔ اور

کوئی کہتا ہے یہ تمہاری دنیا ہے۔

صبح کو میں نے پہلا کام ہی کیا کہ جملہ کاروبار لڑکے کے سپرد کئے اور میں قطعاً علیحدہ ہو گیا اب جو حکم ہو اس کی تعمیل کروں۔ ارشاد ہوا کہ ”تم بغداد شریف چلے جاؤ۔ اور مدائن میں حضرت سلیمان فارسی کے مزار پر جھاڑو دیا کرو۔ اور بے طلب جو پونپے کھایا کرو“ اسی دن خاں صاحب روانہ ہو گئے۔

حکیم امجد علی خان صاحب دارنی رئیس فیروز آباد فرماتے تھے کہ میری عمر سولہ سال کی تھی۔ ایک تقریب میں شکوہ آباد گیا۔ وہاں حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری کی غیر معمولی شہرت سنی۔ میں بھی مشتاق زیارت حاضر خدمت ہوا۔ لیکن آپ کے چہرہ کی شان حق کائناتی دیکھ کر دل بہ قرار ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ ”اور خالصاً اس کریمانہ شفقت سے یہ جرات ہونی کہ دوڑ کر قدمبوس ہوا۔ اور دست بستہ عرض کیا کہ آپ کے سایہ عاطفت میں آ گیا ہوں۔ اب اللہ تمغائے غلامی مرحمت ہو حضور نے مرید کیا۔ اور یہ پرورش فرمائی کہ تصویب کے ساتھ باقاعدہ دروہ شریف پڑھنے کی ہدایت کی۔

دوسرے روز میں رخصت طلب ہوا۔ جاؤ۔ خدا کو منظور ہے تو پھر ملاقات ہوگی۔ میں نے عرض کیا حضور راستہ میں فیروز آباد ہے۔ بڑی بندہ نوازی ہوا اگر آپ مجھ غریب کے جھونپڑے میں قیام فرمائیں۔ مسکرا کر ارشاد ہوا۔ اچھا ہم جمعہ کو آئیں گے۔

حضور قبلہ عالم نے شکوہ آباد کا یہ قصہ بھی اکثر فرمایا ہے کہ ہم شکوہ آباد گئے۔ تو منشی تہور علی جو خوشحال شخص تھے۔ جمعہ بیوی بچوں کے مرید ہوئے۔ دوسرے روز ایک صاحب طالب حسین نامی جب مرید ہو چکے تو زار زار رونے لگے۔ سبب پوچھا۔ تو کہا۔ منشی تہور علی صاحب کی بیٹی پر عاشق ہوں۔ اور اپنی غربت کے لحاظ سے شادی کا سوال نہیں کر سکتا۔ وہ آپ کے مرید ہو گئے ہیں۔ اگر آپ میری سفارش فرمائیں گے۔ تو میرا کام بن جائے گا۔ ہم نے کہا تم صرف شادی کے واسطے مرید ہوئے ہو۔ کہا ہاں۔ میں اسی کو اپنا اوج کمال جانتا ہوں۔ اس وقت تو رخصت کر دیا۔ مگر ہم کو اس عاشق کی یہ سچائی پسند آئی دوسرے روز منشی تہور علی آئے۔ اور اتفاق سے اس وقت تخلیہ تھا۔ منشی صاحب ہم کو سمجھانے لگے

کہ حضور آپ نا تجربہ کار ہیں۔ اس عمر میں اور اتنا بڑا سفر اور اس بے سرو سامانی کے ساتھ کرنا مناسب نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہمیں بود و باش اختیار فرمائیں۔ میں اپنی لڑکی کی شادی آپ کے ساتھ کر دوں گا۔ اور بعد میرے آپ میری کل جائداد کے مالک ہوں گے۔

ہم کو ہنسی آئی کہ یہ شفیق مہم خوب ملے۔ مگر کچھ کہا نہیں۔ وہ سمجھے کہ راضی ہیں۔ فوراً مکان پر جا کر شادی کا سامان کرنے لگے۔ اور بیٹی کو مانجھے بیٹھا دیا۔ جب ہماری روانگی کی خبر سنی۔ تو گھبرائے ہوئے آئے اور کہا اب آپ کہاں جاتے ہیں۔ اس وقت ہم نے سمجھا یا کہ ہماری شادی کا خیال نہ کرو۔ کہنے لگے اب کیا ہو سکتا ہے۔ لڑکی تو مانجھے بیٹھ چکی ہے۔ ہم نے کہا منشی صاحب اگر ہمیں شادی کرنا ہوتی تو ہم گھر سے کیوں نکلنے۔ تب پریشان ہوئے۔ اور کہا۔ اب کیا کروں۔ کوئی معقول رائے بتائیے۔ ہم نے کہا ہماری رائے مانو گے۔ کہ ضرور مالوں گا۔ ہم نے کہا اب لڑکی کا عقد طالب حسین کے ساتھ کر دو۔ مجبوراً انہوں نے یہی کیا۔ طالب حسین اپنی طلب میں صادق تھے۔ ان کا کام ہو گیا۔ اور ہم وہاں سے فیروز آباد چلے گئے۔

قیام فیروز آباد | حکیم امجد علی خاں صاحب کہتے تھے کہ مکان پر آکر اپنی بیعت کا قصہ جب اعرار اجاب سے بیان کیا تو ہر شخص نظارہ جمال و ارثی کا مشتاق ہوا۔ چنانچہ جمعہ کے روز سیکڑوں آدمی بستی کے باہر بغرض استقبال پہنچ گئے۔ قریب مغرب دیکھا کہ قدرت الہی کی محسم تصویر چلی آتی ہے۔ جملہ مشتاقین قدمبوس ہوئے اور بعض ارتمندوں نے وہیں بیعت کی رجب حضور قبلہ عالم غریب خانہ پر تشریف لائے تو پہلے میرے اہل و عیال اور اعزا کو داخل سلسلہ فرمایا۔ اور سب لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا کہ "تصدیق ہونا چاہئے کہ جس طرح خدا سب کا خالق ہے۔ اسی طرح سب کا رزاق بھی ہے۔ جیسا کہ بغیر کسی کے مشورہ کے ہم کو پیدا کیا ہے۔ اسی طرح بغیر کسی کے سفارش کے جملہ مخلوق کو روزی پہنچاتا ہے۔ اس لئے ہم کو لازم ہے کہ اسی پر بھروسہ کریں۔ اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں" اور میری جانب دیکھ کر فرمایا۔ خاں صاحب "خدا اس کو دوست رکھتا ہے۔ جو مخلوق خدا کی بے غرض خدمت کرتا ہے۔"

خانصاحب موصوف یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے مکان کے قریب نہایت شریف خاندان کی ایک بی بی آسیب زدہ رہتی تھیں۔ جن کو الوار کے روز زیادہ شدت سے دورہ ہوتا تھا۔ ان کے شوہر جب حلقہ بگوش ہوئے تو اپنی بی بی کی حالت کا بھی ذکر کیا حضور نے فرمایا۔ ہم عامل نہیں ہیں انہوں نے عرض کیا کہ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ سرکار ان کا علاج فرمائیں۔ بلکہ استدعا یہ ہے کہ حضور ان کو داخل سلسلہ کر لیں۔ تاکہ ان کا خاتمہ بخیر ہو۔

دوسرے روز آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اتفاق سے وہ دن الوار کا تھا۔ دیکھا کہ وہ بالکل درستہ مزاج ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ بی بی صاحبہ نے نہایت مہیب آواز میں کہا کہ میں جن ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہاں کیوں آتے ہو۔ اس نے کہا مجھے اس سے محبت ہے۔ اس لئے ہر الوار کو دیکھنے آتا ہوں۔ آپ نے متبسم لبوں سے فرمایا۔ تم کچے عاشق ہو شرم نہیں آتی۔ آٹھ روز کے بعد معشوق کو دیکھنے آتے ہو۔ عاشق صادق اس کو کہتے ہیں جو ایک ساعت بھی دید مطلوب سے غافل نہ ہو۔ پس اگر عاشق ہو تو اب نہ جانا۔ اس نے کہا مشکل ہے۔ میں ایسی محبت سے باز آیا۔ اب کبھی نہ آؤں گا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد اون بی بی کو ہوش آ گیا حضور قبلہ عالم تو مرید فرما کر چلے آئے۔ مگر تازہ زندگی اس عورت کو پھر دورہ نہیں ہوا۔ اور اس واقعہ کے دوسرے روز آپ آگرہ تشریف لے گئے۔ (نوٹ) اس قصہ کو اور اسی عنوان سے مگر بغیر صراحت جائے وقوع حضور قبلہ عالم نے اکثر ارشاد فرمایا ہے۔ جو آپ کے دیگر واقعات کے سلسلہ میں نقل ہوتا۔ لیکن چونکہ حکیم امجد علی خاں صاحب دارنی نے چشم دید بیان کیا۔ اس لحاظ سے اس کا ذکر فیروز آباد کے تحت میں نگارش کیا۔

قیام آگرہ | حافظ گلاب شاہ صاحب دارنی متوطن آگرہ محلہ کٹرہ مداری خاں نے (جن کا ذکر مخصوص فقرائے دارنی کے سلسلہ میں آئندہ بہ تصریح نگارش کروں گا)۔ اپنی بیعت کا یہ عجیب و غریب واقعہ فرمایا۔ کہ تعلیم کے زمانہ میں میرا ہم مکتب ایک لڑکا کسی بزرگ درویش کا مرید ہوا۔ اور مجھ سے بھی اصرار کیا کہ تم بھی دست بیع ہو جاؤ۔ اس کے بار بار کہنے سے شوق تو ضرور ہوا۔ مگر اس کے ساتھ

خود بخود تذبذب بھی پیدا ہو گیا۔ کہ ان کامریڈوں یا نہیں رشب کو خواب میں دیکھا کہ ایک معمر مگر نہایت خوش رو بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر مرید ہونا چاہتے ہو تو انتظار کرو۔ عنقریب تمہارا خضر طریقت پورب سے آئے گا۔

اس خواب سے دل ایسا متاثر ہوا کہ طبیعت میں وارستگی آگئی۔ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا اکثر اضطراب قلب کی وجہ سے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ مگر جب بیقراری ناقابل برداشت ہو جاتی تھی تو انہیں برگزیدہ بزرگ کو خواب میں دیکھتا تھا۔ اور ان کے نورانی چہرہ اقدس کے دیکھنے سے چند روز کی واسطے گونہ تسکین ہو جاتی تھی۔

تین سال کے بعد انہیں معمر حقی شناس کو خواب میں یہ فرماتے دیکھا کہ اے بیدار بحث خردا ہو جا۔ تیرا حقیقی اور ازلی دستگیر آگیا۔ سر اٹے میں مقیم ہے۔ فوراً جا کر تلاش کر۔ اور شرف بیعت سے مشرف ہو۔

یہ مژدہ سنا تو آنکھ کھل گئی۔ گورات باقی تھی۔ مگر اضطراب قلب کی وجہ سے انتظار کی تاب نہ تھی۔ اسی وقت گھر سے نکلا۔ اور بغیر کسی غور و فکر کے ایک جانب چلا۔ کارکنان قضا و قدر کی رہبری سے ہینگ کی منڈی میں جو سر اٹے ہے اس کے صدر دروازہ پر پہنچا۔ اور چوکیدار سے دریافت کیا کہ پورب کے کوئی درویش یہاں مقیم ہیں۔ اس نے کوئی معقول جواب ٹونہ دیا۔ مگر پھاٹک کھول دیا۔ اور کہا آپ خود دیکھ لیں۔ میں نے ہر ایک کو ٹھری میں دیکھا مگر تاریکی کے باعث کچھ نظر نہ آیا کہ ناگاہ ایک کوٹھڑی کے اندر سے آواز آئی۔ ”گلاب شاہ تم آگئے“ غور سے دیکھا تو خدا کی قدرت کاملہ کا یہ کرشمہ نظر آیا کہ ایک فرشتہ صورت صاحبزادے۔ توکل کا تیکہ لگائے۔ مسند آرائے فرش خاک ہیں۔ دوڑ کر قدم بوس ہوا۔ اور دست بستہ عرض کیا کہ اے مقدائے خلق درہنمائے عالم مجھ خطا کار و آوارہ وادی ضلالت کو بھی اپنے حلقہ غلامی میں داخل فرمائے۔ ارشاد ہوا۔ ”ہم تو روز ازل سے تمہارے ساتھ ہیں۔ لیکن اگر یہی خواہش ہے تو آؤ۔ بیعت بھی کر لو“

غرض بیعت لے کر دنیا کی ذمت کی اور محبت الہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ جاؤ
خدا کو منظور ہے تو پھر ملاقات ہوگی۔

میں نے بکمال عجز و ادب یہ عرض کیا کہ میرا اقتضائے عقیدت مندی یہ ہے کہ خدمت والا
میں استدعا کروں کہ غریب خانہ کی موجودگی میں آپ کا سہرا میں قیام فرمایا بظاہر اچھا نہیں معلوم ہوتا حضور
کے کریما نہ مزاج سے قوی امید ہے کہ غلام کو یہ فخر بھی مرحمت ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ مسافر کا گھر سرائے
ہے۔ اور اگر تمہاری اسی میں خوشی ہے۔ تو چلو۔ وہیں چلیں۔

چنانچہ حضور قبلہ عالم کے اسباب سفر میں صرف ایک کمل تھا۔ اس کو میں نے سر پر رکھا۔
اور پیادہ آپ مکان پر تشریف لائے۔ اور علیحدہ ایک کمرہ میں قیام فرما ہوئے۔

اسی دن آگرہ میں حضور کی تشریف آوری کا شہرہ ہو گیا۔ جوق جوق لوگ آتے اور حلقہ غلامی
میں داخل ہوتے تھے۔ ایک روز بعد عصر فرمایا کہ لاؤ پتنگ اڑائیں۔ اسی وقت انتظام کیا گیا، لیکن
ڈورا اور پتنگ آنے میں وہ دن تمام ہو گیا۔ مگر حضور نے رات ہی کو پتنگ اڑایا اور بے ساختہ مسکرا کر
ارشاد فرمایا۔ یہ بھی اوجھ گئے اسی انار میں میرا الطاف علی جو اس وقت نو عمر تھے۔ مگر بعد میں مشہور ڈاکٹر ہو گئے
اپنے ماموں کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے۔ اور معلوم نہیں کہ پتنگ اڑانے میں کیا شان نظر آئی
کہ دونوں یکف ہو کر قدموں پر گر پڑے۔ جب گو نہ آفاقہ ہوا تو بیکے بعد و گیر سے حلقہ بگوش ہوئے۔
حضور نے فرمایا کہ تجھت کا خاصہ ہے کہ محبوب کا عیب بھی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ پھر علاوہ
دیگر نصائح کے دونوں کو نہایت تشریح کے ساتھ تصور شیخ کی ہدایت فرمائی۔

یہ امر بھی قابل غور ہے جس سے حضور کی عظمت و شان کا اظہار ہوتا ہے۔ کہ حافظ کلاب شاہ
صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضور قبلہ عالم کے مئے مبارک جیسے سفید ہو گئے ہیں۔ میں بغور دیکھتا ہوں
تو اب صورت بالکل انہیں بزرگ کی ہم شکل ہے۔ جن کو قبل بیعت کے میں نے خواب میں دیکھا تھا۔
خلیفہ مولانا بخش صاحب وارفی متوطن آگرہ اپنا واقعہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز کٹرہ مداری
خان کی طرف سے نکلا۔ تو دیکھا کہ حافظ کلاب شاہ صاحب کے مکان میں غیر معمولی ہجوم ہے خیال

ہوا کہ شاید کوئی بار ات آئی ہے۔ اندر گیا تو یہ کرشمہ نظر آیا کہ بہت سادہ لباس پہنے ایک صاحبزادے بیٹھے ہیں۔ مگر چہرہ اقدس سے رعب حق نمایاں ہے۔ میں نے سلام کیا۔ تو نہایت اخلاق سے جواب دیا اور مجھ کو قریب بلا کر ارشاد فرمایا کہ تم دو روز سے کہاں تھے۔ میں نے عرض کیا کہ بد نصیب تھا جو اپنی زندگی کے دو دن خراب کئے۔ اب انشاء اللہ بقیہ عمر آپ ہی کے قدموں کے نیچے کٹے گی۔ پھر ارشاد ہوا۔ اچھا جاؤ میں وہاں سے اٹھ کر اسی مکان کے ایک گوشہ میں بیٹھ رہا۔ بعد مغرب بلا کر یہ فرمایا کہ اپنے مکان کیوں نہیں جاتے۔ عرض کیا۔ اب تو میرا مکان وہی ہے جہاں آپ رونق افروز ہوئے۔ حافظ کلاب شاہ صاحب نے بھی سمجھایا۔ مگر چار روز تک میں وہیں پڑا رہا جب حضور آگرہ سے چلے تو میں بھی ساتھ چلا۔ گنگنہر کے قریب پہنچ کر مجھے مرید کیا فرمایا۔ تم جاؤ نانی کی منڈی میں شاہ ولایت صاحب کے مزار پر جا رو بکشی کرو۔ اور خبردار کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتا۔ بغیر طلب جو پہنچے اُس میں بقدر حاجت رکھ لینا اور باقی مساکین کو تقسیم کر دینا۔ یہ حکم فرما کر فتحپور سیکری کی طرف آپ روانہ ہوئے۔

چنانچہ تیرہ سال تک خلیفہ مولا بخش نے حضرت شاہ ولایت صاحب علیہ الرحمۃ کے آستانہ اقدس پر نہایت مستعدی سے خدمت جا رو بکشی کی۔ جب حضور قبلہ عالم مکہ معظمہ کے تیسرے سفر سے واپس آئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد آگرہ تشریف لے گئے۔ اس وقت خلیفہ مولا بخش صاحب کی استدعا قبول ہوئی۔ اور حضور کے حکم سے پاپادہ دیوی شریف آئے۔ اور آستانہ اقدس کے قریب ایک کمرہ میں مستقل قیام کیا۔ اور تقریباً پچیس سال کے بعد ۱۳۱۱ھ ہجری میں انتقال کیا اور رحیم شاہ صاحب خادم خاص بارگاہ دارنی کے احاطہ قیام گاہ میں تجہیز و تکفین ہوئی۔

قیام ہر داوول | منقول ہے کہ فتحپور سیکری سے آپ ہر داوول تشریف لے گئے۔ یہ خبر علا متواتر ہونے کے اس لحاظ سے مستند معلوم ہوتی ہے کہ ایک روز جب کہ حضور قبلہ عالم۔ ملاولی بدٹھا کر نیم سنگھ صاحب دارنی کے مہمان تھے۔ اور ٹھا کر صاحب موصوف کے چند راجپوت احباب اسی نواح کے مقتدر رئیس تھے حاضر خدمت ہوئے اور بھرت پور وغیرہ کی ماتحت ریاستوں کا ذکر کیا۔

لگا۔ تو حضور نے اسی سلسلہ میں ہرداول کا ذکر فرمایا کہ بے پور کے متصل یہ چھوٹی سی ریاست ہے لیکن رئیس ہرداول عالی خیال اور فقیر دوست ہے۔ اس وجہ سے مسلمان رعایا بھی اس کی مطیع اور جان نثار ہے۔ اس ارشاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ہرداول میں ضرور قیام فرمایا اور اہل ہرداول آپ کے فیض سے مستفیض ہوئے۔

قیام بے پور | ہرداول سے آپ بے پور تشریف لائے چنانچہ بعض مولفین سیرت دارنی نے لکھا ہے کہ وہاں کے ہندو مسلمانوں نے غیر معمولی طور پر اپنی ارادت کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ راجہ بھی حلقہ گوش ہوا اور دوسرے روز رانی جب مشرف بیعت سے مشرف ہوئی تو اس کے اصرار سے آپ نے اس کی دعوت قبول کی۔

حضور سے بے پور کے واقعات دریافت کئے تو فرمایا: ”راجہ بہت منکر مزاج تھا۔ معرانی کے ملاقات کو آیا اور کہا کچھ نصیحت کیجئے۔ ہم نے کہا: عدل و انصاف کیا کرو۔ اس نے کہا کچھ اور فرمائیے ہم نے کہا: پتھر کو نہ پوچھا اور جھٹکے کا گوشت نہ کھانا۔ رانی نے کہا مجھ کو بھی ہدایت فرمائیے ہم نے کہا تم خدا کو محبت کے ساتھ ہمیشہ یاد کیا کرو۔“

یہ مسئلہ ہے کہ بے پور کے قیام میں سینکڑوں ہندو اور مسلمان داخل سلسلہ اور توحید پرست ہو گئے۔ اور اکثر خدا پرستوں پر آپ کے فیضان صحبت کا یہ اثر ہوا کہ دنیا اور تعلقات دنیا سے دست بردار ہو کر محبت الہی کا دم بہرنے لگے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک روز چند مریدین مجتمع ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور علیل خاں رسالہ دار نے سب کی جانب سے عرض کیا کہ کوئی ایسی ہدایت فرمائی جائے جس سے ہمارے قلوب میں محبت الہی کی صلاحیت آئے۔ ارشاد ہوا کہ ”مخلوق خدا سے ہمہری اور اچھا سلوک کیا کرو۔ صرف اس خیال سے کہ یہ خدا کے بندے۔ اور اس کی صنعت کی یادگاریں ہیں اس عمل سے تم کو خدا کی محبت نصیب ہوگی اور یہی تصوف کی اصل ہے۔“ بقول سعدیؒ

طریقت بجز خدمت خلق نیست تسبیح و سجادہ و دلق نیست

یہ سن کر حاضرین کو جوش ہوا اور بالاتفاق عرض کیا کہ حضور کی تشریف آوری کے شکر یہ

میں ہم لوگ بحیثیت مشترکہ ایک مسافر خانہ بناتے ہیں جس میں بلا تخصیص قوم اور قید مذہب ہر مسافر کی مہمانداری کی جائے حضور ان کے اس ارادے سے خوش ہوئے اور فرمایا۔ ایسا کرو گے تو خدا کے دوستوں میں تمہارا شمار ہوگا۔“

اسی مجمع میں سے ایک خوشحال ہندو نے دست بستہ عرض کیا کہ شرکت مسافر خانہ کے علاوہ میں آپ کے سامنے اس کا بھی عہد کرتا ہوں کہ تا زندگی ہر سال ایک غریب اور خدا ترس شخص کو حج بیت اللہ کے واسطے بھیجا کروں گا۔ اور خرچ سفر کے ساتھ اس کے اہل و عیال کے خور و نوش کا بھی انتظام کر دیا کروں گا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ ”تم گھر بیٹھے حاجی ہونا چاہتے ہو؟“ ایک شخص نے عرض کیا کہ میرا مکان میں روپیہ ماہوار کی آمدنی کا ہے۔ آپ کے روبرو اس کو اس لئے حستہ لہو وقف کرتا ہوں کہ اس کی آمدنی یتیم اور محتاجوں کو تقسیم ہو کرے۔

عرض حضور قبلہ عالم کے تصرفات سے اہل جہ پور کا حقہ مستفید ہوئے۔ اور ایک ہفتہ کے بعد آپ نے عزم سفر فرمایا۔ اور کشن گڈھ اور وہاں سے اجیر شریف تشریف لے گئے چنانچہ چوہدری خدا بخش صاحب وارثی ٹھیکدار تعمیرات متوطن آگرہ بیان کرتے تھے کہ جب حضور قبلہ عالم آگرہ میں قیام فرماتے تو اسی دوران میں والد ماجد شرف غلامی سے مشرف ہوئے تھے۔ اور بعد عجز و انکساریہ عرض کیا تھا کہ عرصہ سے حج بیت اللہ کا ارادہ ہے۔ لیکن اب یہ حسرت ہے کہ غلام اپنے آقا کے ہمراہ رکاب یہ فرض ادا کرے۔ مگر حضور نے ساتھ رکھنا پسند نہ کیا۔ اور فرمایا۔ ”تم سیدھے راستے سے جاؤ۔ ہم سیر کرتے آئیں گے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو مکہ معظمہ میں ملاقات ہو جائے گی۔“

پھر حضور فتحپور سیکری کی جانب تشریف لے گئے تو آپ کی مفارقت سے والد ماجد کے خیالات میں یہ انقلاب ہو گیا۔ کہ اپنے تمامی کاروبار سے قطعاً دست بردار ہو گئے۔ اور حالت یہ تھی کہ دیوانہ وار کبھی زار زار روتے تھے۔ اور کبھی گوشہ تنہائی میں خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ مگر جب خواجہ غریب نواز کے عرس میں لوگ جانے لگے۔ تو والد بھی معمولی اسباب سفر لے کر اجیر شریف روانہ ہوئے۔ اور بعد وہاں سے بیان کیا۔ کہ کشن گڈھ پہنچ کر مجھ کو معلوم ہوا کہ حضور قبلہ عالم کل بہاں سے اجیر شریف

گئے ہیں۔ میں بھی بجائے قیام کرنے کے اسی وقت وہاں چلا۔ اور شب کو اجیر شریف پہنچ کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سید احسان علی صاحبزادہ کے مکان میں آپ قیام پزیر ہیں۔

قیام اجیر شریف صبح کو حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ حضور عزم سفر فرما رہے ہیں۔ اور خدام آستانہ اقدس و نیز چند دیگر ممتاز حضرات دست بستہ اصرار کر رہے ہیں کہ عرس بہت قریب ہے۔ اس قدر ضرور قیام فرمائیے کہ ہم لوگ آپکی معیت میں غریب نواز کے سالانہ دربار میں حاضر ہو سکیں۔ آخر ان کے عاجزانہ اصرار سے حضور نے اور دو ہفتہ قیام فرمایا۔ اس دوران میں متعدد طالبین دست بیچ ہوئے۔ از انجملہ عبداللہ سنگ تراش جو بہت مشہور اور خوشحال تاجر تھے سلسلہ وارثیہ میں داخل ہوئے۔ اور دوسرے روز اپنی بیٹی مسمی بی بی کو بھی مرید کرایا۔ اس وقت حضور قبلہ عالم نے ایسے دل گداز الفاظ میں دنیا کی حقارت اور محبت الہی کی ہدایت عام طور پر فرمائی کہ ہر شخص متاثر ہوا۔ لیکن آپ کے تصرفات باطنی سے اس نصیحت کا پورا فائدہ مسمی بی بی نے اٹھایا کہ اس سعیدہ ازلی کا قلب اس قدر متاثر ہوا کہ جذب کی حالت رونما ہوئی۔ اور یار و اختیار کا فرق واقیاً ذہن سے جاتا رہا۔ حتیٰ کہ حضور کے حکم سے وہ غریب نواز کے آستانہ پر شب دروڑ رہنے لگی۔ اور بی بی بن اللہ والی کے ممتاز خطاب سے مشہور ہو گئی۔ چنانچہ عرصہ تک اس حق شناس کے فیض و تصرف سے خلق اللہ مستفید ہوئی۔ اور شاید ۱۲۸۰ھ ہجری میں با بعد اس زاہدہ نے ہمیشہ کے لئے دنیا کو خیر باد کہا۔ اور جو ارشاد حقیقی کی سیر میں مصروف ہوئی۔ اور قبۃ النور کی مشرقی سمت تجہیز و تکفین ہوئی۔ اور عام طور پر مشہور ہے کہ یہ دارنی کنیز صاحب خدمت تھی۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضور قبلہ عالم بعد زیارت مزار اقدس جھالرہ کے کنارہ تشریف فرما تھے کہ ناگاہ تو شاہیہ سلسلہ کے ایک مقدس درویش آکر قدمبوس ہوئے۔ اور آبدیدہ ہو کر کچھ عرض کرنا چاہتے تھے کہ حضور نے مسکرا کر ان سے معافقہ کیا۔ اور فرمایا: بس اسی کے واسطے روایا کرتے تھے "شاہ صاحب کیف ہو کر کہنے لگے۔ وانا میرا کام ہو گیا۔

جب شاہ صاحب کو افاقہ ہوا۔ تو ہم لوگوں نے ان کا حال دریافت کرنا چاہا۔ تو کسی قدر تامل

کے بعد کہا۔ بھائی تم سے کیا پرودہ کروں۔ میرے مرشد برحق کا نام سائیں نصر اللہ شاہ یک رنگی ہے۔ جو کوہ ابو پریم تھے۔ جب ان کے وصال کا زمانہ قریب آیا تو میں نے عرض کیا۔ سائیں جی اس کتے کو بھی ایک ٹکڑا مل جائے۔ فرمایا۔ تم اجیر شریف چلے جاؤ۔ اس علیہ کے ایک صاحبزادے اودہ سے آویں گے۔ وہ تمہاری یہ گرہ کھول دیں گے۔ لیکن جب تک وہ نہ آئیں۔ انتظار کرنا۔ چنانچہ بارہ سال سے داتا کا انتظار کر رہا تھا۔ آج اللہ نے مراد پوری کی۔ کہ پیشوا کا دیدار نصیب ہوا۔ اور جو سائیں نے کہا تھا وہی ہوا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد حضور نے ان کو رخصت کیا اور فرمایا: "اب یہاں لوگ تم کو پریشان کریں گے۔ اپنے پیر کے ڈھیر کی خدمت اور جو ان کا حکم ہو تعمیل کرو اور جس وقت فرصت پاؤ۔ بغیر کسی غرض اور معاوضہ کے خلیق اللہ کو پانی پلاؤ۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ مرجانا۔ مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلا نا۔"

علی ہذا محفل سماع کا وہ عجیب واقعہ جسکو بکمال صراحت صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے لکھا ہے۔ اور علاوہ اس کے آپ کے تصرفات کے متعدد واقعات ایسے ظاہر ہوئے جن کو دیکھ کر مشائخ عظام نے آپ کی عظمت و جلال کا اعتراف کیا۔ اور بعض حضرات نے بحیثیت طالب آپ کے فیضان باطنی سے استفادہ حاصل کیا۔ اور خدمت میں رہنے کی استدعا کی مگر حضور نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اور بعد عرس شریف اجیر سے روانہ ہو گئے۔

قیام ناگور | یہ بھی تو اترات سے ہے کہ اجیر شریف سے آپ ناگور تشریف لے گئے۔ اور پہلا شخص جو ناگور میں آپ کا حلقہ بگوش ہوا۔ وہ مولوی حسین بخش صاحب وہاں کے مقدر رئیس اور پیرزادے تھے جنہوں نے نہایت اولوالعزمی سے آپ کی دعوت کی۔ اور تین روز تک آپ انہیں کے مہمان رہے۔ اسی عرصے میں وہاں کے لوگ بکثرت شرف بیعت سے مشرف۔ اور آپ کے روحانی برکات اور غیر معمولی تصرفات سے مستفید ہوئے اور ہر وقت خاص و عام کا اڑھام رہنے لگا۔ مگر آپ نے زیادہ قیام نہیں فرمایا۔ اور جانب بمبئی روانہ ہوئے۔

اسی سلسلہ میں صاحب مشکوٰۃ حنائیہ نے صفحہ ۷۷ میں بغیر کسی سند اور حوالہ کے شاید ذاتی خیال کی بنا پر تحریر فرمایا ہے کہ حضور قبلہ عالم نے مولوی حسین بخش (ناگوری) کو بیعت لینے کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

چونکہ اس باب میں حضور قبلہ عالم کی سیاحت کا تذکرہ ہے۔ اس لئے ان صفحات میں مشربی بحث بے محل ہوگی۔ اس لحاظ سے روایت مذکورہ کی نسبت اسی قدر عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آپ کے مذاق و مسلک کے صریح منافی۔ اور یہ خبر کلیتہً منقطع اور غیر معروف ہے۔ اس اعتبار سے میرے خیال میں یہ روایت ناقابل اطمینان اور ترمیم طلب ہے اور تصحیح کی محتاج ہے۔ انشاء اللہ۔ حضور قبلہ عالم کے مشرب و مسلک کے فیود و شرائط کے بیان میں اس مسئلہ کو شرح و بسط کے ساتھ نگارش کروں گا۔

اور اس کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا۔ کہ اب میری محدود معلومات قاصر ہے۔ اور ناگوری کی بیٹی تک کے واقعات کا بھگوان لکل علم نہیں۔ اس وجہ سے کہ نہ اس دیار کے غلامان و وارثی سوانحات ہوئی اور نہ سرکار عالم پناہ کا کوئی ایسا ارشاد گوش گزار ہوا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ نے کس کس مقام پر قیام فرمایا۔ اور کیا کیا واقعات وہاں ظہور پذیر ہوئے۔

لیکن یہ دیکھا ہے کہ بعض مؤلفین سیرت و وارثی نے ناگوری سے آگے بھی چند مقامات کا مجملہ ذکر کیا ہے چنانچہ صاحب ابن البقیین صفحہ ۷۷ میں نگارش فرماتے ہیں کہ (ناگوری سے) بعد طے مراحل قصبہ میرتا اور کوچہ لار و نون افروز ہوئے پھر آگے آپ لکھتے ہیں کہ۔ الغرض بعد انقطاع مسافت گجرات تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے پیران پٹن اور احمد آباد تشریف ارزانی فرمایا۔ اور دو ہفتے قیام فرما کر شہر بہار تشریف لائے۔ بعد زیارت مزار حضرت فرید شاہ ابراہیم بہکری سورت کی طرف تشریف لے گئے۔ آخر الامر بیٹی رونق افروز ہوئے۔

علیٰ ہذا مولف مشکوٰۃ حنائیہ بھی انہیں چند مقامات کی سیاحت کو اختصار کے ساتھ صفحہ ۷۷ میں لکھتے ہیں کہ ناگوری سے آپ شہر پیران پٹن اور احمد آباد بہار وغیرہ مقامات سے ہوتے ہوئے

بہنئی ہو چکے۔

میری محدود واقفیت اور ناقص معلومات کے واسطے یہ بہت آسان اور نہایت اچھا موقع تھا کہ موصوف الصدور مؤلفین کی نقل کردہ عبارت سے فائدہ اٹھاتا۔ اور ذکر ناگور کے بعد انہیں چند مقامات کے نام عین یقین اور مشکوٰۃ حقانیہ کے حوالہ سے لکھ دیتا اور یہ ایک عذر کرنے کی بھی نوبت نہ آتی، کہ ناگور سے بہنئی تک کے واقعات سے قطعی لاعلم ہوں۔

لیکن اس وجہ سے یہ جرات نہیں کی کہ یہ روایت مذکورہ کے طرز تحریر کو نظر غائر سے دیکھا، تو اس کو سراپا بے ربط اور عام مشاہدہ کے صریح خلاف پایا۔ اور خیال ہوا کہ مصنف ہوش ربا کے کسی لغاظاً ہم عصر قصہ نویس نے جو مسلوب الحافظہ اور منتشر السحواس بھی تھا سلسلہ سیاحت قائم رکھنے کے واسطے تاریخی حالات کے پرے میں واقعات کا جامہ پہنا کر چند مقامات کے نام لکھ دیئے اور اپنی خامہ فرسائی سے یہ کرشمہ دکھایا ہے کہ شمال و جنوب کے ناموں کا قدیم تفرقہ مٹا کر دونوں سمتوں کو ایک بنا دیا ہے۔ اور لائق مؤلفین نے بغیر کسی سند اور حوالہ کے اس ناموزوں اور بے معنی روایت کو پسند کر لیا۔ اور آنکھ بند کر کے لکھ دیا کہ بعد قطع مسافت گجرات تشریف لے گئے اور احمد آباد اور بہار ہوتے ہوئے بہنئی ہو چکے۔

افسوس یہ ہے کہ ممتاز مؤلفین نے یہ غور نہ کیا کہ یہ ترتیب مقامات جغرافیہ کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ گجرات اور احمد آباد وغیرہ راجپوتانہ کے آگے جنوبی مقامات ہیں۔ اور بہار صوبہ پنجاب میں ملتان کے قریب۔ ڈیرہ غازی خان کا ضلع ہے۔ اور ان دونوں مقامات میں تقریباً بارہ چودہ سو میل کا فصل ہے۔ لیکن راوی کے زور قلم نے پنجاب کو کھینچ کر گجرات سے ملا دیا۔ اور گجرات کو کھینچ کر پنجاب کے عمیق دریا کے چناب میں ڈبو دیا۔ اور "چہ خوش گفت ست سعدی در زینجا" کا مضمون صادق آیا۔

پہلی مرتبہ یہ روایت جب عین یقین اور مشکوٰۃ حقانیہ میں دیکھی۔ اور یہ انقلاب عظیم نظر آیا کہ پنجاب اور گجرات میں سرحدی نہیں بلکہ حقیقی الحاق ہو گیا۔ اور یہ دونوں صوبے ایسے متحد ہو گئے

کہ پنجاب کے اضلاع گجرات میں۔ اور گجرات کے قصبات کا پنجاب میں شمار ہونے لگا۔ کیونکہ پنجاب کے ایک مشہور مقام بہکر شریف کا نام نواح گجرات میں دیکھتا ہوں۔ تو خیال ہوا کہ ایسے لائق مؤلفین سے اور ایسی فائن غلطی ہونا تو محالات سے ہے۔ کہ شمالی پنجاب کے ضلع کو گجرات کا جنوبی قصبہ بناویں۔ بلکہ فرینہ یہ ہے کہ نواح گجرات میں احمد آباد کے قریب بھی شاید کسی مقام کا نام بہکر ہوگا۔ جو غیر معروف ہونے کے لحاظ سے زیادہ شہرت پذیر نہیں ہے۔

مگر پھر غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ میرا یہ شبہ کرنا غلط ہے کیونکہ خود صاحب عین یقین نے نہایت وضاحت اور استدلال کے ساتھ صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے جس مقام بہکر کا ذکر جو اسے گجرات میں کیا ہے۔ وہ درحقیقت وہی بہکر ہے جو صوبہ پنجاب کے شمالی حصہ میں ڈیرہ غازی خان کا مشہور اور مقدس ضلع ہے۔ چنانچہ موصوف تحریر فرماتے ہیں ”مختصر احمد آباد سے بہکر میں تشریف لائے اور بعد زیارت مزار حضرت فرید و شاہ ابراہیم بہکری سورت کی طرف تشریف لے گئے۔ اور آخر الامر بمبئی میں رونق افروز ہوئے۔“

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اسی بہکر کا نواح گجرات میں ذکر کیا گیا ہے جس بہکر میں حضرت فرید و شاہ ابراہیم بہکری کے مقدس مزارات ہیں۔ اور یہ نہایت واضح اور مسلمہ ہے کہ وہ بہکر ملتان کے قریب اور ڈیرہ غازی خان کا ضلع ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولف موصوف اگر تھوڑا غور فرماتے تو یقینی اس روایت کا موضوع ہومان پر ضرور ظاہر ہو جاتا۔ کیونکہ ممدوح بہت قابل اور خبردار شخص تھے۔ مگر بصدق ”الانسان مرکب من الخطا والنسیان“ یہ غلطی ہو گئی کہ راوی کے بیان پر بھروسہ کیا۔ اور سیاق عبارت کو ملاحظہ نہ فرمایا۔ علیٰ ہذا مولف مشکوٰۃ حقانیہ نے بھی اس روایت کو نظر غائر سے دیکھنے کی تکلیف گوارا نہ فرمائی۔ شاید سابق مولف سیرت وارثی کی پیروی کی۔ اور جوش تقلید میں آنکھ بند کر کے لکھ دیا کہ (سرکار عالم پناہ) شہر بیران پٹن و احمد آباد۔ بہکر ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے۔“

بلکہ زیادہ افسوس اس کا ہے کہ مشکوٰۃ حقانیہ کی بعض وسیع النظر حضرات نے تصحیح فرمائی۔ اور بعد کو

یہ کتاب ایسے مقتدر اور ذی علم نفوس کے زیر اہتمام بصرف زر کثیر طبع ہوئی جن کو مغربی تعلیم کا عالم اور فن جغرافیہ کا ماہر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مگر انہوں نے کبھی صحت کتاب کی جانب توجہ نہ کی۔ اور اس روایت کو روایت کی نظر سے ملاحظہ نہ فرمایا اور نہ یہ انقلابی صورت پیش نہ آئی۔ کہ پنجاب کا ایک مقدس اور تاریخی مقام گجرات میں شامل ہو جاتا۔

بہر کیف مولفین موصوف الصدور کی یہ بہت بڑی فرو گذاشت اور قلت غور و فکر کی دلیل ہے کہ بغیر تنقید و تنقیح ایک موضوع عبارت کو کشادہ پیشانی سے اپنی تالیف میں درج کر دیا۔ جو تاریخ نویسی کے شفاف دامن کے واسطے بدنام داغ ہے۔

قیام ممبئی | چنانچہ اسی خیال سے میں نے اپنی عدم معلومات کا اعتراف کرنا پسند کیا۔ اور پھر وہی عرض کروں گا کہ بوجہ قلت واقفیت یہیں لکھ سکتا کہ ناگور کے بعد ممبئی تک کیا واقعات پیش آئے لیکن یہ روایت متواترات سے ہے کہ جب حضور ممبئی کے بہت قریب پہنچے تو حاجی یعقوب سیٹھ سے ملاقات ہوئی اور وہ اس قدر گرویدہ ہوئے کہ بصد اصرار اپنے مکان پر سے گئے۔ اور اسی روز صبح اہل و عیال حلقہ گبوش ہوئے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ ممبئی میں پہلے حضور کی غلامی کا اعزاز اور مہاندار کا شرف سیٹھ حاجی یعقوب صاحب کو حاصل ہوا۔ بعد وہاں کے مشہور تاجر حاجی یوسف ذکر یا مین نے ایک جماعت کثیر کے ساتھ آپ کی بیعت کی۔ اور بہت وسیع پیمانہ پر آپ کی دعوت کا سامان کیا اور تا انتظار جہاز آپ انہیں کے مہمان رہے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہا کہ ہر روز خاص و عام آتے اور آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے۔

اس روایت کی تصدیق حضور کے بعض ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم بانگی پور میں خان بہادر مولوی سید فضل امام صاحب وارثی کے مہمان تھے۔ کہ سٹر ابراہیم مین جو وہاں عہدہ منصفی پر مامور تھے۔ اپنا قومی لباس پہن کر آئے اور حلقہ گبوش ہوئے حضور کو معلوم ہوا کہ یہ مین ہیں تو فرمایا تمہارا کیا نام ہے۔ انہوں نے کہا ابراہیم ذکر یا۔ فرمایا۔ کیا تم حاجی ذکر یا کے بیٹھے ہو عرض کیا۔ ان کا واسطہ ہوں۔ فرمایا تم ہم کو جانتے تھے۔ کہا نام سنا تھا۔ پھر مجھ حقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا: شیدا۔ جب

ہم پندرہ برس کے تھے اس وقت ان کے نامعد اہل و عیال ہمارے مرید ہوتے تھے۔ اور انہوں نے ہماری بڑی خاطر کی تھی۔

حضور کے اس ارشاد سے ظاہر ہو گیا کہ تا انتظار جہاز آپ نے حاجی یوسف ذکر کیا کے یہاں قیام فرمایا اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بمبئی کے یہ واقعات اسی پہلے سفر جہاز کے ہیں۔ کیونکہ آپ نے فرمایا کہ اس وقت ہماری عمر پندرہ سال کی تھی۔ اور یہ سفر پندرہویں سال فرمایا ہے۔

واقعات جہاز غرض حضور تو جہاز کے انتظار میں قیام فرماتے۔ اور بعض اراد مندوں نے آپ کی خاطر ہی بے سرو سامانی دیکھ کر آرام و راحت کا بہت قسمی اسباب سفر فراہم کیا۔ اور اس کا بھی انتظام کیا کہ چند خدمت گزار ملازم آپ کے ہمراہ جائیں۔ تاکہ راستہ میں تکلیف نہ ہو۔ مگر جب حضور کو اس اہتمام کی خبر ہوئی تو آپ نے اس نمائشی سامان کو پسند کیا۔ اور نہ خدام کا ساتھ رکھنا منظور فرمایا۔ بلکہ اسی سادگی سے صرف اپنا کمل لے کر باد بانی جہاز پر سوار ہوئے۔ اور جملہ مسافروں سے علیحدہ ایک تاریک گوشہ میں بستر لگایا۔

اکثر مؤلفین سیرت وارفی نے جہاز کا ایک عجیب واقعہ جس سے سرکار عالم پناہ کی رفعت و عظمت کا اظہار ہوتا ہے کمال صراحت نگارش فرمایا ہے۔ اور اسباب وقوع وہ ہیں جن کی اہمیت پر نظر کرنے کے بعد بجز تصدیق کے اس واقعہ سے کوئی پرستار بارگاہ وارفی انکار کر ہی نہیں سکتا۔

مگر افسوس مجھے اس روایت کے اسناد کا علم نہیں۔ نہ راویوں کا سلسلہ معلوم۔ نہ حضور قبلہ عالم کے کسی ارشاد سے استنباط کر سکتا ہوں۔ بلکہ جن مؤلفین نے یہ روایت نقل کی ہے وہ بھی مثل میرے لاعلم معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ حوالہ ضرور دیتے۔ مگر ایسا نہیں کیا۔

علی ہذا قرینہ ہے کہ صاحب تحفۃ الاصفیاء نے بھی اس روایت کو قرین قیاس دیکھ کر درج فرمایا ہے اور چونکہ موصوف قدیم سیرت نگار ہیں۔ اس لئے دیگر مؤلفین نے یہ لحاظ تقلید ان کے رسالہ سے یہ روایت نقل فرمائی۔

اور نظر غائر سے دیکھا جائے تو بہ اقتضائے روایت ہم اس روایت کو صحیح مان سکتے ہیں۔

کیونکہ قدیم غلامان بارگاہ دارنی کا بالاتفاق بیان ہے۔ اور میں نے اپنے والد ماجد سے بھی یہی سنا ہے کہ جب حضور نے پہلا سفر حجاز فرمایا تو اس زمانہ میں آپ صوم وصال رکھتے تھے۔ جو تیسرے روز افطار ہوتا تھا۔ اور بوجہ کمال تحمل و استقلال مزاج ہالیوں کی یہ کیفیت تھی کہ انتظام افطار کا خیال بھی ناپسند تھا۔ بلکہ عادت یہ تھی کہ عین وقت پر جو چیز میسر ہوتی تھی۔ اسی سے آپ افطار فرماتے تھے۔

چنانچہ میرے خیال میں جہاز کا یہ واقعہ آپ کی اسی زاہدانہ روش و احتیاط کی وجہ سے وقوع پذیر ہوا۔ کہ جہاز پر حالت صوم میں سوار ہوئے۔ اور سامان افطار وغیرہ ہمراہ نہیں لیا۔ حتیٰ کہ تین روز اور بروایت سات روز بے آب و دانہ گزر گئے۔ تو من جانب اللہ یہ خطرناک حادثہ رونما ہوا۔ کہ واقعاً جہاز کی رفتار معطل ہو گئی اور اسی شب میں یہ صورت پیش آئی کہ بمبئی کے مقتدر تاجر محمد ضیاء الدین سیٹھ نے جو اسی جہاز پر سوار تھے حضرت رسالت صلی علیہ وسلم کو خواب میں یہ ارشاد فرماتے دیکھا کہ اے ضیاء الدین تم کھاتے ہو۔ اور ہم ساری کا خیال نہیں کرتے۔

وہ خوش نصیب تاجر جب خواب سے بیدار ہوا تو حسب ہدایت حضرت مخرصادق اس کا یقین ہو گیا کہ کوئی ایسا برگزیدہ حق اس جہاز پر سوار ہے جس کی گرسنگی نے حبیب پروردگار کو بقرار کر دیا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ مجھ ایسا ظاہر ہیں اس مقدس صاحب باطن کو تلاش کیوں کر کرے۔ اس لئے مناسب حال اور بہترین تجویز یہ ہے کہ کل جملہ اہل جہاز کی بغیر کسی امتیاز کے دعوت کر دوں جس میں وہ محترم ہستی بھی شریک ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو تاجر نے مزید احتیاط کی نظر سے خود دیکھنا شروع کیا کہ کوئی شخص باقی تو نہیں ہے۔ ناگاہ قدرت ایزدی کا یہ کرشمہ نظر آیا کہ تہ خانہ میں ایک ایسی غمخوارات مستغنی عن الصفات کو دیکھا کہ گوشہ عزلت میں توکل کا تکیہ لگائے۔ شاہد حقیقی کے خیال میں محو مستغرق ہے۔

یہ دیکھ کر تاجر موصوف فوراً واپس آیا۔ اور نہایت ادب و اہتمام سے ایک طبق میں لذیذ اور پرنکلف کھانے لے گیا۔ اور دست بستہ عرض کیا کہ مجھ بے بضاعت کی دعوت قبول ہو حضور نے بہ اقتضائے خلق محمدی دو چار لقمہ تناول فرمائے۔ اور باقی کھانا واپس کر دیا اور قدرت الہی سے

تھوڑے عرصہ کے بعد وہ جہاز چلنے لگا۔

بعض مؤلفین نے یہ لکھا ہے کہ تاجر موصوف کو متواتر دعوت کا انتظام کرنا ہوا۔ اس لئے کہ پہلے روز حضور قبلہ عالم نے ہزار صبر و شکیب جاوہ استقلال سے جنبش نہیں فرمائی۔ اور دعوت پر گرسنگی کو تزیح دی۔ کیونکہ سیر شکمی سے اگر قوائے جسمانی کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ توفیق نعمت الہی۔ اور روح کی غذائے خوشتر ہے۔ پایہ کفاہ و حقیقت شاید بے نیاز کا ایک کرشمہ ناز ہے۔ بمصدق۔ "وَلَنْبَلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُودِ"

اور ممکن ہے کہ اس خیال سے پہلے روز حضور قبلہ عالم نے دعوت میں شرکت نہ فرمائی ہو کہ تاجر نے ہماری گرسنگی کی وجہ سے اپنا زر کثیر صرف کیا ہے۔ تو لازم ہوا کہ ہم بھی کوئی ایسا فائدہ اس کو پہنچائیں جو اس کے مصارف بہت زیادہ قیمتی ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس روز دعوت میں صرف آپ کی شرکت نہ ہونے سے تاجر نے دوسری شب کو پھر وہی خواب دیکھا۔ اور حبیب پروردگار کے جمال باکمال کا نظارہ نصیب ہوا۔ اور یہ ایسی دولت لازوال پائی جس کی قدر و قیمت وہی خالق حقیقی جانتا ہے جس نے اس محبوب محترم ذوالفضل والکرم کو پیدا کیا ہے

غرض اس مکرر فائدہ کثیر کے بعد سوداگر کا شوق ضیافت افزوں ہوا۔ اور صبح کو دوبارہ اہل جہاز کی دعوت کا سامان کیا۔ اس کا یہ صدق و خلوص دیکھ کر حضور کے جوش عنایت نے بھی حجاب استار اٹھایا۔ یعنی تاجر کی مراد پوری ہوئی۔ اور اس کے پیش کردہ کھانوں سے آپ نے صوم ہفت روزہ افطار کیا۔ اور زمین گرفتہ جہاز خود بخود چلنے لگا۔

لیکن مؤلف جلوہ وارث کی صائب رائے سب سے جدا ہے۔ اول تو بجائے یمن یا سات روز افطار نہ کرنے کے آپ نے چودہ روز کا فاقہ لکھا ہے۔ دوم۔ بڑا اختلاف یہ فرمایا ہے کہ جس جہاز کا یہ واقعہ ہے وہ ببئی سے نہیں روانہ ہوا تھا۔ بلکہ حضور محیط اعظم کے کنارہ سے اس جہاز پر سوار ہوئے تھے۔ اور رضی الدین کی دعوت کا واقعہ پیش آنے کے بعد آپ سرزمین یمن میں اس جہاز سے اتر گئے۔

چنانچہ آپ صفحہ ۷ میں صراحت کے ساتھ ارقام فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (حضور) عراق و حجاز کی سیر کرتے ہوئے پایادہ عیضا اعظم کے کنارے پہنچے۔ اور وہاں سے جہاز پر سوار ہوئے اور چودہ روز تک افطار کے واسطے کوئی چیز نہ ملی۔ دفعۃً جہاز رُک گیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا۔ اور صبح کو اہل جہاز کی دعوت کی۔ جب حضور نے افطار کر لیا۔ تو جہاز چلنے لگا۔ اور کنارہ شہر عدن کے پہنچا۔ اس مقام سے آپ پایادہ مزار حضرت اوس قرنی رضی اللہ عنہ پر گئے۔ اور وہاں سے بیت اللہ شریف روانہ ہوئے۔

مؤلف محدوح کا یہ اختلاف۔ ایسا مخصوص اور محققانہ اختلاف ہے۔ جو نہ کسی سند اور حوالہ کا محتاج ہے۔ اور نہ کسی کو تنقیح و تنقید کا اختیار ہے۔ کیونکہ جناب محدوح صفحہ ۶۶ میں اعلان عام فرما چکے ہیں کہ ”صرف وہ واقعات ضروری اور مصدقہ قلمبند کئے جاتے ہیں جن سے لوگ لاعلم ہیں۔“ پس معلوم ہو گیا کہ آپ کے رسالے کے جملہ واقعات مصدقہ خاص ہونے کے ساتھ ہمارے علم کے محدود احاطہ کے باہر ہیں۔ لہذا کسی کو چون و چرا کرنے کا حق نہیں۔ چاروں اچار تصدیق کرنا ہوگی اور بے دلیل ایمان لانا ہوگا۔ شرط اسلام بود و رزش ایمان بالنبی۔

حقیقت یہ ہے کہ مؤلف محدوح کے زیادہ مضامین میں ایسا اضطراب اور انتشار پایا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ فن تالیف و تصنیف سے آپ کی طبیعت کو مناسبت کم ہے جیسا کہ اسی جہاز کے واقعہ کو اگر اوپر کے چند صفحات پڑھنے کے بعد نظر غائر سے دیکھا جائے تو مجبوراً ہی کہنا پڑے گا۔ کہ سفر حجاز کے اس شفاف میدان سیاحت کو آپ کے پریشان مضامین نے سراپا پیچیدہ اور تاریک کر دیا۔

جدہ پہنچنا بہر کیفیت میں اس سلسلہ میں وہی صورت اختیار کرتا ہوں جو دیگر مؤلفین سیرت واری کا نظریہ ہے۔ یا اوپر جو نگارش کر چکا ہوں کہ مبہنی سے روانہ ہونے کے بعد راستہ میں مگر عدن سے پہلے کسی مقام پر دعوت کا واقعہ پیش آیا۔ اور سرکار عالم پناہ کی یہ رفعت و عظمت دیکھ کر آپ کی گرسنگی کا خیال حضرت محبوب ذوالجلال نے فرمایا۔ اہل جہاز اس قدر متاثر ہوئے

کہ اُس روز سے سیٹھ ضیاء الدین خاص طریق سے۔ اور دیگر اہل جہاز عام طور پر آپ کے گردیدہ ہو گئے اور مقدس اور فدا رسیدہ سمجھنے لگے۔ اور اکثر اراکین شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور حضور قبلہ عالم بہر اعزاز و جلال جدہ پہنچے۔

بعض مؤلفین نے لکھا ہے کہ جب جہاز بندر گاہ عدن میں پہنچا۔ تو وہاں سے جہاز چھوڑ کر بیت اللہ تک حضور قبلہ عالم نے پایادہ سفر فرمایا۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ قول صحیح ہے کہ جدہ تک آپ جہاز پر تشریف لے گئے۔ کیونکہ سرکار عالم پناہ کے ارشاد سے آپ کا جدہ تک جہاز پر جانا ظاہر ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ بعض عشاق کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ اسی سلسلہ میں حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ جب ہم جدہ اترے تو سیٹھ ضیاء الدین جو جہاز پر ہم سے بہت محبت کرنے لگے تھے وہ بھی اترنے لگے۔ ہم نے کہا بہتر یہ ہے کہ تم پہلے مدینہ منورہ ہو آؤ۔ کیونکہ حج کا ابھی چار مہینے انتظار کرنا ہو گا۔ اور زندگی کا کچھ اعتبار نہیں انہوں نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ دل تو یہی چاہتا ہے کہ آپ کی معیت میں رہوں۔ مگر حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ ٹھوڑے عرصہ کے بعد ہم سے مکہ میں کسی نے کہا کہ ”ضیاء الدین جب روضہ اقدس پر پہنچے اور آستانہ بوسی کے واسطے جھکے تو اسی حالت میں اس طالب صادق کا دم نکل گیا“

علیٰ ہذا حضور کے قدیم حلقہ بگوش نعمت اللہ شاہ صاحب دارفی ۱۳۱۹ھ ہجری میں جب سفر حجاز سے واپس آئے اور حضور نے بعض مقامات کے حالات پوچھے تو موصوف نے ان مقامات کے انتظامات کی کچھ شکایت کی۔ حضور نے ظہور اشرف شاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ”ظہور اشرف جہاز پر سب لوگ ہمارے ایسے پار ہو گئے تھے کہ جدہ میں اترے تو سب نے اصرار کیا کہ آپ کا اونٹ آگے اور ہمارے اونٹ پیچھے چلیں گے تاکہ ظاہر ہو کہ ہمارے قافلہ سالار آپ ہیں۔ ہم نے کہا کہ یہ جھگڑا ہے۔ بس جب وہ لوگ کھانے پکانے میں مشغول ہوئے تو ہم وہاں سے مکہ تک پیدل چلے گئے“

اور راستہ میں کسی بدو نے ہم کو نہیں ستایا۔“

داخلہ حرم محترم | الحاصل ان ارشادات سے جدہ تک جہاز پر آپ کا جانا ثابت ہوتا ہے اور یہ بالاتفاق منقول ہے کہ آپ ۲۹ شعبان کو شب کے وقت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اور عبداللہ بن ابی کبشہ کے مکان میں قیام فرمایا۔ دوسرے روز یکم رمضان کو مطوف موصوف کے ہمراہ بغرض طواف جا رہے تھے کہ باب السلام کے قریب ایک جلیل القدر بزرگ نے جو مکہ معظمہ میں صاحب دوائر کبریٰ مشہور تھے آپ سے معافہ کیا۔ اور بشارت دی کہ صاحبزادے مبارک ہو۔ آج وہ انوار حضرت احدیت شاہدہ کرو گے جن کے دیکھنے کی اہلیت اور استعداد صدیوں کے بعد خدا نے تم کو مرحمت فرمائی ہے۔ ”ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“

الغرض حضور قبائلاً عالم کمال خضوع اور بصد نیاز و دیدار شاید بے نیاز کے شوق میں داخل حرم محترم ہوئے۔ عنایت وہی سے حقیقت کعبہ منکشف ہوئی۔ اور جو دیکھنا چاہتے تھے وہ بے حجاب دیکھا۔

بعض مؤلفین سیرت و ارثی نے لکھا ہے کہ حرم محترم کے قریب ایک خدا رسیدہ بزرگ انتظار میں کھڑے تھے۔ آپ سے معافہ کیا۔ اور فرمایا۔ آنے میں بہت دیر کی۔ اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔ حضور نے ان کی تجہیز و تکفین فرمائی۔ اور اسی روز سے آپ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قبل افطار حرم میں جاتے اور بعد فراغ تراویح تھوڑا انتظار کرتے۔ جب رات زیادہ جاتی اور چیدہ چیدہ لوگ رہ جاتے۔ اُس وقت مقام ابراہیم میں بہ نیت نفل کھڑے ہو کر نہایت خوش الحانی کے ساتھ مصری لہجہ سے دو رکعت میں آپ پورا قرآن ختم کرتے۔ اور بعد نماز صبح بستر پر تشریف لاتے تھے۔ اور تمام دن تاریخی مقامات اور مقدس یادگاروں کی سیر اور زیارت میں گزار جاتا تھا۔

چنانچہ آپ کے یہ اخلاق حسنہ دیکھ کر خلق کی رجوعات بڑھنے لگی۔ حالانکہ آپ کے اوقات اس قدر منضبط اور منقسم تھے کہ جائے قیام پر لوگوں کو ملاقات کا موقع نہیں ملتا تھا۔ لیکن طالبانِ حق

اور اہل ارادت شب و روز سرگردان رہتے۔ جہاں کہیں قبلہ عالم مل جاتے۔ وہیں آپ سے فیوض و برکات حاصل کرتے جتنی کہ مکہ معظمہ میں اکثر مقتدر اور ممتاز حضرات حلقہ بگوش ہو کر اور رفتہ رفتہ تمام شہر میں آپ کے تصرفات روحانی کا شہرہ ہو گیا۔ اور بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جن کو بقدر معلومات ضرور اس رسالہ میں نقل کرتا۔

لیکن مکہ معظمہ کے واقعات کا ذکر کرنے میں ایک اور اہم دشواری یہ پیش آتی ہے کہ ہر واقعہ کے ساتھ اس کا زمانہ اور اس کی جائے وقوع اور اس کے اظہار کا خاص سبب بھی نگارش کرنا لازماً سے ہے۔ اور میرے واسطے ان باتوں کا علم ناممکنات سے ہے۔ کیونکہ اگر ان واقعات کا تذکرہ راویوں سے سُننا۔ تو ان کی تفصیل بھی معلوم ہوتی اور ان کا نگارش کرنا بھی آسان ہوتا۔

مگر اس کا اعتراف کر چکا ہوں کہ سفر حجاز کے حالات۔ صحیح روایات سے معلوم کرنے کا شرف مجھ کو نہیں ملا۔ اس لئے کہ اُس مقدس دیار کے قدیم غلامان و ارثی سے ملنے کا اتفاق بہت کم ہوا۔ جو مثل نہ ملنے کے ہے۔

لہذا میری محدود معلومات اور نا تمام واقفیت کا انحصار صرف اس پر ہے کہ حضور قبلہ عالم کے ارشادات سے اگر کسی واقعہ کا کوئی حصہ ظاہر ہوتا ہو تو اُس کا حوالہ دوں۔ حالانکہ سرکار عالم پناہ کے اکثر ایسے ارشادات بھی ضرور ہیں کہ جن میں تھوڑا بہت سفر حجاز کے واقعات کا ذکر ہے مگر وہ بالاجمال ہیں۔ نہ بالتفصیل۔

مزید برآں۔ یہ بالاتفاق ثابت ہو چکا ہے کہ حجاز کا سفر آپ نے تین مرتبہ کیا۔ اور ہر مرتبہ کے سفر میں کبھی تین اور کبھی چار سال تک حضور قبلہ عالم نے اس جو ار رحمت کے دیار و امصار میں سیاحت فرمائی۔ اور اس سیاحت کے دوران میں ہر سال ایام حج میں آپ مکہ معظمہ میں ضرور تشریف لائے۔ اور اسی طرح سات یا بروایتے گیارہ حج کئے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شہر مکہ معظمہ میں سات یا گیارہ مرتبہ کچھ عرصہ کے واسطے آپ کا آنا مسلمہ طور پر ثابت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضور کے کسی ارشاد میں مکہ معظمہ کے کسی واقعہ کا ذکر ہو تو مجھ ایسا

یہ پیمبر زوہد و سچد ان کیونکر یہ عرض کر سکتا ہے کہ پہلے یاد دوسرے یا تیسرے دورہ سفر میں حج کے لئے جب آپ تشریف لائے تھے۔ اس وقت یہ واقعہ رونما ہوا لہذا اس قید کے ساتھ کسی واقعہ کا ذکر کرنا جبکہ حضور قبلہ عالم کے کسی ارشاد میں اس کی صراحت کافی نہ ہو میرے خیال میں دشوار تر بلکہ محال ہے۔

اس کے ساتھ ایک اور ضروری احتیاط کا خیال پیش نظر ہے کہ اگر سفر حجاز و عراق کے ایسے واقعات جن کا حضور کے ارشادات سے اظہار ہوتا ہے۔ اور جن کو آپ کے تصرقات سے واقعی تعلق ہے۔ اور حقانیت و روحانیت سے پورا سروکار ہے۔ اور جو میرے ملاحظہ میں محفوظ ہیں۔ وہ جملہ ملفوظات

ان بے پردہ اوراق میں نہ مسطور ہوں گے۔ بلکہ ان میں زیادہ ملفوظات اور اکثر واقعات ایسے ہیں جنکو حقائق و معارف کے رموز سے گہرا تعلق ہے۔ اور جن کو عالم جوش اور حالت وجد میں فرمایا ہے۔ اور ان کے بلند معنی و دقیق مضامین عام فہم نہیں ہیں۔ ان کو بلحاظ ان کی اہمیت کے نگارش کرنے کی جسارت نہ کروں گا۔ بلکہ سفر حجاز کے وہی واقعات و ارشادات لکھوں گا۔ جو عقلاً و نقلاً تحریر میں آسکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس کا وعدہ نہیں کروں گا کہ وہ سوانح اپنے وقوع کے اعتبار سے بقید زمانہ اور تقدم و تاخر کی غلطی سے محفوظ ہوں گے۔ کیونکہ اس کا تحقیق کرنا محال ہے کہ مکہ معظمہ کے کس سفر میں اور کس سال یہ واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ مثلاً حضور کے قدیم خدمت گزار جناب شاہ فضل حسین صاحب دارفی سجادہ نشین حضرت شاہ دلا

محمد عبد المنعم قادری کنز المعرف علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ میں جب مکہ معظمہ پہنچا۔ اور بچہ رسوخ قدیم جناب مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر (علیہ الرحمۃ) کا ہمان ہوا۔ اور جب طواف کرنے گیا تو یہی دیکھا کہ حرم شریف کے دروازہ پر چاہ زمزم کے قریب ایک معمر بزرگ جن کے نورانی چہرہ سے تہج علمی کی شان نمایاں تھی۔ کہڑے ہیں اور یا عبدالحی کی ضرب لگا رہے ہیں۔ یہ جدید اور غیر مانوس ذکر سن کر روز مجھ کو تعجب ہوتا تھا۔ آخر ایک روز جناب مولانا علیہ الرحمۃ سے ذکر صاحب کی شخصیت اور حالت دریافت کی۔ حمد و ج موصوف نے مسکرا کر فرمایا کہ ان کا نام مولوی عبدالحی صاحب ہے۔ اور یہ

مجدوب الحال ذکر تمہارے ہم سلسلہ میں اور ان کا واقعہ معتبر حضرات سے یہ سنا ہے کہ یہ کسی مقتدر خاندان کے رکن ہیں۔ قبل اس حالت کے بھی ان کو اہل مکہ محقق اور وسیع النظر عالم سمجھتے تھے

مگر اب جامع اخلاق حسنہ اور صاحب مقامات عظمیٰ بلکہ مقرب بارگاہ حضرت احدیت جانتے ہیں۔ یہ حضرت بحیثیت مہاجر اس نامہ میں یہاں آئے تھے جب آپ کے مرشد برحق سیدنا مظلہ العالی یہاں تشریف فرما تھے۔ مولوی صاحب بھی ان کی خدمت میں بہ نظر طلب جانے لگے۔ ایک روز کچھ ذکر آگیا تو مولوی صاحب موصوف نے مسئلہ وحدت وجود سے قطعاً انکار کیا۔ سیدنا مظلہ نے عنایت فرمائی۔ اور اپنے کمال میں ان کو چھپا لیا۔ پھوڑے وقفہ کے بعد جب باہر آئے تو خدا کو علم ہے کہ مولوی صاحب نے اس پردہ میں کیا دیکھا اور اپنی حقیقت کے راز مکنون کو کیا سمجھا۔ مگر اسی وقت سے ان کی کیفیت ہے کہ ہمہ دم پر کیف رہتے ہیں۔ اور اکثر چاہ زمزم کے قریب کھڑے ہو کر باواز بلند یا عبدالحی کی ضرب لگاتے ہیں بقیہ اور حالات اگر دریافت کرنا ہوں تو وہ مرشد برحق سے پوچھنا بلکہ یہ ضرور عرض کرنا کہ اس غریب مولوی کو کیا دکھا دیا جو خودی سے بے خود ہو گیا اور اپنے نام کی آپ ضرب لگانے لگا۔

اس قصہ سے یہ تو ضرور معلوم ہو گیا کہ مکہ معظمہ میں مولوی عبدالحی صاحب مہاجر حضور قبلہ عالم کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ لیکن باوجود اس صراحت کے اس کا انکشاف نہیں ہوا کہ یہ واقعہ کس سفر میں پیش آیا۔ کیونکہ سرکار عالم پناہ سات یا گیارہ مرتبہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے ہیں۔ اور قریب قریب جملہ واقعات سفر حجاز کے تذکروں میں زمانہ کی قید نہ ہوگی۔ اور میں نے جو پہلے سفر حجاز میں اس واقعہ کو نقل کیا تو محض اس خیال سے کہ اول تو تمثیلاً اس کا ذکر کرنا تھا۔ دوسرے یہ کہ واقعہ چونکہ صحیح ہے لہذا اگر زمانہ کا اختلاف بھی ہوگا تو وہ وقوع واقعہ کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہ مسلمہ ہے کہ حضور کے فیض سے مولوی عبدالحی مہاجر فائز المرام ہوئے۔

علی ہذا۔ شیخ محمد اسماعیل صاحب وارثی رئیس بلجھی مضافات بہار جب حج بیت اللہ سے واپس آکر حضور کی قدمبوسی کے لئے دیوبند شریف حاضر ہوئے۔ اور مکہ معظمہ کے بعض مقامات متبرکہ کا ذکر آیا تو سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ اسماعیل ہم بھی ایک روز غارِ حرا کی

جانب گئے تھے۔ دیکھا کہ ایک صاحب آنکھیں بند کئے مراقبہ میں بیٹھے ہیں۔ جب اس مشغلہ سے وہ فارغ ہوئے تو ہم نے پوچھا کہ آپ کس خیال سے یہ ریاضت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ آپ سے کیا پردہ کروں۔ طلب میری یہ ہے کہ مطلوب حقیقی کو دیکھ لوں۔ لیکن عرصہ سے یہ مشغلہ کرتا ہوں اور ہنوز مراد پوری نہیں ہوئی۔ ہم نے کہا جب آپ آنکھیں بند کر لیتے ہیں تو دکھائی کیا دے رہے ہیں۔

مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ الْأَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى۔ اگر آنکھیں کھول کر محبت کی نظر سے آپ دیکھیں تو انہیں موجودات کے پردہ میں وہ مطلوب حقیقی دکھائی دے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب مشاہدہ مطلوب کے واسطے پہاڑ کو مستقر بنایا۔ تو تجلیات النور شاہد حقیقی کی دید نصیب ہوئی۔ یہ کہہ کر ہم چلے آئے۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد وہ بزرگ مکہ معظمہ میں ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے مرشد میں بیعت کروں گا۔ آپ کے توجہ سے میری برسوں کی مراد پوری ہوئی۔ ہم نے کہا بیعت کی ضرورت نہیں ہے۔ سنا ہو گا کہ دونوںوں پر سوار ہونے والا ہمیشہ ڈوبتا ہے، جس کا ہاتھ پکڑے ہو۔ اس کا دامن نہ چھوٹے۔ وہی صورت ہمیشہ رہنمائی کرے گی۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک روز غار ثور کی طرف جو ہم گئے تو دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت نہایت دردناک آواز سے رورہی ہے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ابھی اس کا جوان بیٹا مر گیا ہے ہم نے اس کو صبر کی ہدایت کی۔ تو اس نے کہا۔ حکیم صاحب۔ صبر اس ویرانہ میں کہاں ملے گا۔ اور نہ میرے پاس پیسہ ہے جو مول لاؤں۔ تمہارے پاس اگر کوئی دوا ہو تو اللہ کی راہ پر اس کو کھلا دو کہ زندہ ہو جا۔ یہی میرا ایک لڑکا ہے۔ ہم نے لڑکے کے منہ پر سے کپڑا ہٹا کر ٹھنڈا پانی چھڑک دیا۔ اتفاق سے اس نے آنکھ کھول دی۔ اور بات کرنے لگا۔ بڑھیا تو جوش محبت میں اس سے لپٹ گئی۔ اور ہم وہاں سے آگے چلے گئے۔ شاید اس کو سکتہ ہو گیا تھا۔

ایک مرتبہ تعلیم طریقت کا کچھ ذکر ہو رہا تھا۔ اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ طائف میں ایک خوشحال شخص علی بن حافظ نامی ہمارا مرید ہوا اور ہاتھ جوڑ کر اس نے کہا کہ خدا کو خوش کرنے کا کوئی ایسا آسان طریقہ تعلیم فرمائیے جس کی تعمیل کر سکوں۔ ہم نے کہا اچھا۔ اگر تم کو یہ شوق ہے کہ خدا

ہم سے خوش ہو۔ تو اَحْسِنَ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ جیسی خدائے تہارے ساتھ نیکی کی ہے۔ تم اس کی مخلوق کے ساتھ ویسی ہی نیکی اور احسان کرو۔ اس نے کہا کہ بہت اچھا۔ ایسا ہی کروں گا۔ ہم طے آئے۔

آٹھ روز کے بعد وہ مکہ شریف میں ہمارے پاس آیا۔ اور کہا کہ حسب ہدایت میں نے خدا کے بندوں پر وہی احسان کیا جو خدا نے مجھ پر کیا تھا۔ کہ اپنا کل مال عند اللہ فقرا و مساکین پر تقسیم کر دیا۔ اور سمجھا کہ فراغت ہو گئی۔ اور خدا کے احسان کا بدلہ کر چکا۔ مگر دوسرے روز بغیر طلب خدا پھر مجھ کو لذیذ غذا پہنچاتا ہے۔ تو آپ سے پوچھنے آیا ہوں کہ اب اس احسان کے عوض اس کے بندوں کے ساتھ میں کیا بدلہ کروں۔ کیونکہ اب تو میرے پاس مال بھی نہیں ہے۔

ہم نے کہا کہ اگر وہ کریم کار ساز روز تم کو خدائے لذیذ کھلاتا ہے۔ تو اس کا بدلہ تم یہ کرو کہ روز اس کے بندوں کو بلا خیال معاوضہ پانی پلایا کرو۔ کیونکہ پانی بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ"

چنانچہ اسی وقت اس کو ایک مشک منگادی گئی۔ اور اسی دن سے وہ خدا کو خوش کرنے کے شوق میں خدا کے بندوں کو پانی پلانے لگا۔

کچھ عرصہ کے بعد وہ پھر آیا۔ اور کہا اب دوسری پریشانی میں مبتلا ہوں۔ وہ یہ کہ خدائے کریم خدائے لذیذ تو اسی طرح مجھ کو روز پہنچائے جاتا ہے۔ مگر میری آنکھوں میں یہ مرض پیدا ہو گیا ہے۔ کہ ماسوائے اللہ کوئی دوسرا مجھ کو نظر نہیں آتا۔ پانی کس کو پلاؤں۔

ہم نے کہا کہ اب مشک پھینک دو۔ اور غار ثور میں جا کے اس طرح بیٹھو کہ مر کے اٹھو۔ تمہارا کام ہو گیا۔ یہ اللہ کی دین ہے۔ جاؤ۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک روز طائف کے نخلستان میں ہم نے دیکھا کہ ایک اونٹ مجنون ہو گیا ہے۔ اور اس کا مالک رو رہا ہے۔ سبب پوچھا تو اس نے کہا۔ میرے اور میرے اہل و عیال کے رزق کا سہارا یہی اونٹ تھا۔ چند روز سے اس کی یہ حالت ہے کہ سب کو کاٹتا ہے۔

اور ہم لوگ نان شبینہ کو محتاج ہو گئے ہیں۔ ہم نے بھول کے کانٹے سے اس کی پیشانی پر جو آبلہ پڑ گیا تھا۔ اس کو توڑ دیا۔ اور وہ اونٹ اچھا ہو گیا۔ یہ نسخہ ہم کو ایک عرب نے بتایا تھا۔
غرض حضور قبلہ عالم نے تین مہینے سے زیادہ مکہ معظمہ میں قیام فرمایا۔ اور گردنواح کے مشہور مقامات کی خوب سیر کی۔ اور اس عرصہ میں متعدد حضرات داخل سلسلہ ہوئے۔ اور ہر ایک کو اس کی حالت اور استعداد کے لحاظ سے ہدایت فرمائی۔ چنانچہ کسی کو یہ حکم ہوا کہ اہل عیال کی ضروریات کے واسطے تجارت کرو۔ اور دل بیار دست بکار کے مصداق بنو۔ کسی کو دائم الصوم کسی کو قائم اللیل رہنے کی ہدایت ہوئی۔ کسی کے واسطے زہد و توکل تجویز کیا۔ کوئی بادۂ ثبوت سے سرشار ہو گیا۔

مدینہ منورہ الحاصل شخص کی اہلیت کے لحاظ سے اس کو ہدایت فرمائی۔ اور ذالچہ کے دوسرے ہفتہ میں پہلا قافلہ جب تیار ہوا۔ اور شریف مکہ نے آپ کی سواری کے واسطے ایک اونٹ کا انتظام کیا۔ حکام بھی ہمراہ رکاب تھار مگر مکہ معظمہ سے آپ پا پیادہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک روز قافلہ جا رہا تھا کہ بدوؤں سے مقابلہ ہوا۔ جو لوٹنے پر آمادہ نظر آئے۔ اہل قافلہ نے اس پریشانی میں حضور کو اپنا پشت پناہ بنا لیا۔ اور امداد طلب ہوئے کہ اللہ اس آفت ناگہانی سے بچائے۔ آپ نے سب کو تسکین دی اور خود ان مسلح بدوؤں کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ افسوس کا مقام ہے کہ تم کو سدا جس کا رضاعی بھائی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کے زائرین کو بجائے مہمان نوازی کے لوٹنے آئے ہو۔ بدوؤں کے سردار نے کہا کہ اس قافلہ کی محافظت کے صلہ میں ہم کو سو روپیہ ملتے تھے جو شریف نے نہیں دیئے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ ہم سے لو۔ اور بیٹی کے اس تاجر کو حکم دیا۔ جو آپ کا ارادتمند تھا کہ تم دو سو روپیہ ان کو دے کر اپنے قافلہ کو تکلیف سے بچاؤ۔ وہ تاجر روپیہ لے کر حاضر خدمت ہوا۔ بدو یہ دیکھ کر بہت مجبور ہوئے۔ اور روپیہ لینے سے انکار کیا۔ اور ان کے دوسرے دارندامت سے گردن جھکائے خدمت والا میں حاضر ہوئے۔ اور آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ آپ کی ہدایت سے متاثر

ہو کر ہم آئے ہیں۔ اور آپ کے سامنے اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ آج سے تا زندگی کسی قافلہ کو تکلیف نہ پہنچائیں گے آپ نے خوش ہو کر ان کو رخصت فرمایا۔ اور قافلہ آگے چلا۔ یہ پر مذاق قصہ بھی اکثر حضور قبلہ عالم نے تبسم لبوں سے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کے راستہ میں ایک روز ہم اونٹ پر سوار ہوئے۔ اور ایک ضعیف مولوی صاحب تھے۔ ان کو اپنے ساتھ بٹھالیا۔ مولوی صاحب بار بار آیہ کریمہ ”إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ“ پڑھتے تھے ہم نے پوچھا کہ مولوی صاحب اس آیت کی بتکرار تلاوت آپ کیوں فرماتے ہیں۔ کہا صاحب جزا وہ تم کیا جانو۔ یہ آیہ کریمہ صابریں کے لئے بشارت ہے۔ اور ہمارا صابریں میں شمار ہے۔ کیونکہ اس شوقاً گزار رہے تھے۔ اس وقت میں مصیبت پر مصیبت اٹھاتے ہیں۔ اور صبر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اتفاقاً سو شربہ کا پانی ختم ہو گیا۔ اور قریب نصف النہار گرم ہوا جو چلی۔ تو مولوی صاحب کو پیاس لگی گھبرا کر اپنے ہمراہیوں سے پانی مانگا۔ انہوں نے بھی سوکھا جواب دیا۔ آخر جب مولوی صاحب شدت تشنگی سے بہت پریشان ہونے لگے۔ تب ہم نے کہا ”إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ“ یہ سن کر مولوی صاحب کو غصہ آ گیا۔ اور کہا صبر کی ایسی سیسی۔ ہماری جان جاتی ہے۔ آپ کو ”إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ“ کی پڑی ہے۔ اگر ہم پیاس سے مر گئے تو مع الصابریں کو قبر میں بچائیں گے۔ اس عرصہ میں ایک شخص آیا۔ اور اس نے مولوی صاحب کو کچھ کہلا کر ٹھنڈا پانی پلایا جب مولوی صاحب کے حواس درست ہوئے۔ تو کہا آج سے اس آیت کو میں کبھی نہ پڑھوں گا۔ زبان سے کہنا تو آسان ہے۔ مگر واقعی صبر کرنا بڑے مردوں کا کام ہے۔

اسی سلسلہ میں حکیم صفدر علی صاحب دارنی مؤلف جلوۃ وارث صفحہ ۸۵ میں لکھتے ہیں کہ ”راہ میں ایک مسجد ملی جس میں محمد صالح مجذوب رہا کرتے تھے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو مجذوب موصوف نے یہ فرما کر آپ کو سینہ بہ سینہ کیا کہ اپنی امانت لیجئے۔ اور خود جان بحق تسلیم ہوئے۔ حضور نے متانہ روش اختیار کی۔ جب دربار حضرت رسالت صلعم میں پہنچے تو آپ کو سلوک حاصل ہوا۔ اور سالک مجذوب کے بعد مجذوب سالک کا درجہ اپنے مانا جان سے پایا۔“

مؤلف موصوف کی نقل کردہ اس روایت کے بعض حصص باوجود غیر معروف ہونے کے قابل اعتراض بھی اس وجہ سے نہیں ہیں کہ حضرات مشائخین کے تذکروں میں عموماً مولفین ایسے مضامین کی روایتیں نقل فرماتے ہیں۔ لہذا روایت مذکور کے اس فقرہ سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ”محمد صالح مجذوب نے آپ سے ملاقات کی“ بلکہ میں تو یہ عرض کروں گا کہ مولفین سیرت و ارثی نے حضور کے حالات سفر حجاز میں ایک یاد و مجاذیب کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ شاید یہ ان کی اختصار پسندی کا تقاضا تھا۔ ورنہ خیال یہ ہے کہ خدا کی اس چھپی ہوئی فرج نے جس میں متعدد کاملین۔ عارفین۔ مجاذیب۔ سالکین شامل ہوں گے۔ اپنے اپنے مقام پر حضور قبلہ عالم سے ملاقات کی ہوگی جس سے ہم ظاہر میں بے خبر ہیں۔

لیکن یہ کمال ادب یہ عرض کروں گا کہ روایت مذکور کے دو جملہ قابل غور اور لائق تنقید ہیں جن کا مفہوم آداب حضرت شیخ کے منافی ہے کہ ارشادات قبلہ عالم سے کھلا ہوا اختلاف ہے۔ اول یہ کہ مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ محمد صالح مجذوب نے آپ کو سینہ بہ سینہ کیا اور امانت روحانی تفویض فرمائی۔

بظاہر یہ ایسا واقعہ ہے جس پر اکثر مشائخین فخر کرتے ہیں۔ مگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو آپ کی یہ درپردہ تنقیض ہے۔ چنانچہ خود حضور نے فرمایا ہے کہ ”سیاحت عرب میں ایک ابدال سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا تعالٰیٰ یا سیدی۔ ہم قریب گئے تو کہا۔ آو ستر سال کی ریاضت کا ثمرہ تم کو تفویض کروں۔ ہم نے کہا کہ فطوبٰی لکوا یا نسیبہ۔ ہمیں نہیں چاہیے“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”مرد وہ بھی ہے جو اپنی کمائی دوسروں پر تقسیم کرے۔ اور نامرد وہ ہے جو دوسروں کے مال سے فائدہ اٹھائے“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”شیر اپنا شکار کھاتا ہے۔ اور دوسرے درندوں کے شکار کو سونگھتا بھی نہیں“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”عرب میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا صاحبزادے کیا تلاش کرتے ہو۔ جو خواہش ہو میں پوری کر دوں۔ ہم نے کہا ہمارے گھر میں کیا نہیں تسلیم و رضا اہلیت کی لونڈی۔ فقر۔“

شیر خدا کا غلام ہے۔ اس نے کہا سچ کہتے ہو۔

ان ارشادات سے حضور کی حیرت پرستی اور مزاج بجالیوں کی غیوری۔ اور اصیاط صاف ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہے کہ حضور نے کسی کے کمالات روحانی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور جو کچھ ملا ہے وہ عنایتِ وہی سے ملا ہے۔ یا آبا و اجداد سے بطریقِ اویسیہ افتادہ ہوا ہے۔ مگر افسوس مولف موصوف نے اپنے خیال اور حوصلہ کے لحاظ سے یہ لکھ دیا کہ محمد صالح مجذوب نے آپ کو نعمتِ تقویٰ فرمائی۔ جو صریح حضور کے مدارجِ علیا کی تقیض۔ اور آپ کی شانِ غیوری کے منافی ہے۔

دوسرا جملہ جو یقینی قابلِ تنقید ہے وہ یہ کہ مولف موصوف نے اپنی دید و یافت کے اعتبار سے پیشوائے کمال کے حق میں یہ نگارش فرمایا کہ محمد صالح مجذوب کی عنایت سے آپ نے ستارہ روش اختیار کی۔ یعنی مجذوب ہو گئے۔ اور بارگاہ رسالت سے آپ کو مجذوب سالک کے بعد سالک مجذوب کا درجہ ملا۔ گویا مدوح نے اپنے خیال میں مرتبہ سالک مجذوب کو مدارجِ علیا میں شمار کیا۔ اور اس کا زین بہر ایسے جلیل القدر اور ممتاز عاشق کے سر پر باندھا جس نے جملہ منازلِ عشقِ اتمام کے ساتھ طے فرمائے۔ اور اپنے وقت کا مجدد ہوا۔

جناب مولف کا یہ صوفیانہ اندازہ اور روحانی تجزیہ بالکل اس قدیم اور مشہور مثل کا ہم معنی ہے کہ نیپال کے ایک دیہاتی اور معمولی شخص نے ہندوستان کے بڑے مقتدر رئیس کا عابدستان مکان دیکھا اور اس کے تمول کا حال سنا تو بسیاختہ کہا کہ یہ تو روز گڑ کھاتے ہوں گے۔

چونکہ مولف موصوف بصورتِ مشائخین زمانہ صاحبِ کیف و حال شخص ہیں۔ اس لئے اپنے خیال میں مرتبہ سالک مجذوب کو صوفی کا انتہائی کمال تصور فرمایا اور اس کو ایک کمال و مکمل ہستی کے اوج و رفعت کی آخری حد قرار دیا۔ اور شاید آپ کو یہ نہ معلوم ہو گا کہ مجذوب کے حال و مقام کی نسبت حضور نے کیا فرمایا ہے۔

چنانچہ ایک روز حضور قبلہ عالم نے اپنے ایک خادم کو چشمِ نمانی فرمائی۔ اور دیر تک اس کی تہیہ کرتے رہے۔ مگر خادم خاموش رہا۔ حضور نے حاجی اوگھٹ شاہ صاحب سے مخاطب

ہو کر فرمایا کہ یہ (خادم) اس قدر خاموش کیوں ہے۔ اوگھٹ شاہ صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ سرکار یہ چپ اس وجہ سے ہیں کہ شاید انہوں نے سن لیا ہے کہ اکثر عورتیں آپ کو مجذوب کہتی ہیں۔ یہ سن کر پہلے آپ دین مبارک پر ہاتھ رکھ کر مسکرائے پھر منفرد آمیز طریقہ سے سراقہ کو خنیش سے کر فرمایا۔ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ ہم مجذوب نہیں ہیں۔ بلکہ یہ لنگوٹ بند ہونے کا اثر ہے کہ غصہ آجاتا ہے۔ اور مجذوب تو مسلوب الحواس و مغلوب الحال کو کہتے ہیں۔ جو خود اگر کامل بھی ہو لیکن دوسروں کی تکمیل نہیں کر سکتا۔

اسی طرح دیگر ارشادات سے بھی مجذوب کے حال و مقام کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر میرے خیال میں ہی ایک ارشاد اس اطمینان کے واسطے کافی اور بس ہے کہ سرکار عالم پناہ مجذوب نہ تھے۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے بلکہ خود مولف موصوف نے اپنے رسالے میں مختلف مقامات پر تحریر فرمایا ہے کہ حضور قبلہ عالم کے فیض و تصرف سے غیر محدود مخلوق الہی مستفیض ہوئی۔ اور آج بھی ہوتی ہے۔ لہذا اگر آپ مجذوب یا مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہوتے تو آپ سے دوسروں کی تکمیل ظہور پذیر نہ ہوتی۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ حضور قبلہ عالم مشتاق و پیار جب مدینہ منورہ میں اپنے جد اعلیٰ کے مزار پر انوار پر پہنچے ہیں تو درد فراق سے تعین مضطرب اور بے قرار تھے۔ اور اس وقت آپ کے قلب مصفا کی جو حالت بیان کی جائے وہ بالکل قرین قیاس ہے جس کو دیکھ کر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نو عمر نبیرہ کو ایک نظر عنایت سے قرب الہی میں اس مقام ارفع تک پہنچا دیا جس کے اثرات سے صدیوں کے بعد دنیا کے ہر گوشہ میں عشق و محبت کے چمنے جاری ہو گئے۔

علیٰ ہذا حضرت خاتون جنت کی آرامگاہ میں جب آپ کا گزر ہوا ہو گا۔ تو اس جدہ ماجدہ کی جناب سے کیا انعامات پورے کو تفویض ہوئے۔ اس کا بھی علم اس مبدہ فیاض کو ہے۔ جس نے اس معظّمہ کو یہ شرف و اعزاز مرحمت فرمایا کہ رسول کریم کی وہ لاڈلی بیٹی جملہ عورتوں کی سردار

اور صاحب مقام رضا و تسلیم ہے۔

چنانچہ حضور قبلہ عالم نے اکثر فرمایا ہے کہ "بی بی فاطمہ کی منزل رضا و تسلیم کی تھی" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "صبر و رضا کا مرتبہ جس کو ملا۔ اہلبیت کے گھر سے ملا" اور یہ بھی فرمایا کہ "صبر و رضا کا مرتبہ جس کو خاتون جنت نے تفویض فرمایا اور ضرور فائز المرام ہوا"

یہی سبب ہے کہ حضور نے کمال ثبات و استقلال رضا و تسلیم کی ایسی تکمیل تام فرمائی کہ اٹھاسی سال تک گرمی سردی بھوک پیاس جتنی کہ بیماری کی تکلیف کا ذکر بھی کبھی نہیں فرمایا اور کسی وقت اور کسی حالت میں حرف شکایت سے زبان آشنا نہیں ہوئی۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے تو شاید بے محل نہ ہوگا کہ حضور کو رضا و تسلیم آپ کی جدہ ماجدہ نے تفویض فرمائی۔

نجف اشرف اسی صورت سے دیگر اجداد کے مزارات کی زیارت کا شرف حاصل فرما کر بروایت مین مینے مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں متعدد طالب شرف بیت سے مستفید ہوئے جب شوق زیارت نجف اشرف نے زیادہ بے چین کیا تو آپ نے عزم سفر فرمایا اور بعد قطع مسافت نجف اشرف پہنچے اور جدنا مدار کے مزار اقدس سے لپٹ کر زار زار روتے رہے۔ اور اسی حالت میں عنایت حضرت مرتضوی سے آپ کا سینہ فیوض و برکات سے معمور ہو گیا۔ اور جو دیکھنا تھا وہ دیکھا۔

چنانچہ مولائے کائنات کے فیوض و برکات سے آپ کا بلا واسطہ استفیض ہونا اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس حقیقہ کو ۱۳۱۲ھ ہجری میں حضور نے سفر عراق کی جب اشارت فرمائی تو یہ بھی حکم ہوا کہ نجف اشرف پہنچنا تو وادی اسلام میں درنجف ڈھونڈنا۔ اور باون نگینے درنجف اور باون موئے نجف کے ہمارے واسطے لانا جسب ہدایت ایسا ہی کیا اور بعد واپسی جب ہر دو قسم کے نگینے پیش کئے تو حضور نے مسکرا کر فرمایا کہ موئے نجف تولائے مگر تصویر نجف بھی دیکھی تھی میں نے عرض کیا کہ دیکھنا کیسا تصویر نجف کا نام بھی نہیں سنا۔ اور نہ تصویر نجف کی حقیقت معلوم ہے۔ فرمایا جس طرح موئے نجف میں بال دکھائی دیتے ہیں اور اس

کو موئے نجف کہتے ہو۔ اسی طرح نگینے میں شیر خدا کی شبیہ دکھائی دیتی ہے کہ آپ کھڑے ہیں اور ذوالفقار ہاتھ میں ہے۔ اور اسی کو تصویر نجف کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور نے تصویر نجف دیکھی تھی۔ اس وقت جناب حضرت نے سچی نظر کر کے آہ سرد کے ساتھ بیاضتہ فرمایا کہ: "اس کو دیکھ کر تو یہ حال ہوا۔"

بلکہ میرے والد ماجد بھی کہتے تھے کہ بعد مراجعت سفر حجاز حضور قبلہ عالم نے وقتاً فوقتاً زیارت نجف اشرف کا جب ذکر فرمایا تو آپ کی تقریر کے اکثر اشارات سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ آپ کی تکمیل بطریق اویسیۃ نجف اشرف میں مولائے کائنات کے روحانی تصرفات سے ہوئی اور اس کا بھی اشارہ ہوا کہ کر بلا میں تمہارے دادا صاحب رضائے اتم و تسلیم کامل ہیں ان کی تکمیل سے مستفید ہو۔

✓ کر بلائے معلیٰ حضور قبلہ عالم نے یہ تعبیر اس حکم کی تکمیل فرمائی اور کر بلائے معلیٰ میں آ کر امام عالی مقام حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے آستانہ اقدس کی زیارت سے شرف اندوز ہوئے۔ اور فقر و فنا کی تاکید کے بعد یہ راز منکشف ہوا کہ تشنگی اور گر سنگی شاہد بے نیاز کے ادا و ناز کے دو کرشمے ہیں جن پر صبر کرنا سیادت کی مخصوص شان۔ اور عاشقین کا عین مسلک ہے۔

جب زمین کر بلا کی تاثیر آب و ہوا سے خیالات کا رخ بدل گیا تو آپ کا ظمین اور سامرہ ہوتے ہوئے بغداد شریف پہنچے۔ اور خانقاہ حضرت غوث پاک میں کچھ روز قیام کیا۔ اور طریقہ یہ اختیار کیا کہ دن کو مزارات صوفیائے متقدمین کی زیارت کرتے۔ اور رات کو مزار حضرت غوث الثقلین کے قریب مسجد میں عبادت فرماتے تھے۔

چنانچہ یہ حقیر ۱۳۱۲ھ ہجری کے سفر میں اس وقت بغداد شریف پہنچا جس زمانہ میں پیر سید مصطفیٰ صاحب خدمت سجادگی سے دست کش ہو کر خلوت نشین ہو چکے ہیں۔ مگر آپ کے پوتے سید ابراہیم صاحب کی عنایت سے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ حضرت مجدد

کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ جب حضرت کو یہ معلوم ہوا کہ یہ ناچیز جناب حاجی صاحب قبلہ کا غلام ہے۔ تو فرمایا حاجی صاحب بھی یہاں عرصہ ہوا جو آئے تھے۔ اور تمام رات عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اور آپ کے اکثر محامد بیان کئے۔ اور بعض واقعات کا خرق عادات کے طور پر ذکر فرمایا۔

مکہ معظمہ منقول ہے کہ بعد از شریف سو روانہ ہو کر آپ حکیم ذاکچہ کو مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ حج میں شریک ہوئے۔ یہ حج دو شنبہ کو ہوا۔ جس کو عرف عام میں حج البنی کہتے ہیں۔ اور بعد ازاں مناسک حج مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر بیت المقدس تشریف لے گئے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کی اور اسی سفر میں آپ نے افریقہ کی سیاحت فرمائی۔ اور واپسی میں مکہ معظمہ آئے اور بعد اسے حج مدینہ منورہ میں زیادہ قیام کیا۔ اور وقتاً فوقتاً شام اور حلب وغیرہ کی فرمائی۔ مراجعت وطن مالوف | اکمال۔ پہلے سفر حجاز میں حضور قبلہ عالم نے تین یا بروایت چار حج کئے۔ اور چار مرتبہ مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو کر جدا مجد سے رخصت ہوئے اور بہ سواری بہاز بمبئی ہوئے۔ اور اندور۔ اجین۔ ٹونک۔ اجمیر۔ دہلی وغیرہ ہوتے ہوئے ۱۲۵۶ھ ہجری میں لکھنؤ آئے۔ اور ایک ہفتہ قیام فرما کر دیوبند شریف میں رونق افروز ہوئے حضور قبلہ عالم کو اس شان سے کہ تہ بند پوش پارہنہ۔ ننگے سر دیکھ کر پہلے لوگوں نے پہچانا نہیں بعد کو شہرت ہو گئی کہ ٹھہن میاں تشریف لائے۔ ہر شخص کو مسرت ہوئی۔ اعزاز نے دعوتیں کیں۔ اکثر اقربا کو آپ کی شادی کا خیال ہوا۔ چنانچہ سید اعظم علی صاحب نے بہ اصرار تام چاہا کہ اپنی دختر سیدہ صبن بی بی صاحبہ کا جو پیدائش کے وقت سے آپ کے ساتھ منسوب تھیں نکاح ہو جائے۔ مگر حضور قبلہ عالم نے بحوالہ آیت کریمہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَزَوَّجُوا بَنَاتِكُمْ وَأَوْلَادَكُمْ عَدُوِّكُمْ فَاحْذَرُوا وَهُمْ** انکار فرمایا۔ اور دوسرے روز لکھنؤ چلے گئے۔

دوسرا سفر حجاز | حضور قبلہ عالم کا یہ سفر حجاز بھی اس قدر ممتاز ہے کہ باوجود اس احتیاط

کے کہ ان مخصوص واقعات اور پراسرار ارشادات کا ذکر نہیں کیا جن کا بے پردہ الفاظ میں اظہار کرنا منطوق نہ تھا۔ بلکہ چند حالات وہ بھی عام فہم مضامین میں اختصار کے ساتھ لکھے گئے لیکن تھوڑا غور کرنے سے یہ شان نظر آتی ہے کہ جس طرح آپ کی ذات بابرکات سے اپنے زمانے میں بے مثل دیگانہ سمجھے گئے، اوزسی طرح آپ کا یہ سفر حجاز بھی اپنی نوعیت میں فرد ہے۔

لیکن مؤلف جلوہ وارث نے اپنی ذہانت سے اس میں بھی غیر ضروری جدت فرمائی کہ آج تک جملہ مؤلفین سیرت و ارثی نے پہلے سفر حجاز تو بہ سواری جہاز لکھا ہے، مگر موصوف الذکر نے یہ نگارش کیا ہے کہ پہلا سفر حضور نے خشکی کے راستے سے طے فرمایا۔ حالانکہ وہ دوسرا سفر ہے جو کابل و قندہار کی طرف سے آپ تشریف لے گئے۔ اور یہی حضور کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے پہلا سفر دریا سے اور دوسرا خشکی سے فرمایا۔

چنانچہ ایک مرتبہ برسبیل تذکرہ سفر مکہ معظمہ کا ذکر آگیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے ایک سیاح سے سنا ہے کہ نا تجربہ کار کو جہاز سے جانا چاہیے۔ تجربہ ہو جائے تو خشکی سے سفر کرے کیونکہ دریا کا سفر آسان ہے اور خشکی کی راہ سے جانا ہر ایک کا کام نہیں۔

علاوہ اس کے مؤلف موصوف نے صفحہ ۸۳ میں از روئے نقشہ راستہ کے مشہور شہروں کا ذکر کیا ہے۔ اس کی ترتیب بھی آپ کی جو دت طبع کا ایک دلچسپ کرشمہ ہے۔ کہ جو مقام پہلا ملنا چاہیے تھا اس کا نام بعد کے شہروں سے آگے ہے۔ اور جو آگے کے شہر ہیں ان کا نام پہلے مقامات سے پہلے مذکور ہے۔

مثلاً راستہ میں یکے بعد دیگرے جو شہر ملے ان کے نام از روئے نقشہ آپ نے اس ترتیب سے نقل فرمائے ہیں۔ لکھنؤ۔ رام پور۔ سہارنپور۔ پٹیالہ۔ لاہور۔ امرتسر۔ جموں۔ ستری نگر۔ راولپنڈی۔ پشاور۔ کابل۔ قندہار۔ کوئٹہ۔ چین۔ سیستان۔ ہرات۔ مشہد مقدس۔ ایران۔ خراسان وغیرہ وغیرہ۔

اس تحریر میں مؤلف موصوف نے ان شہروں کا ذکر کیا ہے جن مقامات سے گزر کر

حضور پاپیادہ لکھنؤ سے مکہ معظمہ تک تشریف لے گئے تھے۔ مگر جس نقشہ سے مقامات کی یہ فہرست ترتیب دی گئی ہے وہ نقشہ جغرافیہ کی تقلید سے مستغنی تھا۔ کیونکہ اس فہرست میں دیکھتے یہ ہیں۔ کہ لاہور کے آگے جو مقام حضور کے زیرِ ساحت آیا ہے اس کا نام امرت سر لکھا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ امرت سر کے بعد لاہور ہے۔ مزید برآں۔ سری نگر کے بعد راولپنڈی کا نام ہے۔ مگر ہندوستان کے نقشہ میں پہلے راولپنڈی ہے۔ اور تقریباً چار پانچ سو میل آگے سری نگر ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ قندھار کے بعد آپ کوٹہ تشریف لے گئے۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ کوٹہ ہندوستان میں پنجاب کا مشہور ضلع ہے۔ اور قندھار کابل کے آگے ہے۔ پھر مشہد مقدس سے ایران اور وہاں سے خراسان جانا مرقوم ہے۔ افسوس مؤلف کو اتنا بھی نہیں معلوم تھا۔ کہ مشہد اور خراسان ایک مقام کا نام ہے جو ملک ایران کا مشہور شہر ہے۔

غرض یہ مختلف مقامات کی فہرست صورتاً دیوانی ہانڈی کی حقیقی بہن معلوم ہوتی ہے کہ لکھ تو یہ رہے ہیں کہ حضور قبلہ عالم فلاں شہر سے فلاں مقام پر تشریف لے گئے۔ اور قلم سے بالمعنی یہ نکلتا ہے کہ قندھار سے آگے چلے تو کوٹہ پہنچے یعنی سات آٹھ سو میل پیچھے واپس آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ لائق مؤلف کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ کون شہر آگے کون پیچھے ہے۔ بلکہ چند مشہور مقامات کے ناموں کی ایک فہرست تالیف کرنا آپ کا عین مقصود تھا وہ کر دی۔

پھر بہ ہنگام مراجعت صفحہ ۹۰ میں اسی انداز کی ایک دوسری فہرست میں موصوف نے یہ لکھا ہے کہ (حضور قبلہ عالم نے) "جانب وطن مالوف عزم بالجزم فرمایا۔ اور مدینہ طیبہ سر روانہ ہو کر بصرہ اور جدہ ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے"۔ شاید یہ واقعہ انہیں مصدقہ واقعات میں سے ہو گا جن کا اعلان آپ نے صفحہ ۴۴ میں کر دیا ہے کہ "لوگ ان سے لاعلم ہیں"۔

آفریں اس تاریخ نویسی پر۔ اور تاریخ بھی وہ جو مرشد برحق کی سیرت ہے۔ اور اس قدر بے سرو پا مضامین کہ مدینہ طیبہ سے بصرہ یعنی جانب شمال ہزار بارہ سو میل آئے۔ اور پھر جس طرف آئے تھے اسی طرف ہزار میل واپس جا کر بعد پہنچے۔ کجا مدینہ کجا بصرہ۔ مارے گھٹنا چھوٹے آنکھ

کا مضمون ہے۔ کہ مدینہ حجاز کا مقدس مقام۔ اور بصرہ دریا کے دجلہ کے کنارے عراق کا شہر اور جدہ بحر عرب کی بندرگاہ۔ کاش ایک سمت بھی اگر یہ مقام واقع ہوتے تو سرسری حالت میں نگاہ نہ پڑتی۔

مگر لائق مولف کی اس بعید اعقل جغرافیہ دانی پر حیرت ہے کہ بعد المشرقین کو اپنے زور قلم سے ایک دائرہ میں محدود کر دیا۔ ہمارے ممتاز مولف کا یہ کارنامہ ہمیشہ تعجب کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ لیکن یہ پیچیدہ مجبوراً بخیاں اظہار حق یہ عرض کرے گا کہ جناب مولف کے یہ طبع زاد مضامین ہمارے پیشوائے کمال کے نہ مستند سوانح ہیں نہ مصدقہ واقعات کہ آپ مدینہ سے بصرہ گئے۔ اور بصرہ سے جدہ۔

بہر کیف لائق مولف نے سیرت و ارثی کی ترتیب میں جو کچھ جدت فرمائی اور حضور کے پہلے جہاز کے سفر کو خشکی کا سفر بنا دیا۔ اس کے ذمہ دار خود وہ ہی ہیں۔ مگر میں اپنی معلومات کے لحاظ سے یہ عرض کروں گا کہ حضور قبلہ عالم نے دوسرا سفر جو خشکی کے راستہ سے بہت جلد فرمایا تو علاوہ دیگر اسباب معانی کے شاید اس کا ایک ظاہری سبب یہ بھی ہو کہ آپ کے اقربا جب عقد نکاح کے لئے کوشاں ہوئے تو حضور کے مہذب خیال نے بزرگوں کے مکرراصرار سے بار بار قطعی انکار کرنا بھی خلاف ادب متصور فرمایا۔ اور لکھنؤ میں چند روزہ قیام کے بعد پھر سفر حجاز کا عزم کیا اور اسی سال یعنی ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۵۷ھ ہجری میں آپ کی بہت خدا داد نے یہ تہیہ کیا کہ یہ سفر پاپیادہ اس طرح کیا جائے جو جہاز کی سواری کا بھی محتاج نہ ہو۔

پس اونچے منقول ہے کہ کابل و قندہار کی طرف سے بعد قطع مراحل ذیقعدہ کے تیسرے ہفتہ میں آپ مدینہ منورہ پہنچے۔ اور آرامگاہ جد اعلیٰ کی زیارت سے شرف اندوز ہو کر مکہ معظمہ فرما ہوئے اور بعد ادا کے سنا سب حج ترک کی قافلہ کے ساتھ قسطنطنیہ تشریف لے گئے۔ اور عبداللہ حاجب جو اسی سفر میں آپ کا راؤ تہند ہو چکا تھا۔ اس کے مکان میں قیام فرمایا۔ اور ایک روز اس کے ہمراہ آپ باغ سلطانی کی سیر میں مصروف تھے کہ سلطان عبدالمجید خاں سے ملاقات

ہو گئی۔ وہ آپ کے چہرہ حق نام کی شان جلالت دیکھ کر ایسے گرویدہ ہوئے کہ بہ اصرار تمام منزل سلطانی میں لے گئے۔ اور اپنی اراوت مندی کا باقاعدہ اقرار کیا۔ بعدہ دیگر اراکین سلطنت بھی حلقہ بگوش ہوئے اور کچھ عرصہ تک آپ نے مضافات ترکی کے مشہور اور تاریخی مقامات کی سیر کی۔ اور طالبان حق کو فیض معنوی سے مستفیض فرمایا چنانچہ رومی شاہ صاحب وارفی جن کا پہلا نام حسین بک تھا۔ اسی زمانہ کے گرفتار دام محبت تھے۔ جو حضور کی قدسوی کے شوق میں ترکی سے ہندوستان آئے اور چند سال زابدانہ زندگی بسر کرنے کے بعد کوہ آبور پر جان بحق تسلیم ہوئے۔

اس خوش نصیب ترکی النسل کا واقعہ یہ ہے کہ حضور قبائے عالم جس وقت دروایاں کی سیر میں مصروف تھے اور اتفاق سے آپ کو تشنگی معلوم ہوئی۔ تو اس افسر نے سر و پانی کا گلاس نہایت ادب سے آئیہ کریمہ پڑھ کر پیش کیا یا سیدتی "هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ" اس کے صلہ میں آپ کی چشم عنایت نے یہ کرشمہ دکھایا کہ اس جنگجو ترک کی قلب ماہیت ہو گئی۔ اور خدا کی محبت میں دنیا کے تعلقات سے سبکدوش ہو کر آپ کا تہند پوش فقیر ہو گیا۔

الغرض قسطنطنیہ میں آپ اس قدر ہر دلعزیز ہو گئے کہ کسی کو مفارقت گوارا نہ تھی۔ مگر آپ نے جب حج کا ارادہ ظاہر کیا تو سب لوگ مجبور ہوئے اور اس حساب سے آپ نے مراجعت فرمائی کہ عین ایام حج میں مکہ معظمہ پہنچ گئے اور بعد ادا کے ارکان حج بیرالالم وغیرہ کے عجائب و غرائب ملاحظہ فرمائے۔ اور اسی سفر میں بوقت واپسی سنگدیب بھی گئے اور ۱۲۵۹ھ یا ۱۲۶۰ھ ہجری میں آپ لکھنؤ واپس تشریف لائے۔ اور چند روز قیام فرما کر دیوی شریف رونق افروز ہوئے۔ اور ٹھوڑے عرصہ کے بعد حضور قبلہ عالم نے تیسرے سفر کا مصمم ارادہ کیا۔ چنانچہ اکثر حضرات نے نقل فرمایا ہے کہ یہ سفر بھی آپ نے خشکی کے دشوار گزار راستہ سے پایا وہ فرمایا۔ لیکن قدیم غلامان وارفی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جب ۱۲۶۰ھ ہجری مطابق ۱۸۴۴ء میں بمبئی تک آپ پایادہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے دفانی جہاز پر سوار ہو کر بندر گاہ مینوع میں اترے اور بعد قطع مسافت مدینہ طیبہ کی زیارت سے مستفیض ہو کر جماعت انصار کی معیت میں یکم ذیحجہ کو

مکہ مکرمہ پہنچے۔ اور آخر ذی الحجہ میں عجمی قافلہ کے ساتھ ایران تشریف لے گئے۔

سفر یورپ | مولفین سیرت واری نے ایران کے بھی بعض دلچسپ واقعات لکھے ہیں۔ اور اس کو مستند سمجھا ہے کہ حضور قبلہ عالم محمد عارف کے ہمراہ ایران سے بغرض سیاحت روس روانہ ہوئے۔ اور اسی سفر میں بعض حصص دیگر ممالک یورپ اور چند مقبوضات جرمنی کی بھی سیر فرمائی جہاں اکثر عیسائی آپ کے برکات صحبت سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کا خیال تئلیٹ۔ ایقان توحید سے تبدیل ہو گیا۔ اور جن کو محبت الہی کے صفات سے آگاہ کیا۔ وہ خدا پرست ماسوائے اللہ سے بے نیاز ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھے اور زہد و عبادت میں زندگی بسر کی۔

بلکہ حضور قبلہ عالم کی سیاحت یورپ کا اظہار اکثر آپ کے ارشادات سے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جسٹس سید شرف الدین واری رئیس پٹنہ نے ممالک یورپ کا مجلہ ذکر کیا۔ تو حضور نے جرمنی کے ایک مشہور مگر چھوٹے شہر کا نام لے کر فرمایا کہ بیرسٹرم وہاں بھی گئے تھے۔ جسٹس موصوف نے عرض کیا کہ کیا تھا۔ ارشاد ہوا۔ کہاں ٹہرے تھے۔ عرض کیا ہوٹل میں سفرمایا۔ اس ہوٹل میں جو گرجا کے پاس ہے۔ عرض کیا حضور ہاں۔ فرمایا۔ وہاں ہم بھی گئے تھے۔ اور میرین جو اس وقت وہاں کے رکن اعظم تھے ان کے مکان میں تین روز رہے تھے لوگ وہاں کے بہت خلیق ہیں۔ علی ہذا ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم اسٹیشن بارہ بنکی سے ردولی جانے کے لئے معہ خدام کے ریل پر سوار ہوئے۔ اتفاق سے اس گاڑی میں ایک مقتدر یورپین کو بھی بیٹھے دیکھا میں نے مہذب طریق سے کہا کہ اگر ہم لوگوں کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہو تو ہم آپ کا اسباب دوسرے کمپارٹمنٹ میں پہنچادیں۔ صاحب موصوف نے اس کو شکریہ کے ساتھ منظور کر لیا۔ اور فوراً اتر کر دوسرے درجہ میں بیٹھ گئے۔ جب گاڑی چلی تو حضور نے ترش لہجہ میں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کہا کہ دوسرے درجہ میں چلے جاؤ۔ جو ٹکٹ تمہارے پاس ہے وہی اول درجہ ٹکٹ ان کے پاس تھا۔ میں نے دست بستہ عرض کیا کہ قصور ہوا جب گاڑی دوسرے اسٹیشن یعنی صفدر گنج میں ٹہری تو ارشاد ہوا کہ صاحب کو بلا لاؤ۔ حسب الحکم میں نے اتر کر اطلاع کی۔ وہ

فوراً چلے آئے حضور نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا۔ اور پہلے چند سنگترے دئے۔ پھر خادم سے ارشاد ہوا کہ ادنیٰ تہندان کو دے دو۔ پھر فرمایا کہ سیب اور انگور کی ٹوکری ان کو دے دو۔ ایک بڑی ہانڈی میں کسی نے دہی بڑے پیش کئے تھے حکم ہوا کہ یہ بھی ان کو دیدو۔ غرض مختلف چیزیں ان کو دے کر پوچھا کہ تمہارا مکان کہاں ہے۔ انہوں نے انگریزی میں اپنے وطن کا نام بتایا جو جرمنی کا ایک خوش منظر مقام تھا۔ فرمایا فلاں شخص کو جانتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ وہ میرے دادا تھے۔ دو سال ہوئے کہ مر گئے۔ وہ ہمیشہ زمین پر سوتے تھے۔ اور ایک کتاب پڑھا کرتے تھے۔ فرمایا: "وہ ہمارے یار تھے۔ جب ہم گئے تھے تو انہوں نے بڑی خاطر کی تھی۔"

اگر بہ نظر تامل دیکھا جائے تو اس قصہ سے ہم بہترین اخلاق کے سبق لے سکتے ہیں۔ لیکن اس کی صراحت چونکہ اس موقع پر بے محل ہے۔ اس لئے میں اس قدر عرض کروں گا کہ علاوہ دیگر خوبیوں کے ان قصوں سے بغیر کسی تاویل کے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور قبلہ عالم حدود یورپ میں تشریف لے گئے اور جرمنی کے بعض مقبوضات کی سیاحت فرمائی اور وہاں کے ممتاز باشندوں نے جو خلوص کے ساتھ خدمتگزاری کی یہ ان کی راد و عندی کی بین دلیل اور ان کے عقیدت شعار ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

الحاصل اسی سلسلہ میں آپ نے مصر کی بھی سیر فرمائی۔ اور بیت المقدس ہوتے ہوئے مدینہ طیبہ میں آکر چند روز کے بعد مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور بعد ادا ائے حج چونکہ طبیعت ناساز ہو گئی تھی اس لحاظ سے عمائدین مکہ نے آپ کو سفر کرنے سے روکا۔ جب صحت ہو گئی تو آپ عدن تشریف لے گئے اور واپسی میں یمن کے یادگار ملاحظہ فرما کر رمضان المبارک میں مکہ معظمہ پہنچ گئے اور تا ایام حج قیام فرمایا۔ جب زیارت بارگاہ حضرت رسالت کے شوق نے بے چین کیا تو آخر ذی الحجہ میں غیر معمولی طور پر اہل مکہ سے رخصت ہو کر محرم کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ طیبہ آویسے۔ اور دو ہفتہ حاضر رہ کر بعد نماز جمعہ جد بزگوار کے مزار پر انوار سے رخصت ہوئے اور اسی طرح جنت البقیعہ میں جا کر دیگر اجداد کو رخصتی سلام کیا۔ اور جدہ ماجدہ حضرت خاتون

جنت کے سنگ آستاں کو بوسہ دے کر الوداع کہتے ہوئے جانب وطن مالوف روانہ ہوئے اور
 بمبئی کے قیام کے بعد اجیر شریف ہوتے ہوئے ۱۲۶۶ھ ہجری مطابق ۱۸۵۳ء میں سرزمین
 دیوئی کو شرف پابوسی سے ایسا مشرف کیا کہ آخر میں دنیا نے اس کی شرافت کا اقرار کیا۔
 اور لفظ شریف اس کے نام کے ساتھ ضم ہو گیا۔ چنانچہ سرکاری ڈاک خانہ کی مہر میں بھی دیوئی شریف
 ہی تحریر ہے۔

منقول ہے کہ حضور قبلہ عالم نے دائم علی شاہ جو حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب
 علیہ الرحمۃ کے مرید اور بالیان قصبہ میں متوسط طبقہ کے شریف تھے۔ ان کے مکان میں اور بروایت
 اس کے قریب مسماۃ راجن کے مکان میں عارضی قیام کیا۔

خصوصیات حج | الغرض خلاصہ اس تفصیل کا یہ ہے کہ حضور قبلہ عالم نے چودہ سال کی مسلسل
 سیاحت میں ہندوستان سے تین مرتبہ سفر حجاز فرمایا۔ اور سات یا بروایت گیارہ حج ادا فرمائے۔
 لیکن مؤلفین سیرت و ارثی نے تعداد سفر اور حج میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ حقایق
 نے صفحہ ۱۸ میں ایک روایت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضور نے سترہ حج ادا کئے۔ بارہ سال تک
 ملک عرب و عجم کی آپ نے سیاحت فرمائی اور اس دوران میں دس مرتبہ حج میں شریک ہوئے
 اور واپسی کے بعد پھر ہندوستان سے سات مرتبہ تشریف لے گئے۔ اس میں تین حج خشکی کے راست
 سے براہ کابل و قندہار کئے۔ اور دو حج دو خانی جہاز سے۔ اور دو حج باد بانی جہاز کے ذریعہ سے
 اور یہ سفر حضور نے مختلف مقامات سے کئے۔ کبھی اجیر سے۔ کبھی دہلی سے۔ کبھی ملتان سے
 اور ایک حج کے لئے دیوئی شریف سے تشریف لے گئے۔

مالانکہ یہ روایت غیر معروف ہے۔ یا میرے کان نا آشنا ہیں۔ لیکن علی اختلاف الروایات
 اگر سترہ حج مان بھی لئے جائیں۔ تو یہ ماد شہا کے مباہات کا مقام ہے۔ نہ کہ حضور کے واسطے۔
 کیونکہ تلاش کیا جائے تو اکثر اہل دنیا حجاج ایسے ملیں گے کہ سترہ یا سترہ مرتبہ سے بھی زیادہ
 شرف حج سے مشرف ہوئے ہوں گے۔ اور برعکس اس کے اگر درحقیقت آپ نے سات

ہی حج ادا فرمائے ہیں۔ تو بھی کوئی وجہ تہنیت نہیں۔ کیونکہ ہزاروں مقبرین بارگاہِ احدیت ایسے نظر آتے ہیں کہ جنہوں نے ایک یا دو حج ادا کرنا کافی سمجھا۔

لہذا اگر تبصرہ ہی کرنا ہے تو سائنس اور سائنس کے لفظی اور عدویٰ فخر و مباہات کے بجائے اور اس باطنی خیال کو بھی اٹھا دینے کے بعد کہ جناب حضرت احدیت میں آپ کی جدوجہد اور ایثارِ عافیت کی حقیقی قدر و قیمت کیا ہے۔ ہم کو بغیر غلو اور اہٹاک کے انصاف کی آنکھ سے صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ بظاہر وارثِ ارثِ مصطفویٰ و حاملِ علمِ رضویٰ نے عنفوانِ شباب میں کس قابلِ قدر عنوان سے متواتر ایسے حج ادا فرمائے۔ جسے آپ کے غیر معمولی صدق و خلوص، ثبات و استقلال، و فور شوق اور جوشِ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور خدا کے حکم کی تعمیل میں جاں نثاری اور جفاکشی اور ایثارِ عافیت قدم قدم پر نظر آتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو ایمان ہی کہتا ہے کہ حضور کا ایک حج ہمارے ہزار بلکہ لاکھ حجوں سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے۔ اس لئے کہ ہمارے حج ہمیشہ اور ہر حالت میں تھوڑا یا بہت اغراضِ دنیوی سے وابستہ ضرور ہوتا ہے۔ اور آپ کے حج دینی خیالِ مفاد سے بھی پاک اور منزہ۔ اور کلیتہً عشق و محبت سے مملو اور راستہ ابتغاء بوجہ اللہ ہوئے جو یقینی اپنی نوعیت میں فرد اور بے مثل ہیں۔

چنانچہ بظاہر آپ کے حجوں کی شانِ فردانیت کا اس سے بھی اظہار ہوتا ہے کہ عام حج کا دستور ہے کہ حج بیت اللہ سے فائز ہونے کے بعد فخر یہ اپنے نام کے ساتھ لفظ حاجی بھی لکھتے ہیں۔ اور بعض حج بے محل اپنے حج کا تذکرہ کیا کرتے ہیں۔ مگر ان کے حج کا عام طور پر شہرہ ہوتا ہے اور نہ سوائے اہل خوشامد کے لوگ ان کو حاجی کہتے ہیں۔ البتہ حضراتِ صوفیہ کرام کے واسطے یہ ہوتا ہے کہ ان کے اراد مند یا ان کے شہر کے مہذب باشندے بغیر حاجی کا لفظ اضافہ کئے ان کا نام نہیں لیتے۔

مگر حضور قبلہ عالم کے حج میں قدرتاً یہ غیر معمولی خصوصیت ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ نے حج اس سادگی سے کئے کہ نہ مریدوں کا قافلہ ساتھ تھا۔ نہ بظاہر اور کوئی سبب شہرت کا ہوا

اور اس کا تو کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا کہ آپ نے کبھی اپنے نام کے ساتھ لفظ حاجی لکھا ہو۔ کیونکہ خصوصیات عادات میں ہے کہ آپ نے کتابت نہیں فرمائی بلکہ برخلاف اس کے آپ کی طبیعت اس قدر گنہامی پسند تھی کہ مزاج ہمالیوں ہمیشہ نمود و شہرت سے محترز رہا۔ حتیٰ کہ اپنا نام بھی اپنی زبان سے کبھی نہیں لیا۔

لیکن آپ کے حج ادا کرنے کی بجانب اللہ شہرت ہوئی۔ اور منادی غیب نے چار دانگ عالم میں ڈنکا بجا دیا۔ اور بغیر کسی تحریک کے خلق اللہ آپ کو حاجی کہنے لگی۔ بلکہ ہندوستان کے باہر بھی آپ کے نام نامی کے ساتھ حاجی کا خطاب ایسا مشہور ہے جو محتاج بیان نہیں۔

علاوہ اس غیر معمولی شہرت کے ایک لطیف خوبی اور بین خصوصیت اس میں یہ بھی ہے کہ صرف لفظ حاجی ہی آپ کے نام کے ساتھ ضم نہیں ہوا جس سے آپ کے نام کی عظمت و منزلت کا اظہار ہوتا۔ بلکہ آپ محض حاجی ہو گئے یعنی اس کی ضرورت ہی نہ رہی کہ آپ کا نام بھی لیں۔ تب آپ مقصود متکلم سمجھے جائیں۔ چنانچہ دیکھتے یہ ہیں کہ دنیا میں جب کوئی کہتا ہے کہ حاجی صاحب بڑا بزرگ تھے یا فلاں شخص حاجی صاحب کامرید ہے۔ تو مخاطب کو اس کی ضرورت نہیں باقی رہتی کہ وہ دریا کرتے۔ کون حاجی صاحب۔ بلکہ مجرد اسی قدر کہنے سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ دیوبندی شریف کے حاجی صاحب کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ سمجھنا آپ کے مقبول اور بے مثل حج کی عین خصوصیت ہے۔

اس سے صریح یہ معلوم ہوتا ہے کہ کعبۃ اللہ کے ساتھ آپ کو ایسی گہری نسبت اور روحانی تعلق تھا۔ اور حقیقت کعبہ کا ایسا اظہار کامل اور انکشاف بین ہوا۔ کہ دیگر صفات جسمانی پر یہ صفت غالب ہو گئی اور روح پر فتوح کو عین ذات سے سر و کار ہو گیا۔ جو حصول مقصود اصلی کی خاص دلیل۔ اور فنا تم کا آخری نتیجہ ہے کہ جس کے شوق دید میں گئے تھے اس کو دیکھا۔ اور جوش اشتیاق میں جس کی جستجو تھی اس کو پایا۔ بصورت عوام اینٹ چو نہ کا طواف منظور نہ تھا۔ بلکہ اس پردہ میں صاحب خانہ کی تلاش تھی وہ ملے۔ اور شاہد حقیقی کا وصل مطلوب تھا وہ ہوا چنانچہ

اکثر آپ حضرت مولانا کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

حج زیارت کر دن خانہ بود حج رب البیت مردانہ بود

علیٰ ہذا یہ عرض کرنا بھی شاید ناموزوں نہ ہوگا۔ کہ حضور قبلہ عالم کا کعبۃ اللہ سے گہرا تعلق اور حقیقت کعبہ سے کما حقہ آگاہی کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ اسی نسبت کی کیشش ہے کہ جناب والا کے زیادہ خلقہ بگوش حج بیت اللہ سے فائز ہوئے اور ہوتے ہیں اور سفر دور و دراز کی اہمیت کو برداشت۔ اور دشوار گزار راستہ کی صعوبت کو برضا و رغبت گوارا کرتے ہیں بعض نے متواتر حج کئے بعض وطن مالوف کو چھوڑ کر سرزمین حجاز میں پناہ گزیں ہوئے۔ اور ایک یا دو حج تو عموماً غلامانِ وارثی نے کئے بلکہ یہ خصوصیت ہے کہ جماعت پرستارانِ وارثی میں اگر دیکھا جائے تو ہر مقام میں یہ لحاظ اپنی تعداد کے حاجی زیادہ ہیں اور یہ شرف اسی نسبت کی جہت سے ہے کہ ہمارے رہنمائے کامل پر حقیقت کعبہ منکشف ہوئی۔

لہذا بہزار فخر و مہابا بات ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے حاجی الحرمین سرکار عالم پناہ نے ہم غلاموں کو کعبۃ اللہ سے نسبت تفویض فرمائی اور یہ پرورش بے طلب ہوئی۔ ورنہ یہ تو روزمرہ کا قصہ تھا کہ جس نے جو مانگا وہ مرحمت ہوا۔ چنانچہ منقول ہے کہ بعد واپسی سفر حجاز دیوبند شریف کے قیام میں حضور قبلہ عالم کو معلوم ہوا کہ وہ معمر اقربا جو آپ کی جائداد زمیندار کی پر آپ کی عدم موجودگی میں قابض ہو گئے تھے اس اندیشہ سے پریشان ہیں کہ شاید اپنی ملکیت آپ واپس لے لیں۔ مگر ایک روز وہ ملاقات کو آئے تو آپ نے یہ فرما کر ان کا اطمینان کر دیا کہ "اہلبیت کرام کے مشرب میں چھوڑی ہوئی چیز کو واپس لینا حرام ہے۔"

صرف سیاحت اندرون ہندوستان کا وعلیٰ | یہ روایت بھی مستند ذرائع سے منقول ہے کہ ایک روز دائم علی شاہ صاحب نے جو اس وقت حضور کے

میزبان تھے آپ کے مخصوص ارادتمندوں سے تذکرہ کیا کہ شاید پھر حضور نے کسی دور کے سفر کا ارادہ کیا ہے اس وحشت ناک خبر سے سب کو انتشار ہوا کہ ہنوز ایک ہفتہ نہیں

ہوا ہے اور پھر مفارقت کا سوال پیش ہے۔ چنانچہ چند مخصوص حلقہ بگوش ہم خیال اور ہم آواز ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور آبدیدہ ہو کر دست بستہ عرض کیا کہ بندہ نواز ہمیشہ آپ کی بارگاہ عالی سے ہماری ایسی پرورش ہوئی ہے کہ جو مانگا وہ ملا۔ آج بھی در دولت پر ایک التجا لے کر آئے ہیں۔ اور مستدعی ہیں کہ حضرات تختین پاک کے صدقے میں ہماری یہ التماس قبول کی جائے۔ ارشاد ہوا کیا چاہتے ہو۔ ان میں جو زیادہ من اور مقرب تھے انہوں نے رو رو کر عرض کیا کہ اب ہم لوگ برسوں کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتے۔ لہذا گزارش یہ ہے کہ اگر حضور سفر دور و دراز فرمائیں گے تو ہم غلاموں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ معہ اہل و عیال آپ کے ہمراہ رکاب ہوں گے۔ اور چونکہ بے سرو سامان چلیں گے تو یقینی راستہ میں فائق کر کے مرجا ہیں گے۔ مگر آپ کے قدموں کی قسم آپ کا دامن نہ چھوڑیں گے۔ بس اگر تباہ و برباد کرنا۔ اور ہماری عورتوں کو در بدر پھرانا منظور ہے تو بہتر۔ چلئے۔ ہم بھی ساتھ چلیں گے۔ ورنہ اس کا وعدہ فرمائے کہ ہندوستان کے باہر نہ جائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ سو دو سو کوس کے اندر سیر و سیاحت فرمائے تاکہ مہینہ دو مہینے کے بعد تو قدمبوسی نصیب ہو۔

غلاموں کی یہ پردرد مگر غلوں آمیز التماس سن کر سرکار عالم پناہ کھڑے ہو گئے۔ اور فرداً فرداً سب کو سینے سے لگا کر فرمایا کہ تم ہمارے یار ہو۔ اور تمہاری عورتیں ہماری ماں بہنیں ہیں۔ ان کی تکلیف کا خیال بھی ہماری غیرت کے خلاف ہے۔ اگر تمہاری محبت جازت نہیں دیتی تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہندوستان کے باہر نہ جائیں گے۔ مطلقاً رہو۔

اس کے بعد حضور قبلہ عالم نے وقاراً داندان کے ہر فرد کو نصف تہندا اور شربنی دے کر رخصت کیا۔ وہ نیاز مند خوش ہو گئے۔ اور دعائیں دیتے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

شاید اسی سلسلہ میں یا اس کے بعد کسی موقع پر مقرب ارادتمندوں نے عرض کیا کہ اب سفر و حضر میں ایک قابل و ثوق خادم آپ کی خدمت میں رہے۔ اور اس کے لئے دائم علی شاہ زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ جنہوں نے ہمیشہ آپ کی خدمت کی ہے۔ حضور نے

بعد صد اصرار یہ درخواست بھی منظور فرمائی۔ اور وائٹ علی شاہ صاحب کو خادم خاص کا عہدہ تفویض فرمایا۔ اس روز سے حضور قبلہ عالم کی سیر و ریاست محدود ہو گئی، لیکن سفر کرنا چونکہ آپ کے مشرب خاص کا لازمہ اور نتیجہ ہے۔ اس لئے ترک تو نہیں فرمایا، لیکن روزمرہ کی تفریح کے واسطے اودھ اور مالک مغربی و شمالی کو کافی سمجھا۔ دو تین سال کے بعد جب پرستاران بہار بکرہ اصرار کرتے تھے تو آپ عظیم آیا و تشریف لے جاتے تھے۔ اس طرح برسوں کے بعد آگرہ جایا کرتے تھے۔

لیکن اس قید کے ساتھ کہ تین روز سے زیادہ کہیں قیام نہیں فرماتے تھے۔ اور اگر کسی خاص وجہ سے کہیں ایک یا دو روز زیادہ رہنے کا اتفاق ہوا۔ تو نقل مکان کے ساتھ دوسرے شخص کی دعوت قبول فرماتے تھے۔ تاکہ سلسلہ مسافرت منقطع نہ ہو۔ چنانچہ حضور اکثر فرماتے تھے کہ ”ہم مسافر ہیں“

آپ کو اس کا بھی بہت زیادہ لحاظ تھا کہ ہماری مہانداری کا بار کسی شخص کو دشوار نہ ہو۔ اسی خیال سے ابتداء میں ایک خادم آپ کے ہمراہ ہوتا تھا۔ بعد دور رہنے لگے۔ اور خادم کو بتا کید یہ ہدایت تھی کہ میزبان سے کسی چیز کی فرمائش کا اشارہ بھی نہ کیا جائے۔ اور اگر اس کے خلاف معلوم ہوا تو خادم کو سزا دی۔ بلکہ بعض کو اس جرم میں خدمت سے معزول کر دیا۔

علاوہ اس کے غذا آپ کی اس قدر قلیل اور بالکل سادہ اور بے تکلف تھی جس کا انصرام معمولی حیثیت کا آدمی بھی بغیر کسی تردد کے بہ آسانی کر سکتا تھا۔ جسکی صراحت آئندہ نگارش کروں گا۔ لیکن اس موقع پر اپنے غریب نواز مقتدا کی مہانداری کا ایک قصہ تشاؤ نقل کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے بہ لحاظ پابندی وضع قصبہ سترکہ سے واپسی کے وقت نواب گنج میں اپنے قدم حلقہ بگوش حانقارہ رضائی کے نہایت چھوٹے اور بوسیدہ مکان میں ایک شب کے لئے قیام فرمایا۔ حانقارہ صاحب موصوف قلیل البصاعت شخص تھے۔ مگر کمال مسرت انتظام مہانداری میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اور شب کو دسترخوان پر مٹی کے کونڈے میں جوش کئے ہوئے چنے اور نمک پیش کر کے دست بستہ عرض کیا کہ بندہ پرور آپ کی دعوت کا اور کچھ سامان نہ کر سکا۔ آج میرے پاس اسی قدر چنے تھے جو

لایا ہوں۔ اور آپ کی قدیم غربانوازی سے امید ہے کہ حاضر قبول فرمائیں گے۔ قبلہ عالم نے نہایت خوشی سے وہ چنے تناول فرمائے۔ اور حافظ صاحب کی اس پر خلوص ہمت کی تعریف فرمائی۔ لیکن ایسی مہانداری جس کو عرف عام میں دعوت شیراز کہتے ہیں اسی حالت میں زیادہ پر لطف اور خوشگوار ہو سکتی ہے۔ جب کہ حضور قبلہ عالم سامہان تارک لذات اور نفسانی خواہشات پر غالب اور متصرف ہو۔ اور میزبان کو حافظ رمضانی کے صدق و خلوص کی مثل اس مقلب القلوب نے جوش محبت اور شوق مہانداری بھی مرحمت فرمایا ہو۔

آپ کے میزبان کو سواری کا تردد اور انتظام کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس لئے کہ آپ با پیادہ سفر فرماتے تھے۔ بلکہ ۱۲۹۵ھ ہجری تک بحر جہاز نے آپ نے کوئی سواری پسند نہیں فرمائی جب شکوہ آباد میں آپ علیل ہوئے اور بعد صحت مگر ضعف کی حالت میں آپ کے اہل وطن اور دتمندوں نے جو خبر علالت سن کر پہنچ گئے تھے۔ دیوبند شریف لانا چاہا۔ تو ان کو خیال ہوا کہ ایسی ناتوانی میں با پیادہ سفر کرنا صرف دشواری ہی نہیں۔ بلکہ آپ کی صحت کے لئے مخدوش بھی ہے۔ اس لئے ان جاں نثاروں نے دست بستہ عرض کیا کہ خداوند آپ کو اس قدر ضعف ہے کہ معمولی ٹکان سے نبض میں ہیجان ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اور اتنا بڑا سفر اور وہ بھی با پیادہ کرنے میں اندیشہ ہے کہ خدا نخواستہ پھر تپ نہ آجائے۔ اگر ایسا ہوا تو ہم منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ قطع نظر اس کے راستہ میں جو دیکھے گا۔ وہ ہم کو یہی کہے گا۔ کہ تمہاری ارادت پر لعنت ہے کہ سواری نہیں کرتے اور اپنے رہنا کو ایسی ناتوانی میں پیدل لئے جاتے ہو۔ معذرتاً اگر دیوبند شریف پہنچ بھی گئے تو سینڈابی بی صاحبہ کو اس کا کیا جواب دیں گے جب وہ یہ فرمائیں گی کہ تم نے روپیہ کالاج کیا اور ایسے ضعف میں میرے بھائی کو با پیادہ لائے۔ لہذا اگر ہم کو دنیا کی پھٹکار سے بچانا منظور ہے تو حکم دیجئے کہ ہم سواری کا انتظام کریں۔

حضور قبلہ عالم نے تھوڑے تال کے بعد بکراہت فرمایا کہ ایسا ضعف نہیں ہے جو ہم

چل نہ سکیں یا چلنے سے بیمار ہو جائیں۔ لیکن تمہاری خوشی اسی میں ہے تو سواری بھی کر لو۔

لیکن بعد صحت کامل پھر بھی آپ نے پایادہ ہی سفر فرمایا۔ البتہ ۱۳۰۳ھ ہجری سے باقنائے عمر و ناسازی مزاج جب مستقل طور پر ضعف بہت زیادہ ہو گیا اس وقت سے پاکی پر سوار ہونا منظور فرمایا۔

آپ کی مہمانداری کے واسطے اس کی بھی ضرورت نہ تھی کہ مکان وسیع اور نچتہ اور اسباب آرائش سے آراستہ ہو بلکہ دیکھا یہ ہے کہ الراج حضور کسی مقتدر رئیس کی عالیشان کوٹھی میں جہاں ہر قسم کے آرام و آرائش کی اسباب مہیا تھا فیا م پڑی ہوئے۔ تو دوسرے روز ایک عزیز نور باف کے چھپر میں اسی خذہ پیشانی سے استراحت فرمائی۔ مگر واللہ غور کرنے سے بھی یہ کبھی محسوس نہ ہوا کہ کوٹھی اور چھپر کی راحت اور تکلیف کا آپ نے کیا اثر لیا۔

ارباب طریقت نے بکمال صراحت لکھا ہے کہ صاحب مقامات علیا کی یہی شان ہوتی ہے کہ تعلقات موجودات سے دست بردار ہونے کے ساتھ۔ اثرات عالم اسباب سے بھی تعلق نہیں رکھتے جس کو عرف صوفیہ میں ترک قطعی کہتے ہیں۔ مثلاً زبان سے گرمی و سردی کی شکایت نہ کرنا۔ رضا کا پہلا مقام ہے لیکن حقیقی تعریف رضا و تسلیم کی یہ ہے کہ راضی تعمیل رضائے محبوب میں ایسا مجوز مستغرق ہو کہ گرمی اور سردی کی حرارت و برودت سے اس کا قلب مطمئن منتشر و متاثر نہ ہو۔ شاید اس کا ذکر حضور قبلہ عالم کے باب ترک تعلقات میں آئے۔ بصر احوال آجائے لیکن اس موقع پر اسی قدر عرض کروں گا کہ حضور قبلہ عالم نے امارت اور غربت کو ایک نظر سے دیکھا۔ اسباب تکلیف و راحت سے متاثر نہیں ہوئے۔

چنانچہ تینٹلا یہ واقعہ نگارش کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم صوبہ بہار سے گورکھپور ہوتے ہوئے حسب وعدہ شیخ صمصام علی صاحب تعلقدار گندارہ کے ایک شب کے لئے مہمان ہوئے اور جسٹس سید شرف الدین وارفی موجود اعزاز کے اور صفدر حسین خان صاحب رئیس گورکھپور آپ کے ہمراہ رکاب تھے چونکہ شیخ صمصام علی صاحب اولو العزم ہونے کے ساتھ نفیس مزاج بھی تھے۔ اور اسی اعتبار سے ان کا عالیشان مکان قیمتی اسباب آرائش سے آراستہ تھا۔ اور

اسی انداز سے موصوف نے سامان مہمانداری بھی کیا۔ صبح کو حضور رخصت ہوئے اور دریائے چوکا عبور فرما کر صوبت ناؤ سے اترے۔ تو ایک شخص کثیف کنگی ہاند سے قدموں میں ہوا۔ اور ہاتھ جوڑ کر دہاتی زبان میں عرض کیا کہ اس کے قبل جب آپ گنڈارہ تشریف لائے تھے تو وہاں ہی میں ایک شب میرے یہاں قیام فرمایا تھا۔ اس لئے امیدوار ہوں کہ اس مرتبہ بھی غلام کو سرفراز کیا جائے ارشاد ہوا کہ سامان کر لیا ہے۔ ہمارے ساتھ آؤ تو زیادہ ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ حضور نے پہلے میں نے سامان کیا تھا۔ نہ اب کیا ہے۔ سامان کرانے والے تو آپ ہیں۔ آپ نے تبسم لبوں سے فرمایا۔ ”اچھا۔ چلو۔“

کھوڑے فاصلہ پر جا کر دیکھا کہ میدان میں نیچی نیچی دیواروں پر چھوٹا سا چھپر پڑا ہے اس میں حضور کولے گیا اور اسی حیثیت کا ایک بستر تھا۔ اس پر آپ بیٹھ گئے جب اس خدمت سے فراغت ہوئی تو میزبان نے اسی نامہوار میدان میں ٹاٹ بچھایا۔ اور اس پر بسٹس سید شرف الدین اور صفدر حسین خاں کو بٹھایا اور بقدر استعداد سب کی مدارت کی۔ شب کو چند توسط طبقہ کے مسلمان سر پر خوان رکھے آئے اور کہا سرکار کا کھانا آگیا۔ دسترخوان بچھا۔ کھانے میں مونگ کی دال۔ ترخی کی ترکاری۔ چاول۔ گندہ روٹیاں تھیں جب حضور خاصہ تناول فرما چکے تو دیگر مہمانوں کے آگے کھانا لگایا گیا جس میں بجائے مونگ کی دال کے ماش کی دال تھی۔

اور یہ دیکھا کہ جس قدر وہ میزبان حضور کی تشریف آوری سے مسرور تھا۔ اسی قدر قبلہ عالم اس چھپر میں خادموں سے خوش مزاجی کی باتیں کر رہے تھے۔ اور اس نسبت کا یہ اثر تھا کہ اس میدان میں یہ مقتدر مہمان آرام سے سوئے۔ اور صبح کو حضور کی معیت میں بارہنگی روانہ ہوئے۔

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نا آشنا میزبان سے بھی روشناس کرادوں سنئے کہ ان کا نام میاں رجب تھا۔ اور قوم کے لال بگی مہتر تھے۔ مگر اس کے ساتھ بارگاہ وارثی کے قدیم حلقہ بگوش تھے اور بالآخر ہمارا وہ حق شناس بھائی ۱۳۱۷ ہجری میں بموقعہ میلہ کا تک

حضور کا تہ بند پوش فقیر ہو کر احمد شاہ کے ممتاز خطاب سے سرفراز ہوا۔ اور اسی روز حکم ہوا کہ حج کرنے جاؤ چنانچہ حسب الحکم وہ گئے اور بعد اسے حج مدینہ طیبہ کے راستے میں وہ جاں بحق تسلیم ہوئے۔

اگر توفیق الہی شامل حال ہو۔ تو اسی واقعہ سے اخلاق حسنہ کے بہترین سبق ہم حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر بغیر کسی تشریح کے کبھی استفادہ سمجھنا تو زیادہ دشوار نہیں معلوم ہوتا ہے کہ واقعی جو حقیقت شناس ہیں وہ دنیا کی فانی اور ناپائیدار چیزوں پر نظر نہیں کرتے۔ کیونکہ امیر اور غریب ہونا انسان کی صفت اضافی ہے جسے ہمیشہ تغیر اور انقلاب ہوا کرتا ہے۔

البتہ خلوص اور محبت کی قدر و قیمت عاشقان رب العزت ہی جانتے ہیں جس کی مثال کے لئے یہی کافی ہے کہ ہماری آنکھیں شاید ہیں کہ ایک بے بضاعت بھنگی کی ایسی پرورش اور عزت افزائی صرف اس کے خلوص و محبت کی وجہ سے شہر پار اقلیم سیادت نے فرمائی جو بڑے بڑے شرفائے اہل ثروت کو نصیب نہیں ہوئی۔

یہ بھی حضور کی مخصوص عادت تھی کہ دوران سفر میں کسی شہر یا قصبہ یا گاؤں میں پہلی مرتبہ جس کے مکان میں ایک شب کے لئے بھی قیام پذیر ہوئے۔ پھر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو اسی کے یہاں قیام فرمایا۔ بلکہ اکثر مقامات پر یہ ہوا ہے کہ حضور قبلہ عالم ایسے شخص کے یہاں ہوئے جو غریب یا چھوٹے طبقہ کا آدمی تھا اور بعد میں وہاں کے شرفا اور سربراہ اور وہ حضرات حلقہ بگوش ہوئے اور انہوں نے ان الفاظ کے پردہ میں التجا کی کہ اس مکان میں آپ کو تکلیف ہوتی ہے حضور ہمارے مکان میں قیام فرمائیں۔ مگر سرکار عالم پناہ نے کبھی اس کو پسند نہیں کیا۔ اور یہی فرمایا کہ وضع کے خلاف ہے۔

چنانچہ ایسے متعدد واقعات میں سے میرے سامنے کا ایک واقعہ یہ ہے کہ شاید ۱۳۱۳ھ ہجری میں بمقام بہرائچ حافظ پیارے صاحب نے نہایت اولوالعزمی سے آپ کی دعوت کی جس میں چند راجہ بھی ان کے یہاں تھے۔ واپسی کے وقت حضور قبلہ عالم کے قدیم

حلقہ بگوش محمد سلیم مستری نے جو معمولی تنخواہ پر ریاست پیانگپور میں ملازم تھے۔ آپ کو یہ استحقاق دکھا کر دعویٰ کیا کہ قبل اس کے مجھے یہ سعادت نصیب ہو چکی ہے کہ بہرائچ سے واپسی میں ایک شب کے لئے آپ نے میرے غریب خانہ پر قیام فرمایا تھا۔ جب یہ خبر راجہ صاحب پیانگپور کو ہوئی جو اسی جلسہ میں موجود تھے۔ تو حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر دست بستہ بتلجی ہوئے کہ محمد سلیم غریب آدمی ہے اور اس کا مکان بھی اسٹیشن سے دور ہے اور خاکسار کی کوٹھی گویا اسٹیشن پر ہے۔ لہذا آپ کو کوٹھی میں قیام فرمائیں تو میری عین عزت افزائی ہو۔ راجہ صاحب کا یہ اظہار کرنا کہ مستری غریب آدمی۔ قبلہ عالم کو ناپسند ہوا اور ترش لہجہ میں فرمایا کہ ہم کو نہ کسی امیر سے غرض ہے نہ غریب سے۔ مستری کو محبت ہے۔ اور اس کے یہاں ہم ٹہر چکے ہیں۔ اب دوسری جگہ رہنا وضع کے خلاف ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ محمد سلیم کے خوش پوش مکان میں اسٹیشن سے دور جا کر قیام فرمایا۔ اور باد جو اصرار بلیغ راجہ صاحب کی رفیع الشان کوٹھی میں رہنا گوارا نہ کیا۔

انتہایہ کہ حضور قبلہ عالم کو وضع کا لحاظ اس قدر تھا کہ دیہات کے سفر میں اگر کسی مقام پر استنجا کیا یا کسی درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے واسطے قیام فرمایا۔ یا کسی کوئیں کا پانی پیا۔ تو جب کبھی اُس راستہ سے گزر ہوا تو اسی مقام پر ضرور استنجا کیا۔ جہاں پہلے کیا تھا۔ اور اسی درخت کے سایہ میں وقفہ کرنا لازمی تھا۔ اور اسی کوئیں کا پانی نوش فرماتے تھے۔

غرض اس زمانہ میں حضور قبلہ عالم زیادہ اضلاع لکھنؤ یا اطراف بارہنکی میں سیر فرماتے تھے۔ اور گاہ گاہ آگرہ وغیرہ کی طرف جانا ہوتا تھا۔ اور اس سیاحت میں دائم علی شاہ اس شان سے ہمراہ رکاب رہتے تھے کہ حضور کا سیاہ کمل کاندھے پر اور گنگھا و سرمہ دانی ہاتھ میں۔

لیکن اوائل میں سرکار عالم پناہ کی آمد اور روانگی میں یہ شان محبوبیت تھی کہ نہ تاریخ تشریف آوری سے میزبان مطلع ہوتا تھا۔ اور نہ اس کی خبر ہوتی تھی کہ آپ کس قدر قیام فرمائیں گے۔ طریقہ یہ تھا کہ جب اُس عقیدت شعار کے مکان کی جانب سے آپ کا گزر ہوتا تھا جسکو خدمتگزاروں کا

استحقاق پہلے سے ماہل ہے تو آپ اس کے یہاں ضرور قیام پزیر ہوتے تھے۔ اور جس وقت دل گھبراتا تھا تو عزم رزوانگی فرماتے تھے۔

چنانچہ میں نے اپنی صغیر سنی ہیں دیکھا ہے کہ جناب والا کی تشریف آوری عموماً دن میں اور دفعتاً ہوتی تھی اور زمانہ مکان کے اس کمرہ میں آپ چلے جاتے تھے جو ہمیشہ سے آپ ہی کے قیام کے واسطے مخصوص تھا۔ اور دائم علی شاہ کا بستر وہاں مکان میں ہوتا تھا۔ اور ایک یا دو روز کے بعد یا اسی روز اگر عزم رزوانگی فرمایا تو اس کی بھی خبر میزبان کو پہلے سے نہیں ہوتی تھی۔ اور نہ کسی کی یہ مجال تھی کہ روکنے کا خیال کرے۔

خلاصہ یہ کہ مشربی نسبت کے لحاظ سے آپ کی آمد و روانگی بھی انتظام سے قطعاً معرا تھی۔ اگرچہ ایک طور پر آپ کی تشریف آوری کی یہ غیر معمولی صورت دیکھ کر ہم ظاہر بینوں کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ دفعتاً ایسے جلیل القدر مہمان کے آجانے سے میزبان فوراً سامان کرنے کی وجہ سے ضرور متروک اور پریشان ہوتا ہوگا۔

مگر جب اس تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں تو ہمارا خیال بدل جاتا ہے۔ اور اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حضور قبلہ عالم کی یہ غیر منتظم تشریف آوری بھی مفاد و خوبی سے مملو و معمور۔ اور نہایت بکار آمد تعلیم ہے۔ بلکہ آپ کے خدمت گزاروں کے واسطے اس لاعلمی کو اگر روحانی مجاہدہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

کیونکہ حضور قبلہ عالم کے وہ خدمت گزار ارادتمند جن کے غریب خانہ پر آپ قیام پزیر ہوتے تھے۔ تاریخ تشریف آوری سے لاعلم ہونے کے باعث ہر روز آپ کا انتظار کرتے تھے۔ اور ہمہ وقت اسی خیال میں رہتے تھے کہ اگر حضور ابھی آجائیں۔ تو ہم ان خدمات کے لئے تیار رہیں جو ہمارا فرض منصبی ہے۔

چنانچہ میں نے اپنی والدہ کو حضور کی تشریف آوری کے خیال میں اس طرح مصروف دیکھا ہے کہ ان کا معمول تھا ہر روز بعد نماز فجر اس کمرہ کو صاف کرتی تھیں جس میں آپ کا بستر

ہمیشہ بچپارہتا تھا۔ جب لوہان یا اگر کی بتی جلا کر کمرہ کا دروازہ بند کر دیتیں۔ تو پھر آپ کی افطاری کا سامان۔ آلو۔ اروی۔ شکر قند وغیرہ کو دیکھتیں جو چیز خراب ہو جاتی اس کو نکال کر دوسری منگا کر رکھ دیتیں۔ مگر کے پلنگ جو پیش نظر آسکتے تھے ان کو ہٹا دیا جاتا۔ کیونکہ حضور کو پلنگ کا دیکھنا بھی ناگوار تھا۔ اکثر سہ پہر کو حضور کے واسطے افطاری اس سرگرمی سے پکاتیں کہ معلوم ہوتا تھا آپ تشریف فرما ہیں۔ اور یہ ان کی خدمت میں مصروف ہیں۔ جب رات ہو جاتی تو بالیوں ہو جاتیں اور کہتیں کہ اب سرکار نہیں آئیں گے۔

اس اعتبار سے میں سمجھتا ہوں کہ جملہ خدمت گزاروں کا یہی طرز عمل یا اس سے زیادہ غلو اور اہٹاک ہوگا۔ اور شبانہ روز اسی خیال میں مجھو مستغرق رہتے ہوں گے۔ لہذا غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا وقتاً آنا مصلحت سے عالی نہ تھا۔ بلکہ اس پردہ میں حضور قبلہ عالم نے اپنے ہر خدمت گزار کو اس ممتاز ریاضت میں شب و روز مشغول رکھا جو محبت کامل کی مخصوص علامت ہے۔ اور جن کو اصطلاح صوفیہ میں تصور کامل کہتے ہیں۔ اور یہ وہ حالت ہے جو صاحب دیدویانت اور فائز المرام حضرات کو نصیب ہوتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ خدمت گزار یقینی مہولی دینا دار تھے جنکی روحانی استعداد کا معیار بھی ادنیٰ اور محدود ہونا لازم ہے۔ پس اپنی حیثیت کے خلاف اور اہلیت سے بہت زیادہ ایسی رفیع المرتبت روحانی ریاضت کے وہ عامل اور تحمل کیونکر ہوئے۔

اس کے جواب میں ہم سوتے اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ واقعی ان خدمت گزاروں کی بظاہر طاقت ہرگز نہ تھی کہ ایسا جلیل القدر شغل اور اس آسانی سے کرتے۔ بلکہ درحقیقت اس صاحب قوت کے تصرفات کا یہ کیشمہ تھا جس کی خدمت کے اثرات و برکات نے اپنے ادنیٰ غلاموں سے وہ کام کرایا جو صاحب مدارج و مراتب کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ تعجب خیز واقعات بعض غلامان وارثی کے حالات میں آئندہ ایسے منقول ہوں گے کہ تصرفات وارثی نے ان سے خلاف فطرت انسانی مجاہدہ کرایا۔

لیکن کچھ عرصہ کے بعد حضور قبلہ عالم نے اس طرز سیاحت میں اس بہت سے ٹھوڑی ترمیم فرمائی کہ مختلف مقامات کے مشتاقین زیارت اور طالبین بیعت نے جب متواتر یہ استغاثہ پیش کیا کہ فلاں مقام پر جناب والا کی تشریف آوری کی خبر ہم کو آپ کی روانگی کے بعد ہونے سے ہماری حسرت قدمبوسی دل کی دل ہی میں رہی۔ لہذا آئندہ کے لئے کوئی صورت ایسی تجویز فرمائی جائے کہ ہم گنہگار بھی زیارت سے محروم نہ رہا کریں۔

چونکہ ارادتمندوں کی یہ شکایت جو زبان حال سے ان کے جوش محبت کی شہادت دے رہی ہے۔ قابل لحاظ ضرورت تھی کہ ان کے قرب و جوار میں آپ تشریف لے گئے۔ اور وہ مشتاق دیدار اپنی لاعلمی کی وجہ سے حاضری سے محروم رہے، مگر ایسی کے ساتھ خبر کرنے والا بھی اپنی مجبوری کے باعث بے قصور تھا۔ کیونکہ دیکھا یہ ہے کہ جس خدمت گزار کے یہاں آپ دفعتاً تشریف لے جاتے تھے۔ وہ میزبان بلکہ اس کے اہل و عیال بھی حضور کی خدمات میں سب سے تہمتن مسرور ہو جاتے تھے۔ اور یہ اندیشہ ان کو اور زیادہ بدحواس کر دیتا تھا کہ ہماری کوئی بات خلاف مزاج اقدس نہ ہو جائے۔ پس ایسی حالت اضطراری میں قرب و جوار کے اخوان ملت کو آپ کی تشریف آوری سے خبردار کرنا۔ وہ بھی فوراً یقینی دشوار تھا۔

بلکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اگر آپ نے روانگی میں کبھی عجلت فرمائی تو اسی سستی کے بعض لوگ بے خبری کی وجہ سے قدمبوس نہیں ہو سکتے تھے اور بعد کو جب معلوم ہوتا تھا کہ حضور قبلہ عالم آئے تھے اور چلے بھی گئے۔ تو ان کو بہت زیادہ افسوس ہوتا تھا۔

چونکہ اہل ارادت کی یہ التماس قابل لحاظ متصور ہوئی۔ اس لئے ہمارے بندہ نواز دستگیر نے ان کی آسانی کے واسطے اس روز سے یہ احتیاط فرمائی کہ جس طرف کی سیاحت کا ارادہ ہو اس جانب کے عقیدتمندوں سے دو چار ہفتہ قبل آپ وعدہ کر لیتے تھے کہ فلاں تاریخ کو فلاں مقام سے ہم ہمارے یہاں آویں گے۔ اس عرصہ میں آپ کی آمد کی خبر اس نواح میں منتشر ہو جاتی تھی اور جملہ حلقہ بگوش وقت کے منتظر رہتے تھے۔

چنانچہ اس معمولی ترمیم کے بعد آپ کی سیاحت کا یہ طریقہ ایسا مفید ثابت ہوا کہ پھر کبھی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اور آخر زمانہ تک اسی قاعدہ پر عملدرآمد ہوتا تھا۔

بلکہ اسی دوران میں بعض غلاموں سے ہمیشہ کے لئے بھی وعدہ کر لیا۔ کہ فلاں تاریخ کو ہر سال تمہارے یہاں آیا کریں گے۔ مثلاً شیخ عنایت اللہ صاحب وارثی تعلقدار سید پور پر جناب والا نے یہ عنایت فرمائی کہ ان سے وعدہ کر لیا کہ ہمیشہ بقرہ عید تمہارے یہاں کیا کریں گے۔ یا راجب دوست محمد خان صاحب وارثی تعلقدار موہنہ ضلع سلطان پور سے یہ وعدہ فرمایا کہ ۲۹ رمضان کو آیا کریں گے اور عید تمہارے یہاں ہوا کرے گی۔

پابندی وضع | حضور قبلہ عالم نے ان مستقل وعدوں کو بھی ہمیشہ پورا کیا۔ کیونکہ مزاج سہاؤوں کا یہ انداز تھا کہ اتفاقاً طور پر اگر کوئی کام ایک مرتبہ بھی آپ نے کیا تو بلحاظ وضع ہمیشہ اس کا خیال رکھا اور اس کی پوری پابندی کی جیسا کہ شرائط سفر کے تحت میں بعض واقعات کا ذکر آ گیا ہے لیکن اس سلسلہ میں بھی مجھلا جناب والا کے بعض عادات مثلاً نگارش کرتا ہوں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ حضور نے روزمرہ کی معمولی باتوں میں بھی ایسی مستقل پابندی فرمائی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ آپ کے ترک عادات میں سے ہے کہ نشست چار زانو قطعاً ناپند تھی۔ گو نشست آداب فقر کے بھی خلاف سمجھی جاتی ہے لیکن بلحاظ وضع دیکھا جائے تو حضور نے اس نشست سے ایسا احتراز فرمایا کہ کبھی اور کسی خاص ضرورت کے وقت بھی اس نشست کو اپنے بے جائز نہیں رکھا۔ چنانچہ ہر روز سراقہ میں ویش اظہر میں شانہ ہوتا تھا۔ اس وضع کا ایسا خیال تھا کہ ہمیشہ وقت معینہ پرفرڈ شانہ کیا بلکہ وقت مقررہ پر اگر خادم کسی دوسری خدمت میں مصروف ہوا تو آپ نے اس کو یاد دلایا۔

علیٰ ہذا سرمہ لگانے میں بھی پابندی دیکھی کہ ہمیشہ وہی آنکھ میں تین سلائیاں اور بائیں آنکھ میں دو لگاتے تھے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سرمہ لگانے کا جو وقت مقرر تھا اس میں وقفہ ہوا ہو۔ یا کسی حالت میں سلائوں کی تعداد میں کمی یا زیادتی ہوئی ہو۔

یہ بھی وضع میں داخل تھا کہ اگر ایک مرتبہ کسی محتاج کی حاجت روانی کی۔ تو جب در دولت پر وہ

حاضر ہوا۔ اس کی اسی کشادہ پیشانی سے اسی قدر پرورش کی گئی جو پہلے کی تھی۔
خاصہ تناول فرمانے کے بعد آپ خلال کرتے تھے۔ اس میں یہ وضع کی پابندی تھی کہ اسی جگہ اور اسی
قدر عرصہ تک خلال ضرور کرتے تھے۔ اور جو خادم خلال پیش کرتا تھا اسی کے ہاتھ سے لیتے تھے۔ اسی کی موجودگی
میں دوسرے خادم کی مجال نہ تھی کہ خلال پیش کرے۔

ہمیشہ جمعہ کے روز قبل چاشت آپ غسل فرماتے تھے۔ تو موسم سرما میں بلکہ عین بارش میں بھی اسی وقت
اور اسی قدر پانی سے ہمیشہ آپ نے غسل کیا۔ وہ بھی اس پابندی کے ساتھ کہ خادم کو غسل کے خدات یوں تفویض
ہوئے تھے کہ کوئی سراقہس کے ہالوں کو بین سے صاف کرتا تھا۔ کوئی ہاتھ کوئی پاؤں کوئی پیٹھ ملتا تھا۔ اور
اگر ان میں سے کوئی خادم نہ ہوا تو اسکی خدمت دوسرے خادم سے کبھی نہیں لی بلکہ خود اس کو انجام دیا۔
اور جس طرح حضور قبلہ عالم نے کمال احتیاط عادات محمودہ کی پابندی فرمائی۔ اسی طرح جو امور غیر ضروری
یا خلاف آداب فقر مشہور ہوئے ان سے کمال احتیاط احتراز کیا۔ انہیں کامتروکات عادات میں شمار ہوا مثلاً
نشست چار زانو، شاید اسلامی لحاظ یا مشربی اعتبار سے ایسی ناپسند تھی کہ اس کا ترک قطعی داخل وضع تھا چنانچہ
آپ نے احتیاط فرمائی، اور کبھی اور کسی خاص ضرورت کے وقت بھی اس نشست کو اپنے لئے جائز نہیں رکھا۔
یا بلیک تخت، کرسی، موٹو یا وغیرہ کی نشست بچت کمال زہد خلاف وضع تھی۔ بلکہ مخصوص متروکات
میں ان کا شمار تھا حتیٰ کہ کسی ارادتمند کے گھر میں اگر آپ تشریف لائے گئے۔ اور بلیک پر نظر پڑ گئی تو واپس آئے
اور اس کے گھر میں جانا ہمیشہ کے لئے ترک فرمایا۔

علیٰ ہذا مچھلی آپ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی۔ گو اس ترک کا واقعی سبب نہیں معلوم ہوا۔ مگر مچھلی کا کھانا
ایسا خلاف وضع سمجھا جاتا تھا کہ حضور کے بعض خدمتگزاروں نے بہ نظر احتیاط اس مطبخ میں کبھی مچھلی نہیں پکائی
جس میں آپ کا خاصہ تیار ہوتا تھا۔

بعض قصبات میں جانا کسی وجہ سے اس طرح ترک فرمایا تھا کہ سرحد قصبہ میں بھی کبھی قدم نہیں رکھا۔ بلکہ
ایک قدیم اور مخصوص خدمتگزار آپ کے پیلسہ ملازمت ایسے ایک قصبہ میں رہنے لگے۔ جو آپ کی گزرگاہ سے خارج
ہو چکا تھا۔ انہوں نے بہت کوشش کی مگر حضور نے انکی دعوت صرف اسوجہ سے نہیں قبول فرمائی کہ اس

قصبہ میں جانا ترک عادات میں ہے۔ جب انہوں نے حدود قصبہ سے دو کوس فاصلہ پر ایک مکان آپکی قیام گاہ کے نام سے نبیارتی آپکی مہانداری کا شرف ان کو حاصل ہوا۔

مہنداسرے پانک لباس آبائی آپنے قطعہ ترک فرمایا۔ اور ستر پوشی کیلئے احرام باندھنا اختیار کیا حالانکہ اس ترک کو آپکے مسلک سے خاص تعلق ہے جسکا ذکر آئندہ آئے گا لیکن پابندی وضع کے لحاظ سے دیکھا جائے تو کبھی اور کبھی مجبوری سے بھی حضور کے لباس کی اس خاص وضع میں سر مو فرق نہیں آیا اور ۱۲۵۲ھ ہجری میں اول بار جو لباس بہتر حضرت مالک الملک کے سالانہ دربار میں حاضر ہوئے تھے وہی لباس اور اسی عنوان سے یکم صفر ۱۳۲۳ھ ہجری وقت وصال تک زیب جسم رہا بلکہ اسی لباس سے آراستہ ہو کر بہنگام وصال شہید حقیقی جلوت عام سے خلوت خاص میں تشریف لے گئے۔

الغرض آپنے کمال احتیاط وضع کی پابندی فرمائی۔ اور ہر قسم کی ترمیم و اضافہ سے آپ کا مقدس لباس ہمیشہ محفوظ رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ صوبہ بہار کی سیاحت میں آپکے پاؤں کی اونگلیاں متورم ہوئیں۔ اور گو حضور نے زبان مبارک سے کچھ نہیں فرمایا۔ مگر انداز رفتار دیکھ کر خیال ہوا کہ درد بھی ہے طیب کی یہ رائے ہوئی کہ روغن سرخ مشک کی مالش ہو اور سرد ہوا سے بچایا جائے۔ شب کو میں نے روغن سرخ کی مالش کی اور چاہا کہ روٹی رکھ کر کپڑے سے باندھ دوں۔ اسکو حضور نے ناپسند کیا۔ تب میں نے اونی پیتا اس لباس کے ساتھ پیش کیا کہ موسم کے اعتبار سے طیب کی یہ رائے ہے کہ سرد ہوا سے حفاظت کی جائے۔ اس لئے اگر مضائقہ نہ ہو تو یہ پیتا باہن لیجئے۔ مسکرا کر فرمایا کہ ہننے کبھی پیتا باہن نہیں ہے علاوہ اسکے جب برہنہ پائی اختیار کر چکے تو پیتا باہن بھی وضع کے خلاف ہے۔ تم نے روغن مل دیا ہے۔ اسی سے خدا کو منظور ہے تو اچھا ہوگا۔

وضع استراحت | انداز استراحت یہ تھا کہ ہر وقت حضور قبلہ عالم داہنے پہلو سے آرام فرماتے تھے اور کبھی اور کسی حالت میں چپت یعنی زمین سے پشت لگانا۔ متر و کات قطعہ میں داخل تھا۔ اور سر کار عالم پناہ نے اپنی اس دشوار ترین وضع کی تاحیات ظاہری کا حقہ پابندی فرمائی۔

اس طرز استراحت کا ذکر پابندی وضع کے باب میں اسوجہ سے آگیا کہ حضور کی یہ زائدانہ عادت پابندی وضع کے پردہ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ بلکہ یہ عرض کروں تو بھی شاید کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ نظر غائر

سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس انداز استراحت سے حضور قبلہ عالم کے مسلک عشق کی اہمیت اور ہمہ وقت خیال شاید حقیقی میں آپ کی محویت نمایاں ہوتی ہے۔

کیونکہ اس ایک طرز استراحت میں۔ دونوں قابل برداشت مجاہدے نظر آتے ہیں۔ اور یہ دونوں مجاہدے آپ کے مدارج علیا کی دلیل۔ اور آپ کے عشق کامل کے شاہد صادق ہیں۔ اس لئے کہ ایک پہلو سے ہر وقت استراحت فرمانا۔ اسی عاشق جانا باز کا طرہ امتیاز ہے جو صاحب مقام فنا کے اتم ہو اور میدان توحید میں اپنی ہستی کو حضرت واجب الوجود کی ہستی کے سامنے نیست و نابود کر چکا ہو۔ اور دوسری ریاضت شاقہ نہایت دشوار اور قوت بشری سے باہر یہ ہے کہ اٹھائیس سال تک زمین سے پشت نہ لگائے۔ جو درحقیقت غیر معمولی نفس کشی اور خلاف فطرت انسانی مجاہدہ ہے۔ جس کو اپنی نظیر آپ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا بقول: آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

لیکن۔ ہر کس از دست غیر نالہ کند سعدی از دست خوشین فریاد

کا مضمون ہے کہ میں نے جس انداز استراحت کو فخر یہ لہجہ میں ریاضت شاقہ اور ناقابل برداشت مجاہدہ کہا ہے۔ مولف جلوۂ وارث نے اس طرز استراحت کے وجود ہی سے انکار کیا۔ اور بجائے زمین سے پشت نہ لگانے کے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور قبلہ عالم چت لیٹتے تھے چنانچہ صفحہ ۱۲۰ باب ذکر استراحت میں آپ لکھتے ہیں کہ جب اچھانا کبھی تھوڑی دیر کے واسطے چت یعنی پشت پر لیٹتے تو ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ لیتے تھے۔ تاکہ ستر عورت نہ کھل جائے۔ لائق مولف کا یہ دل آزار مضمون جو سراپا بے بنیاد۔ اور میرے بچپن سال کے چشم دید واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ نعرے گزرا تو واللہ حیرت ہو گئی کہ ایسا شخص جس کو خاندانی شرف غلامی حاصل ہے۔ اس نے یہ جسارت کیونکر کی کہ آفتاب ہدایت کی مخصوص جلوہ گری کو صریح اور تاریک اتہام کی کر و خاک ستر سے پوشیدہ کرنا چاہا۔ اور بیچو اسے برحق کے اس انداز استراحت سے جس کا زمانہ معترف ہے قطعی انکار کیا۔ اور اپنے قلم سے یہ لکھ دیا کہ آپ چت لیٹتے تھے۔

انھرے لئے استعمال کے خدا نے یہ سمجھ دی کہ اس نااہل نے اپنے علم اور حافظہ پر بھروسہ نہیں کیا۔ بلکہ یہ نظرِ قاصحِ قدیم حلقہ بگوش بارگاہِ وارثی، اور مہرِ حضراتِ دیوبند شریف، اور حضور کے خادم خاص فیضو شاہ صاحب سے مولف موصوف کی اس معلومات کا ذکر کیا۔ اس وقت مجھ کو اطمینان ہوا اور اپنے علم اور حافظہ پر اعتبار کیا۔ اور یقین ہوا کہ مولف موصوف کی جدت پسند طبیعت کا یہ بھی ایک کرشمہ ہے۔

معلوم نہیں کہ اس میں دینی یا دنیوی کیا فائدہ تھا کہ جس حالت میں قریب قریب جملہ حلقہ بگوش جانتے ہیں کہ یہ فعل حضور کے متروکات میں داخل ہے۔ اس کو کشادہ پیشانی سے آپ کے عادات میں لکھ دیا۔ اور اس کا بھی خیال نہ کیا کہ ہمارے رہنمائے کمال پر یہ بہتان صریح ہے۔

لہذا اب آواز بلند یہ شہادت دیتا ہوں کہ ہمارے سرکارِ عالم پناہ کے خصوصیات میں ہے کہ خیالِ مجاہدہ، یا بہ لحاظ وضعِ تاحیات ظاہری زمین سے پشت نہیں لگائی۔

بہر کیف یہ مسلمہ ہے کہ حضور قبلہ عالم نے کمال ضبط و استقلال وضع کی پابندی فرمائی بلکہ بعض ملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صفت آپ کی خاندانی تھی۔ چنانچہ اکثر یہ فرمایا ہے کہ ”سید و اڑے میں سب وضع دار تھے جو کہتے تھے وہ کرتے تھے“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ہمارے خاندان میں ایسے پابند وضع تھے کہ چچا، ہمارے والد سے ناخوش ہو کر بریلی چلے گئے اور کہہ گئے کہ جب مر جاؤ گے تو آؤنگا۔ وہی کیا کہ جب انتقال کی خبر سنی تو آئے۔ اور فاتحہ میں بہت روپیہ صرف کیا“

شاید اسی مناسبت سے حضور قبلہ عالم نے اپنے غلاموں کو بھی پابندی وضع کی ہدایت فرمائی اور جس خوش نصیب نے تعمیل کی۔ اس سے آپ خوش ہوئے۔ جیسا کہ مولوی محمد کبھی صاحب وارثی وکیل رئیس عظیم آباد جن کو سرکارِ عالم پناہ نے وضع دار کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ کیونکہ مولوی صاحب موصوف نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کے پابند رہے۔ حتیٰ کہ میلہ کا تک میں جس تاریخ کو وہ پہلی

مرتبہ آئے تھے۔ اسی تاریخ کو ہمیشہ حاضر ہونے رہے۔ بلکہ ایک مرتبہ ان کو یہ دشواری پیش آئی کہ ان کی لڑکی عارضہ ہیضہ میں مبتلا تھی۔ اور تاریخِ حاضری آگئی۔ مولوی صاحب اس کو احتضار کی حالت میں چھوڑ کر دیوبند شریف چلے آئے جس کے دوسرے روز مریضہ کے معالج ڈاکٹر اسد علی خان صاحب کا تارا یا کہ لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ جب یہ خبر حضور قبلہ عالم نے سنی تو مولوی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ مولوی صاحب تم نے تو اپنی وضعداری دکھادی لیکن اکثر مریض کو سکتہ ہو جاتا ہے۔ اور بیمار دار سمجھتے ہیں کہ یہ مر گیا۔ اس وقت حاضرین نے اس کا خیال نہیں کیا کہ اس ارشاد کے پردہ میں کیا تصرف فرمایا۔ مگر تیسرے روز مولوی صاحب کے نسبتی بھائی شمس العلماء نواب سید امداد امام صاحب کا خط آیا کہ چھ گھنٹہ کے بعد لڑکی زندہ ہو گئی۔ اور اب اچھی ہے۔ بصدق تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔

عرض ہم سمجھتے یہ تھے کہ وضع کی پابندی طاعات و عبادات میں داخل نہیں ہے بلکہ صفات محمودہ میں سے یہ بھی ایک اخلاقی صفت ہے۔ اور عموماً کریم النفس اور سلیم الطبع اشخاص اس صفت سے موصوف ہوا کرتے ہیں اور ہمیشہ اس صفت کا اپنے موقع پر اظہار ہوتا ہے۔ مگر دیکھا یہ کہ حضور قبلہ عالم کی پابندی وضع بھی بعض ایسے طاعات جناب باری سے مملو تھی جس کا وہم و خیال بھی نہیں آسکتا کیونکہ بظاہر وضع کی پابندی کو ریاضت و مجاہدت سے کیا تعلق۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے پابندی وضع کے پردہ میں وہ کام کیا جو حقیقتاً ناقابل برداشت مجاہدہ تھا۔ اور خصوصیت صرف پابندی وضع ہی پر موقوف نہ تھی بلکہ تامل کی نظر سے دیکھا جائے تو حضور قبلہ عالم کے جملہ عادات غیر معمولی مجاہدات تھے۔ اور آپ کے طرز معاشرت کا کوئی حصہ ریاضت شاقہ سے خالی نہ تھا۔ اسی خیال سے رسالہ ہذا میں آپ کے ریاضات و مجاہدات کا مستقل باب رکھنا غیر ضروری سمجھا کیونکہ انصاف سے دیکھا جائے تو آپ کی پوری سیرت ریاضت و مجاہدت سے مملو ہے۔

پانی نوش فرمانی کا انداز چنانچہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے پانی نوش فرمانے کا یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا کہ اول تو پانی بہت قلیل مقدار میں پیتے تھے لیکن تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد شنگی معلوم ہوتی تھی۔

اور پانی پینے کے وقت سکوت کا عالم۔ اور کسی مخصوص خیال میں محویت کی صورت ہو جاتی تھی۔ اور پانی پینے کے بعد لبوں کی جنبش محسوس ہوتی تھی جس سے یہ اظہار ہوتا تھا کہ آپ کچھ فرماتے ہیں۔

اور پانی طلب کرنے کا انداز تو خاص تھا کہ بوقت تشنگی کبھی یہ نہیں فرمایا کہ پانی لاؤ۔ کیونکہ جسمانی ضروریات کے واسطے کوئی چیز طلب کرنا کلیتہً مشرب اور متروکات عادات میں سے تھا بلکہ آپ کا دستور یہ تھا کہ خادم سے مخاطب ہو کر نہایت نرم اور خوشگوار لہجہ میں فرماتے تھے کہ ”پانی پی لیں“ اگر خادم نے یہ عرض کیا کہ ابھی تو آپ پانی پی چکے ہیں۔ تو آپ خاموش ہو جاتے تھے۔ اور اگر وہ لے آیا تو آپ نے پی لیا۔ خلاصہ یہ کہ آپ کا پانی پینا تشنگی پر منحصر نہ تھا۔ بلکہ خادم کی مرضی پر موقوف تھا۔

حضور قبلہ عالم کا بجائے حکم پانی طلب کرنے کے بکمال علم اور دل آویز طریقہ سے یہ فرمانا کہ ”پانی پی لیں“ نہایت معنی خیز جملہ ہے جس سے آپ کے مقام رضائے کامل اور تسلیمِ اتم کی شان نمایاں ہوتی ہے کہ وارثِ ارثِ ساقی کو ثرنے تشنگی کے وقت بھی حکم پانی طلب نہیں کیا۔ بلکہ خادم کی رائے پر محمول فرمایا۔ اور سکون کے ساتھ جواب کا انتظار کیا۔ اگر اس نے منع کیا تو بکمال استقلال صبر کیا۔ اور اگر وہ لے آیا۔ تو نوش فرما کر شکر کیا۔ گویا ہمارے آقائے ذی صفات نے خادم کے پردہ میں منشا حضرت واجب الوجود دریافت کیا۔ کہ پانی بھی بغیر آپ کی رضا کے پینا منظور نہیں ہے۔

اگر پانی لاؤ۔ اور پانی پی لیں۔ ان چھوٹے چھوٹے لفظوں کے فرق امتیاز کو نظر غائر سے دیکھا جائے۔ تو دونوں جملوں کے مفہوم میں جو تفاوت ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضور قبلہ عالم نے عادات معاشرت میں بھی اپنے ارشادات و اختیارات کو ارادۃ الہی کے سامنے کلیتہً فنا کر دیا تھا۔ اور تعلقات عالم سے۔ انقطاعِ کامل و قطعی کے۔ جملہ مراحل و منازل طے فرما کر ہر حال میں صرف رضائے پروردگار سے سروکار تھا۔ اور مراد آپ کی عین مراد حق تھی۔ جیسا رضائے کامل کی تعریف میں تاج العارفین حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ السلام نے ”عوارف المعارف“ میں حضرت عارف محاسبی کا جو تیسری صدی میں شیخ الوقت اور صاحب مقامات کبریٰ تھے یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ”الرِّضَاءُ سَكُونُ الْقَلْبِ تَحْتَ جَرِيَانِ الْحَكْمِ“

غرض حضور قبلہ عالم نے خادم سے بھی حکماً پانی طلب کرنے میں احتیاط فرمائی۔ اور اپنے روزانہ کے اس طرز عمل سے متوکل غلاموں کو اس دقیق سبق کا خلاصہ سمجھا دیا کہ جس طرح ہمارے مشرب میں استعمال کرنا حرام ہے۔ اسی طرح ضرورت جسمانی کے واسطے خادم سے بھی حکماً کوئی چیز طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ پانی لاؤ کہنے میں اشارتاً بوسے سوال آتی ہے۔

یہ بھی خیال ہو سکتا ہے کہ حضور قبلہ عالم نے شاید اس لحاظ سے پانی لاؤ نہیں فرمایا کہ اس جملہ کے استعمال کرنے میں کسی قدر امانیت کی شان تھی۔ کہ حکم دینے میں مخاطب کی گوینہ تحقیق ہوتی ہے۔ آپ کا مزاج فطرتاً متواضع تھا۔ پس عینہ امر و تحکم جو فروتنی کی ضد ہے۔ اس کو زبان سے ادا کرنا بھی ناپسند کیا۔ اور انکسار کے لہجہ میں بجائے پانی لاؤ کے یہ فرمایا کہ پانی لیں۔ اس سے آپ کے علم کا یہ اوج و کمال ظاہر ہوتا ہے کہ باوجودیکہ آپ مخدوم عالم تھے مگر خادم سے بھی فروتنی کے ساتھ مخاطب فرمایا۔ بقول سعدی علیہ الرحمۃ
تواضع ز گردن فرازاں نکوست گداگر تو اضع کند خوئے اوست

خاصہ نوش فرمانیکہ طریقیہ اعلیٰ ہذا خاصہ نوش فرمانے کی حقیقت بھی شرح اور بصراحت نکارش کرنا مجھ نااہل کے واسطے ضرور دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ مسلمہ ہے کہ نبی آدم کی زندگی کے لئے غذا کا ہونا لازماًت سے ہے۔ اور حضور قبلہ عالم نے اپنے جسم اقدس کی صحت و توانائی کے واسطے مطابق اصول طبی غذائے بنانی سے پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔ اب سولے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح آپ کے دیگر عادات و معاملات میں روحانیت کی شان ہے۔ اسی طرح روحانی زندگی کے واسطے غذا بھی روحانی ہوگی۔ بقول مولانا علیہ الرحمۃ
قوت جبریل از مطبخ بنود بلکہ بود از دید خلاق الوجود

اس لئے روحانیت کی حقیقت بجز ارباب بصیرت کے مجھ ایسا چھیر ضبط تخریر میں کیونکر لاسکتا ہے۔ البتہ تسلسل حالات کے اعتبار سے یہ جبارت کر سکتا ہوں کہ آپ کے خاصہ تناول فرمانے کی ظاہری صورت جو بزرگوں سے سُنی ہے یا چشم خود دیکھی ہے اس کو مجھ لاکارش کر دوں۔

چنانچہ یہ آپ کو معلوم ہے کہ حضور قبلہ عالم کی ابتدائی عمر کا چھوٹا حصہ اپنی جدہ ماجدہ کے آغوش
حمایت میں گزرا اور چند سال اپنے نسبتی بھائی حاجی خادم علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے ظل عاطفت
میں پرورش پائی۔ اس کے بعد عزرائلی نگرانی کا دور ختم ہو گیا۔ اس وقت سے دعوت کا سلسلہ شروع ہوا لیکن
یہ مستند حضرات سے منقول ہے کہ عہد طفلی سے غذا آپ کی بہت قلیل رہی جو اولیائے عظام کا طریق اور
نبی علیہم السلام کی سنت ہے۔ بمصداق ”الْجَوْعُ طَعَامُ الْأَنْبِيَاءِ“

اور جس طرح ہمیشہ سے کھانے کی جانب آپ کو رغبت کم رہی۔ اسی طرح تقسیم کرنے کا شوق ابتدا
سے زیادہ تھا۔ چنانچہ جناب شاہ فضل حسین صاحب ارثی زینب سجادہ حضرت شاہ ولایت محمد عبد المنعم قادری
کنز المعرفۃ علیہ الرحمۃ ناقل تھے کہ ایک زمانہ میں یہ شہرت ہوئی کہ جناب الالکی دادی صاحبہ کے مکان میں
ایک جن ہے جو روزانہ روٹیاں اور کبھی کبھی برتن اٹھائے جاتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد بعض برتن محلہ کے غریبا
کے گھر میں دیکھے گئے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مٹھن میاں ان میں کھانا دے گئے تھے۔ جب آپ سے
پوچھا تو فرمایا ہاں۔ تمہارے یہاں تو غلہ بھرا ہوا ہے۔ اور برتن اس قدر ہیں کہ رکھنے کی جگہ نہیں۔ اور
وہ غریب فاقہ کرتے ہیں۔ اور مٹی کے برتن بھی ان کے پاس نہیں۔ ہم سے دیکھا نہیں گیا۔ روٹیاں بھی لے
جا کر ہم ان کو دیتے ہیں۔ اور برتن بھی ہمیں دے آئے ہیں۔

الغرض غریب و مساکین کی امداد کرنا آپ کی فطری عادت تھی۔ بچپن میں اپنے جسم کے کپڑے جب
کسی محتاج کو آپ دے آتے تھے۔ اور نہایت مسرت سے یہ واقعہ گھر میں بیان کرتے تھے تو چونکہ فارغ
البالی کی حالت تھی اس لئے دادی صاحبہ بھی کچھ نہیں کہتی تھیں اور ہمیشہ ضرورت سے زیادہ آپ کے کپڑے
تیار رکھتی تھیں اور پر تکلف کھانے آپ کے واسطے روزانہ تیار کرتے تھیں۔ مگر وہ کھانے آپ کو مزہ خوب
نہ تھے۔ کیونکہ ابتداء سے آپ سادگی اور بہت قلیل غذا فرماتے تھے۔

حتیٰ کہ قلیل غذا کے علاوہ جب چودہ سال کی عمر میں اپنے رمضان کے روزوں کے بعد شش عید کے
روز سے رکھے تو اسی سلسلہ میں آپ ائم الصوم ہو گئے۔ اور جب حضور نے حجاز کا سفر فرمایا تو اس وقت سے آپ
ہفت روزہ افطار کرنے لگے۔ اور تقریباً پچاس سال کی عمر میں جب شکوہ آبا میں آپ علیل ہوئے تو اطباء کے

متواتر اصرار سے شور بھی آپ کے کھانے میں داخل ہوا اور روزانہ مگر سادی اور بہت قلیل غذا تناول فرمانے لگے۔
لیکن عموماً آپ کے کھانے میں مقشر مونگ یا ماش کی دال میں پالک یا بھوے کا ساگ اور چپاتی اور چاول ہوتے
اور بقیہ کھانے زہد کمال جس طرح دیگر اسباب دنیا سے قطعی احتراز تھا اسی طرح کھانے کا انتظام بھی متروک
بلکہ مشرباً ممنوع تھا۔ جو خاص لازمہ فقر ہے جیسا کہ امام ابوالمواہب عبد الوہاب شمرانی نے طبقات الکبریٰ میں
شیخ بقا بن بطوطہ علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔ "الْفَقْرُ تَجْرِدُ الْقَلْبَ عَنِ الْعَلَائِقِ وَاسْتِقْلَالُهُ بِاللَّهِ سُبْحَانَهُ"

خلاصہ یہ کہ عنفوان شباب سے حضور قبلہ عالم نے دعوت کا کھانا نوش فرمایا۔ اور اس
خوبی سے کہ کبھی امیر و غریب کا امتیاز نہیں کیا۔ اور ایسی خندہ پیشانی سے سب کی دعوت قبول مانی
کہ میزبان مسرور ہو جاتا تھا۔ اور اپنی خدمتگزاری پر خود ناز کرتا تھا۔ چنانچہ اس مضمون کے واقعات
بکثرت منقول ہیں جن کو خوف طوالت نقل کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

اور خاصہ نوش فرمانے کا طریقہ یہ تھا کہ باوجود اس کے کہ حضور وقت کے بہت پابند تھے
لیکن کبھی اگر کسی وجہ سے کھانا آنے میں کچھ عرصہ ہوا۔ تو بھی آپ نے کھانا طلب نہیں فرمایا
بلکہ میزبان کھانے کے جب حاضر ہوتا تھا تو خادم عرض کرتا تھا کہ حضور کھانا آگیا۔ جس کے
جواب میں اکثر آپ فرماتے تھے کہ "ہاں کھانا آگیا"۔ اور کبھی شمس لبوں سے ارشاد ہوتا تھا کہ
"آپ آگئے" اور ہمیشہ دونوں زانو کھڑے کر کے یعنی اوکڑوں بیٹھ کر اور گوشہ تہ بند سر پر
ڈال کے آپ خاصہ نوش فرمانے تھے۔ نہ کبھی اس نشست میں تغیر ہوا۔ اور نہ برہنہ سر آپ
نے کھانا تناول فرمایا۔

خادم دسترخوان پر ہر ایک کھانے کا نام لے کر حضور قبلہ عالم کے سامنے پیش کرتا تھا
لیکن پُر کلف کھانوں سے چونکہ آپ کو رغبت نہ تھی اس لئے اکثر دریافت کرتے تھے کہ دال
کس میں ہے خادم بتا دیتا تھا۔ اور پہلے دال ہی سے چند قلمہ تناول فرمانے لگتے۔ اس عرصہ
میں خادم نے ایک گرم چپاتی توڑ کر شوربہ میں ترکی۔ اور جب دال سے آپ نے دست کشی
فرمائی تو شوربہ کا پیالہ پیش کر دیا جسکو عربی میں شرید کہتے ہیں، اور جس کو تاجدار مدینہ نے

خیر الطعام فرمایا۔ اور علمائے عظام و صوفیائے کرام کا اتفاق ہے کہ اس سرینج الہضم غذا کا کھانا مبارک اور مسنون ہے پھر چادریوں میں شور بہلا کر خادم نے پیش کیا۔ تو اس کے بھی چھوٹے چھوٹے دو تین لقمے نوش فرما کر۔ خادم کی طرف دیکھا۔ اس نے پانی کا گلاس پیش کیا۔ تو قریب نصف گلاس پانی پی کر فرمایا کہ دسترخوان اٹھاؤ۔ اس وقت خادم پر تکلف کھانوں کی طرف اشارہ کر کے عرض کرتا تھا کہ حضور ان میں بھی ہاتھ لگا دیجئے۔ اس کے اصرار سے آپ نمک چشی کے طور پر چکھو لیتے یا ہاتھ لگا دیتے تھے۔

اسی کو ہم خاصہ نوش فرمانا کہتے ہیں جس کی کل مقدار ابتدائے زمانہ میں پانچ تولہ سے کبھی زیادہ نہ تھی۔ جس میں یوماً فیوماً تغلیل ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ ۱۳۱۸ھ ہجری سے آپ کی روزانہ غذا تقریباً ایک تولہ ہونے لگی۔ وہ بھی بعد اصرار۔ ورنہ کسی روز انکار فرمایا۔ تو وہ بھی نہیں۔

اور دیوبند شریف کے قیام میں بھی آپ کی دعوت کی یہی صورت تھی۔ اگر کوئی فرق تھا تو صرف اس قدر کہ عمائدین دیوبند کی دعوت کا تقریباً ستر بار گاہ وارثی سے منظور ہو گیا تھا اور جب حضور شریف لاتے تھے تو حسب دستور اکثر تین ہی روز قیام فرماتے تھے۔ پہلے روز شیخ کرم احمد صاحب وارثی جن کو بعد میں تہمند پوش ہونے کا اعزاز اور معروف شاہ کامتاً خطاب مرحمت ہوا تھا۔ اور دوسرے روز شاہ فضل حسین صاحب وارثی سجادہ نشین حضرت شاہ ولایت محمد عبد المنعم قادری کنز المعرفۃ علیہ الرحمۃ۔ اور تیسرے روز شیخ غلام علی صاحب وارثی عرف گھیسٹے میاں آپ کی خدمتگزاری اور آپ کے مہمانوں کی مہانداری نہایت کتاوہ پیشانی سے کرتے تھے۔ کیونکہ طریقہ یہ تھا کہ آپ کی دعوت کے ساتھ آپ کے مہمانوں کی بھی دعوت ہوتی تھی۔

بعد میں کچھ دنوں کے لئے بادشاہ حسین خان صاحب وارثی تعلقدار کبریا کو اس خدمت کا شرف حاصل ہوا پھر عباس حسین خان صاحب وارثی رئیس بابو پور۔ وچو دہری لطافت حسین صاحب وارثی رئیس راندانہ مساوی حیثیت سے ان کے شریک رہے۔ پھر راجہ دوست محمد

خانصاحب وارثی تعلقدار موہنہ کو بھی شرکت کا موقع ملا۔ اور کچھ روز یہ چاروں حضرات اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں راجہ شیر محمد خانصاحب وارثی تعلقدار رائے پور اور راجہ اودت زائن سنگھ صاحب تعلقدار رام نگر شریک ہوئے اور انہیں چھ خدمتگزاروں نے آخر تک اس خدمت کو انجام دیا۔ اور عرف عام میں اسی خدمتگزاری کا نام باری مشہور ہو گیا۔ لیکن دیوبند شریف کی دعوت میں ایک اور امتیازی شان کا اضافہ ہو جاتا تھا کہ علاوہ مقررہ دعوت کے بعض عمائدین دیوبند شریف بھی روزانہ آپ کے واسطے کھانا لے کر حاضر ہوتے تھے اور ان کا کھانا بھی مقررہ دعوت کے کھانے کے ساتھ دسترخوان پر لگایا جاتا تھا علاوہ اس کے جو ایسے مقدر حلقہ بگوش قدسیوں کو آتے تھے جن کے ہمراہ باورچی ہوتا تھا تو وہ بھی پر تکلف کھانے پکوانے اور آپ کے دسترخوان پر لگاتے تھے اور خادم عرض کرتا تھا کہ یہ شیر برنج ٹھا کر بیچم سنگھ لائے ہیں۔ اور یہ پلاؤ ذاب عبد اشکور خاں نے آپ کے واسطے تیار کرایا ہے۔ اور یہ کباب شاہ حسین خاں کے باورچی نے پکائے ہیں۔ اور کھانے کے نام کے ساتھ یہ بھی ہر مرتبہ عرض کرتا تھا کہ حضور اس کو بھی ذرا چکھ لیجئے۔

بمقتضائے لطف عظیم آپ کا دستور تھا کہ خادموں کی التماس اگر اپنے منضبط عادات کے خلاف نہ ہوتی تو اکثر منظور فرماتے تھے۔ اس لحاظ سے کہ کچھ تو خادموں کی محبت آمیز گزارش کا خیال۔ کچھ ان ارادتمندوں کی عزت افزائی جو کمال عقیدت کھانا لائے ہیں۔ آپ ان مختلف کھانوں میں سے بھی کسی کو صرف ہاتھ لگا دیتے تھے۔ اور کسی کو ذائقہ کے طور پر زبان سے لگا کر تعریف کر دیتے تھے۔

چنانچہ ایسے موقع پر اکثر یہ دیکھا ہے کہ حضور قبلہ عالم نے شیر برنج میں ادنگلی لگا کر زبان پر رکھی اور فرمایا کہ وال اچھی پکائی ہے۔ یا پلاؤ کے دو چار چاول کھا کر ارشاد ہوا کہ باورچی بہت ہوشیار ہے کباب خوب پکائے ہیں۔

چونکہ خادم کا بیک وقت بار بار مختلف کھانوں کا نام لینا خیال میں تھا اور اسی کے

اصرار سے کسی کھانے کا ذائقہ لیا۔ تو انہیں کھانوں میں سے جن کا ذکر سورہ ہاقا ایک کھانے کی تعریف آپ نے کر دی۔

الغرض حضور قبلہ عالم کے خاصہ نوش فرمانے کا طریقہ جو متعدد صفات سے مخلوبت ان خوبیوں کا اگر فرداً فرداً ذکر کیا جائے تو بہت طوالت ہوگی۔ اس لئے بہ نظر اختصار اسی ایک صفت آخر الذکر کو کہ سرکار عالم پناہ نے شیر بروج کا ذائقہ لیا تو دال کی تعریف کی کسی قدر صراحت کے ساتھ نگارش کرتا ہوں۔

حالانکہ بادی النظر میں یہ کوئی اہمیت کی بات اور خصوصیت کا واقعہ نہیں معلوم ہوتا ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ حضور نے ذائقہ لیا ہی غور نہیں فرمایا۔ اور جن کھانوں کے نام خادم نے لئے تھے انہیں میں سے ایک کھانے کا نام زبان سے جڑبستہ نکل گیا۔

لیکن یہ نگاہ تامل دیکھا جائے تو یہی ایک صفت آپ کے رفیع المرتبت ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے اور اسی ایک صفت سے آپ کے فقر کامل اور انقطاع تعلقات کی غیر معمولی شان کا اظہار ہوتا ہے۔

کیونکہ فقیر کی حقیقت یہ ہے کہ ماسوائے اللہ سے انقطاع قطعی ہو۔ یعنی جملہ موجودات کی خواہشات سے فراغ اور ان کی یاد دل سے محو اور فراموش ہو جائے۔ جس کو اصطلاح صوفیہ میں ترک کہتے ہیں۔ اور اقسام ترک میں ترک لذات بھی ایک ترک کا نام ہے۔ سالک کو جس کا ترک کرنا لازماً ہے۔

اور محققین ارباب طریقت نے تصریح فرمائی ہے کہ ترک لذات کے تین مدارج ہیں۔ درجہ اول کی تعریف یہ ہے کہ لذیذ اور پر تکلف غذائیں چونکہ مرغوب نفس ہیں اس لئے فقیر کو ان کے استعمال سے احتراز لازم ہے۔ تاکہ نفس مضحک ہو جائے اور درجہ ثانی کی صفت یہ ہے کہ ترک غذائے لذیذ کے ساتھ۔ غذائے لذیذ کی خواہش بھی فنا ہو جائے۔ مگر اس درجہ میں مجاہدہ میں تارک کو کامیابی مشکل سے ہوتی ہے۔ اور درجہ ثالث کی تعریف کا خلاصہ یہ ہے۔

ہے کہ تارک کے خیال سے غذائے متروکہ کا ذائقہ بھی محو اور فراموش ہو جائے۔ یہ مجاہدہ بہت سخت اور دشوار تر ہے۔ اور یہ مرتبہ شاذ و نادر مجاہدین کو حاصل ہوتا ہے۔

ترک لذات کی یہ تعریف سننے تھے۔ لیکن حضور قبلہ عالم کے ترک لذات کے درجہ کمال اور مرتبہ اتم کے خصوصیات کو آنکھوں سے دیکھا کہ آپ نے صرف اشیائے لذیذ اور خواہشات اشیائے لذیذ ہی کو ترک نہیں فرمایا۔ بلکہ اشیائے لذیذ کے حقیقی ذائقہ کے خیال کو صفحہ قلب سے ایسا محو اور فنا کیا کہ مونگ کی دال اور شیر برنج کی لذت کا فرق۔ اور پلاؤ اور کباب کے ذائقہ کا امتیاز باقی نہ رہا۔ اسی ترک کا نام اصطلاح صوفیہ میں ترک ترک۔ یا ترک قطعی۔ یا ترک صادق ہے۔

چنانچہ صاف ظاہر ہے کہ خادم نے شیر برنج اور مقشر دال کا نام لے کر اس درخواست کے ساتھ پیش کی تھی کہ چکھہ لیجئے۔ تو محض اس خیال سے کہ ان کی خاطر شکنی نہ ہو حضور قبلہ عالم نے اونگلی سے چھو کر زبان سے بھی لگالی۔ لیکن شکر اور نمک کے ذائقہ کا امتیاز چونکہ فنا ہو چکا تھا۔ اس لئے بجز اس کے آپ کیا فرماتے کہ خادم سے سسے ہوئے جو دو نام تھے۔ انہیں میں سے ایک کی نسبت یہ ارشاد ہوا کہ دال اچھی پکانی ہے۔

ابن امیر یہ عرض کرنا شاید بے محل نہ ہو گا کہ جس طرح حضور قبلہ عالم ترک تعلقات میں عظیم النظیر تھے۔ اسی طرح ترک لذات میں بھی آپ کو بدرجہ اتم من جانب اللہ کمال حاصل تھا کہ شیریں و نمکین ذائقہ کا فرق بھول گئے۔

چنانچہ اسی مضمون کا ایک قصہ مولانا حاجی علیہ الرحمۃ نے نجات الانس میں نقل فرمایا ہے کہ ایک روز حن بصری و شقیق بلخی و مالک دینار حضرت رابعہ کے مکان پر موجود تھے کہ صفات صدق کا ذکر آیا تو حضرت حن بصری نے فرمایا کہ لیس بصادق فی دعواہ من ، کہ یصاب علی ضرب مولاہ۔ یعنی وہ اپنے دعویٰ میں صادق نہیں جو ابتلائے خداوند برصبر نہ کرے۔ رابعہ نے کہا سچ ہے۔ مگر اس میں بوسے خودی ہے۔ شقیق بلخی نے فرمایا کہ

کَيْسَ بِصَادِقٍ فِي دَعْوَاهُ مَنْ كَمْ يَشْكُرُ عَلَيَّ خَيْرَ مَوْلَاهُ يَعْنِي وَهُ صَادِقٌ نَبِيٌّ جَوْفَانًا
 محبوب پر شکر نہ کرے۔ رابعہ نے کہا سچ ہے۔ مگر جفائے محبوب کو جفا سمجھنا آداب عشق کے
 خلاف ہے۔ مالک دنیا نے فرمایا کَيْسَ بِصَادِقٍ فِي دَعْوَاهُ مَنْ كَمْ يَبْئَلُكَ ذَبِضْرٍ بِمَوْلَاهُ
 یعنی مطلوب کی دی ہوئی ادیت سے لذت حاصل نہ کرے۔ رابعہ نے کہا درست ہے۔
 پھر ہر سہ بزرگوں نے رابعہ سے کہا تم کیا کہتی ہو۔ رابعہ نے فرمایا کَيْسَ بِصَادِقٍ فِي دَعْوَاهُ
 مَنْ كَمْ يَبْئَلُكَ ذَبِضْرٍ بِمَوْلَاهُ یعنی اپنے دعوے میں وہ صادق نہیں جو مشاہدہ
 محبوب میں تکلیف کو بھول نہ جائے۔

حضرت رابعہ عدویہ علیہا الرحمۃ کے اس آخری فیصلہ سے ثابت ہوا کہ سالک اہل طریقت
 کا اپنے دعوے میں صدق واقعی یہ ہے کہ راہ حق کی ابتلا کو ابتلا نہ جانے۔ بلکہ حقیقت ابتلا
 کا خیال بھی فنا ہو جائے۔ جیسا کہ حضور قبلہ عالم کے خاصہ نوش فرمانے کا طرز و انداز سے
 ظاہر ہوا کہ مجاہدہ ترک لذات کے سلسلہ میں تغلیل غذا کے واسطے لذیذ غذاؤں سے بے غلٹی
 کے ساتھ لذات غذا بھی اس طرح فراموش کر دیے کہ دال اور شیر برنج کا ذائقہ۔ اور پلاؤ
 و کباب کی لذت کا فرق و امتیاز قطعاً محو اور فنا ہو گیا۔

قیلولہ و چہل قدمی لیکن مولوی فضل حسین صاحب وارثی مرحوم مولف سیرت وارثی نے
 مشکوٰۃ حقانیہ کے صفحہ ۳۱ میں باب اکل و شرب کا حاتمہ انہیں دو جملوں پر کیا ہے کہ (حضور
 "کھانے کے بعد دن میں قیلولہ اور شب کو چہل قدمی فرماتے تھے" مگر مؤلف موصوف نے
 جس عنوان سے یہ دونوں جملے نقل فرمائے ہیں ان کا مفہوم علاوہ بے ربط ہونے کے خلاف
 شان سیرت وارثی ہے۔ لہذا ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ اس کی بھی صراحت ہو جائے
 اور چونکہ تصریح قصہ طلب ہے۔ اس لئے قیلولہ کی وجہ تسمیہ اور چہل قدمی کی حقیقت تھوڑی
 وضاحت کے ساتھ نگارش کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ حضور قبلہ عالم کے جن عادات کو قیلولہ اور چہل قدمی کہا گیا ہے وہ چہل قدمی

کی مثل تھی۔ اور نہ وہ قیلولہ معروف قیلولہ کے مشابہ تھا۔ بلکہ حضور کے یہ دونوں عادات اپنے طرز میں مخصوص اور انداز میں یگانہ تھے حتیٰ کہ غور کیا جائے تو آپ کا قیلولہ اور پہل قدمی آپ کے مدارج علیا کے شاہد عادل ہیں۔

لیکن قبل اس کے کہ پہل قدمی اور قیلولہ کی تصریح نگارش ہو۔ آپ کے مزاج ہمایوں کی اس کریا نہ صفت سے بھی ہم غلاموں کو آگاہ ہو جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ سرکار عالم پناہ کے خلق عظیم کا یہ انداز تھا کہ روزمرہ کے عادات میں اگر خدام نے بمقتضائے محبت کسی معمولی ترمیم کے لئے متواتر گزارش کی۔ اور وہ گزارش منافی مسلک نہ ہوئی تو اکثر حضور نے اس کو منظور بھی فرمایا ہے جو آپ کے خلق عظیم کی کافی دلیل ہے اور جو درخواست بارگاہ وارفی میں منظور ہو جاتی تھی اس کا عمل درآمد ہمیشہ کے لئے فوراً شروع ہو جاتا تھا۔ کیونکہ آپ کو پابندی وضع کا بہت خیال تھا۔

اور خدام کا نصب العین حضور کی عافیت تھی خصوصاً آپ کی صحت کی نسبت جب ان کو کوئی مناسب تدبیر معلوم ہوتی تھی تو اس کی منظوری کے واسطے خدمت والا میں مختلف عنوان سے عرض کرتے تھے۔ اور چونکہ یہ اصرار ان کا خلوص و ارادت سے ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے اکثر وہ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوتے تھے۔

چنانچہ تقریباً ۱۳۰ھ ہجری کا یہ واقعہ ہے کہ ایک قدیم حلقہ بگوش طبیب حاذق نے کہا کہ شب کے کھانے کے بعد پہل قدمی کو حکمائے متقدمین نے معین صحت لکھا ہے۔ بس اسی وقت سے خدام کو فکر ہوئی۔ اور خدمت بابرکت میں اس طبی مسئلہ کے مفاد کو مختلف پیرایہ میں عرض کرنے لگے۔ اور جب حضور کو خوشنود پایا۔ مستدعی ہوئے کہ شب کے کھانے کے بعد آپ پہل قدمی فرمایا کریں۔ مگر مرتبہ حضور نے آزاد خیالی کے لحاظ سے فرمایا کہ یہ روز کا جھگڑا ہے۔

ایک روز ایسے چند ارادتمندوں نے جن کو مزاج دانی کا شرف اور دربار وارفی

میں باریابی کا اعزاز حاصل تھا۔ خدام کے شریک ہو کر اس درخواست کی منظوری کے لئے اپنے آقائے نامدار سے بچوں کی طرح ضد کی۔ اس وقت ہمارے حلیم الطبع اور عمیم الاخلاق مقتدا نے ان کے خلوص پر نظر فرما کر ارشاد فرمایا کہ "اچھا آج سے ٹہل بھی لیا کریں گے"

لہذا یہ تاریخی واقعہ ہیل قدمی کی منظوری کا ہے۔ اور اسی روز سے ہیل قدمی بھی حضور کے عادات روزمرہ میں داخل ہو گئی۔ لیکن اب دیکھنا یہ چاہئے کہ آپ کی ہیل قدمی کی شان کیا تھی چنانچہ صورت یہ تھی کہ شب کے کھانے کے بعد آپ خلل کرتے تھے۔ گو ضرورت ہو یا نہ ہو مگر حسب معمول تھوڑے عرصہ تک یہ شغل رہتا تھا۔ پھر ایک خادم کے ساتھ پائیں بستر اسی مختصر جگہ میں عجیب محبوبانہ انداز اور ستانہ روش سے چار پانچ قدم چل کر آپ فرماتے تھے۔ بس۔ خادم عرض کرتا تھا کہ ابھی چالیس قدم کہاں ہوئے پھر دو چار قدم چل کر آپ قیام فرماتے تھے۔ خادم پھر وہی عرض کرتا تھا عرض خادم کے بار بار کے تقاضے اور اصرار سے بمشکل دس بارہ قدم ٹہل کر آپ استنجا کے لئے چوکی پر چلے جاتے تھے جو مشرقی صحیحی میں لگی رہتی تھی۔ اس ہیئت مجموعی کا نام ہیل قدمی تھا۔

لیکن اس غیر معمولی ہیل قدمی کی حقیقت کو دیکھا جائے تو بعض اہم مسائل پر روشنی پڑتی ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضور قبلہ عالم بدرجہ اتم راضی برضائے حق تھے۔ اور تقدیر قضاء و قدر کے سامنے ہمیشہ تدبیر کو آپ نے ہیج سمجھا۔ چنانچہ دیکھا کہ باوجود اس کے خادم کے اصرار سے ہیل قدمی کا وعدہ فرمایا۔ اور بظاہر حسب وعدہ ہیل قدمی کی بھی۔ مگر اس عنوان سے جس کو معین عافیت اور محافظت صحت ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ ایسی ہیل قدمی سے کبھی کوئی فائدہ مترتب ہو سکتا ہے۔ لہذا کس خوبی سے ایقائے وعدہ بھی فرمایا۔ اور کمال ضبط و استقلال اپنے نختہ اور موصد نہ خیال کو لوٹ تدبیر سے محفوظ رکھا جس سے لَا تَتَّخِرُكَ ذُرَّكَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ کا حقیقی مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔

اسی کے ساتھ آپ کے خلق عظیم اور لطف عمیم کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ غلام نوازی

ایسی منظور تھی کہ آپ نے ارادتمندوں کی خوشی کے واسطے پہل قدمی کا وعدہ فرمایا۔ جو بندہ پروری کی عین دلیل ہے۔

اس پہل قدمی سے آپ کی وضعداری کی شان بھی نمایاں ہے کہ باوجودیکہ ترتیب صحت مقصود نہ تھی لیکن خدام کی استدعا منظور کی تھی۔ اس لئے روزانہ کی تکلیف گوارا فرمائی۔ الغرض اس مختصر تصریح سے ظاہر ہو گیا کہ حضور قبلہ عالم کی پہل قدمی درحقیقت عام پہل قدمی نہ تھی جس کو مولف مشکواہ حقانیہ نے قلم برداشتہ لکھ دیا کہ ”شب میں آپ پہل قدمی فرماتے تھے۔“ جس کے مطالعہ سے ہر شخص یہ سمجھا ہو گا کہ جس طرح عام لوگ اپنے معدہ اور اعصاب کی تقویت کے واسطے صبح و شام ٹہلتے ہیں۔ اسی طرح اور اسی خیال سے ہمارے سرکار عالم پناہ بھی اپنی صحت قائم رکھنے کے لئے کسی ڈاکٹر یا حکیم کی تقلید میں پہل قدمی کرتے ہوں گے۔ اس وجہ سے میں نے یہ عرض کیا کہ مولف موصوف کا یہ جملہ سیرت و ارتقی کی شان کے خلاف ہے۔

علیٰ ہذا لفظ قیلولہ کی نسبت بھی میں نے اس خیال سے بے ربط کہا کہ اصطلاح میں قیلولہ کے معنی بعد طعام روزا استراحت اور آرام کرنا ہیں۔ اور حضور کا استراحت فرمانا دن کے کھانے پر موقوف نہ تھا۔ بلکہ آپ ہمہ وقت ایک پہلو سے استراحت فرماتے تھے اس لئے دن کے کھانے کے بعد استراحت کا مشروط ہونا بے ربط اور خلاف واقعہ ہے۔ اور قطع نظر اس کے حضور کی جو عادت قیلولہ کے نام سے موصوف ہے۔ وہ صورتاً بھی یہ قیلولہ نہ تھا جو مفہوم ما و شام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پہل قدمی کی طرح حضور قبلہ عالم کا قیلولہ کرنا بھی اپنی شان میں فرد اور نوعیت میں یگانہ تھا۔ بظاہر قیلولہ کرنا ایک معمولی بات ہے۔ مگر یہ بھی مسلمہ ہے کہ آپ کی معمولی بات بھی غیر معمولی اہمیت سے خالی نہ تھی۔ چنانچہ آپ کا قیلولہ کیا تھا۔ اور کیونکر اس کی ابتداء ہوئی اس کا قصہ یہ ہے۔

ایک مرتبہ آپ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ خدام نے حکیم عبدالعزیز صاحب لکھنوی کو بلایا۔ اور فضلہ افاقہ بھی بہت جلد ہو گیا۔ لیکن حکیم صاحب ممدوح نے اپنے ایک روز کے قیام میں یہ بھی دیکھا کہ آپ ہمہ وقت داہنے پہلو سے استراحت فرماتے ہیں۔ موصوف نے خدام سے کہا کہ جناب قبلہ کی اس عادت میں کم سے کم اس قدر ترمیم ضروری ہے کہ شب کے کھانے کے بعد پہلے تھوڑی دیر کے واسطے بائیں پہلو سے آپ استراحت فرمایا کریں، ورنہ آپ کی صحت پر خراب اثر پڑنے کا خوف ہے۔

خدام کو جب یہ معلوم ہوا کہ اصول طبی سے یہ طرز استراحت مضر صحت بھی ہو سکتا ہے تو سب نے بیک زبان ہو کر خدمت والا میں دست بستہ عرض کیا کہ حضور شب کی غذا کے بعد دوسرے پہلو سے بھی ایک وقت معینہ کے واسطے استراحت فرمایا کریں، مگر کچھ عرصہ تک یہ درخواست منظور نہ ہوئی۔ لیکن متواتر اصرار کے بعد حضور قبلہ عالم نے خدام کی یہ گزارش بھی اس شرط کے ساتھ قبول فرمائی کہ اچھا شب کو بائیں پہلو سے بھی لیٹا کریں گے۔ مگر اس قدر کہ جتنے عرصہ میں گیارہ دفعہ سانس لینے جاتے ہیں۔

اس روز سے یہ معمول ہو گیا کہ شب کو حضور جب خاصہ تناول فرماتے تھے۔ تو اس وقت خدام داہنے جانب سے اوگالداں اور وہ رومال خامسیریب کا ٹکڑا جس کو حضور دست مبارک میں لے کر خسار انور کے نیچے رکھتے تھے۔ اٹھا کر بائیں طرف رکھ دیتا تھا اور آپ پہل قدمی اور استنجا کے بعد بستر پر تشریف لاکر پہلے بائیں پہلو سے استراحت فرماتے تھے۔ لیکن صاف ظاہر ہوتا تھا کہ حضور کو بائیں پہلو کی استراحت سے کوئی خاص اور ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ تھوڑے وقفہ کے بعد ہی ارشاد ہوتا تھا کہ میں اب رخ بدل لیں۔ خدام اصرار بھی کرتا تھا۔ مگر کچھ التفات نہیں ہوتا۔ اور زیادہ سے زیادہ ایک منٹ کے اندر آپ بائیں پہلو کو بدل کر داہنے پہلو سے استراحت فرماتے تھے۔ اس مجموعی صورت کا نام اصطلاح خدام میں قیلولہ تھا۔

لیکن یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضور کا بائیں جانب سے داہنے طرف پہلو بدلنا اس صورت سے نہ تھا جس طرح عموماً لوگ کروٹ بدلتے ہیں۔ بلکہ آپ پہلو بدلنے میں جو احتیاط اور اہتمام فرماتے تھے اس کو بھی نظر غائر سے دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ خاص طریقہ یہ تھا کہ پہلے بائیں پہلو سے اٹھ کر آپ دوزانو بیٹھتے تھے۔ پھر رخ بدل کر داہنے پہلو سے استراحت فرماتے تھے اور خادم اذکالداں اور رومال بھی داہنے جانب رکھ دیتا تھا اور چہرہ سے نمایاں ہوتا تھا کہ وہ تکلیف اب نہیں ہے جو بائیں پہلو کی استراحت میں تھی۔

چونکہ چت لیٹنا یعنی زمین سے پشت لگانا حضور قبلہ عالم کے متردکات میں تھا۔ اور مروجہ صورت سے رخ بدلنے میں۔ گو عجلت ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ مگر زمین سے پشت لگنے کا شائبہ ضرور نظر آتا تھا۔ جو شاید مشرباً آپ کو گوارا نہ تھا۔ اور قرینہ ہے کہ اسی لحاظ سے حضور یہ احتیاط اور اہتمام فرماتے تھے کہ پہلے بائیں کروٹ سے اٹھ کر بیٹھتے۔ پھر ایک وقفہ کے بعد داہنے پہلو سے استراحت فرماتے تھے۔ تاکہ چت لیٹنے کا اشارہ بھی نہ ہو۔

چنانچہ قبیلہ کرتے وقت حضور کی بائیں جانب کی استراحت۔ پھر اٹھنا۔ اور دوزانو بیٹھنا۔ اور رخ بدلنا۔ اور پھر داہنے پہلو سے آرام فرمانے کو اگر سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو علاوہ دیگر خوبیوں کے آپ کا وہ ہمیشہ مجاہدہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے جو اپنی نظیر آپ ہے۔ کہ لیٹنا چونکہ باعث آرام و راحت ہے اور آپ عشق شاہد حقیقی میں عافیت و آسائش کے خیال کو بھی محو اور فنا کر چکے تھے۔ لہذا استراحت بھی یوں فرمانی کہ تمام عمر خلاف فطرت انسانی ایک پہلو سے لیٹے۔ اور زمین سے پشت نہیں لگائی۔ جس نے آرام کو جو لازمی نتیجہ استراحت کا ہے قطعاً زائل اور معدوم کر دیا۔

غرض حضور قبلہ عالم کے خاصہ نوش فرمانے کا صرف انداز ایسا مجموعہ اوصاف تھا جس میں متعدد خوبیاں اور ایسے ایسے ناقابل برداشت مجاہدے تھے جن کا تحمل قوت بشری سے باہر ہے۔ لہذا اگر یہ عرض کروں تو ضرور راخوان ملت میرے ہم نوا ہوں گے کہ حضور کے

عادات معاشرت میں سے ایک عادت کی بھی ہم پوری تشریح اور کماحقہ صفت نگارش نہیں کر سکتے۔

چنانچہ ظاہر ہے کہ حضور قبلہ کے ظاہری عادات روزمرہ میں سے ایک قیلولہ فرمانے کی صفت تجھو مچھداں سے کماحقہ نہ ہو سکی اور باوجود اس صراحت کے فی الحقیقت مفہوم نامتام رہا۔ اور اس کا اظہار نہ کر سکا کہ سرکار عالم پناہ نے بایں پہلو کی استراحت کیوں ترک فرمائی تھی اور خدام کے اصرار سے ٹھوڑے وقفہ کے واسطے جب یہ صورت اختیار کی تو تکلیف کا سبب کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور کی سیرت نگاری اہل بصیرت کا کام ہے۔ اگر بجائے مجھ سگ دنیا کے کوئی صاحب دیدویافت یہ واقعہ نگارش کرتا تو اس سے یہ فروگزاشت نہ ہوتی۔

آپ کا عاشقانہ لباس | علی ہذا حضور قبلہ عالم کا مستحسن اور زائدانہ لباس بھی باوجود نہایت سادہ اور غایت بے تکلف ہونے کے اپنی نوعیت میں فردا در وضع میں یگانہ ہے۔ جس کے تار تار سے تجرید کا رنگ اور تفرید کی شان نمایاں طور پر نظر آتی تھی۔ اور جس کی عظمت اور منزلت کی نسبت اسی قدر عرض کرنا کافی ہو گا کہ حضرت مالک الملک کے سالانہ دربار کی یہی مخصوص دروی ہے۔

بلکہ حضور کا یہ مقدس لباس اپنی صوری اور معنوی خوبیوں کے ساتھ زبان حال سے صاحب لباس کے وفور شوق و جوش عشق۔ و نیز صفائے باطن و ماسوائے اللہ سے بے تعلق ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ چنانچہ ابام شعرا فی علیہ الرحمۃ کا قول ہے وَعَسَى الْبَدَنُ لِلْفَقِيرِ اِسْأَرَةٌ لِلتَّجْرِيدِ الْبَاطِنِ عَنِ الْكُوْتِ۔ یعنی فقیر کا برہنہ جسم رہنا اشارہ ہے کہ باطن میں ہستی سے تجرید ہے (الیواقیت و ابجواہر)

مگر کسی مستند روایت سے یہ نہیں ثابت ہوا کہ آپ کے قدیم لباس میں کس ترتیب سے تبدیلی ہوئی۔ کیونکہ اس میں تو سب کو اتفاق ہے کہ تا عنفوان شباب آپ کے

نفس لباس کی وہی صورت رہی جو شرفائے اودہ کی وضع تھی چنانچہ منقول ہے کہ آپ کی جدہ ماجدہ اپنی نگرانی کے دوران میں ہمیشہ قیمتی لباس آپ کے واسطے تیار کراتی تھیں۔ مابعد آپ کی ہمشیرہ صاحبہ نے بھی اس کا بہت زیادہ خیال رکھا کہ جیسا نفاست پسند آپ کا مزاج تھا اسی رعایت سے آپ کو خوش وضع کپڑے پہنائی تھیں لیکن عمر کے ساتھ جوش عشق میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ اور ہنوز چودہواں سال ختم نہیں ہوا تھا کہ دفعتاً طبیعت میں ایسی سادگی آگئی کہ اسباب آرائش و آسائش کی جانب قطعاً التفات نہ رہا۔ چنانچہ میں نے اپنے والد ماجد سے سنا ہے کہ جب حضور نے حجاز کا سفر کیا ہے اس وقت کرتہ اور پانچامہ اور ٹوپی زیب جسم تھی۔ اور زرد مخمل کا سلیم شاہی جوتہ آپ پہننے لگے اور جب اس سفر سے واپس آئے تو آپ پابرہنہ اور احرام پوش دیکھا۔

لیکن اس میں کافی اختلاف ہے کہ آپ نے قدیم لباس بیک وقت تبدیل فرمایا۔ یا وقتاً فوقتاً تغیرات ہوئے۔ چنانچہ قریب قریب جملہ مؤلفین سیرت و ارثی کا یہ خیال ہے کہ حضور قبلہ عالم نے آبائی لباس کو بدعتات اور مختلف مقامات پر ترک فرمایا۔ اور حج بیت اللہ کے واسطے احرام باندھا تو کرتہ اور پانچامہ بھی خیرات کر دیا۔ اور اس وقت سے احرام آپ کا مستقل لباس ہو گیا۔ اور اسی کی تصریح ان کی نقل کردہ روایات میں مسطور ہے کہ حضور قبلہ عالم نے جوتہ اجمیر شریف میں پھینک دیا۔ جو بہت صحیح ہے۔ کیونکہ حضور کے ایک ارشاد میں یہی مضمون ہے جس کو آپ نے اکثر فرمایا ہے کہ ہم اجمیر شریف پہنچے اور آستانہ پر حاضر ہوئے تو جوتہ رومال میں لپیٹ لیا۔ آگے چلے تو ایک مقام پر دو آزاد فقیر بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میاں صاحبزادے یہ روٹیاں کہاں سے باندھ لائے۔ ہم نے جوتے ان کے آگے پھینک دیئے۔ اور کہا۔ لو یہ تمہارا حصہ ہے۔ کھا لو۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ سفر حجاز میں آپ کو ایک ریگستان ملا۔ جو تازت آفتاب سے اس قدر گرم ہو گیا تھا کہ اس میں جوتہ پہن کر چلنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ مگر دیکھا کہ ایک

مسافر برہنہ پاسفر کر رہا ہے حضور نے اپنا جوتہ اس کو دے دیا۔ اور خود برہنہ پامسافت طے فرمائی۔ اسی طرح ٹوپی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ایک پہاڑ پر حضور جا رہے تھے کہ دفعتاً تیز ہوا کا جھونکا آیا۔ اور آپ کی ٹوپی اڑ گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ٹوپی ملی ہو گئی جسکو کثافت کی وجہ سے آپ نے پھینک دیا۔

مہذا ایک مرتبہ حضور سفر حجاز کا ذکر فرما رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں ٹوپی کا بھی تذکرہ آگیا میں نے عرض کیا کہ والد کہتے تھے کہ بچپن میں آپ کو قیمتی ٹوپی کا بہت شوق تھا۔ مگر معلوم نہیں یہ شوق آپ نے کیوں چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ دوران سفر میں ہم کو ایک دریا ملا جس پر پل نہ تھا۔ ناؤ کے ذریعہ سے لوگ عبور کرتے تھے۔ چنانچہ ہم بھی ایک ناؤ پر سوار ہوئے۔ جب ناؤ بیچ دریا میں پہنچی۔ تو ملاح نے پیسہ طلب کیا۔ ہم نے کہا پیسہ تو ہمارے پاس نہیں ہے ملاح نے کہا۔ کوئی اور چیز دیدو۔ ہم نے ٹوپی اتار کر ملاح کو دیدی۔

مگر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا روایات و نیز ارشادات میں جوتہ اور ٹوپی مسافر اور ملاح کو مرحمت فرمانے کا ذکر ہے۔ اور ترک و انقطاع کا تذکرہ نہیں ہے لہذا اس قدر تو مان لینا ہم کو لازم ہو گیا کہ واقعات مذکورہ صحیح ہیں۔ کیونکہ ارشادات کے ہم معنی ہیں۔ مسافر کو جوتہ بھی دیا اور ریگستان کی تکلیف خود برداشت فرمائی جو آپ کے ایثار کی عین دلیل ہے۔ اور ملاح کا احسان نہیں لیا۔ ایک پیسہ کے عوض اس کو ٹوپی دیدی یہ آپ کی غیوری اور معاملات کی خوبی کا بین ثبوت ہے۔ لیکن اس روز سے جوتہ نہیں پہنا اور ٹوپی جزو لباس نہیں رہی یہ کسی جملہ کے معنی نہیں ہیں۔ بلکہ ارشادات میں اس کا اشارہ بھی نہیں۔ اس لئے یہ واقعات کافی نہیں ہیں۔ بلکہ کسی معتبر روایت یا حضور کے ایسے ارشاد صریح اور واضح کی ہنوز ضرورت ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس وجہ سے حضور نے جوتہ اور ٹوپی پہننا ترک فرمایا۔

لیکن یہ ضرور ہے کہ ۱۲۵۳ھ ہجری کے سفر میں حضور قبلہ عالم نے بدفعات یا بیگت

اپنے قدیم لباس کے ہر حصہ کو خدا کی محبت میں ہمیشہ کے لئے ترک فرمایا۔

بلکہ ان جگہ واقعات کا مفہوم اگر اس عنوان سے بیان کیا جائے تو شاید پھر کسی دلیل کی ضرورت نہ ہو۔ کہ زیادہ قرینہ ہے کہ حضور قبلہ عالم نے اپنے قدیم لباس کے بعض حصوں کا استعمال کرنا خاص واقعات کے لحاظ سے حجاز کے راستہ ہی میں ترک کر دیا تھا۔ اور بقیہ لباس احرام باندھنے کے وقت اُتار دیا۔ اور چونکہ آپ کاج غیر معمولی حج تھا۔ اس لئے اس کے فیود بھی اہمیت سے خالی نہ تھے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ تمامی حجاج بعد ادا کے ارکان حج احرام سے باہر آکر اپنا قومی لباس پہن لیتے ہیں۔ مگر حضور کا احرام شاید اس خصوصیت سے مشروط تھا کہ تاحیات ظاہری تقریباً تہتر سال آپ کا وہی لباس رہا جو معراج معرفت میں زیب جسم تھا۔ اور چونکہ دوسرا لباس محرم کے لئے ممنوع ہے۔ اس لئے آپ کا قدیم لباس ہمیشہ کے لئے متروک ہو گیا۔ اور آپ ﷺ ہجری احرام پوش ہندوستان واپس تشریف لائے۔

آپ کا لباس اور یہ تو قریب قریب سب کو معلوم ہے کہ احرام آپ کا رنگین۔ اور عموماً سوتی کپڑے کا۔ اور عرض میں ڈیڑھ گز۔ اور طول میں چھ گز ہوتا تھا۔ مگر ایام سرمایہ میں اگر کسی ارادتمند نے اوننی کپڑے کا احرام پیش کیا۔ تو حضور نے اس کو بھی قبول فرمایا ہے جس کے استعمال کا یہ طریقہ تھا کہ نصف حصہ سے ستر پوشی اور دوسرا نصف حصہ بطور چادر نہایت سادگی سے زیبوش اس طرح فرماتے تھے۔ کہ فرق انور بالکل کھلا رہتا تھا۔ اس لئے کہ صرف حالت نماز یا خاصہ نوش فرماتے کے وقت گوشہ احرام یا دوسری چادر سراقس سے اوڑھی جاتی تھی۔ ورنہ آپ کے خصوصیات میں ہر کہ سردی کی احتیاط یا تمازت آفتاب سے حفاظت کے لئے کبھی آپ نے یہ اہتمام نہیں فرمایا کہ گوشہ احرام یا دوسرے کپڑے سے فرق انور کو چھپایا ہو۔ بلکہ ہمیشہ سراقس بے نقاب رہا جو محرم کے لئے خاص شرط ہے۔

لیکن بعض معمر حضرات سے سنا ہے کہ اوائل میں کسی خاص وجہ سے یہ بھی ہوا ہے کہ اسی عرض و طول کا احرام دو حصوں میں منقسم ہوا۔ ایک حصہ کو حضور نے تہ بند بنایا اور

اور دوسرا ٹکڑا بطور چادر کے استعمال فرمایا۔ شاید اس وجہ سے آپ کے مقدس احرام کو اڑتند
تہند بھی کہتے ہوں۔

رنگ لباس | لیکن جس طرح آپ کا تہند رنگین ہونا لازمی تھا۔ اسی طرح باعتبار دیگر الوان
کے زرد یا زردی مائل جس میں بادامی بھی شامل ہے حضور کو زیادہ پسند تھا اور سیاہ و سفید و سرخ
رنگ کسی وجہ سے مرغوب نہ تھے۔ اور اس قدر متروک تھے کہ عموماً آپ کے تہند کے واسطے
ممنوع سمجھے جاتے تھے۔ اور برخلاف اس کے زرد رنگ مخصوص ہو گیا تھا۔

مجھ ایسا ظاہر ہیں اور نسبت خیال شخص یہی سمجھ سکتا ہے کہ حضور قبلہ عالم نے احرام ملوں
شاید اسی وجہ سے پسند فرمایا ہو گا کہ دیگر حضرات عارفین نے بھی لباس رنگین استعمال کیا ہے۔
کیونکہ لباس کو صاف کرنا محافظت اوقات میں خلل انداز اور تفریح خاطر کے منافی ہے اس
لئے جامہ رنگین مستحسنت صوفیہ میں داخل ہو گیا ہے۔ اور زرد رنگ کو مخصوص طور پر جو حضور نے
اختیار کیا ہے تو بظاہر اس کا سبب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ زرد رنگ آسان اور بے تکلف ہے
اس لئے آپ کی سادگی پسند مزاج نے جسکو تکلفات سے قطعی اجتراز تھا اس رنگ کو آسانی کے
لحاظ سے پسند کیا ہو گا۔

مگر نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آپ کے وضع لباس سے للہیت
اور حقانیت کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح رنگ لباس میں عشق و محبت کی شان ہے۔ قرینہ غالب
ہے کہ زرد رنگ کی خصوصیات ملحوظ فرما کر حضور قبلہ عالم نے اپنے تہند کے واسطے تجویز کیا ہو گا
جس کو تھوڑی تصریح کے ساتھ نگارش کرتا ہوں۔

چنانچہ محققین حضرات صوفیہ نے بطور کلیہ فرمایا ہے کہ ارباب اہل طریقت کے لباس کا
رنگ ہمیشہ ان کے واردات قلبی کے مناسب حال ہوتا ہے۔ بدیں وجہ ذی مرتبہ سالکین نے اپنی
اپنی حالت و کیفیت کے لحاظ سے مختلف الوان اختیار فرمائے ہیں۔

اسی اعتبار سے حضور قبلہ عالم نے اپنے لباس کے لئے زرد رنگ پسند فرمایا۔ کیونکہ یہ مسلمان

ہے کہ آپ کا مسلک صرف عشق ہے۔ اور عشاق کی معراج کمال فنار اتم ہے کہ عاشق اپنے وجود کو ٹاکر خود شاہد حقیقی میں فنا ہو جائے۔ اور اہل فنا کو خاک سے مناسبت ہے جس کا حقیقی رنگ زرد ہے۔ اس وجہ سے زرد رنگ عاشقوں کو طبعاً مرغوب ہوتا ہے۔ لہذا ہمارے سرکار عالم پناہ نے منازل عشق و مراحل محبت اس خوبی اور اتمام کے ساتھ فرمائے کہ ان کے لوازمات کو بھی نہیں چھوڑا حتیٰ کہ اپنے لباس کے لئے بھی زرد ہی رنگ پسند فرمایا جس کو اہل فنار سے خاص مناسبت ہے۔

علاوہ اس کے حضور قبلہ عالم نے جو مٹی کے حقیقی رنگ کو دیگر الوان سے زیادہ پسند فرمایا تو اس کو خون کا اثر اور خاندانی مذاق کہا جائے تو بھی ناموزوں نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ کے جدنا مدار کو سرکار حضرت رسالت سے ابو تراب کی ممتاز کنیت مرحمت ہوئی ہے اور منقول ہے کہ علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والتنا کو باعتبار دیگر القاب کے یہ خطاب کثرتاً زیادہ پسند تھا لہذا وارث ارث مرتضوی نے جدنا مدار کی یہ سنت ادا فرمائی کہ اپنے لباس کے واسطے مٹی کے حقیقی رنگ کو پسند کیا۔

قطع نظر اس کے۔ اگر اصولاً دیکھا جائے۔ اور روایات صحیحہ سے استدلال کریں تو بھی زرد رنگ کی فضیلت کا حقیقہ ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ منقول ہے کہ حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو زرد رنگ پسند تھا چنانچہ صاحب تیسیر القاری نے جو از الوان کی بحث میں زرد رنگ کی نسبت لکھا ہے کہ "عبداللہ ابن عباس گفتہ کہ اس بہترین رنگہا ست۔ آنحضرت دوست میداشت آنرا کہ رنگ میکرد۔"

علیٰ بن داؤد صحیح بخاری۔ کتاب اللباس میں منقول ہے کہ عبید بن جریج نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ چار باتیں آپ ایسی کرتے ہیں جو دیگر صحابہ نہیں کرتے۔ از انجملہ ایک بات یہ ہے کہ "رَأَيْتَكَ تُصَبِّغُ بِالصُّفْرِ"۔ آپ زرد رنگ استعمال کرتے ہیں" فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَمَّا الصُّفْرُ فَإِنَّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبَغُ بِهَا" فرمایا عبد اللہ ابن عمر نے کہ زرد رنگ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے زرد رنگ استعمال کرتے رسول اللہ کو دیکھا ہے۔ "فَاَنَا أُصْبَغُ بِهَا" پس میں زرد رنگ کو درست رکھتا ہوں۔

الغرض احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ملبوس زرد کا استعمال مسنون ہے۔ اس وجہ سے صفات محمدیہ کے منظر اتم نے اپنے لباس کے واسطے زرد رنگ پسند فرمایا۔

لیکن ایک دوسری حدیث کے مضمون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس رنگ اور اس وضع کا لباس اسی مراض اور صاحب تجرید کا ہوتا ہے جسکو تعلقات دنیا سے احتراز اور ماسوائے اللہ سے انقطاع کامل ہو چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام جن کی روحانیت و حقانیت تجرید و تعزید کا تمام عالم معترف ہے۔ ان کے حالات میں منقول ہے کہ آپ کا لباس ہمیشہ ہم شکل احمر ام اور اصفر اللون رہا۔ حتیٰ کہ رفع الی السماء کے وقت بھی زرد رنگ کی دو چادریں زیب جسم تھیں۔

اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام طواف بیت اللہ میں مشغول ہیں۔ اور دو چادریں زردان کے جسم پر ہیں۔ اور بالوں سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہیں۔

پھر نزول عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت میں بھی یہی نشانیاں بیان فرمائیں جیسا سنن ابنی داؤد جلد ثانی میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نزول کریں گے۔ تو تم دیکھ کر پہچان لو گے کہ مرد ربوع یعنی بن الطویل والقصیر ہوں گے۔ "وَالْحُمَّرَةُ الْبَيَاضُ مُصْرَتَيْنِ كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ" یعنی رنگ صبح سرخی مائل ہوگا۔ اور دو چادریں زردان کے جسم پر ہوں گی۔ اور بالوں سے قطرے ٹپکتے ہوں گے۔

اب اس وضع اور اس رنگ کے لباس کا احترام کافی طور پر ظاہر ہو گیا۔ کہ ایسے جلیل القدر پیغمبر جن کو سرکار حضرت احدیت سے روح اللہ کا خطاب اور رفع الی السماء کا مرتبہ مرحمت ہوا۔ ان کا لباس ہمیشہ زرد اور بصورت احرام رہا اور آخر زمانہ میں جب نزول کریں گے تو اس

وقت بھی بموجب حدیث مذکور مصرتاً یعنی دو چادریں اصفر اللون آپ کے لباس میں نہیں
گی جس کو دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیے کہ آپ احرام پوش ہوں گے۔

لہذا عیسیٰ علیہ السلام کا یہ حلیہ جو درحقیقت روحانیت کا تجسمہ اور صنعت ایزدی کا مرقع
ہے جس کا ذکر مجلاً اس موقع پر کیا گیا۔ اس کے ساتھ ضرورت اس کی بھی تھی کہ جس طرح احادیث
مذکورہ سے ظاہر ہوا کہ حضور قبلہ عالم کے مقدس لباس کا رنگ اور وضع عیسیٰ علیہ السلام کے
مطہر لباس کے ہم شکل اور ہم رنگ تھا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بعض دیگر صفات حمیدہ
اور حالات پسندیدہ سے حضور کے اخلاق حسنہ اور عادات محمودہ کی بھی تطبیق کی جاتی۔ اور
وضاحت کے ساتھ دکھایا جاتا کہ ہمارے سرکار عالم پناہ کا زاہدانہ مشرب اعانتقانہ مسلک
فرق النور مکشوف۔ موئے سردراز جن میں کبھی قنچی نہیں لگی۔ تقریباً ستر سال پابریہ سیاحت کرنا
ابتلا میں تحمل و استغلال۔ ثابت قدم اور نچتہ خیال۔ ماسوائے یار تمام عالم سے دست بردار
توکل پر تکیہ۔ خدا پر بھروسہ۔ تعلقات دنیا سے انقطاع قطعی۔ راضی برضا کے حق۔ ہاتھ کے ظالی
دل کے غنی۔ طبیعت غبور اور مزاج مستغنی۔ نمود و شہرت سے نفور۔ اقوال و افعال اثرات عشق
سے معمور۔ خلق اللہ کے بہرہ دار۔ یار و اغیار کے یکساں خیر خواہ۔ حلم و وسیع اخلاق عمیم۔ راست بازی
کی ہدایت محبت کی تعلیم۔ یہ ایسے متحسن صفات ہیں جن کا آپ کے حالات و واقعات سے پورا
انہار ہوتا ہے۔ اور جن میں خصائل و شمائل عیسوی کی نمایاں طور پر نشان نظر آتی ہے۔ مگر افسوس
طوائف کے خوف سے اس تشریح کو اخوان ملت کی رائے عالی پر چھوڑتا ہوں کہ بظاہر اپنی
اپنی تحقیق و تدقیق کے موافق اور بہ باطن اپنی اپنی یافت اور نسبت کے مطابق وہ تطبیق و تنقید
فرمائیں گے۔ لیکن میں اپنے خیال کی تقلید میں صرف اسی قدر وہ بھی مجلاً عرض کرتا ہوں کہ غورو
تامل کی نظر سے دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ہمارے محمود الصفت رہنما کی ذات
بارکات کو صورتاً اور سیرتاً عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص نسبت تھی کیونکہ حضور قبلہ عالم
کے حالات و عادات عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و عادات سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔

اب ایک شق اور ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی تصریح کر دی جائے تاکہ ہمارا خیال خطرات کے تکررات سے محفوظ رہے۔ وہ یہ کہ میں نے عرض کیا کہ حضور کے حالات و عادات عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و عادات سے بہت مشابہ ہیں۔ اس سے یہ شبہ ہو کہ ولی کے حالات کو نبی کے عادات سے مشابہت دینا خلاف آداب رسالت تو نہیں ہے۔

لہذا میرا یہ خیال نہ اصول تصوف کے خلاف ہے۔ نہ روایات شرعیہ کے منافی ہے۔ چنانچہ مشاہیر حضرات صوفیہ نے بشرح و بسط ارقام فرمایا ہے کہ اولیائے امت محمدیہ انبیاء سابقین کے قدم پر ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اصحاب کو انبیاء علیہم السلام سے مثال دی ہے مثلاً حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم کی نسبت فرمایا کہ تم حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور نوح خلیفہ اللہ کے مثل ہو۔ جس کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق حضرت ابراہیم اور حضرت نوح کی فطرت پر تھے۔ لہذا یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ علمائے شریعت اور محققین ارباب طریقت کے اقوال سے ثابت ہے کہ اولیائے امت محمدی انبیاء علیہم السلام کی فطرت یا قدم پر ہوتے ہیں۔ اَوْلِيَاءُ اُمَّتِي كَالنَّبِيَاءِ بَنِي اِسْرَائِيْلَ۔

اور بعض محققین نے بجائے قدم کے قلب کی لفظ استعمال فرمائی ہے لیکن اس اختلاف لفظی کا تصفیہ امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے کر دیا۔ اور اپنی کتاب "الوقت و الجواہر" بیان مقام الوارثین للرسول من اولیاء کی بحث میں شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل فرمایا "اِنَّ اَطْلَعَنِي اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی مَقَامَاتِ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ حَيْثُ كُوْنِي وَاَرْتَا لَهُمْ اَنَّ مِنَ الْاَدْبِ اَنْ يُقَالَ فُلَانٌ عَلٰی قَدَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا يُقَالَ اِنَّهُ عَلٰی قَلْبِهِمْ لِاَنَّ الْاَوْلِيَاءَ عَلٰی اَثَارِ الْاَنْبِيَاءِ يُقْتَدُونَ وَكُوْنُهُمْ كَاَوْ اَعْلٰی قُلُوْبِ الْاَنْبِيَاءِ رَجْمًا" یعنی اللہ جل جلالہ نے مقامات انبیاء سے مجھ کو خبردار کیا۔ اس حیثیت سے کہ میں ان کا وارث ہوں۔ یہ کہ بہ لحاظ

ادب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص انبیاء کے قدم پر ہے اور یہ نہیں کہتے کہ قلب انبیاء پر ہے۔ اس لئے کہ اولیاء۔ انبیاء کے قدم پر چلتے ہیں اگرچہ وہ ان کے قلب پر ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر کے اس ارشاد سے جو آپ کے انکشافات اور فتوحات میں ہے ہر صاف ظاہر ہو گیا کہ اولیاء امت محمدی انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور جس ولی کو جس نبی سے خاص نسبت ہوتی ہے۔ وہ ولی اس نبی کا وارث اور اس کی فطرت پر ہوتا ہے لہذا یہ عرض کرنا بے محل اور خلاف اصول ارباب طریقت نہیں ہے کہ ہمارے سرکار عالم پناہ کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے خاص مناسبت تھی۔ گو باطنی حالات و مقامات کا نہ ذکر کروں گا۔ اور درحقیقت نہ اس کا اہل ہوں۔ لیکن ظاہری عادات اور واقعات کو بھی اگر دیکھا جائے تو بیساختہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ حضور قبلہ عالم کے سوا شیخ کو عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سے اسی طرح خاص مشابہت ہے جس طرح لباس اور رنگ لباس و ارثی مشابہت لباس اور رنگ لباس عیسوی سے ہے۔ اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت وارث عالم پناہ کی ذات بابرکات یقیناً مجموعہ آثار عیسوی۔ اور محبہ صفات روح اللہی تھی۔

غرض یہی لباس جس کے رنگ اور وضع کا تھوڑی وضاحت کے ساتھ ذکر ہوا ہمیشہ سرکار عالم پناہ کے زیب جسم رہا۔ اور کبھی اور کسی خاص وجہ سے بھی اس میں تغیر نہیں ہوا۔ جس کو مخصوص حضرات احرام کہتے تھے۔ اور عرف عام میں آپ کے اس لباس کا نام تہبند مشہور ہو گیا۔ جو ہمیشہ عقیدت شعار پیش کیا کرتے تھے۔ اور دستور یہ تھا کہ جس ارادتمند نے حضور کی خدمت میں تہبند پیش کیا۔ آپ اس کو باندھ لیتے تھے۔ اور یہ مقصداً زہد۔ یا بطریق خسرۃ تبرک اپنا تہبند اس کو دیدیتے تھے۔ یا کبھی نصف لانے والے کو مرحمت ہوتا تھا۔ اور دوسرا نصف ٹکڑا حاضرین یا مستحقین کو اسی وقت عنایت فرماتے تھے۔

اور تہبند باندھنے کا طریقہ یہ تھا کہ نصف حصہ جو ستر پوشی کے واسطے مخصوص تھا اس کو باندھ کر حضور اس کے عرض کو جھکے بغور ملاحظہ فرماتے تھے۔ اگر اس کی جوڑائی ٹخنہ سے نیچی ہوئی

تو کمال اہتمام اس کو چاروں طرف کمر میں اس قدر اوڑھ لیتے تھے کہ ٹخنے سے کھل جاتے تھے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے تہندے ٹخنہ محبوب ہوا ہو۔ جو آپ کے جدا مجد حضرت رسالت پناہ صلعم کی سنت ہے۔

علیٰ ہذا یہی قاعدہ کحاف، رضائی، کمل، وہسا، دولائے وغیرہ لانے والے کے واسطے مقرر تھا۔ کہ جب کبھی کسی علقہ بگوش نے محبت کے جوش میں کوئی اوڑھنے کی چیز حضور قبلہ عالم کے سامنے پیش کی۔ اور وہ خلاف وضع نہ ہوئی۔ تو آپ بطیب خاطر اس کو قبول فرماتے تھے۔ اور اپنے خاص اوڑھنے کی کوئی چیز اس کو مرحمت فرماتے تھے۔

اور عموماً آپ کے تہندے کے ساتھ رومال اور لنگوٹ بھی ہوتا تھا۔ اور رومال کا صف یہ تھا کہ پاپا وہ چلنے کے وقت آپ اس کو کمر سے باندھ لیتے تھے۔ اور بوقت استراحت داہنے ہاتھ میں لے کر رخسار کے نیچے رکھ لیتے تھے جس پر کچھ حصہ فرق انور کا ہوتا تھا۔ اور بائیں ہاتھ کا پنجہ اکثر داہنے ہاتھ کی کلانی پر رہتا تھا۔ لیکن بعد میں رومال کا استعمال بوجوہ ترک ہو گیا تھا۔ اور بجائے رومال کے تقریباً دو گز تشریب کا ٹکڑا رہنے لگا۔

آپ کا بستر خواب | اسی طرح آپ کا بستر بھی زاہدانہ ہوتا تھا۔ چنانچہ معمر حضرت سے منقول ہے کہ جب حضور قبلہ عالم سفر حجاز سے واپس تشریف لائے تو علاوہ دیگر مجاہدات کے یہ بھی دیکھا کہ آپ زمین پر کھل بچھا کر استراحت فرماتے تھے۔ اور داہنے ہاتھ کو خم دے کر بجائے بالش کے فرق انور کے نیچے رکھ لیتے تھے۔ اس لئے کہ تکیہ متروکات قطعی میں داخل تھا۔ اور اس کا استعمال ہمیشہ خلاف وضع سمجھا گیا لیکن بعد کو خدام نے بہ اصرار تمام گدا اور تو شک بچھا دینے کی منظوری حاصل کی۔ اور شکوہ آباد کی علالت کے بعد چونکہ ضعف عرصہ تک رہا۔ اسی عرصہ میں ایک روز یہ صورت پیش آئی کہ حسب عادت بوقت استراحت سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر جو آرام فرمایا۔ تو دست مبارک سرخ ہو گیا اور درو پیدا ہو گیا۔ اس وقت چند قدیم ارادتمندوں نے دست بستہ یہ عرض کیا کہ اس

طرح آرام فرمانے سے دست مبارک میں زخم ہو جانے کا احتمال ہے۔ اس واسطے ہماری درخواست ہے کہ پنچتن پاک کا واسطہ سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر آپ استراحت نہ فرمایا کریں حضور نے فوراً سر کے نیچے سے ہاتھ نکال لیا۔ اور فرمایا کہ اچھا اب نہ رکھیں گے۔

لیکن ہاتھ ہٹانے کے بعد سراقہ کو جب ہموار فرما دیکھا تو سب کو خیال ہوا کہ یہ طرز استراحت اور زیادہ باعث تکلیف ہوگا۔ پس وہی خدمت گزار پھر ملتمس ہوئے کہ سرکار آپ نے ہماری گزارش تو ضرور منظور فرمائی مگر اس انداز استراحت میں بھی تکلیف کی صورت نظر آتی ہے۔ اس لئے حضور اس قدر پرورش اور فرمائیں کہ تکیہ کا استعمال اگر مشرباً متروک ہے تو اس کے لئے ہم غلام اصرار نہ کریں گے۔ مگر سنانی مسلک نہ ہو تو یہ اجازت ہو جائے کہ ایک رضائی تہ کر کے سر ہانے رکھیں۔ اس پر سراقہ رہا کرے۔ بظاہر اس میں مضائقہ بھی نہیں معلوم ہوتا اور ہم پرستاروں کا اطمینان ہو جائے گا۔

حضور نے فرمایا۔ نہ اس طرح لیٹنے میں ہم کو تکلیف ہوتی ہے نہ رضائی سر ہانے لگانے سے ہم کو راحت ہوگی۔ مگر تم اپنی نادانی سے ہماری تکلیف و راحت کے خیال سے پریشان ہو۔ اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو رضائی بھی سر ہانے لگا دو۔

اس وقت سے خدام ایک رضائی تہہ کر کے سر ہانے لگا دیتے تھے۔ مگر جس طرح چہل قدمی کرنا خدام کے اصرار سے منظور فرمایا۔ اور ایفائے وعدہ بھی فرمایا۔ مگر اس انداز سے کہ جس کو تجاہل عارفانہ کہتے ہیں کہ ہر قدم پر اس کی احتیاط کہ تدبیر کا دخل نہ ہو اور تقدیر قصاؤ قدر کے آگے سر تسلیم خم رہے۔ اسی طرح سے رضائی سر ہانے لگائی جاتی تھی۔ مگر حضور نے اس رضائی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ ہمیشہ سراقہ اس کے نیچے کے حصہ پر اسی طرح رہتا تھا جس طرح ہاتھ پر رہا کرتا تھا۔

حضور نے اپنے بستر سے علاوہ استراحت فرمانے کے ایک عجیب کام اور بھی لیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر کبھی کسی وجہ سے سائل کا سوال پورا کرنے میں خادم سے تھوڑا وقفہ بھی ہوا تو

بیختنی خون کے اثرات سے ہمارے رہنمائے باسحا کو تحمل نہ ہوا۔ اکثر اپنا بستر اٹھا کر سائل کو دے دیا۔ کیونکہ بجز ایک احرام اور ایک بستر کے آپ کے پاس دنیا کی کوئی چیز رہتی نہ تھی۔ آپ نے مکان نہیں بنایا | معہذا بمقتضائے زہد کامل آپ نے رہنے کے لئے مکان بھی نہیں بنایا۔ بلکہ جائداد زمینداری کے ساتھ آبائی مکان کو بھی جس کے مستقل مالک آپ تھے چودہ سال کی عمر سے اس طرح چھوڑا کہ پھر کبھی اس میں قدم نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ ۱۳۱۱ھ ہجری میں اس مکان کی افتادہ اور غیر افتادہ زمین کو دیکھ کر مجھے بہ تقاضائے ارادت یہ خیال ہوا کہ ہم غلاموں کا فرض منصبی ہے کہ اس زمین کو بطور یادگار اس طرح مستحکم طریق سے محصور کیا جائے جس میں تھوڑی سی مکانیت بھی ہو اور صحن میں خوشبودار پھولوں کے درخت نصب کئے جائیں۔ جنانچہ اس کے لئے کوشش کی۔ جب وہ بے سود ہوئی اور زمین نہ ملی۔ تو شیخ عنایت اللہ صاحب وارثی اور جس سید شرف الدین صاحب وارثی بھی میرے ہم خیال ہو گئے اور چند مرتبہ مختلف عنوان سے پھر کوشش کی۔ مگر زمین کسی صورت سے نہ ملی۔

میرا یہ خیال اور بار بار کی کوشش میں عدم کامیابی کا مفضل حال جب سرکار عالم پناہ کو معلوم ہوا تو ایک روز مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے سید واڑہ کے مکان کی زمین حاصل کرنے کی بہت کوشش کی۔ اور نہال الدین نے نہیں دی۔ میں نے عرض کیا حضور ہمارا ارشاد ہوا کہ ایک فقیر کامل کی بدعا ہے کہ جو شخص اس زمین پر چراغ جلائے گا۔ اس کا گھر بے چراغ ہو جائے گا۔ عرض کیا۔ مجھے یہ بھی منظور ہے۔ لیکن اس زمین پر چراغ جلے۔ فرمایا۔ تم کو معلوم نہیں کہ ہمارا یہ طریق ہے کہ جو چیز چھوڑ دیتے ہیں اس کو واپس نہیں لیتے۔ تم بھی اس کی فکر نہ کرو۔

حضور قبلہ عالم کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکان کی جانب سے آپ کو قطعاً احتراز تھا۔ شاید اس وجہ سے ۱۲۶۶ھ ہجری میں جب سفر حجاز سے آپ واپس تشریف لائے تو آپ نے مکان کی طرف رخ بھی نہ کیا۔ اور دائم علی شاہ کے مکان میں عارضی طور پر قیام فرمایا۔

یہ بھی منقول ہے کہ مسماۃ راجن کے مکان میں بھی اکثر حضور نے قیام فرمایا چنانچہ آپ نے اکثر فرمایا ہے کہ ہم راجن کے مکان میں تھے کہ رات کو ہماری انگلی میں سانپ نے کاٹ کھایا دیکھا تو کالا اور بہت پرانا سانپ ہے۔ مگر ہم نے مارا نہیں۔ اور انگلی کو پانی سے دھو ڈالا۔ صبح کو دیکھا تو وہی سانپ ہماری کوٹھری کے قریب بیٹھا ہے۔ لیکن اس قدر نشہ میں ہے کہ چل نہیں سکتا۔ ہم نے رحیم شاہ سے کہا کہ اس کو تالاب میں چھوڑ آؤ۔

بعدہ معروف شاہ صاحب نے جو اس وقت کرم احمد کے نام سے مشہور تھے عرض کیا کہ بظاہر اس مختصر مکان میں آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔ میرا ایک مکان بالکل علیحدہ اور آپ کو قیام کے واسطے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور فرینہ ہے کہ حضور کو پسند بھی ہوگا۔ اگر آپ اس مکان کو فرودگاہ بنائیں تو عین غلام نوازی ہوگی۔ آپ نے یہ عرضداشت منظور فرمائی۔ اور اس وقت سے یہ دستور رہا کہ جب آپ دیوبند شریف تشریف لاتے تھے تو اسی مکان میں قیام فرماتے تھے۔

عرصہ کے بعد جب مستقیم شاہ صاحب مع اپنے اعزاء کے مستقل قیام کی غرض سے دیوبند شریف آئیں اور ان کے رہنے کے واسطے منشی ظہیر الدین صاحب دارنی۔ وکیل ورثیں بارہنگی ڈی ایک عام مکان مگر ایسا وسیع بنوایا جس کے باہر کے حصہ میں مختصر جگہ ایسی بھی تھی کہ جب حضور قبلہ عالم تشریف لاتے تھے تو اس میں قیام فرماتے تھے۔

پھر اسی مکان کے قریب راجہ سرانند پ سنگھ صاحب وارثی تعلقدار رام نگر ضلع بارہنگی ایک مکان تعمیر کرایا اور حضور کا قیام اس میں ہونے لگا جس کا حصار حاجی شیخ محمد اسمعیل صاحب دارنی رئیس بلچھی صوبہ بہار نے بختہ کرایا اور باہر کا حصہ جسٹس سید شرف الدین نے ۱۳۰۹ھ ہجری میں تعمیر کرایا۔ اور آخر زمانہ تک یہی مکان آپ کا قیام گاہ رہا۔ اور آج بھی اسی جگہ حضور قبلہ عالم آسودہ ہیں۔

الحاصل اس مختصر اور تاریخی صراحت سے ظاہر ہو گیا کہ حضور قبلہ عالم نے اپنے قیام اور آرام کے واسطے مکان نہیں بنایا۔ بلکہ ہمیشہ سیر و سیاحت فرمائی۔ اسی معنی میں اکثر فرمایا ہے کہ

”ہم مسافر ہیں۔“ اور تھوڑے تغیر الفاظ کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”فقیر کا کوئی مکان نہیں۔ اور سب مکان فقیر کے ہیں۔“

چنانچہ دیکھتے ہیں کہ اس ارشاد کے صحیح معنی اور حقیقی مفہوم کا تمام ہندوستان میں ظہور ہے کہ صدہا مکان آپ کے نام نامی کے ساتھ منسوب ہیں۔ اور دنیا ان کو وارث منزل کہتی ہے۔ بعض مواضع اور متعدد باغات کو آپ کے اسم گرامی کے بدولت یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا نام وارث نگر۔ وارث گنج۔ وارث باغ ہے۔

اور یہ تو علاوہ شہروں کے اودہ کے قریب قریب ہر موضع میں آپ کے خدمتگزاروں نے کیا ہے کہ ایک حجرہ مخصوص طور پر ضرورت تعمیر کرایا ہے۔ اور اس کو قیام گاہ وارثی کہتے ہیں۔ اور جو بہت غریب اور ایسے مفلوک اراد مند تھے جنکو حجرہ تعمیر کرانے کی استطاعت نہ تھی! انہوں نے اپنے مکان کی یکساں کوٹھری ہی کو حضور کے نام ذکر دیا ہے۔

چنانچہ ان واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کی محبت میں حضور قبلہ عالم نے اپنی عافیت کے لئے مکان نہیں بنوایا تو اس کا اثر یہ ہوا کہ من جانب اللہ یہ صورت پیدا ہو گئی کہ بغیر کسی تحریک کے ہزاروں مکان تعمیر ہوئے اور آپ کے نام سے منسوب ہو کر دنیا میں مشہور ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کا مکان نہ بنانے سے شاید عافیت کے خیال کو محو اور فنا کرنا۔ اور انقطاع کلی کے جزئیات سے فرداً فرداً انفرادی غافل حاصل کرنا منظور تھا۔ کیونکہ مسلک آپ کا عین عشق ہے۔ اور وادی عشق کے منازل و مراحل طے کرنا تعبیر تجرید کامل ناممکن اور محال ہے۔ اور تمام تجرید کی تعریف کا خلاصہ یہی ہے کہ ما سوائے اللہ سے دست بردا ہو کر ایک ذات سے سروکار ہو۔

آپ کی تجرید کامل | چنانچہ حضور قبلہ عالم کے حالات و واقعات زبان حال سے شاہد ہیں کہ آپ کی تجرید کامل اپنی نظیر آپ ہے۔ اس لئے کہ وہ ضروریات زندگی جن کا ہر انسان بہ تقاضائے بشریت یعنی محتاج ہے۔ ان کے خیال کو بھی حضور نے محو اور فنا کر دیا تھا۔

مثلاً مکان چونکہ مقام عافیت ہے۔ اور اقتضائے فطرت یہ ہے کہ انسان عافیت کا تلاشی اور خواستگار ہو۔ مگر آپ کی تجرید کامل نے بمصداق ”لَا يَمْلِكُ وَلَا يَمْلِكُ“ جس طرح جائداد زمینداری کا مالک و متصرف ہونا گوارا نہ کیا۔ اور جملہ کاغذات ملکیت تالاب میں ڈبو دی۔ بقول عذائیں دفتر بے حسنی غرق مئے ناب اولیٰ۔ اسی طرح اپنے قدیم مکان سے بھی دست بردا ہو کر ہمیشہ کے لئے مسافرت کی تکلیف برداشت کرنا اختیار فرمائی۔

علیٰ ہذا غذا جو باعث بقا ہے۔ اور جس کے انتظام و اہتمام میں انسان شرب و روز سرگرداں۔ اور پریشان رہتا ہے۔ کیونکہ حیات بشری اکل و شرب پر موقوف ہے مگر حضور کی تجرید کامل نے ایسی ضروری اور لازمی چیز کے اہتمام و انصرام کو محفوظ اوقات میں خلل انداز تصور فرمایا۔ اور چولہا بنانا مشرباً ممنوع گردانا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ ”چوٹے چکی کا خیال مرداں خدا نہیں کرتے“

الغرض جلد اسباب آرام و راحت سے آپ نے احتراز کامل اور انقطاع قطعی فرمایا۔ حتیٰ کہ منا کحت جو ہر قسم کی عافیت کا مجموعہ ہے۔ اس سے بھی حضور قبلہ عالم نے کلیتہً احتیاط فرمایا اور ہمیشہ غیر متائل رہے۔ جیسا کہ اکثر آپ نے فرمایا ہے کہ ”ہم لنگوٹ بند ہیں“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”فقیر کو لازم ہے کہ انگک رہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”فقیر کو چاہیے کہ جو رو بچوں کی محبت میں نہ پھنسنے“ یہ بھی متواتر ارشاد ہوا ہے کہ ”زن۔ زمین۔ زر میں جھگڑا ہے ان کو چھوڑے تو آزاد ہو“ یہ بھی آپ کا قول ہے کہ ”عورت فساد کا گھر ہے“ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”فقیر کو چاہیے کہ دنیا کی عورتوں کو اپنی ماں بہن سمجھے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ہم نے شادی نہیں کی“

چنانچہ سلف صالحین کے سوانح اور ملفوظات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجرورین کا بہت بڑا مرتبہ ہے کیونکہ محققین حضرت صوفیہ نے تجرید کے صفات بکمال وضاحت ارشاد فرمائے ہیں۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ تجرید عشق کامل کا لازمی نتیجہ ہے۔

اور اوراق تواریخ شاہد ہیں کہ ایسی ایسی ممتاز اور برگزیدہ ہستیوں نے مناکحت و مواصلت سے احتراز فرمایا جو صاحب مقامات عظمیٰ ہیں اور جن کے شرف و اختصاص کا زمانہ معترف ہے۔

لیکن فضل تجرد و تامل میں تھوڑا اختلاف ہے۔ اکثر حضرات تجرد کو افضل فرماتے ہیں بعض تزوج کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اور ہر دو فریق اپنے اپنے مشرب کی آیات و احادیث سے تطبیق کرتے ہیں جس کو بقدر استعداد مفصل اور صراحت کے ساتھ ”نہاج العشقۃ جلد دوم“ میں نگارش کر چکا ہوں۔ لیکن اس موقع پر اسی قدر وضاحت ناموزوں معلوم ہوتی ہے۔ لہذا بہ نظر اختصار مگر اسناد کے ساتھ صفات تجرید اور مفاد تزویج کا مجملاً ذکر کرتا ہوں۔

مناکحت کا شرعی حکم اگر پہلے یہ خدشہ رفع کر دینا چاہیے کہ عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مناکحت کی ترغیب روایات شرعیہ میں ہے۔ پس اگر تجرید بہتر اور مفید ہوتی تو ارباب شریعت تزویج کی تاکید اور ہدایت نہ فرماتے۔ اور نہ بزرگان دین متین متاہل ہونے اس لئے احتراز مناکحت خلاف سنت ہے۔ اور وہ فعل جو خلاف سنت ہو عقلاً و نقلاً جائز نہیں۔

اس کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ قانون شریعت میں جواز مناکحت ضرور ہے اور اس کے نفس جواز میں اسلام کے کسی فرقہ کو عذر نہیں۔ اور نہ اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ عالم اسباب کا قیام چونکہ زن و مرد کے ازدواج پر موقوف ہے۔ اس لئے مقتدر اور ممتاز حضرات نے اس کے مفاد کے لحاظ سے مناکحت فرمائی اور متاہل بھی ہوئے اس لئے تزویج اسلام کا جزو لاینفک ہو گیا۔ پس شریعت میں جواز مناکحت ضرور ہے لیکن وجوب مناکحت نہیں ہے۔ اس لیے جس طرح مناکحت ممنوع نہیں۔ اسی طرح تجرد بھی ممنوع نہیں ہو سکتا۔ اگر مناکحت کا حکم قطعی ہوتا تو تجرد اس کی ضد تھی جس کی حمایت کو فسق و ارتداد کہہ سکتے تھے۔

چونکہ مناکحت سے ترقی نسل مقصود ہے۔ مناکحت پر انسان کی صحت بھی موقوف ہے۔ مناکحت سے تمدنی اور اقتصادی معاملات بھی درست ہوتے ہیں۔ مناکحت سے عافیت کا انتظام وابستہ ہے۔ اور مناکحت سے فواحش کا سدباب ہوتا ہے۔ انہیں مصلحتوں سے شریعت میں مناکحت جائز ہوئی۔ اور ارباب شریعت نے اس کے جواز کا حکم عام دیا۔ اور مشاہیر اہل اسلام کا اس پر عملدرآمد رہا۔

لیکن یہی مصالِح اور مفاد پیش نظر رکھنے کے ساتھ یہ دیکھا جائے کہ وہ مقبولین بارگاہِ احدیت جن کو نہ دنیا سے سرور کار نہ مفاد دنیا کے خواستگار بلکہ تعلقات دنیا سے دست بردار ہو کر شوق وصالِ شاہِ حقیقی میں اپنی ہستی سے بیزار ہوئے۔ اور بقول حضرت مولانا علیہ الرحمۃ ان کی یہ حالت ہوئی

ہر کہ را باشد زیزداں کار و بار بار آنجایافت بیرون شد ز کار

جب دنیا اور اہل دنیا سے ان کو تعلق نہ رہا۔ تو مفاد دنیا کی جانب ان کا میلان کیونکر ہوتا۔ اور چونکہ تخرید ممنوع نہ تھا۔ اس لئے ان پر گزیدہ۔ اور خدارسیدہ ہستیوں نے مناکحت سے احتراز کیا۔ اور حالت تخرید میں وہ مردانِ خدا زندگی بسر کرتے رہے۔ لہذا اس نگار خانہ عالم میں ہر فرد انسان وہی کام کرتا ہے جس کا وہ اہل ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ جس کام کے لئے مشیت رب العزت نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اس لئے وہ حضرات جنکی حالت کے لحاظ سے مناکحت مفید تھی وہ مناہل ہوئے اور جن کے مذاق و مشرب کے لئے تخرید لازمی تھا وہ مجرد اور آزاد رہے۔ ہر دو فریق نے راہِ ثواب اختیار فرمائی۔ اس واسطے عقلاً و نقلاً نہ اربابِ تامل کا خیال مذموم ہے۔ اور نہ اہل تخرید کا فعل ممنوع۔

لیکن مناکحت کا قطعی افضل ہونا اس وجہ سے ثابت نہیں کہ روایات شرعیہ میں جس اہتمام کے ساتھ مناکحت کی ترغیب ہے۔ اسی قدر تکرار اس کی تہیب میں مذکور ہے۔

چنانچہ حجت الاسلام حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ۔ احیاء العلوم باب آداب النکاح میں تفسیر فرماتے ہیں کہ "اعلم ان العلماء قد اختلفوا فی فضل النکاح" ترجمہ فضیلت نکاح میں علما کا اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ نکاح بہتر ہے تجرید سے بعض کا قول ہے کہ عبادت الہی کے لئے تنہائی یعنی تجرید بہتر ہے بعض کہتے ہیں کہ ہمارے اس زمانہ میں ترک مناکحت مناسب ہے۔

علی ہدایہ شیخ شہاب الدین بن محمد سہروردی علیہ الرحمۃ عوارف المعارف۔ باب ششم فصل ششم۔ آداب تجرد و تامل کی بحث میں ارقام فرماتے ہیں کہ اخبار نبوی و احادیث مصطفویٰ و فضیلت تجرد و تامل متقابل و متعارض اند (مصباح الہدایت ترجمہ عوارف)

ایک مستند امام شریعت۔ اور ایک مقدس پیشوائے طریقت نے جب بالاتفاق لکھ دیا کہ فضل تجرد و تامل میں علما کا اختلاف ہے۔ تو ان محققوں کا ارشاد ہمارے اطمینان کے واسطے کافی تھا۔ لیکن اب اس کی بھی صراحت مختصر طور پر مناسب معلوم ہوتی ہے کہ فضل تجرد و تامل میں علمائے عظام کا اختلاف کیوں ہے۔

لہذا وجہ اختلاف یہ ہے کہ خود روایات شرعیہ متعارض ہیں۔ چنانچہ پہلے قرآن پاک کی ان آیات کو دیکھنا چاہیے جو فضل تجرد و تزوج میں متقابل ہیں۔ مثلاً اللہ جل جلالہ نے سورہ نسا میں فرمایا ہے کہ "فَالنِّكَاحُ اَفْطَابٌ لِّكُمْ مِنَ النَّسَاءِ" (ترجمہ) جو عورتیں تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ پھر اس کے ساتھ رخصت بھی دی کہ چار بیبیاں تک کر سکتے ہو۔ اس آیت سے جواز مناکحت ثابت ہے۔

پھر دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً" (ترجمہ) تم سے پہلے ہم نے رسول بھیجے جن کی بیبیاں اور اولاد تھی۔ اس آیت دانی ہدایہ میں تزوج کی صریح ترغیب ہے کہ مناکحت کو پیغمبر ان ماسلف کی سنت فرمایا۔ پس اس آیت سے تامل کی فضیلت ظاہر ہے۔

لیکن اس حکیم مطلق نے نقائص تزوج سے بھی خبردار کر دیا۔ اور سورہ تغابن میں

ارشاد ہوا کہ "إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ" (ترجمہ) تمہاری بعض بیویوں اور اولاد میں سے تمہاری دشمن ہیں ان سے پرہیز کرو۔ اور دوسری آیت میں فرمایا ہے "إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ" (ترجمہ) تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔ ان آیات کا مضمون صاف صاف ترہیبِ تزوج پر دلالت کرتا ہے۔

لہذا ظاہر ہو گیا کہ آیات قرآنیہ میں تامل کی ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی جس طرح پیغمبروں کی مثال دے کر فضلِ تزوج کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح یہ بھی سمجھا دیا کہ بعض بیویاں تمہاری دشمن ہیں ان سے پرہیز کرو۔ اور تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔ اور فتنہ کو اشدُّ من القتلِ فرمایا۔

علیٰ ہذا حضرت سید المرسلین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تزوج و تہجد کی تعلیم میں اپنی امت کو مناکحت کی فضیلت سے بھی آگاہ کیا۔ اور اس کے ضرور اور نقصان سے بھی مطلع کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ "الزَّكَاحُ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنِّي سُنَّتِي فَقَدْ رَغِبَ عَنِّي" (ترجمہ) نکاح سنت ہے جس نے میری سنت سے اغراض کیا۔ اس نے مجھ سے اغراض کیا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "مَنْ رَغِبَ عَنِّي سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي" جس نے سنت روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں ہے۔ یہ فضلِ تزوج کی عین دلیل ہے۔ کہ حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے نکاح کو اپنی سنت فرمایا۔ جو ترغیبِ امت کے لئے کافی دلیل ہے۔

لیکن دوسری حدیث میں ترہیبِ تزوج بھی بصراحت مذکور ہے۔ چنانچہ منقول ہے "خَيْرُكُمْ بَعْدَ الْمُنَانِينَ رَجُلٌ خَفِيفٌ الْحَاذِرُ" (ترجمہ) دوسو برس کے بعد اچھا وہ شخص ہے۔ جو خفیف ہو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ "يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا خَفِيفٌ الْحَاذِرُ" خفیف الحاذر کس کو کہتے ہیں؟ فقال صلی اللہ علیہ وسلم الذی لا اهل له ولا ولد۔ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ خفیف الحاذر وہ ہے جو زن و فرزند نہ رکھتا ہو۔ یہ حدیث اربابِ تہجد کی حمایت میں ہے۔

اور اس حدیث میں تو بغیر کسی تاویل و توجہیہ کے مناکحت کی صریح ترہیب ہے کہ
حضرت سید المرسلین نے فرمایا "مَا تَرَكَتُ بَعْدِي فِتْنَةً اَخْرَجَتْ عَلَيَّ الرِّجَالَ مِنَ النِّسَاءِ"
یعنی بعد میرے بڑا فتنہ مردوں کے واسطے عورتیں ہیں۔

یہ حدیثیں ترک تزوج کی تعلیم سے مملو ہیں۔ کہ حضرت مخبر صادق نے نقصانات
مناکحت کو یوں سمجھایا کہ دو سو برس کے بعد خیر الناس آزاد اور اہل تہجد ہوں گے۔ پھر
صاف الفاظ میں ارشاد ہوا کہ میرے بعد مردوں کو بہت بڑا نقصان پہنچانے والی جو
چیز ہے۔ وہ عورتیں ہیں۔

پس جس طرح آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ میں تاہل و تہجد کی ترغیب و ترہیب
مساوی طور پر مذکور ہے۔ اسی طرح آثارات کے مطالعہ سے بھی یہی صورت نمایاں ہوتی
ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "لَا يَتَزَوَّجُ نَسَكٌ لِلنَّاسِكِ
حَتَّى يَتَزَوَّجَ"۔ یعنی عابد کی عبادت پوری نہیں ہوتی جب تک وہ متاہل نہ ہو۔ یہ
ارشاد نکاح کی ترغیب میں ہے۔

اور امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں ابو سلیمان دارانی علیہ الرحمۃ کا یہ
قول نقل فرمایا ہے "الْوَجِيدُ يَجِدُ مِنْ حَلَاوَةِ الْعَمَلِ فَرَاغَ الْقَلْبِ فَالْأَجِيدُ مُتَاهِلٌ"
ترجمہ) تہجد میں عمل کا ذائقہ اور دل کا فراغ اس قدر حاصل ہوتا ہے کہ متاہل کو نہیں ہوتا۔
پھر آپ عینی شہادت دیتے ہیں کہ "مَا رَأَيْتُ مِنْ أَصْحَابِنَا تَزَوَّجَ حَيْثُ عَلَيَّ
مَرْتَبَةَ الْأَوْلَى" یعنی اپنے یاروں میں کسی کو نہیں دیکھا کہ نکاح کرنے کے بعد اپنے
پہلے مرتبہ پر ثابت رہا ہو۔

اور حسن بصری علیہ الرحمۃ کا یہ قول لکھا ہے کہ "لِمَنْ أَرَادَ اللَّهُ خَيْرًا لَمْ يَشْغَلْ بِأَهْلٍ
وَأَمْوَالٍ" کہ اللہ جل جلالہ کسی بندہ پر فضل ہوتا ہے۔ تو اس کو مال اور اہل و عیال میں مشغول
نہیں کرتا۔ یہ ارشادات ترک مناکحت کی حمایت میں ہیں۔

غرض اس مختصر تصریح سے بخوبی واضح ہو گیا کہ فضل تزوج و تہجد متقابل و متعارض ہے۔ نہ ترغیب نکاح کو حکم عام و قطعی کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ ترہیب مناکحت کو ترہیب صریح اور ترہیب مطلق کا درجہ حاصل ہے۔

لیکن حضرات محققین نے اس ظاہری تعارض کی بھی تطبیق فرمائی ہے۔ اور لکھ دیا ہے کہ نہ تزوج مفید عام ہے۔ اور نہ فضل تہجدیں تقسیم ہے۔ بلکہ یہ لحاظ مواقع اس کا حکم مخصوص اور انسان کی حالت پر موقوف ہوتا ہے۔ اور چونکہ بشریت مختلف الحال ہے۔ اس لئے بعض کے واسطے تزوج مناسب ہے۔ اور بعض کے واسطے تہجد اور نتیجہ دونوں کا واحد یعنی زہد و تقویٰ ہے۔ پس یہ تعارض بھی درحقیقت تعارض نہیں۔ بلکہ طریق خدا طلبی میں جو صورت مناسب حال متصور ہو وہ اختیار کی جائے۔ ہر دو ذوق ماجور اور اہل حق ہیں بقول۔

نیست در عالم کہ روئے سر بر اں در گاہ نیست
عالمے سرگشتہ بہت و بیچ کس گمراہ نیست
چنانچہ صاحب "عوارف المعارف" نے اپنی مبسوط اور مدلل تحریر میں منشاء تعارض ہی فرمایا ہے کہ انسان کی حالت مختلف کے لحاظ سے تزوج و تہجد کا حکم ہوتا ہے۔ اگر کوئی مغلوب شہوت ہے اور قلت ضبط و صبر اور ضعف تقویٰ کے باعث ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب کا خوف ہو۔ اس کے لئے نکاح کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ اور جو شخص طالب صادق اور صاحب ارادت و اتق۔ اور حصول مراد کے لئے سرگرم جستجو ہو یا اثناسیر و سلوک میں منزل مقصود کا خواہاں و کوشاں ہو اس کے واسطے تہجد و تفرقہ افضل ہے۔ اس کا حال بجنسہ طبیب عاذق کے نسخہ کا سا ہے ایک مریض کے لئے وہ ہی دوا مفید ہے جو دوسرے کے مضر ہے۔

لہذا ارباب طریقت نے طالب راہ حق کے واسطے چونکہ قطع علائق اور مجموعہ اتق کو شرط سلوک اور لوازم سیر گردانا ہے۔ اور یہ مسلمہ ہے کہ تزوج سبب تقید ہے جو صریح فراغ قلب کے لئے حارج ہے جیسا کہ متواتر حضرات صوفیہ نے فرمایا ہے۔

چنانچہ صاحب "سبع سنابل" نے سنبلہ سویم میں لکھا ہے کہ "وقتہ جنید قدس اللہ سرہ زابعہ بصری را پیام داد کہ مارا بنو جیت قبول کن" حضرت زابعہ نے باستدلال فرمایا کہ میں خواہی کہ مشوش وقت من باشی۔ و از مشغولی خداوند تعالیٰ محروم گردانی و بخدمت خود مشغول کنی۔ جنید قدس سرہ بفرمندیہ شد۔ و این بیت خواند

آں زن کہ بہ ہزار مرد است توئی و آن مرد کہ از زنی نخل ماند منم
اس لئے بہتر یہ ہے کہ اگر سالک مقاومت نفس پر قادر ہے تو جمیعت خاطر کو غنیمت جانے اور تعلقات زن و فرزند میں متغض و مکر نہ ہو جو یقینی حصول مراد کے لئے مفید طریقہ ہے خصوصاً مشرب عشق میں تو مدار اسی پر ہے کہ ماسوائے اللہ سے انقطاع قطعی ہو بلکہ ہستی شاہد حقیقی کی ہستی کے سامنے فنا۔ اور معدوم ہو جانے بقول سے

عجب است با وجودت کہ وجود من بماند تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بساند

اگر بار رغبت لیلے بجا طر رغبتے دارد چوں مجنوں فرو باید شد ہم از خویش و ہم از خویشاں

الغرض اس تصریح سے روایات شرعیہ کے تعارض کا شبہ تو قطعی جاتا رہا۔ اور معلوم ہو گیا کہ اطباء و امراض باطنی نے جس کے درد کا جو نسخہ مفید تھا۔ وہ اس کے واسطے تجویز فرمایا ہے۔ مگر دوسرا خدشہ اور ہے وہ یہ کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ تجرد اصول اسلام کے منافی ہے۔ اس لئے حدیث صحیح موجود ہے "لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ" کہ رہبانیت اسلام میں نہیں ہے۔ رہبانیت کے معنی وہ تجرد محض سمجھتے ہیں تو لازم ہوا کہ پہلے رہبانیت کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی صراحت کی جائے۔ کیونکہ اس حدیث میں رہبانیت کی صریح ممانعت ہے۔ اگر رہبانیت کے معنی محض تجرد ہیں۔ تو واقعی تجرد منافی اسلام ہے۔

لہذا لغت میں رہبانیت و رہبان کے معنی ترسیدن اور ترسندہ کے ہیں۔ تو یہ لغوی معنی عقلاً و

نقلاً اصول اسلام کے منافی معلوم ہوتے۔ کیونکہ خوف الہی فعل محمود ہے۔ نہ مذموم۔

اور صاحب صراح اور رہبان نے لکھا ہے کہ عرف میں رہبان عابدان ترساؤں

زاہدان نصاریٰ کو کہتے ہیں۔ کہ پرہیزگاری کی وجہ سے وہ تارک لذات ہوتے تھے۔
اس لئے وہ رہبان کے لقب سے مشہور ہو گئے تو ایک حد تک یہ عرفی معنی بھی مذموم
نہیں ہیں۔ کیونکہ زاہدان نصاریٰ کا تارک لذات اور گوشہ نشین ہونا روایات شرعیہ
سے مستحسن ثابت ہے۔

چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن مسعود سے مروی روایت کی ہے کہ جناب
سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نبی اسرائیل میں تہتر فرقہ ہو گئے۔ ان میں صرف
تین فرقہ ناجی ہوئے کہ جب سلاطین نصاریٰ نے باقتضائے مصلحت حکمرانی انجیل میں
تحریف کی۔ تو وہ فرقہ صبر کے ساتھ لڑے۔ اور مارے گئے اور دونوں نے نجات
پائی لیکن تیسرے گروہ کو مقابلہ کی قوت نہ تھی۔ وہ پہاڑوں اور جنگلوں میں رہنے
لگا۔ اور اس نے تعلقات دنیا کو قطع کیا۔ اور لذات مباح کو ترک کر کے مجاہدات
شاقہ میں مصروف ہوا۔

علیٰ ہذا دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ملوک نصاریٰ
نے توریت و انجیل میں تحریف کی۔ اور مومنین سے کہا کہ تمہاری وجہ سے ہمارے احکام
باطل قرار پاتے ہیں۔ اگر مثل ہمارے قدرت نہ کرو گے تو قتل کئے جاو گے۔ وہ گوشہ
نشین ہو گئے۔ اور بعض جنگلوں میں مسکن گزیں ہوئے۔

ان روایات سے ظاہر ہوا کہ وہ صاحب تجرید زاہدان نصاریٰ ناجی تھے۔ اور
ان کا شمار مومنین میں تھا۔ بلکہ صاحب گلشن زار انہیں عابدوں کی تمثیل دے کر طالب
راہ حق کو ہدایت فرماتے ہیں۔

مخلی شوز ہر قید و مذاہب در آدر دیر دین مانند راہب
لیکن انہیں زاہدان نصاریٰ کی تقلید جب عابدان مبتدع نے کی تو ان کی غلط
کاری سے رہبانیت کی جدید صورت ہو گئی۔ اور اس کا شفاف چہرہ گردنقا لٹھ سے

غبار آلود ہو گیا۔ کہ قدیم رہبان تو ریاضت و مجاہدت میں جمعیت خاطر کے لئے لذات
نفسانیہ سے اعراض اور تعلقات دنیوی سے احتراز کرتے تھے۔ مگر ان کے مقلدین
کی ہمت پسند طبیعت نے رہبانیت کی محمود شکل مذموم کر دی کہ مقاومت نفس کی تو
ان کو قدرت نہ تھی۔ اور ترک ازدواج کو رہبانیت کا رسم ضروری جانتے تھے۔ اور
رہبان ہونے کا شوق تھا۔ اس لئے وہ آگہ مردانگی قطع کرنے لگے۔ تاکہ تخریق قائم رہے

اور ہماری رہبانیت میں فرق نہ آئے۔ پس اس وقت سے رہبانیت کے معنی مذموم ہو گئے۔

چنانچہ اللہ جل جلالہ نے سورہ حدید میں اس واقعہ کو کہاں صراحت ارشاد فرمایا
کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھجوا۔ اور ان کو انجیل دی اور وجعلنا فی قلوبنا الذین تبعوه

رأفة ورحمة طورہبانیۃ ابتدعوہا ما کتبنا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ فادروا

حق رعایتہا فاتینا الذین امنوا منہم اجرہم وکثیر منہم فاسقون ترجمہ ان کے تابعین دنوں میں نرمی

اور مہربانی اور خدا پرستی پیدا کر دی۔ ہر چند یہ رہبانیت ان پر واجب نہیں تھی۔ مگر

رضائے الہی کی غرض سے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ اور اکثر ان میں نافرمان تھے۔

اس آئیہ کریمہ سے بغیر کسی تاویل کے صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی

امت پر رہبانیت واجب نہ تھی۔ مگر رضائے الہی کے واسطے جب انہوں نے

اختیار کی تو اللہ عز اسمہ نے ان کو اجر عطا فرمایا۔ البتہ جب اس مستحسن فعل میں مذموم

ابتداع کی گئی۔ اور اختصار ہونے لگے۔ تو اس ارتکاب کبیرہ سے وہ نافرمان سمجھے

گئے۔ اور حدیث نبوی کا اسی رہبانیت بتدعہ کی جانب اشارہ ہے کہ لا رہبانیت فی

الاسلام یعنی حضرت رسول کریم علیہ النجیۃ والتسلیم نے اپنی امت کو آگاہ فرمایا۔ کہ

ایسی رہبانیت اسلام میں ممنوع ہے۔ کیونکہ ضبط خواہشات نفسانیت کا نام ترک لذات

ہے اور جس خواہش کا قطعی مادہ نہ ہو۔ وہ ہرگز ضبط و صبر و زہد میں داخل نہیں ہے اور

نہ اس کا ترک و امساک مفید اور سود مند ہو سکتا ہے۔

بلکہ مولانا جلال الدین رومی قدس اللہ سرہ نے بھی حدیث "لَا دُھْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" کی شرح ہی فرمائی ہے۔ اور اپنی سنوی کے دفتر پنجم میں لکھا ہے۔

چوں عدد نبود جہاد آمد محال شہوت ارنہود بنا شد انتہال
صبر نبود چوں نہ باشد میل تو خصم چوں بنود چہ حاجت خیل تو
ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو زانکہ عفت ہست شہوت را گرد

مولانا علیہ الرحمۃ نے رہبانیت کے اصطلاحی معنی سے خبردار کر دیا۔ اور اس کے نقائص سمجھا کر وہی ہدایت فرمائی جو "لَا دُھْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" کا حقیقی مفہوم ہے کہ "ہیں مکن خود را خصی رہبان مشو" اس سے ظاہر ہو گیا کہ عرف میں رہبان خصی کہتے ہیں۔ اسی رہبانیت بتدعہ کی مانعت میں سرکار رسالت کا یہ حکم صادر ہوا۔ لَا دُھْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ یعنی خصی ہونا شریعت میں قطعی ممنوع ہے۔

چنانچہ مولانا علیہ الرحمۃ کے اشعار مذکورہ کی شرح میں بحر العلوم مولوی عبدالعلی صاحب فرنگی محلی ارقام فرماتے ہیں "رہبان متعبدان نصاریٰ را میگویند۔ و اینہا مجاہد ظہیم میگردند و از نکاح خود را بازداشتند و چوں خائف و قوع در گناہ می شدند۔
و در اخصی میگردند"

مولانا بحر العلوم علیہ الرحمۃ نے بھی "لَا دُھْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" کا وہی مفہوم ارشاد فرمایا کہ رہبانیت سے رہبانیت بتدعہ مراد ہے۔ جو شریعت اسلام میں ممنوع ہے۔ غرض اس تصریح سے رہبانیت کے معنی بخوبی ظاہر ہو گئے۔ کہ پہلے زایدان صاری بغرض مجاہدہ تخر و اختیار کرتے تھے۔ مگر بعد کے رہبان رسمی کو جب ضعف تقویٰ کے باعث وقوع گناہ کا خطرہ ہوا۔ تو اولہ مرادنگی قطع کرنے لگے۔ اور حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے اسی فعل مذموم کی مانعت فرمائی۔ کیونکہ یہ مسلمہ ہے کہ بھیت ریا جلد و تصنع جسم کا کوئی حصہ قطع و بیکار کرنا شریعت اسلام میں قطعاً ممنوع اور مذموم ہے۔

لیکن جس طرح شریعت اسلام میں رہبانیت بتدعیہ ممنوع ہے۔ اسی طرح علماء شریعت اور مقتدائے طریقت کا اتفاق ہے کہ مقادیرت نفس و ضبط خواہشات مستحسن۔ اور سلف صالحین کی خاص تقلید ہے۔ اس لئے مصنوعی اور بدعت آمیز رہبانیت اور چیز ہے اور ترک و تجرید اور چیز ہے امتناع رہبانیت سے ترک و تجرید کی امتناع نہیں لازم آتی۔ بلکہ بقول حضرات صوفیہ اگر طالب راہ حق کو ضبط خواہشات پر قدرت ہو تو اس کے واسطے تجرید مناسب اور مفید ہے۔ کہ حصول مراد کی جدوجہد میں فراغ قلب اور جمعیت خاطر لازمی ہے۔ اور جمعیت خاطر تجرید اور انقطاع تعلقات پر اکثر منحصر ہے۔ اس تصریح سے تجرید مستحسن۔ اور رہبانیت بتدعیہ کا فرق۔ اور دونوں کی ماہیت اور تیقت کماحقہ ظاہر ہو گئی۔ اور معلوم ہو گیا کہ تجرید اور رہبانیت کے معنی مرادف اور متحد نہیں ہیں۔ بلکہ جس رہبانیت کا حدیث ”لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ“ میں اشارہ ہے۔ وہ خصی نشان و خود را خارج از مردانگی کردن ہے۔ اور مجاہدات کے لئے قطع علائق و مجموعہ ائق اور کمال ضبط و استقلال تجرید و تفرید پر صابر اور قانع رہنا یعنی مستحسن اور محمود ہے ورنہ سلف صالحین و مشاہیر حضرات صوفیہ تجرید و تفرید پسند نہ فرماتے۔

مگر تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر ایسے ارباب طریقت اور صوفیائے باعظمت گزرے ہیں جن کے تجرید و تقدس کا زمانہ معترف ہے۔ اور جس طرح وہ اپنے اپنے وقت میں طریقت کے مقتدا اور رہنما تھے۔ اسی طرح خلق ان کو شریعت کا امام اور پیشوا سمجھتی تھی۔ وہ خود مجرود تھے۔ اور تجرید کے مفاد اور برکات بیان فرمائے ہیں جس کا ذکر کتب معتبرہ میں کمال صراحت منقول ہے۔ جس کی تفصیل کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں۔ مگر تمثیلاً چند مشاہیر اہل تجرید کے نام نامی درج ذیل کرتا ہوں جس کے مطالعہ سے ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ تجرید و تفرید کے حامی کیسے کیسے برگزیدہ اور خدا رسیدہ حضرات ہیں۔

چنانچہ صاحب ایمان و ایقان مولانا عبدالرحمن صوفی لکھنوی علیہ الرحمۃ نے ازدواج نہیں فرمایا۔ ہمیشہ آزاد و مجبور رہے۔

واقف اسرار خفی و حلّی حضرت شاہ غلام علی مجددی خلیفہ حضرت مرزا منظر جان جاناں شہید علیہ الرحمۃ جو مجموعہ تخریق و تقدس تھے۔ اور اتباع سنت رسالت میں وہ غلو تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنے مکتوبات میں آپ کو "قیم دین احمدی" لکھا ہے۔ وہ تجرد کے حامی تھے اور خود مجبور رہے۔ اور آپ کے ملفوظات میں ہے کہ نکاح کا ذکر آیا تو فرمایا کہ "صوفی را نکاح کردن نہ شاید" پھر اس کی تشریح فرمائی کہ "صوفی را ترک و تجرید و روگردانی از دنیا و انحراف از ماسوائے اللہ و خلوت و دوری از اغنیاء باید کرد۔ و نکاح مانع این چیز ہست"۔ سیر الاولیاء اور اخبار الاحیاء میں منقول ہے کہ مولانا تاج الدین علیہ الرحمۃ حضرت امیر حسین غلام سنجری علیہ الرحمۃ۔ مولانا فخر الدین علیہ الرحمۃ۔ مولانا وجیہ الدین پائی علیہ الرحمۃ مولانا شمس الدین علیہ الرحمۃ۔ مولانا بہاؤ الدین جوہپوری علیہ الرحمۃ۔ حضرت شیخ علم الدین علیہ الرحمۃ۔ شاہ تمیض علیہ الرحمۃ۔ مولانا سراج الدین علیہ الرحمۃ۔ خلفائے حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ تجرید کے حامی تھے۔ اور لکھا ہے کہ در ترک و تجرید در زمان خود مثل نداشت۔

حضرت محبوب الہی نظام الحق و الدین قدس اللہ سرہ العزیز جن کے فیوض و برکات کے چشمے جاری ہیں وہ حضور تھے کہ آپ کا دامن تجرد و تکد رات ازدواج سے آلودہ نہیں اور تجرید کی حمایت فرمائی۔ چنانچہ صاحب "سیر الاولیاء" نے لکھا ہے کہ اہل ارادت نے دریافت کیا کہ مجرور رہنا بہتر ہے یا متاہل۔ ارشاد ہوا کہ مجرور رہنا عزیمت ہے اور متاہل کی ہی نصبت ہے۔ حضرت مخدوم شیخ سعد الدین خیر آبادی علیہ الرحمۃ بھی متاہل نہیں ہو سکے۔ اور ہمیشہ مجرور اور آزاد زندگی بسر کی۔ (اخبار الاحیاء)

حضرت مخدوم شاہ مینا علیہ الرحمۃ بھی حضور تھے۔ یعنی نکاح نہیں کیا اور تمام عمر

مجرد اور آزاد رہے۔ چنانچہ صاحب اخبار الاخبار نے لکھا ہے: ”اصحاب ترک و تجرید بود“۔
یہ تمیلاً ہندوستان کے چند مشاہیر حضرات صوفیہ کے اسمائے گرامی نگارش کئے
جن میں کوئی مقتداے خلق کوئی مخدوم الملک ہے۔ اور جن کے تصورات سے اہل ہند
مستفیض ہیں۔ اور جس طرح زمانہ ان کے تقدس باطنی کا معترف ہے۔ اسی طرح علوم
ظاہری میں ان کا تجر و کمال دنیا کو معلوم ہے نگریہ برگزیدہ خدا جب مجرد اور آزاد
ہے۔ تو تجر و فضل تجرید کے لئے کافی دلیل ہے۔ اور طالبان طریق کے واسطے مستند
مثال ہے۔

علاوہ ان کے اگر ہندوستان کے باہر ممالک اسلام میں سلف صالحین کے
حالات کو دیکھا جائے تو حضرات صوفیائے کرام کا وہ مقدس اور ممتاز طبقہ جب کا حلیل نقد
محققین میں شمار ہے۔ اور جن کے علوی مرتبت کا آئینہ شریعت نے بالاتفاق اقرار کیا
ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں اکثر مجرد اور آزاد رہے۔
اور تجرید کا فضل بیان کیا۔ اور اپنے مقلدین کو تجرید کی ہدایت فرمائی۔
چنانچہ سید ابراہیم تبولی علیہ الرحمۃ جو قاہرہ کے مشہور صوفی۔ اور صاحب دوائر کبریٰ
تھے۔ وہ برگزیدہ خدا مجرد۔ اور تجرید کے حامی تھے جن کے تذکرہ میں امام عبدالوہاب
شعرانی علیہ الرحمۃ طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں ”وکان سیدی ابراہیم رضی اللہ عنہ مبتدئ
بالانکار علیہ من کونہ کذبتہ“ کہ سید ابراہیم نکاح نہ کرنے کے باعث لوگوں کے انکار میں مبتلا ہوئے۔
سید یوسف عجمی کورانی علیہ الرحمۃ جن کے مصر میں لاتعداد مرید تھے۔ اور شیخ نجم الدین
محمود اصفہانی اور شیخ بدرا الدین حسن ششیری کا خرقہ آپ کو ملا تھا۔ یہ بھی آزاد اور مجرد
تھے جیسا کہ صاحب طبقات الکبریٰ نے لکھا ہے ”وکانہ کل نقیۃ التجرید یعنی آپ کا
طریقہ مجرد رہنا تھا۔“

شیخ ابوالحجاج اقصیٰ علیہ الرحمۃ بھی مصر کے مشہور خدایار سیدہ اور صاحب تجرید

صوفی تھے جن کے حالات میں امام شعرانی نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ كَانَ جَلِيلٌ
 الْمَقْدَارِ كَبِيرُ الشَّانِ كَانَ مُجَسِّدًا (ترجمہ) یہ جلیل القدر کبیر الشان مجرود تھے۔
 حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ نے تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ مشہور صوفی
 حضرت محمد سماک علیہ الرحمۃ زاہد متکلم اور عابد متدین اور مجرود تھے۔

ابو اسحاق ابراہیم بن اسمعیل خواص علیہ الرحمۃ کا قول ہے "افئۃ المرید ثلاثۃ
 حُبُّ الدَّارِ وَحُبُّ النِّسَاءِ وَحُبُّ الرِّیَاسَةِ" (ترجمہ) مرید کے لئے تین آفتیں ہیں
 روپیہ کی محبت، عورت کی محبت اور سرداری کی محبت (طبقات الکبریٰ)

ابو اسحاق ابراہیم ہرومی علیہ الرحمۃ بھی مجرود تھے۔ چنانچہ طبقات الکبریٰ میں ہے
 وَكَانَ مِنْ أَهْلِ التَّوَكُّلِ وَالتَّجَرُّدِ (ترجمہ) وہ متوکل اور اہل تجرید تھے۔
 ابو اسحاق ابراہیم داؤد و قصار علیہ الرحمۃ جو ملک شام کے مشہور صوفی اور صاحب
 فیض و برکات بزرگ تھے۔ اور ابو القاسم جنید علیہ الرحمۃ کی صحبت پائی۔ وہ بھی مجرود
 تھے (طبقات الکبریٰ)

ابو عبد اللہ ابن اسمعیل مغربی علیہ الرحمۃ نے تجرید کی حمایت میں فرمایا "بَلْ ذَرَّةٌ مِنْ
 عَمَلِ الْفَقِيرِ الْمُجَرِّدِ أَفْضَلُ مِنَ الْجِبَالِ مِنْ أَعْمَالِ أَهْلِ الدُّنْيَا" (ترجمہ) فقیر مجرود کا ذرہ بہر عمل۔ اہل
 دنیا کے پھاڑ برابر عمل سے بہتر ہے۔

ابو یعقوب یوسف بن حسین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں رَأَيْتُ فِي أَقَاتِ الصُّوفِيَّةِ
 وَآيَهَا فِي مَعَاشِرَةِ الْأَضْدَادِ وَالْمَيْلِ إِلَى النَّسْوَانِ (ترجمہ) صوفیوں کو دیکھا کہ اَضْدَادِ کے
 ربط اور عورتوں کی طرف میلان میں جملہ آفتیں ہیں (طبقات الکبریٰ)

ابو سلیمان داؤد بن نصیر طائی علیہ الرحمۃ جو زہد و ورع میں مشہور اور غیر متاہل بزرگ
 تھے۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ چونتیس سال تجرید میں زندگی بسر کی (طبقات الکبریٰ)
 اور ابو نصر بشیر بن الحارث علیہ الرحمۃ بھی کامل مجرود تھے جن کے حالات میں شیخ

شہاب الدین بن محمد سہروردی علیہ الرحمۃ نے "عوارف المعارف" میں۔ اور امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے "طبقات الکبریٰ" میں لکھا ہے کہ کہا گیا کہ لوگ الزام دیتے ہیں کہ آپ نے سنت نکاح کو ترک کیا فقال رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِنِّي مَشْغُولٌ بِالْفَرْضِ عَنِ الشُّنَّةِ۔ یعنی فرمایا ان سے کہہ دو کہ منور ادا کے فرض میں مشغول ہوں۔ اس وجہ سے ادا کے سنت کی فرصت نہیں۔

حضرت فرید الدین عطار قدس سرہ نے تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد طائی علیہ الرحمۃ بھی آزاد اور غیر متاہل تھے۔

اور حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی علیہ الرحمۃ بھی صاحب تجرید تھے۔ چنانچہ صاحب سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ملازم پیر ریشہ ضمیر خود پروردہ و زلف نداشت۔

حضرت ابراہیم اویم علیہ الرحمۃ نے ترک تعلق کے بعد تجرید کی حمایت فرمائی چنانچہ خانوادہ ادہمیان حملہ تجرید کے جیسا کہ صاحب "مرآة الاسرار" نے لکھا ہے کہ ادہمیان مجرد و مسافر باشند و ذکر جلی بسیار گویند۔

علیٰ ہذا حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ کے اراد مند اہل ترک و تجرید تھے چنانچہ صاحب "مرآة الاسرار" نے لکھا ہے "عیاضیان ہمیشہ مسافر و تنہا و مجردی بودند و زن و خانہ نمی کردند۔"

اور خانوادہ ہسیریان کی نسبت صاحب "مرآة الاسرار" لکھتے ہیں کہ "ہسیریان در شہر و قریہ مسکن بینی کردند و روز و شب با وضو در بیابان مجردی بودند۔"

صاحب "مرآة الاسرار" نے حضرت خواجہ حبیب عجمی علیہ الرحمۃ کے خانوادہ کی نسبت بھی لکھا ہے کہ "عجمیاں اکثر در کوہ ہاسکونت داشتند و مجرد بودند۔"

امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے "طبقات الکبریٰ" میں لکھا ہے کہ مطرف ابن عبد اللہ علیہ الرحمۃ

کا قول ہے کہ جس نے عورتوں اور لذیذ غذاؤں کو ترک کیا۔ اس سے کرامت ظاہر ہونا لازمی ہے۔

حضرت مالک دینار علیہ الرحمۃ کے حالات میں صاحب "مذکرۃ الاولیاء" نے یکمال صراحت تحریر فرمایا ہے کہ مدوح انسان نے سناکت سے احتراز کیا۔

سعید بن الحسب علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ "مَا شَيْءٌ أَكْخَوْفٌ عِنْدِي مِنَ النِّسَاءِ"

(ترجمہ) میرے خیال میں عورتوں سے زیادہ کوئی چیز خوفناک نہیں ہے (طبقات الکبریٰ)

الغرض بعض مستند کتابوں سے جن کی صحت کا سب کو اعتراف ہے یہ مختصر فہرست

نگارش کی جس میں عرب و عجم کے چند ایسے مقدر و ممتاز حضرات صوفیائے کرام و اولیاء عظام کے اسمائے گرامی درج ہیں جو اپنے اپنے وقت میں شریعت و طریقت کے امام و مقتدا۔ اور احکام حضرت اہدیت کے مطیع۔ اور سنت رسالت کے تبع تھے بلکہ بعض

تابعین کے نام نامی بھی اس میں موجود ہیں جن کو ثرک اونی کا فضل حاصل ہے۔ اور یہ

برگزیدہ خدا مجرد اور آزاد اور تجرید کے حامی تھے جس سے معلوم ہو گیا کہ رضائے

الہی کے لئے تجرید بھی مستحسن ہے اور "لَا دُھْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ" میں جس رہبانیت کی

امتناع ہے۔ وہ رہبانیت بعدہ۔ یعنی شخصی شدن ہے۔ اور اگر تجرید مستحسن اور رہبانیت

تبعہ کی تعریف بالہی مرادف اور متحد ہوتی تو یہ رہنمائے دین متین تجرید کبھی نہ اختیار فرماتے۔

اس سے زیادہ فضل تجرید کے واسطے یہ دلیل ہے کہ ان حضرات صوفیہ کے علاوہ اکثر اصحاب

رسالت مآب جو سابق الایمان ہیں۔ اور "رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ" جن کی شان میں ہے۔ اور

اتباع سنت رسالت میں جو یکمال خضوع و خشوع تمام عمر مصروف رہے۔ اس مقدس جماعت میں

بعض افراد نے رضائے الہی کے واسطے تجرید و تفرید اختیار فرمائی۔ اور مجرد و آزاد رہے۔

مثلاً پروانہ شمع جمال احمدی حضرت اویں فرنی رضی اللہ عنہ جو عہد رسالت مصطفوی

کے مشہور زاہد اور عابد اور متقی اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اور کس اہتمام بلیغ کے ساتھ حضور

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا خرقہ مبارک ان کو تفویض فرمایا۔ ان کے مقدس حالات دیکھنے کے بعد اس کا اعتراف کرنا ہوتا ہے کہ بالکل زاہدانہ زندگی بسر فرمائی۔ چنانچہ صاحب "طبقات الکبریٰ" نے آپ کا یہ قول نقل فرمایا ہے "السَّلَامَةُ فِي الْوَحْدَةِ كَبَسِ كَا" ترجمہ حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ نے تذکرہ "اولیاء" میں یہ فرمایا ہے۔ سلامت و تنہائی است۔ و تنہائی آن بود کہ فرد بود۔

علی ہذا اصحاب صفہ۔ جنکی رفعت و عظمت کا آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ میں بوضاحت ذکر ہے اور تاریخ کے صفحات زبان حال سے شاہد ہیں کہ یہ مردان خدا تمام عمر زہد و ورع بصرہ شکر میں ہمہ تن مہر و فانی رہے۔ اور یہ سچے ایماندار رضائے الہی کے طلبگار۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیفتہ اور جان نثار تھے۔ اور بہ انقضا کے حقانیت یہ برگزیدہ متوکلین تعلقات عالم سے محترز اور دنیا و اسباب دنیا سے قطعاً بے سرو کار رہے۔ ہمیشہ خوف الہی سے لرزاں مسجد نبوی کے صفہ میں یہ فقرائے مہاجرین تنہا اور مجرد رہتے تھے جن کی بگردگی نسبتاً صاحب "مرآة الاسرار" نے یہ لکھا ہے کہ قومی بودند و در مدینہ۔ از ارباب فقر و ورع مستقیم بر قوم توکل و تجرد۔ ہر کدام غیر از شغل مع اللہ بکار سے و کسے دست دراز نہیں کردند۔ و در یگانہ سکونت داشتند۔

اور ابن حجر نے بھی تجرید اہل صفہ کی تصدیق کی ہے۔ اور سیوطی علیہ الرحمۃ نے حاشیہ صحیح بخاری میں علیہ ابو نعیم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ صفہ مسجد نبوی کے آخر میں ایک مکان تھا۔ جو ان فقرا کے لئے بنایا گیا تھا جن کی کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ اور نہ وہ سائل تھے۔

لیکن تعداد اہل صفہ میں اختلاف ہے۔ بہر کیفیت تعداد جو کچھ ہو۔ اور ان میں کئی یا جس قدر بھی مجرد اور آزاد ہوں۔ مگر یہ مسلمہ ہے کہ قرن اول بلکہ خاص مہاجرین میں مجردین کا وجود ضرور تھا۔ اور اصحاب کی وہ مقدس جماعت جسکو سابق الایمان ہونے کا شرف و اختصاص حاصل ہے۔ اس کے بعض افراد ترک تزوج فرماتے تھے۔ اور ان کے معاصرین جو اہل

تزوج اور متاہل تھے۔ وہ ان مجرورین کا احترام کرتے تھے۔ اور شارع اعظم نے ان کے تجرد کا انکار نہیں فرمایا۔ پس فضل تجرد کے واسطے یہ کافی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اصحاب رسالت مآب کا ترک زوج فرمانا جب ثابت ہے۔ اور حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے بھی ان کا مجرور رہنا قبول اور منظور کر لیا تو خدشہ کہ تجرد منافی اسلام ہے۔ بالکل جاتا رہا۔ اور ظاہر ہو گیا کہ اگر مطلق تجرد کی امتناع ہوتی تو اصحاب رسالت مآب جو آج تبیین شریعت کے ملجاء و ماویٰ ہیں۔ ایسی صریح امتناع کا ارتکاب نہ فرماتے۔ اور معاذ اللہ اگر ایسے قبیح اور ممنوع فعل کا ان سے وقوع ہوتا تو عالم اسلام میں ان کا وقار و تقدس برقرار نہ رہتا۔ اور نہ سلف صالحین میں وہ شمار کئے جاتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اور آج تک ان کا نام اسی عظمت و احترام کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ بلکہ اس قطع علالت سے ان کے اعزاز میں خاص امتیاز ہو گیا۔ اور ان کی تجرد ان کے علوی مرتبت کی دلیل سمجھی گئی جتنی کہ شارع اعظم نے اپنے اکرام و انعام میں اضافہ فرمایا کہ قریب مسجد ان کے واسطے صفحہ بنایا گیا۔ اور یہ عزت افزائی کی کہ کسب و جہاد سے ان کو مستثنیٰ کر دیا۔

لہذا اصحاب حضرت رسالت کی تجرد ثابت ہونے کے بعد فضل تجرد و جواز تجرد کے بجائے اب وجوب تجرد کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ حسب منشاء حدیث "اصحابی کا لفظ جو باہم اقتدایتم اھتدایتم" سیرت اصحاب رسالت مآب کی تقلید ہم کو واجب ہے۔ تو جس طرح ارباب متذہبین نے اصحاب متاہلین کی اتباع میں ازدواج اور مناکحت کو لازم گردانا۔ اسی طرح طالبان حق کے لئے تجرد میں اصحاب صفحہ کی تقلید واجب ہے۔ اور ہر دو حالت میں مال مستحسن و محمود ہے۔

پہرچہ فضل تجرد کے لئے اصحاب رسالت مآب صلعم کی تقلید کا حوالہ ہم کو کافی اور بس تھا۔ لیکن فضل تجرد کا ابھی ایک درجہ اور باقی ہے۔ جو اصحاب نبوی کی تجرد سے بھی زیادہ رفیع ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی مجرور بلکہ محصور تھے۔ اور آپ کی تجرد ایسی خبر متواتر

ہے جس کی تصریح کی ضرورت نہیں۔

علی ہذا نبی علیہ السلام جو نبی وقت تھے مگر آپ نے تجرید اختیار فرمائی۔ لہذا ایک پیغمبر صاحب کتاب اور ایک بنی معصوم کا ترک ازدواج فرمانا افضل تجرید کے لئے بہت بڑی دلیل ہے اور مجرورین مابعد کے مباحثات کے واسطے خاص سند ہے۔ اور فخر کے ساتھ وہ کہہ سکتے ہیں کہ تجرید انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

اب کامل یقین ہو گیا کہ ”لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ“ سے محض تجرید اور ترک ازدواج مراد نہیں ہے۔ بلکہ زاہدان تبتدعہ کا شوق تجرید میں اختصار ہونا مقصود ہے جو عقلاً و نقلاً غیر مشروع اور قطعی ممنوع ہے۔ ورنہ عارفین اور صالحین اور اصحاب رسالت مآب اور نبی اور پیغمبر صاحب کتاب کبھی تجرید اختیار نہ فرماتے۔ بس رہبانیت تبتدعہ کی ترہیب و امتناع میں حدیث ”لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ“ جس طرح مصدقہ ہے اسی طرح طریق خدا طلبی میں ضبط خواہشات کے لئے تجرید محمود و مطلوب ہے۔

لیکن یہ تو معلوم ہوا کہ طبقہ حضرات صوفیہ میں بھی صاحب تجرید ہوتے۔ اور بعض اصحاب نبی کریم بھی موجود تھے اور ایک نبی اور پیغمبر کا حضور ہونا بھی ثابت ہے۔ اور انہیں مقدس اور مقدر ہستیوں کے حوالے سے ہم نے فضل تجرید کا اقرار کیا۔ اور انہیں مقبولان الہی کا مقلد دیکھ کر مجرورین اہل اسلام کی تجرید و تفرید کو مستحسن سمجھا۔ مگر پھر بھی خیال ہوتا ہے کہ ہمارا یہ سمجھنا کلیتہً قابل اطمینان نہیں۔ کیونکہ درحقیقت محمود وہی فعل ہے جو خدا کے نزدیک محمود ہو۔ اس لئے دیکھنا یہ چاہیے کہ ان مجرورین کے خالق نے بھی ان کی تجرید و تفرید پسند فرمائی یا نہیں۔ اگر حضرت رب العزت نے اہل تجرید کے صبر و ضبط۔ اور تجرید و تفرید کو مستحسن جانا ہو۔ اور ان کے ایمان و ایتقان کی گواہی دی ہو اور ان کی عظمت و جلالت کا اظہار کیا ہو۔ تو اس وقت بغیر کسی شک و شبہ کے فضل تجرید کا مان لینا ہم کو لازمی ہوگا۔ مگر بجز قرآن کی شہادت کے خدا کی رضا مندی ہم کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب ضرورت

اس کی ہے کہ آیات قرآنیہ کو دیکھیں کہ حکم الحاکمین نے ارباب مجرودین کے حق میں کیا فرمایا ہے۔
 لہذا قرآن شاہد ہے کہ حضرت احدیت جل جلالہ نے اپنے مجرود بندوں کی حمایت فرمائی
 ہے چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام جو حضور یعنی مجرود کامل تھے ان کی یہ رفعت و عظمت ہے کہ اللہ تبارک و
 تعالیٰ نے اس پاک مجرود کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ اور مقرب خاص کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اور
 سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمُرْيُوْنُ اِنَّ اللّٰهَ يَبَشِّرُكَ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمٌ الْمَسِيحُ
 عِيسَىٰ ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (ترجمہ) فرشتوں نے بشارت دی کہ امر
 مریم مسیح کلمۃ اللہ تم سے پیدا ہوں گے جو دنیا میں اور آخرت میں نذی و جاہت ہوں گے اور ان
 کو مقام قرب ملے گا۔

پس اگر محض تجرید ممنوع و مذموم ہوتی تو ایسے مستند حضور یعنی مجرود کامل کو اللہ جل جلالہ
 کلمۃ اللہ کا خطاب نہ دیتا اور مقربین کا مرتبہ دینے کا وعدہ نہ فرماتا۔

علیٰ ہذا حضرت یحییٰ علیہ السلام جن کا تجرود کامل اور مسلمہ ہے۔ ان کو بھی رب العزت نے
 صفات جمیدہ کے ساتھ یاد کیا۔ بلکہ علاوہ دیگر اوصاف کے ان کی تجرید کامل کا ایسی ایک لفظ
 میں ذکر فرمایا کہ ان کی تجرید ان کی مدحت میں شمار ہوگئی اور ان کے علوی مرتبت کی خاص دلیل
 قرار پائی۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے جناب باری عز اسمہ
 میں دعا کی۔ کہ مجھ کو اولاد صالح مرحمت فرما۔ مجیب الدعوات نے اپنے نبی کی یہ دعا قبول
 کی۔ اور ہاتھ غیب نے مردود مسعود کی زکریا علیہ السلام کو جب وہ مخراب عبادت میں کھڑے
 تھے بشارت دی کہ اِنَّ اللّٰهَ يَبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ مِّنْ اٰمِرٍ اٰتٰنَا لَكَ بِكَلِمَةٍ مِّنْ اٰمِرٍ اٰتٰنَا لَكَ بِكَلِمَةٍ مِّنْ اٰمِرٍ اٰتٰنَا لَكَ
 نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (ترجمہ) اللہ خوشخبری دیتا ہے تم کو یحییٰ کی جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والا ہے اور
 وہ ہر دار اور حضور اور نبی اور صالحین میں سے ہے۔

اس آئیہ کریمہ میں خالق حقیقی نے اپنے بندہ یحییٰ کو پانچ صفتوں سے موصوف فرمایا ہے
 صدقاً۔ پکلمتہ۔ من اللہ۔ اور سید۔ اور حضور۔ اور نبی۔ اور صالح۔ اور یہ صفتیں مہتمم بانٹا

ہیں۔ لیکن قابل لحاظ یہ ہے کہ تیسری صفت۔ یعنی حضور۔ اس کو بھی حق تعالیٰ اجل شانہ نے اپنے مقبول نبی کے صفات میں بیان فرمایا۔ اور اس اہتمام کے ساتھ کہ وسط صفات میں صفت حضور کو قائم کیا۔ لہذا اسباق عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح سید اور نبی اور صلح صفات محمودہ ہیں اسی طرح حضور بھی صفت حمیدہ ہے۔

چنانچہ ارباب طریقت کا یہی مذہب ہے کہ حضور بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ہر چند لغوی معنوی حضور کے رکاوٹ اور بے پردا ہوتا ہے۔ یعنی عورتوں سے باوجود خواہش کے محرز اور یہی صاحب صراح نے لکھا ہے کہ حضور بالفتح۔ مردے کے گرد زن نگرود۔ لیکن مفسرین نے حضور کے معنی کمال شرح و بسط اتمام فرمائے ہیں۔

مثلاً صاحب تفسیر قادری نے لکھا ہے کہ ”حُصُورًا۔ مجرد عورتوں سے۔“ اور تفسیر مواہب الرحمن میں ہے کہ ”وَحُصُورًا مِّنْ مَّنْ عَنِ النِّسَاءِ“ اور سخت باز رکھنے والا اپنے کو عورتوں سے۔ اور تفسیر حسینی میں ہے کہ ”وَبازا یساوہ از زنان۔ یا خود را بازدارندہ از لہو و لب اور صاحب تفسیر حازن نے حضور کے معنی یہ لکھے ہیں کہ ”قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَغَيْرُهُ مِنَ الْمُفَسِّرِينَ الْحُصُورَ الَّذِي لَا يَأْتِي لِلنِّسَاءِ وَلَا يَقْرُبُهُنَّ“ یعنی ابن عباس وغیرہ مفسرین نے کہا کہ حضور وہ ہے جو عورتوں سے علیحدہ رہے۔ اور صاحب تفسیر مدارک نے لکھا ہے

”هُوَ الَّذِي لَا يَقْرُبُ النِّسَاءَ مَعَ الْقُدْرَةِ حَضْرًا لِنَفْسِهِ“ کہ حضور وہ ہے کہ باوجود قدرت کے عورتوں سے دور رہے۔ اور اپنے نفس کو روکے۔ اور تفسیر جلالین میں ہے کہ ”وَحُصُورًا مِّنْ مَّنْ عَنِ النِّسَاءِ“ حضور وہ ہے جو ممنوع کیا گیا ہے عورتوں سے۔

اور مفسرین حضرات صوفیہ نے حضور کی تفسیر میں نکات معنوی بھی تسطیر فرمائے ہیں۔ چنانچہ صاحب تفسیر عرائس البیان نے لکھا ہے کہ ”وَالْحُصُورُ الَّذِي حَصَرَ فَأَعَانَ لِلنِّسَاءِ“ حضور وہ ہے جو خواہش نفسانیہ کے مادہ کو عورتوں سے محفوظ رکھے۔

اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ ”الْحُصُورُ الْمُقَدَّسُ عَنْ شَوَائِبِ التَّقْلِيدِ وَعَنِ

الْإِتِّفَاتِ إِلَى الْكُوفَيْنِ“ یعنی حضور وہ ہے جو شوائب تقلید سے پاک اور کوفین سے غیر ملتفت ہو۔

پھر آپ نے ابن عطا کا یہ قول نقل فرمایا ہے ”الْحُصُورُ الْمُنْزَكَةُ عَنِ الْكُوفَانِ وَمَا فِيهَا“ کہ حضور وہ ہے جو کوفین اور کوفین کی چیزوں سے پر واہ ہو۔
 اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے ”الْحُصُورُ الَّذِي يَمْلِكُ وَلَا يَمْلِكُ“ کہ حضور نہ کسی کی ملک ہے نہ کسی چیز کا مالک۔ اور یہ بھی آپ کا قول نگارش کیا ہے ”الْحُصُورُ الَّذِي لَا يَعْرِفُ مَا سِوَى اللَّهِ“ یعنی حضور اللہ کے سوا کسی کو پہچانتا ہی نہیں۔

الغرض جب حضرات مفسرین کے اقوال سے متفقہ طور پر یہی ثابت ہے کہ حضور کے معنی مجرد صابرو صابط و قانع و آزاد اور تعلقات عالم سے دست بردار۔ اور صاحب مراتب علیا اور غیر اللہ سے بے سروکار کے ہیں۔ تو اب صاف ظاہر ہو گیا کہ تجرید نہایت منہمک بات شائستہ صفت ہے۔

اور اس کا بھی یقین ہو گیا کہ حدیث ”لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ“ میں تجرید متحسن کی امتناع نہیں ہے بلکہ رہبانیت بتدعہ کی ممانعت ہے۔ یعنی خصی ہونا۔ اور آلہ مردانگی قطع کرنا۔ جو شرعاً ممنوع اور مذموم ہے۔ کیونکہ جب صاحب تجرید کی صفت میں نص صریح موجود ہے تو صرف ایک حدیث تجرید محض کی مانع نہیں ہو سکتی۔

اور اگر یہ حدیث تجرید متحسن کی امتناع میں ہوتی تو مشاہیر حضرات صوفیہ۔ اور بعض صحابہ حضرت رسالت مآب۔ اور ایک نبی اور ایک پیغمبر صاحب کتاب تجرید اختیار نہ فرماتے۔ اور نہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایک مجرد کی صفت میں ”مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَأَحْصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ“ اور دوسرے غیر متاہل کی شان میں ”وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ“ ارشاد فرماتا۔

بلکہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں حضور (عج و کامل) کے جو معنی ارقام فرمائے ہیں۔ تو منجملہ دیگر اقوال کے قول ثانی میں تجرید کا فضل ثابت کیا ہے۔ اور آپ نے اس قول کی نسبت لکھا ہے کہ ”وَهُوَ اخْتِيَارُ الْمُحَقِّقِينَ“ کہ محققین نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور وہ قول یہ ہے۔ ”إِنَّهُ الَّذِي لَا يَأْتِي النِّسَاءَ لَا لِلْعَجْزِ بَلْ لِلْعِفَّةِ وَالزُّهْدِ“ (ترجمہ) حضور وہ شخص ہے جو مجبوراً نہیں بلکہ زبرد و عفت کی وجہ سے عورتوں کے پاس نہ جاتا ہے۔ پھر امام موصوف فضل تجرید کی شرح میں دلیل یہ لکھتے ہیں ”رَأَيْتُمْ أَحْصَابَنَا هَذِهِ الْأَيَّةِ عَلَى أَنَّ تَرْكَ النِّكَاحِ أَفْضَلُ“ (ترجمہ) اس آیت کریمہ سے ہمارے اصحاب استدلال کیا ہے۔ کہ ترک نکاح افضل ہے ”لِأَنَّ تَعَالَى مَدَّحًا بِتَرْكِ النِّكَاحِ“ کیونکہ اللہ جل جلالہ نے مدح فرمائی ہے (یعنی علیہ السلام کی) ترک نکاح کے سبب سے ”وَذَلِكَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ تَرْكَ النِّكَاحِ أَفْضَلُ فِي ذَلِكَ الشَّرِيعَةِ“ اور یہ (خدا کا مدح فرمانا) اس امر دلالت کرتا ہے کہ شریعت ہذا میں ترک نکاح افضل ہے ”وَإِذَا اثْبَتْنَا أَنَّ تَرْكَهُ فِي ذَلِكَ الشَّرِيعَةِ أَفْضَلُ وَجَبَ أَنْ يَكُونَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فِي هَذِهِ الشَّرِيعَةِ بِالنَّصِّ وَالْمَعْقُولِ“ (ترجمہ) اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ترک نکاح اس شریعت میں افضل ہے تو نقلاً و عقلاً ایسا ہی حکم اس شریعت میں ہونا چاہیے اس کے بعد امام موصوف نے دلیل نقلی و عقلی کی تفصیل میں پہلے شرعی استدلال یہ فرمایا کہ ”أَمَّا النَّصُّ فَقَوْلُهُ تَعَالَى أَوْلِيَاءَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِمَا كَفَرْتُمْ هُتِفْتُمْ“ یعنی اللہ نے جن کو ہادی کیا ہے ان کی افتد کر و۔ اور معقول دلیل آپ نے یہ پیش فرمائی ہے ”وَأَمَّا الْمَعْقُولُ فَهُوَ أَنَّ الْأَصْلَ إِذَا كَانَ ثَابِتًا بِقَاءِ عَلَى مَا كَانَ فَالْشَّيْءُ عَلَى خِلَافِ الْأَصْلِ“ (ترجمہ) دلیل عقلی یہ ہے کہ جب اصل کی بقا ثابت ہے جیسی کہ تھی تو منسوخ ہونا خلاف اصل ہے۔

امام رازی علیہ الرحمۃ نے کمال صراحت۔ اور صاف لفظوں میں ثابت فرمایا کہ وہ فعل جس کی

حکم الیٰ کمین نے مدح فرمائی وہ یعنی افضل اور حسن ہے اور استدلال شرعی و عقلی سے یہ واضح کر دیا کہ جس طرح بحی علیہ السلام کی واسطے تصور یعنی مجرد کمال ہونا موجب فضل اور علوی مرتبت ہوا۔ اسی طرح شریعت اسلام میں ترک نکاح افضل ہے اور ہونا چاہیے۔

امام رازی علیہ الرحمۃ کی اس مدلل تحریک کا خلاصہ یہ ہے کہ تہجد کو فضیلت اسوجہ سے ہے کہ حضرت احدیت صل جلالہ نے اس کی مدح فرمائی۔ اور مثل دیگر صفات حمیدہ کے اپنے معصوم نبی کی شان میں حضورؐ بھی ارشاد کیا۔ اور خصوصیت تہجد کی عظمت کے واسطے کافی دلیل ہے۔

لہذا اب کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور بقول شیخ شہاب الدین بن محمد سہروردی

علیہ الرحمۃ جس طرح اہل انتظام کے لئے تزوج لازمی اور ضروری ہے۔ اسی طرح صاحب ریاضات و مجاہدات کی تفریح خاطر کے واسطے تہجد مناسب اور مفید ہے (عوار المعارف)

شاید اسی خیال سے ہمارے سرکار عالم پناہ نے بھی عام مریدین کو مناکحت کی امتناع

نہیں فرمائی بلکہ اہل ارادت کا دستور تھا کہ اکثر اہم کام بغیر آپ کی اجازت نہیں کرتے تھے

چنانچہ دیکھا ہے کہ ارادتمند اپنی اولاد کی مناکحت کے واسطے جب اذن طلب ہوتے

تھے تو حضور قبلہ عالم نے ان کو بخوشی اجازت دی ہے۔ اور غلامان خرقہ پوش جو علائق

دنیا سے دست بردار ہوئے۔ ان کے حق میں آپ نے تہجد کی ہدایت فرمائی۔ اور اپنے

خرقہ میں لنگوٹ کو لازمی گردانا۔ جو مجرد کا مخصوص تمنع ہے۔

اور چونکہ قبلہ عالم "حضور" یعنی مجرد کمال تھے کہ از دواج کی جانب کبھی التفات نہیں فرمایا۔ اس

مناسبت سے آپ کے مقدس خرقہ کی مجموعی شان۔ گویا زبان حال سے شاید ہے کہ یہ زاہدانہ وضع اہل تہجد

کا خاص لباس ہے۔ اور لنگوٹ سے تو صاف ظاہر ہے کہ مشرب ارثی فقیر کے لئے تہجد جزو لاینفک ہے۔

غرض مختصر یہ کہ تمام عمر اسی زاہدانہ لباس میں آپ نے مجرد کمال کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اور

مسافرانہ شان سے اس عالم ظاہر کی یوں سیر فرمائی کہ علائق دنیا کے لوازمات کو بھی قطعاً منقطع فرمایا۔

اور اہل تہجد و تہجد کی واسطے بے غرض اور زاہدانہ زندگی کی ایسی مثال قائم کر دی جو اپنی نظیر آپ ہے۔

شاید ناموزوں نہ ہوگا اگر پھر میں وہی عرض کروں کہ حضور قبلہ عالم کا تجرد کامل بھی حضرت کلمۃ اللہ عیسیٰ علیہ السلام کی صفت تجرید سے مشابہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نظر غائر سے دیکھا جائے تو جس طرح تجرد وارثی تجرد عیسوی کے مشابہ ہے۔ اسی طرح تقریباً آپ کے جملہ حالات و عادات عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و عادات سے بہت زیادہ مشابہ ہیں مثلاً حضور قبلہ عالم کے غیر مقصود مومنے مبارک جو ہمیشہ تابدوش رہے۔ یہ در حقیقت خاص سنت عیسوی ہے۔ کیونکہ جملہ مورخین نے لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے گیسوی معبر دراز تھے۔ بلکہ حلیہ عیسوی اسی نشانی کے ساتھ احادیث بنوی میں مذکور ہے۔ کہ جب آپ نزول فرمائیں گے تو آپ کے بال در راز اور چکدار ہوں گے۔

علیٰ ہذا منقول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سر پر ہنہ رہتے تھے۔ ہمارے سرکار عالم بناہ کا بھی سادہ اور بے تکلف لباس کلاہ و دستار وغیرہ سے معرّار ہا۔ اور ہمیشہ آپ تنگ سرو پا برہنہ و ادنیٰ عشق میں سرگرم جستجو رہے بلکہ حضور نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے۔ کہ ٹوپی اور جو تہ تو آرام کے واسطے پہنتے ہیں۔ اور فقیر کو آرام و تکلیف کا خیال کرنا بھی ممنوع ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”آداب عشق یہ ہے کہ راہ طلب میں فقیر تنگ سرو اور پا برہنہ رہے۔“ یہ بھی فرمایا ہے۔ ”ٹوپی زیبائش کی چیز ہے۔ اور فقیر کو زینت سے کیا کام ہے۔“

اور عیسیٰ علیہ السلام نے لمجاظ زہد رہنے کے لئے مکان نہیں بنایا۔ حضور قبلہ عالم نے بمصدق ”لَا یَمْلِكُ وَلَا یَمْلَکُ“ اپنے آبائی مکان بلکہ کل املاک سے دست بردار ہو کر میدان عشق میں قدم رکھا۔ اور ہمیشہ مسافرانہ زندگی بسر فرمائی۔ چنانچہ اکثر آپ فرماتے تھے۔ ”ہم تو مسافر ہیں“

یہ بھی مستند روایات سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے تکیہ نہیں رکھا۔ فرشتہ زمین پر استراحت فرمائی۔ اور بجائے بالش خشت یا پتھر کا ٹکڑا زیر سر رکھتے تھے۔ اسکی مشابہت بھی حضور قبلہ عالم کے عادات میں موجود ہے۔ کہ آپ نے زمین پر ہمیشہ آرام

فرمایا۔ اور کبھی تکیہ رکھنا پسند نہ کیا۔ بلکہ تکیہ کے ذکر سے قطعی نفرت تھی۔ چنانچہ اکثر فرمایا ہے کہ فقیر کو تکیہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ "اگر فقیر کا تکیہ اللہ پر ہو تو وہ فقیر ہے۔" یہ بھی فرمایا ہے کہ "فاقہ جس طرح نفس کی تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح تکیہ نفس کو آرام پہنچاتا ہے۔ اور مشرب عشق میں نفس کی بیجا خواہش کو پورا کرنا حرام ہے۔ کیونکہ عشق صادق کی تعریف یہ ہے کہ عاشق روح بلا نفس رہ جائے۔ اور جب تک اس میں نفس ہے۔ وہ عشق الہی کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے "مگر تکیہ رکھنے سے غفلت بڑھتی ہے۔ اور عاشق کی عبادت یہ ہے کہ اس کی ہر سانس غفلت سے پاک ہو۔" یہ بھی فرمایا ہے کہ اسباب آرام و آسائش کے جھگڑے میں انسان عہد میثاق کو بھول جاتا ہے۔ یہ بھی اکثر فرمایا ہے کہ "فقیر آرام طلب منزل مقصود سے دور رہتا ہے۔" یہ بھی فرمایا ہے کہ "جو دنیا کے انتظام میں پھنستا ہے۔ اس کے دل میں محبت الہی کی جگہ نہیں رہتی۔" یہ بھی فرمایا ہے کہ "بے انتظامی تو عشق کا پیش خیمہ ہے۔"

الغرض آپ کے مدارج تجرید و مراتب تفرید کی خوشنما تصویر کا اگر ایک رُخ دنیا کے مشہور مجرد کامل حضرت کلمۃ اللہ علیہ السلام کے زہد و تجرید سے زیادہ مشابہ ہے۔ تو دوسرا رُخ کلیۃ صفات حضرت مرتضوی کا شفاف آئینہ ہے۔ جس میں آپ کے خاندانی صبر و رضا فقر و فنا کی شان نظر آتی ہے۔ کیونکہ عنفوان شباب سے آپ کے جلو کارنامے زبان حال سے شاہد ہیں کہ رضا و تسلیم کی دشوار گزار منزل آپ نے بکمال ثبات و استقامت طے فرمائی ہے۔

تسلیم و رضا چنانچہ آپ کے حالات و واقعات کا نظر غائر سے مطالعہ کرتے ہیں۔ تو بساختمہ زبان سے یہی نکلتا ہے کہ لاریب آپ اہلیت اطہار کے مخصوص یادگار۔ اور حقیقی ورنہ دار ہیں۔ کیونکہ آپ کے حرکات و سکنات اور اقوال افعال سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

کہ ترک تدبیر آپ کا مشرب اور راضی برضائی یا رہنا آپ کا نصب العین ہے۔ اور آپ کا اختیار نشانے کردگار کے آگے سلب۔ اور آپ کا ارادہ۔ ارادہ حق میں فنا ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ جو واقعات و ارادت۔ بطاہر بصورت آرام و راحت۔ یا شکل آلام و محنت پیش آئے۔ ان کو بلا شکایت و اکراہ۔ اور بغیر اعراض و اشتباہ ہمیشہ آپ نے تسلیم کیا اور بطیب خاطر مراد قضا و قدر پر راضی رہے۔

اس لئے اگر یہ کہا جائے تو شاید موزوں نہ ہوگا کہ آپ کی ذات محمود الصفات کو

مرتبہ تسلیم و رضا سے خاص نسبت تھی۔ اور یہ حلیل القدر صفت جو مخصوص طور پر آپ کے جہانگیر کا حصہ ہے۔ آپ کو درانتہ ملی تھی۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم کے بعض ارشادات کا یہی مضمون ہے۔ جن کا متواتر ذکر آیا۔ اور تقریباً جملہ حاضرین بارگاہ و ارثی نے ضرور سنا ہوگا۔ کہ اکثر آپ نے پر جوش لہجہ میں فرمایا: "تسلیم و رضا بی بی فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کا حصہ

ہے" اور کبھی یہ ارشاد ہوا کہ "تسلیم و رضا اہلبیت کے گھر کی چیز ہے" اور اسی مضمون

کو کبھی ان الفاظ میں فرمایا: "تسلیم و رضا اہلبیت کے گھر کی لونڈی ہے" اور کبھی اس

قدر و صاحت اور فرمائی کہ "تسلیم و رضا کا مرتبہ بی بی فاطمہ نے اپنے بابا جان سے

اور حسنین علیہما السلام کی وساطت سے جس کا جس قدر حصہ ہے وہ اس کو ملتا ہے" اور

کبھی یہ بھی فرمایا ہے کہ "جس طرح تسلیم و رضا کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اسی طرح اس میں

میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل۔ اور بڑے مردوں کا کام ہے" یہ بھی ارشاد ہوا

تسلیم و رضا کی منزل میں جان دینا معمولی بات ہے۔ مگر زبان سے اُتتا بھی کرنا۔

رضا کی شان کے خلاف ہے" اور یہ بھی فرمایا کہ "رضا و تسلیم کے کوچہ میں جس نے قدم

رکھا۔ اس کا اختیار سلب ہوا۔ یہ بھی ارشاد ہوا کہ "مشرب تسلیم و رضا میں انتظام نہیں"

یہ بھی فرمایا کہ "اہل رضا و تسلیم کا مسلک اور ہے مشائخین کا طریقہ اور ہے" یہ بھی

کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک رضائے معشوق کے لئے تمام خاندان

میدان کربلا میں شہید کر دیا کوئی کیا سمجھ سکتا ہے۔ رمز عاشق و معشوق کو یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ہمارا مشرب عشق ہے جس میں انتظام حرام۔ اور رضائے شاہد حقیقی کے آگے سر تسلیم خم کرنا فرض عین ہے۔“

حضور کے ان ارشادات سے صاف ظاہر ہے کہ رضا و تسلیم مخصوص طور پر عاشقین کا مسلک ہے۔ اور دیگر محققین حضرات صوفیہ کرام نے بھی یہی فرمایا ہے کہ رضا ثمرہ ہے محبت کا۔ اس وجہ سے محب صادق۔ محبوب و لنواز کی ہر ادائے ناز کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ اور ہر حال میں راضی برضائے مطلوب رہتا ہے۔

چنانچہ حضور قبلہ عالم کے حالات و واقعات سے زیادہ اور خصوصیت کے ساتھ آپ کے ثبات اور استقامت ہی کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نفسانی مرادات اور جسمانی خواہشات کی طرف کبھی التفات نہیں فرمایا بلکہ تمام معاملات ذاتی و صفائی۔ اور جملہ واقعات حرکاتی و سکنتی کو فعل حق۔ اور امر حضرت رب العزت سمجھا اور کمال صبر و استقلال بمصداق ”الرِّضَاءُ سُرُورٌ مِّنَ الْقَلْبِ عَنِ الْقَضَاءِ“ وقوع حوادث و عوارض کو کیشتمہ ناز محبوبی تصور کیا۔ اور کسی حالت میں آپ کی زبان حرف شکایت سے آشنا نہیں ہوئی اور یہی رضائے کامل کی تعریف ہے کہ بلا پر صبر کرنا رضا ہے۔ اور قضا پر اعتراض نکرنا رضا و کامل ہے۔

چنانچہ سن ۱۲۲۲ھ ہجری کا یہ واقعہ ہے جس سے حضور قبلہ عالم کے ضبط و استقلال کا میں اظہار ہوتا ہے کہ اول مرتبہ دیوبند شریف و بانی طاعون سے جب متعدد موتیں ہوئیں۔ اور باشندگان قصبہ مکان چھوڑ کر میدان میں اقامت گزین ہوئے۔ تو حفظ صحت کے لحاظ سے میں نے مختلف عنایات سے اور مختلف پیرایہ میں متواتر عرض کیا کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضور بالا خانہ میں تشریف رکھیں۔ جو ہوا دار بھی ہے۔ اور پر فضا بھی۔ مگر ہر مرتبہ حضور نے میری عرضداشت یہ فرما کر نامنظور کر دی کہ ”جو خدا یہاں ہے وہی وہاں ہے۔“ بلکہ علاوہ میرے دیگر خدام نے بھی کوشش کی کہ بہ لحاظ احتیاط بالا خانہ میں رہنا بہتر ہوگا۔ مگر حضور نے کسی کی التماس پر توجہ نہ فرمائی۔ اور نقل

مکان کرنا کسی طرح پسند نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اسی دوران میں بعض حکیم اور ڈاکٹر قد مبوسیٰ کو آئے اور انہوں نے بھی عرض کیا کہ اگر آپ کو ٹھے پر استراحت فرمائیں تو اصولاً زیادہ مناسب ہے مگر سب کے جواب میں ہی ارشاد ہوا کہ ”إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ جو خدا کو منظور ہوگا۔ وہ ضرور ہوگا۔ ”إِذَا دَاةُ اللَّهِ غَالِبَةٌ عَلَىٰ إِرَادَةِ النَّاسِ“۔

آخر ایک روز چند مقتدر اور مقرب غلامانِ بارگاہِ وارثی نے مجمع ہو کر بصد اصرار عرض کیا کہ ہماری خاطر سے آپ مکان تبدیل فرمائیں۔ اس وقت آپ نے متبسم لبوں سے ارشاد فرمایا کہ ”ہم جانتے ہیں کہ اطباء کا یہی خیال ہے۔ اور تم محبت سے کہتے ہو۔ مگر یار کی بھی ہوئی بیماری سے ڈرنا اور بھاگنا۔ غیرتِ عشق کے خلاف ہے۔ بلکہ اقصائے محبت یہ ہے کہ مشارِ الہی کے آگے سرنگوں رہیں۔ بقول ”سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے“۔

مہذا۔ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے باشندگانِ موضع گدیہ کے اصرار سے یہ اقرار کر لیا کہ واپسی میں قصبہ سترک سے تمہارے یہاں آئیں گے۔ چنانچہ حسب وعدہ آپ نے جب سترک سے مراجعت فرمائی۔ اور حضور کی پالکی صفی پور کی آبادی میں سے گذری۔ تو وہاں کے چند نوجوان ہندو حضور کے بعض ان خدام سے جو پیچھے رہ گئے تھے۔ کسی معمولی بات پر تکرار کرنے لگے۔ اور یہاں تک گفتگو بڑھ گئی کہ لڑائی ہوئی۔ اور فیضو شاہ صاحب کا سر مجروح ہو گیا۔ جب گدیہ پہنچے۔ اور وہاں کے خاص و عام نے فیضو شاہ صاحب کا زخم دیکھا تو سب کو اشتعال ہوا۔ اور آمادہ ہو گئے کہ صفی پور کو تباہ و برباد کر دیں۔ مگر حضور نے سب کو تباہی مانعت کی۔ اور فیضو شاہ سے فرمایا کہ ”صبر کرو۔ اللہ کو یہی منظور تھا۔“

اسی عرصہ میں صفی پور کے دو معمر اور خوشحال ہندو حاضر خدمت ہوئے۔ اور اپنی بکری حضور کے قدموں پر رکھ دی۔ اور ہاتھ جوڑ کر ایک پاؤں سے کھڑے ہو گئے۔ اور دیہاتی لہجہ میں عرض کیا کہ بابا۔ دیا کرو۔ لڑکوں نے تو گرم ناسن کیا۔ مگر اپنی کرپا سے تم معاف کر دو تو

اُن کا جنم اکارت نہ جائے۔

حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ انہوں نے تو ہمارا کوئی قصور نہیں کیا۔ اور اگر کرتے۔ یا ہم کو مار بھی ڈالتے۔ تو بھی ہم معاف کر دیتے۔ کیونکہ ہمارے دادنے اپنے قاتل کو پہلے شربت پلایا ہے اور ہمارے مذہب کی تعلیم ہے کہ وَالْكَافِرِينَ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْحَيُّونَ وَالْغَائِبِينَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔“

اور ہمارے نزدیک تو لڑائی تھی نہ جھگڑا۔ بلکہ یار کی ادا و ناز کا ایک کرشمہ تھا۔ جو ہو گیا۔ اس میں نہ کسی کا قصور ہے۔ نہ معافی کی ضرورت۔ اور اگر تمہاری ہی خوشی ہے۔ تو اچھا بیٹھو معاف کیا۔ اور خادم کو حکم دیا کہ ان کو ایک تہنہ اور مٹھائی دیدو۔ یہ کریمانہ شان دیکھ کر دونوں کو جوش ہوا۔ اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ مہاراج اب ہم کو چیل بھی کر لو۔ آپ نے دونوں کو استغفار پڑھا کر مرید کیا۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ گرو داتا کوئی انجھ بھی تبادو۔ حضور نے فرمایا کہ ”برہم پچا نو۔ اور پتھر کو نہ پوچنا۔ اور جھٹکے کا گوشت نہ کھانا۔“

الحاصل ایسے متعدد واقعات ہیں جن سے آپ کا راضی برضائے حق رہنا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن علاوہ ان حالات کے جن کا وقوع گاہ بگاہ ہوتا رہا ہے۔ زیادہ عجیب اور حیرت خیز حضور کے روزمرہ کے معمولی عادات ہیں۔ جن کو اگر سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا پورا طرز معاشرت تحت تسلیم احکام آلہی ہے اور رضائے پروردگار کے آگے اپنا اختیار فنا کر دیا ہے۔ اور سبب و اسباب سے دست بردار ہو کر قدم قدم پر صرف مشیت مسبب الاسباب سے سروکار ہے۔

مثلاً سب جانتے ہیں کہ آپ کی یہ مخصوص صفت ہے کہ تمام عمر آپ کی زبان حرف شکایت سے آشنا نہیں ہوئی۔ اور کبھی آپ نے اس قدر بھی نہیں فرمایا کہ گرمی زیادہ ہے۔ یا اعتدال سردی کم ہونے سے اعتدال صحت میں فرق آ گیا ہے۔ یا کثرت بارش

سے مکان مسمار ہو گئے۔ یا خشک سالی کی وجہ سے غلہ کی گرانی ہے، حالانکہ یہ باتیں وہ ہیں جو عموماً زبان زد خلاق رہتی ہیں۔ مگر حضور قبلہ عالم نے کبھی سہواً بھی ایسے الفاظ نہیں فرمائے جن میں معنایاً اشارہ بھی ہوئے شکایت ہو۔ اور یہ احتیاط صرف اس وجہ سے تھی کہ اقتضائاً تسلیم یہ ہے کہ فشار الہی سے اختلاف کا اشارہ بھی نہ ہو۔ اور معبود حقیقی کے ہر فعل کو یہ نظر صواب دیکھے۔ ہر چند ظاہر میں وہ بصورت عتاب ہی کیوں نہ ہو۔

بلکہ کمال احتیاط کی وجہ سے مزاج ہمایوں کا یہ انداز تھا کہ دوسرے شخص کی زبان سے بھی اگر شکایت آمیز الفاظ نکلتے تھے تو آپ کو قطعاً ناگوار ہوتا تھا۔ اور اکثر چین بچیں ہو کر اس کو اٹھا دیا ہے۔ اور کچھ دیر تک چہرہ اقدس پر اس ناگواری کا اثر رہتا تھا۔ اس کے معنی ہی ہو سکتے ہیں کہ محبت کی عین تعریف یہی ہے کہ محب اپنے محبوب کی شکایت نہ سنے۔ چونکہ اس نے فشار حق سے بجائے مسرور ہونے کے اعراض کیا۔ آپ نے اس کی صحبت ناپسند کی اور اٹھا دیا۔ علیٰ ہذا سخت سے سخت علالت میں بھی آپ نے درد اور تکلیف کا ذکر کبھی نہیں کیا ہمیشہ خدام قرآن سے دریافت کرتے اور بصد اصرار دوپلاستے تھے۔ بلکہ جب طبیب نے پوچھا کہ مزاج کیسا ہے تو یہی فرمایا کہ اچھا ہے۔ کبھی مرض کا نام نہیں لیا۔ کیونکہ درد کا اظہار کرنا بھی عین شکایت۔ یا کم سے کم ضمیرہ شکایت ہے ظہوری سے۔

جسم را در عشق تا جاں کار نیست درد عاشق را بدرماں کار نیست
اور اگر کسی طبیب نے اپنی خدمات سے مرض تشخیص کیا۔ اور اپنے اطمینان کے واسطے پوچھا کہ پیاس غالب ہے یا سر میں درد ہے۔ تو بجائے تائید فرمانے۔ اور ہاں کہنے کے جواب میں یہ ارشاد ہوتا تھا کہ تم بڑے حکیم ہو۔ مگر زبان سے پیاس کا یا درد کا نام نہیں لیا کہ مطلوب کی بھیجی ہوئی ابتلا کی اشارہ بھی شکایت نہ ہو، بلکہ ہر حال میں سر تسلیم خم رہے۔
دعا کرنے سے احتیاط اور قرینہ ہے کہ اسی جہت سے آپ دوست دشمن کے واسطے دعا اور بدعا نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے کہ جس طرح حضور قبلہ عالم نے اپنے اجداد و امجاد

کے مفوضہ صفات و برکات کی نگہداشت بکمال استقلال و ثبات فرمائی۔ اور دعا کرنے سے قطعاً احتراز کیا کہ منافی شانِ رضا ہے۔ اسی طرح حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتے کو اس کا بھی ہمیشہ خیال رہا کہ بددعا کرنا خاندانی شانِ عظمت کے خلاف ہے۔

علاوہ اس کے دعا اور بددعا کا مفہوم یہ ہے کہ دوست کی شفقت اور دشمن کی عداوت کو باعثِ راحت اور سببِ مُنت خیال کرنا۔ اور اس کے صلہ اور عوض میں ان کے واسطے دعا اور بددعا کرنا جو چشمِ حق ہیں کے لئے سنگیں حجاب ہے۔ کیونکہ ہر دو کیفیات کا فاعل حقیقی قادرِ مطلق ہے۔ اور افعالِ قادرِ ذوالجلال کو غیر اللہ کے ساتھ منسوب کرنا یقینی ایمان سے دست بردار ہونا اور حقیقت سے صریح انکار کرنا ہے۔

لہذا بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو نہ دوست دعا کا سزاوار نہ دشمن بددعا کا مستحق ہے۔ جس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ دعا اور بددعا کرنا فعلِ عبث ہے۔ بلکہ اقتضائے تصدیق یہ ہے کہ بجائے دوست و دشمن کے حق میں دعا اور بددعا کرنے کے۔ وقوعِ آرام و آلام کو شاہد و لنواز کا کرشمہ ادا و ناز سمجھیں۔ اور اس کے منشا و ارادہ کے آگے سرنگوں رہیں۔ جو عینِ رضا ہے۔

جیسا کہ حضور قبلاً عالم نے عملاً دکھا دیا۔ اور چونکہ تمہیلِ رضائے الہی کے واسطے یہ احتیاطِ لازمی تھی۔ اس لئے اپنے غلاموں کو مخاطب فرما کر بصرِ احتیاط ارشاد ہوا کہ ”جو تم سے محبت کرے۔ اس سے محبت کرو۔ مگر کسی کے حق میں دعا کر و نہ بددعا“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”فقیر کو چاہیے کہ رضا و تسلیم پر قائم رہے“ اور اکثر یہ ارشاد ہوا کہ ”دعا اور بددعا کرنا مشربِ رضا و تسلیم کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ”فقیر نہ دوست کی واسطے دعا کرتا ہے نہ دشمن کے لئے بددعا۔ کیونکہ دوست و دشمن کا پردہ ہے۔ سب کر توت ان کا ہے۔ جن کا ہر چیز میں جلوہ ہے“

یہ ارشادات بالمعنی مرادف اور متحد ہیں۔ لیکن طرزِ عبارت سے مشریح ہے کہ روئے

سخن غلامان خرقہ پوش کی طرف تھا۔ اور یہی دیکھا گیا ہے کہ اکثر حضور نے فقرا ہی کو یہ ہدایت فرمائی جس کے حقیقی معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ جس طرح فقیر کو ذاتی خواہشات و مرادات مثبت ایزدی کے سپرد کرنا لازم ہے۔ اسی طرح دوست و دشمن کے حق میں بھی استدعا کرنا منافی شرع فقر اور خلاف رضائے حق ہے۔

مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ صاحب لباس دنیوی کے واسطے ان احکام کی تعمیل ممنوع ہے۔ اگر عنایت رب العزت سے یہ توفیق نصیب ہو کہ وہ بندہ نواز تسلیم الامور الی اللہ کا شرف مرحمت فرمائے تو اپنے اختیارات اٹھالینا۔ اور سبب و اسباب کا صفحہ قلب سے محو کرنا عقلاً و نقلاً مناسب اور بہتر ہے۔

البتہ اس مسئلہ میں تھوڑا اختلاف ہے۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ حضرات صوفیائے کرام میں ایک طبقہ ایسا ہے جو مذہبی دستور العمل کے حوالہ سے دوسروں کے واسطے دعا کرتا ہے اور بددعا بھی۔ اور اس کو مستحب اور محسن جانتا ہے۔ لیکن مقربین بارگاہ احدیت ایک مخصوص گروہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ دعا اور بددعا کرنے سے احتیاط اور احتراز فرماتا ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ وہ اہل تکمین جو ہمیشہ میدانِ رضا۔ اور دادی تسلیم میں شاہ جہاں کے سامنے سرنگوں رہتے ہیں۔ وہ استدعا و دفع قضا نہیں فرماتے۔ وہ ہو ہذا۔

قوم دیگر می شناسم ز اولیاء	کہ زبان شان بستہ باشد از دعا
از رضا کہ ہست رام آں کردم	جستن دفع قضا شاں شد حرام
در قضا ذوقی بھی بنید خاص	کفر شاں آمد طلب کردن خلاص
ہر چہ می آید برون از ملک غیب	خاص خود دانند آں بیشک و ریب

لیکن اس کا تفسیر صاحب عوارف المعارف نے یہ کیا ہے کہ دعا کرنا۔ اور نہ کرنا سالکانہ طریقہ کے احوال پر موقوف ہے اور ان کے مدارج و مراتب کے لحاظ سے دعا اور بددعا کرنا محمود بھی ہے اور مذموم بھی۔ تعویذ لکھنے سے احتراز اور بالکل یہی صورت ہے کہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے

اور تعویذ دینے سے ہمیشہ احتراز فرمایا۔ اور اپنے غلامان خرقہ پوش کو بھی صاف لفظوں میں یہ ہدایت فرمائی کہ ”فقیر کو چاہئے گنڈا اور تعویذ نہ کرے۔“

کیونکہ گنڈا اور تعویذ دینا مشرب ارباب رضا و تسلیم میں ممنوع ہے کہ ایک معنی میں مشیت نفاذ و قدر کے خلاف کوشش کرنا ہے جو تسلیم کی ضد ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ بعض مقتدین حضرات صوفیہ نے رفاہ خلق کے لئے نقش بھی لکھے ہیں۔ دوران کے معاصر مشائخین نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور بعض نے اس کو مستحسن بھی کہا ہے۔ لیکن جس روح دعا کرنا بہ لحاظ حال اور مقام محمود بھی ہے اور مذموم بھی۔ وہی صورت تعویذ اور گنڈے کی ہے۔ وہ ارباب تصوف جن کی حالت اس کی مقتضی تھی کہ رفاہ خلق کو خیال فرماتے۔ انہوں نے اسمائے ربی تعالیٰ کے اعداد و اثرات سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ اور وہ اہل اللہ جو رضائے رب فمیر کے آگے سرنگوں تھے۔ اور اسباب و تدبیر کے خیال سے ہمہ تن محترز تھے وہ گنڈے اور تعویذ سے ہی ہمیشہ دست کش رہے۔

چنانچہ امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم باب توحید و توکل میں بکمال وضاحت لکھا ہے کہ حضرت بہترین عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے تعویذ کرایا۔ یا داغ دیا۔ اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ پر توکل نہیں کیا۔

پھر ممدوح اصناف حجتہ الاسلام ایک حدیث کی شرح میں تفسیر فرماتے ہیں کہ ہر چیز ایسا تعویذ جو آیات قرآنی سے لکھا جائے۔ اس کا لکھنا جائز ہے۔ مگر رضا و توکل کی شان یہ ہے کہ اسباب ماسوے اللہ کا خیال بھی نہ آئے۔

غرض رضا و تسلیم کی صحیح اور نمایاں شان یہی ہے کہ جلد خواہشات و مرادات شاہد حقیقی کی مشیت پر موقوف ہوں۔ اور تعلقات سبب و اسباب سے قطعی انقطاع ہو۔ اور منشار سبب الاسباب کے سامنے سر تسلیم خم رہے۔ جیسا کہ حضور قبلہ عالم نے خود عمل کے دکھا دیا۔

مگر بطاہرہ عجیب واقعہ ہے کہ حضور قبلاً عالم کے عادات و واقعات کو اگر بہ نظر تامل دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے دیگر صفات عالیہ پر صبر و رضا کا اثر ایسا غالب ہے کہ وہ اخلاق رضا و تسلیم کی روشنی میں مغلوب بلکہ محبوب معلوم ہوتے تھے۔

شاید اس وجہ سے دیگر صفات کے اثرات کا اظہار کم ہوتا ہو کہ لفظاً اے "وَالرِّضَاءُ رَفْعُ الْاِخْتِيَارِ"۔ اور باب صبر و رضا اپنا اختیار کلیتہً اٹھالیتے ہیں۔ اور ہر حالت میں کمال ثبات و استقلال رضائے شاہد بے نیاز کے آگے وہ جا بنا زہد ہمیشہ سر بکف رہتے ہیں۔ اور احکام قضا و قدر کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس دائمی انہماک اور کثرت غلو کے باعث حضور کے دیگر اخلاق کے برکات کم یا مغلوب نظر آتے ہوں۔

یا اس کا سبب یہ ہو کہ حضور قبلاً عالم کا مشرب عین عشق تھا۔ اور یہ مسلمہ ہے کہ عشاق شوق وصال یا رہیں اپنے صفات و کمالات۔ خواہشات و مرادات کو قطعاً محو اور فنا کرتے ہیں بلکہ ماسولے اللہ سے دست بردار ہو کر ہر وقت راضی برضائے یار رہتے ہیں۔ پس ایسی حالت میں جب کہ وہ سالکین راہ محبت اپنے اخلاق حسنہ کا خیال بھی منافی احوال جانتے ہیں تو ان کو صفات کا کما حقہ اظہار قطعی دشوار ہے۔

یا اس وجہ سے حضور قبلاً عالم کے دیگر صفات۔ مرتبہ رضا و تسلیم کے سامنے مغلوب ہوتے ہوں کہ حقیقت میں مرتبہ رضا بعض اخلاق کمالیہ کا مرکز ہے۔ جیسا کہ حضرت سہل بن عبد اللہ تستری علیہ الرحمۃ نے مسترشدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "ورع مقدمہ ہے زہد کا۔ اور زہد مقدمہ ہی توکل کا۔ اور توکل مقدمہ ہے معرفت کا۔ اور معرفت مقدمہ ہے قناعت کا۔ اور قناعت مقدمہ ہے رضا کا۔ اور رضا نتیجہ ہے موافقت کا۔ اور موافقت عین دلیل ہے محبت کی اس لئے کیا عجب ہے کہ آپ کے بھی بعض صفات بہ سبب فرغ ہونے کے اپنی اصل یعنی مرتبہ رضا کے ممتاز اثرات کے سامنے بخوبی متمیز نہیں ہوئے یا مغلوب اور محبوب معلوم ہوئے۔

نفاق سے احتراز | لیکن اس کے ساتھ حضرت حبیبِ عجمی علیہ الرحمۃ کا یہ مستند قول بھی قابلِ لحاظ ہے۔ جو خصوصیات مرتبہ رضائی صراحت میں آپ نے فرمایا ہے کہ رضائے حق کا تعلق اس مخصوص قلب سے ہوتا ہے۔ جس کی صفت یہ ہو "فِي قَلْبٍ لَيْسَ فِيهِ غِبَارُ النِّفَاقِ" یعنی غبارِ نفاق اور تکذرعنادتے وہ مکر اور آلودہ نہ ہو۔ ورنہ رضائے الہی پر قائم رہنے کی اہلیت نہ ہوگی۔

صاحبِ کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ پھر حضرت عجمی نے اپنے اس ارشاد کی وضاحت میں فرمایا کہ لفظ نفاق کو جو خلاف مرتبہ رضا شرط گردانا ہے۔ اس کی اصل اور حقیقت یہ ہے کہ نفاق ضد ہے وفاق کی۔ اور وفاق عین محبت ہے پس مقصود ہمارا یہ ہوا کہ جو قلب نفاق سے محترز اور متنفر ہے۔ وہ ضرور محبت سے معمور اور متاثر ہوگا۔ اور وہی دل میدانِ رضائیں شاہد بے نیاز کے منار اور ارادہ کے سامنے جانبازا اور لیک کہنے والا ہو سکتا ہے۔

آپ کی اس تشریح سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ "فِي قَلْبٍ لَيْسَ فِيهِ غِبَارُ النِّفَاقِ" کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو قلب غبارِ نفاق سے آلودہ ہے۔ وہ امر حق کی تسلیم کا اہل ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ صفتِ وفاق سے معرابت اور چونکہ رضائے الہی کی تمیل مشروط بہ محبت ہے۔ کیونکہ خود مرتبہ رضائے حق ہے محبت کا۔ اس واسطے یہ لازم ہو گیا کہ جو دل انوارِ محبت سے معمور ہوگا وہ ضرور احکامِ قضا و قدر کے آگے بلااعراض و انکار سرنگوں رہے گا۔

غرض نفاق و وفاق یا یوں کہئے کہ نفرت کلمی اور تعلق قلبی یہ دو صفات ہیں۔ اور دونوں میں ان کے حسن و قبح کے لحاظ سے یہ تفریق ہے کہ ایک صفت مذموم ہے دوسری محمود۔ نفاق دشمنوں کی صفت ہے۔ اور وفاق دوستوں کا شیوہ ہے۔ اور دونوں صفات صفات قلبی ہیں۔ ہر قلب کو انہیں دو صفتوں میں سے ایک صفت سے تعلق زیادہ ہوتا ہے۔ اور ان ہر دو صفات سے قوائے انسانیہ اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ انسان کے اقوال و احوال کو اس کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ صفتِ نفاق سے موصوف ہے۔ یا فیوض وفاق سے مستفیض ہے۔

الحاصل جب کہ صفات نفاق و وفاق کا اثر انسان کے قول و فعل سے ظاہر ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ انسان کی قلبی ماہیت کا اندازہ اس کے طرز گفتار اور طریق اطوار سے ہوتا ہے۔ تو اس تشریح سے ضرورت اس کی پیش آئی کہ اب ہم حضور قبلہ عالم کے اقوال و احوال کا کمال غور و تامل اس لئے مطالعہ کریں کہ ہم کو امتیاز ہو جائے کہ آپ کے حالات و عادات کو کہاں تک صفات نفاق یا وفاق سے سروکار ہے، اور ان دونوں صفات میں سے کس صفت کو آپ کے قلب مطہر سے زیادہ تعلق ہے۔

لہذا پہلے صفت نفاق کی نسبت یہ عرض کر دوں گا کہ ہمارے غور و تحسس کا آخری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سرکار عالم پناہ کا قلب منور سرِ ابا صفت وفاق سے ایسا مملو اور مہمور تھا کہ جس پر غبار نفاق و تکدر عناد کا سایہ بھی نہیں پڑا۔ چنانچہ آپ کے حالات و عادات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج ہمایوں کی یہ مخصوص صفت تھی کہ نفاق کے نام سے آپ کو نفرت تھی نہ کبھی کسی کو دشمن سمجھا نہ کسی کے دشمن بنے۔ ہمیشہ آپ کی چشم حق میں نے مخلوق الہی کو ان کی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے بغیر کسی تخصیص و تفریق کے ایک نظر سے دیکھا۔ اور مقتضائے مشرب اتحاد ہر قوم اور ملت کے افراد کو متحرک جانا۔ اور بجز موافقت کے کسی سے آپ کو اختلاف و عناد نہ تھا۔ کیونکہ عنایتِ دہی سے آپ کا سینہ بے کینہ تعصب و نفاق کے غبار و تکدرات سے ایسا پاک اور محفوظ تھا کہ دوست و دشمن کی تفریق نہ لگانا اور بیگانہ میں فرق و امتیاز ہمیشہ سب سے ایک انداز سے پیش آئے۔ بلکہ اکثر اعیار پر زیادہ عنایت فرماتے تھے۔ اور غیر مشرب سے اسی طرح ملاقات کرتے تھے جس طرح ایک سچا مذہبی شخص اپنے ہم مذہب سے ملتا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ جب کوئی ہندو، عیسائی، یہودی، پارسی از روئے ارادت نخل عاطنت و رنی میں پناہ گزیں ہوا تو حضور قبلہ عالم نے کمال شفقت اس کو توحید الہی کی تلقین اور محبتِ بزدی کی ہدایت اسی طرح فرمائی جس طرح ایک حق پرست مسلمان کو آپ حلقہ بیعت میں داخل کرتے۔ اور اس کو وحدانیتِ خداوندی کا سبق دیتے تھے۔

صنوبر قبلہ عالم کے خلوص اور مسادات کے برتاؤ کا ایسا گہرا اثر تھا کہ دوسرے مذہب کے پرستار جو طریق آبابی سے خبردار تھے کمال ارادت آپ کے حلقہ گبوش ہوتے جن کا بالتفصیل تذکرہ آئندہ آئے گا۔ لیکن اس سلسلہ میں بھی دو چار حضرات کا ذکر تمثیلاً لکارش کرتا ہوں۔

چنانچہ بابو گنیش پرشاد صاحب وارثی آلہ آبادی نے جو خاندانی رئیس اور مہاجن تھے اپنا واقعہ بیان کیا۔ کہ میں بضرورت مکان سے اوناؤ آیا تھا۔ اسٹیشن پر دیکھا کہ ایک فینس رکھی ہے اور اس کے گرد لوگوں کا ہجوم ہے میں سمجھا کہ کوئی دولہا ہے۔ اور خود بخود یہ بھی خیال ہوا کہ تم بھی دیکھو دولہا کیسا ہے۔ فینس کے قریب گیا تو یہ کرشمہ دیکھا کہ دولہا تو نہیں ہے۔ مگر پیکر بشری میں خدا کی قدرت کاملہ کا قداوم ایک مرقع ہے جس کے شوق دید میں ہر طبقہ کے ہندو و مسلمان محویت کے عالم میں کھڑے ہیں اور قریب گیا۔ اور قدمبوس ہو کر چند لالچیاں پیش کیں آپ نے مسکرا کر لالچیاں قبول فرمائیں۔ اور ارشاد ہوا کہ ”سیٹھ جاؤ، پھر ملاقات ہوگی“ اسی عرصہ میں گاڑی آگئی۔ اور صنوبر سوار ہو کر لکھنؤ تشریف لے گئے۔

اور میری حالت یہ ہوئی کہ جس کام کے لئے اوناؤ آیا تھا۔ ایک شب رہا بھی مگر نہ کر سکا۔ اور پریشانی اس قدر بڑھ گئی کہ نہ شب کو نیند آئی نہ نہ کھانا کھایا۔ دوسرے روز اسی حالت اضطراب میں لکھنؤ آیا۔ جب اپنے دولہا کے سامنے حاضر ہوا تو آپ نے عجیب دل آویز نظر سے دیکھا اور فرمایا کہ ”سیٹھ آگئے۔ نہ تاب ہوئی“ میں نے عرض کیا۔ تمنا یہ ہے کہ حلقہ غلامی میں داخل فرمائے۔ قبلہ عالم نے بیعت لی۔ اور فرمایا ”اب دنیا کی محبت پر خدا کی محبت غالب ہوئی۔ اچھا۔ مر جانا مگر افس نہ کرنا“ اور اسی روز میں آلہ آباد واپس آیا۔ لیکن میری دیوانگی میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ پوجا پاٹ چھوٹ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دیوانگی شریعت میں آکر قدمبوس ہوا۔ ہنوز سر نہیں اٹھایا تھا کہ آپ نے آہستہ سے پیٹھ پر گھونسا مار کر فرمایا ”سیٹھ اپنے مرکز پر آگئے۔ اچھا درگاہ میں فضل حسین کے پاس رہو“

یہ خبر سن کر سیٹھ صاحب کے اعزاز نے کل جا مذاد پر قبضہ کر لیا۔ اور پچاس روپیہ

ماہوار سیٹھ صاحب کے خرچ کے واسطے مقرر کر دیئے۔ سیٹھ صاحب دیوبند شریف میں زیادہ قیام کرنے لگے۔ ہر روز صبح و شام حاضر خدمت ہوتے۔ اور چھوٹی آواز سے کہتے میرے دولہا۔ اور قدموں ہو کر تھوڑی الائچیاں اسی طرح پیش کرتے جس طرح پہلے روز اسٹیشن آواز پر پیش کی تھیں۔

علیٰ ہذا ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم در بھنگہ سے واپسی کے وقت حسب وعدہ گورکھپور میں منشی صفدر حسین خالص صاحب (ج) کے ہجان ہوئے۔ مسٹر سید شرف الدین (جج ہائیکورٹ) ہمراہ رکاب تھے۔ کہ بعد عصر ایک مقتدر انگریز حاضر خدمت ہوا۔ حضور حسب عادت اخلاق سے پیش آئے۔ مگر وہ انگریز برابر آپ کی صورت دیکھا کیا۔ اور جب آپ نے رخصت کیا تو چلا گیا۔ رات کو پھر حاضر ہوا۔ اور بہت مؤدب طریقہ سے عرض کیا کہ میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ پہلے آپ کا کیا نام تھا؟ آپ نے فرمایا ”یہی جو آج ہے“ اس نے کہا نہیں۔ معاف کیجئے گا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ پہلے آپ کا نام عیسو مسیح تھا۔ اور یاد دلاتا ہوں کہ مہربانی فرما کر آج اپنا وعدہ پورا کیجئے۔ ورنہ ایک بے گناہ کا خون آپ پر ہو گا۔ مسٹر شرف الدین موصوف نے کہا کہ صاحب آپ کی یہ تقریر تھوڑی تفصیل کی محتاج ہے اس نے کہا کہ ایک سال سے کچھ زیادہ ہوا کہ دسمبر کی ۲۲ تاریخ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ مسیح نے اپنے سینہ سے مجھ کو توام کر لیا۔ اور اپنی چادر کا کونہ پکڑ کے کہا۔ گھبراؤ نہیں۔ تم کو بھی ہم ایسا کپڑا دیں گے۔ اس وقت مسیح کا ایسا ہی کپڑا تھا جیسا ان کا ہے۔ اور مسیح کی ایسی ہی صورت تھی۔ جیسی ان کی ہے۔ اس دن سے میں انتظار کرتا ہوں کہ ہمارا سچا مسیح ہم کو کب وہ کپڑا دے گا۔ آج میں نے پہلے اسٹیشن پر دیکھا۔ تو کچھ شبہ ہوا۔ چار بجے آ کر دیکھا اور حلیہ ملایا تو شبہ جاتا رہا۔ اور پہچان لیا کہ یہ وہی وعدہ فراموش نہیں جن کو چودہ مہینے سے میں تلاش کر رہا ہوں۔

مسٹر سید شرف الدین نے حضور سے عرض کیا کہ اب آپ کیا فرماتے ہیں۔ صاحب نے تو آپ کو پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو شبہ ہوا ہے۔ ہم درحقیقت مسیح

نہیں ہیں۔“ مسٹر شرف الدین نے عرض کیا کہ صاحب تو جان دینے پر آمادہ ہیں۔ پس قبلہ عالم کو فوراً رحم آگیا۔ اور اپنا تہبند کھول کر دیا اور ارشاد ہوا اس کو باندھ لو۔“ صاحب موصوف نے اپنے کپڑے اتار کر پھینک دیئے۔ اور جب تہبند باندھ چکے تو حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔

”تمہارا نام ولایتی شاہ رکھا۔ اب دنیا کے واسطے کوئی کام نہ کرنا۔ اور خدا کی محبت میں مرجانا۔ اور کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلا نا۔ نیپال جاؤ۔ اور پہاڑ کی جس چوٹی پر دن چاہے بیٹھ رہو۔ تمہارا جو حصہ ہو گا وہیں ملے گا۔“

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم فیض آباد میں قیام پذیر تھے۔ کہ ایک مہنت صاحب ملاقات کی عرض سے حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے ان سے معانقہ کیا اور پاس بٹھالیا۔ گشائیں صاحب حضور کے اس اخلاق اور خلوص سے بید متاثر ہوئے اور عرض کیا مہاراج دیا کی نظر ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا مہنت جی پریم جوگ بھی کیا ہے۔ گشائیں صاحب نے عرض کیا داتا جو دو گے، وہ لو لگا۔ آپ کے قدموں میں یہ سمجھ کر آیا ہوں کہ بہکاری کا کنڈل آپ کے دہرہ شالے سے خالی نہ جائیگا حضور نے خادم سے جارنگتے منگائے اور اپنے ہاتھ سے دیکر فرمایا مہنت جی جاؤ پھر ملاقات ہوگی۔ گشائیں صاحب سلام کر کے باہر آئے مگر بجائے اپنے مکان جانے کے وہیں زمین پر بیٹھ گئے اور کسی خیال میں ایسے مستغرق ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مگر ان کو اپنی اس حالت کا ہوش نہ تھا جب ان کی اس کیفیت کا ذکر حضور کے سامنے ہوا۔ تو آپ نے بلا کر فرمایا: ”مہنت جی تم نے محبت میں دین بھی کھویا اور دنیا بھی برباد کی۔“ انہوں نے عرض کیا۔ دہرہ آتا۔ اگر دین و دنیا کے ساتھ جان بھی جائے تو منظور ہے۔ لیکن اب ایک تمنا یہ ہے کہ میرے استہان میں آپ کے قدم جائیں اور وہاں کارو کھا سو کھا بھوجن آپ قبول فرمائیں۔ ورنہ سب میں آگ لگا کر جنگل کو نکل جاؤں گا۔ حضور نے تبسم لبوں سے فرمایا: ”ابھی سے گھر میں آگ لگانے لگے۔ خیر تمہاری خوشی یہی ہے تو کل دوپہر کے بعد چلیں گے۔“

یہ مژدہ سن کر گشائیں صاحب نے خوش ہو کر قدمبوسی کی۔ اور اسی وقت

اپنے مکان واپس گئے۔ اور دوسرے روز حسب وعدہ وقت مقررہ پر حاضر ہوئے۔ اور حضور
قبلہ عالم کو اپنے مکان پر لے گئے اور ایک وسیع کمرے میں نفیس فرش پر بستر لگاتھا۔ اس پر
آپ کو بٹھا دیا۔ اور برابر کا دوسرا کمرہ خدام کے واسطے آراستہ کر رکھا تھا۔ اس میں ہم
لوگوں کو ٹھہرایا۔

گوشتائیں صاحب کا مکان اور ضیافت کا سامان دیکھ کر معلوم ہوا کہ علاوہ مذہبی پیشوا
ہونے کے موصوف بہت خوشحال بھی ہیں۔ اور بڑے پیمانہ پر دعوت کا انتظام کیا ہے۔ باورچی
کھانا پکا رہے ہیں۔ اور چند معزز مسلمان جو مہتمم بھی تھے۔ ہماری خاطر مدارات کے لئے
کمر بستہ ہیں۔

رات کو پرنکلف کھانے دسترخوان پر چنے گئے۔ لیکن حضور نے حسب معمول دال چپاتی
اور شورباتناول فرمایا۔ بارہ بجے کے بعد معلوم ہوا کہ مہنت صاحب خدمت میں حاضر ہونا
چاہتے ہیں۔ آپ نے بلا لیا۔ مہنت جی قدسوس ہو کر بیٹھ گئے۔ مگر دیکھا کہ بے محل ایک کدال
ان کے ہاتھ میں ہے۔ جب حضور مخاطب ہوئے تو گوشتائیں صاحب نے عرض کیا کہ مہراج
یہ کدال حاضر ہے۔ جو چیز بہاں کی خلاف مزاج ہو۔ اس کو خود کھو دو۔ یا مجھ کو حکم ہو تو میں اس
کو مسمار کر دوں۔ آپ نے فرمایا: ”مہنت جی جو رت ہے وہی رام ہے۔ کس کو توڑیں
کس کو بنائیں۔ کھو دنا تو دو بد ہا ہے۔ جس نے دل سے من و تو کا خیال نکال دیا۔
وہ ہر جگہ ایک ذات کو دیکھتا ہے۔“ مہنت جی نے عرض کیا۔ اگر یہ نہیں۔ تو مجھے اپنا چیل
بنالو۔ حضور نے ان کو مرید کیا۔ مہنت جی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ گرو جی۔ دہیان گیان کے
لئے کوئی منتر دو۔ آپ نے فرمایا: ”پتھر کو نہ پوچنا۔ اور دین دُنیا کا جو کام کرو۔ خدا کی
محبت سے خالی نہ ہو۔ اور حق کی طلب میں حق کا ذکر اس طرح کیا کرو۔ کہ ذکر سے
کوئی سانس خالی نہ جائے۔ اور عین سال تک خدا کے بھروسے پر سفر کرو۔ راستہ
میں بلا قید مذہب جو تیر تھو۔ مندر۔ مسجد۔ مزار ملے۔ بغیر تعصب عظمت کے ساتھ

اس کی زیارت کرنا۔ اور گھبرانا نہیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔“

صبح کو مہنت صاحب نے اپنے چیلوں کو بھی مرید کر لیا۔ اور حضور قبلہ عالم نے ہر ایک کو اس کی حیثیت و استعداد کے اعتبار سے ہدایت فرمائی۔ پھر مہنت صاحب کے بعض ہندو مسلمان احباب بھی حلقہ بگوش ہوئے اور شام کی گاڑی سے حضور معہ خدام جو پور تشریف لیگئے غرض کہ ہمارے سرکار عالم پناہ کے قلب مصفا کی اس مہتمم بالشان صفت ”فِي قَلْبٍ كَيْسٍ فِيهِ عِبَادُ النَّفَاقِ“ کا اظہار چار و انگ عالم میں ایسے مسلم البشوت طریق سے ہو گیا کہ بجز اقرار کے اب کسی فریق کو گریز و انکار کا موقع نہیں رہا۔ جس کو آپ کی سچی محبت اور خاموش ہدایت کے اثرات اور آپ کے صدق و خلوص کے برکات کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کہ دنیا کی ہر قوم و ملت کے ہزار ہا افراد کو قید تفریق سے ایسا آزاد کیا کہ محبت الہی کے جوش میں متفق اور دوش بدوش رہنے لگے۔ اور باہم متحد اور ہم خیال ہو گئے۔

صفت محبت اب حضرت حبیب عجمی کی دوسری مشروط صفت کہ رضائے الہی کے واسطے محبت لازمی ہے۔ اس کی نسبت ہم غلامان و ارثی باواز بلند کہتے ہیں کہ عنایت و مہی سے ہمارے حضور قبلہ عالم کا قلب مطہر انوار محبت سے ایسا مملو اور بدرجہ اتم معمور تھا۔ جس کی مثال ہمارے خیال میں ناممکن اور محال ہے۔ اور زمانہ شاہد ہے کہ آپ کے عادات و حالات سے۔ محبت الہی کے اثرات کا انہیں خصوصیات کے ساتھ ہمیشہ اظہار ہوا جس اح دگر صفات کمالیہ کے برکات و تصرفات سے خاص و عام مستفیض اور فائز المرام ہوئے ہے۔ اور آپ کے اکثر ارشادات کا بھی یہی مفہوم ہے کہ محبت کے دشوار گزار راستے میں بہتات و استقلال مشیت حضرت قادر ذوالجلال کو بغیر کسی حیل و اعراض کے بطیب خاطر قبول و منظور کرنا آپ کا حقیقی مسلک ہے۔

اور اسی مناسبت سے ہمیشہ سرکار عالم پناہ نے اراد مندوں کو محبت کی ہدایت فرمائی اور عام طور پر ارشاد ہوا کہ محبت ہمارا عین مشرب ہے۔

اور اگر محبت کی ذمیت و اہمیت نتائج و مفاد سے آگاہ کرنا مقصود ہو تو اکثر یہ فرمایا کہ "محبت بھی خدا کا ایک راز ہے" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "بام حقیقت کا زینہ محبت ہے" کبھی یہ بھی فرمایا کہ "فرشتوں کو محبت جزوی دی گئی اور انسان کو محبت کامل مرحمت ہوئی" اور کبھی یہ بھی ارشاد ہوا کہ "اگر محبت صادق ہوتی ہے تو محب کو ہر چیز میں محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "محبت ہی کے سبب انسان اشرف المخلوقات ہوا" یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "اگر محبت ہے تو مسجد اور مندر میں ایک شان نظر آئے گی" یہ بھی فرمایا کہ "محبت میں رقابت ضرور ہوتی ہے" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "محبت میں شیطان بھی غیر نہیں" اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی فرمایا ہے کہ "محبت میں شیطان بھی دوست ہو جاتا ہے" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "جو محبت میں برباد ہوا وہ حقیقت میں آباد ہوا" اکثر یہ بھی فرمایا ہے کہ "محب صادق کے واسطے ہر ذرہ معرفت کا آئینہ ہوتا ہے" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "محبت میں انسان اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے" یہ بھی فرمایا ہے کہ "محبت کو بجز ذات کے صفات سے تعلق نہیں رہتا" یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "محبت میں عقل زائل ہو جاتی ہے" یہ بھی بار بار فرمایا ہے کہ "محبت میں انتظام نہیں" یہ بھی فرمایا ہے کہ "انسان نے محبت کا بار گراں جب اٹھایا۔ تو سرکار شاہد بے نیاز سے ظلوماً چھوٹا کا خطاب ملا" یہ بھی فرمایا ہے کہ "اگر محبت کامل ہے۔ تو ایمان بھی کامل ہے۔ اور اگر محبت ناقص ہے تو ایمان بھی ناقص ہے" بلکہ مسترشدین کو اگر بطور تقسیم کوئی تعلیم دی ہو تو بغیر کسی تخصیص کے یہی فرمایا ہے کہ "محبت کرو"

ارشاد آخر الذکر بظاہر تو سات حروف کا ایک جملہ ہے۔ لیکن نظر غائر سے دیکھا جائے تو نہایت جامع اور وسیع المعنی۔ اور بہت بڑی طویل اور بسیط عبارت کا خلاصہ ہے جس کے نتائج اور ثمرات۔ درحقیقت۔ ہمارے خواہشات و مرادات سے بہت زیادہ ہم کو

فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

اگرچہ لغوی معنی اس جملہ کے اسی قدر ہیں کہ محبوب کے ساتھ قلبی تعلق ہو۔ مگر انسان محبت الہی سے متاثر ہو کر کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ کیا دیکھتا ہے۔ کیا سنتا ہے۔ یہ بہت بڑے مدارج ہیں۔ اور جس طرح محبت کے مدارج رفیع اور جلیل القدر ہیں۔ اسی طرح محبت کی ماہیت اور حقیقت کا اظہار ہمارے حد اختیار سے باہر ہے۔ کیونکہ محققین حضرات صوفیہ کے ارشادات سے معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ محبت محض مویہیت ہے۔ اور جملہ اخلاق حسہ اور اعمال عالیہ اسی عطیہ وہی پر مبنی ہیں۔ بقول حافظ شیرازی۔

می خور کہ عاشقی نہ بکسب است و اختیار
این مویہیت رسید ز دیوان قسمتم
حالانکہ ارباب طریقت نے اپنی دیدویافت کے اعتبار سے فرضی مثالوں کے ساتھ تفہیم ماوشما کے واسطے اس واردات قلبی کے نتائج اور اقسام اور ہر قسم کے مدارج اور ہر درجہ کی خاصیت اور ہر خاصیت کے مفاد و کمال شرح و بسط ذکر کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں اس تشریح کا بالتفصیل اعادہ کرنا بے موقع ہے۔ اس لئے بہ نظر اختصار اسی قدر عرض کروں گا کہ ہمارے سرکار عالم پناہ کی ذات محمودہ الصفات کو محبت اور محبت کے تمامی لوازمات سے گہرا تعلق ہے۔ کیونکہ آپ کے حالات و عادات۔ تصرفات و ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو محبت سے خاص سروکار تھا جو بغیر کسب و ریاضت اور بے واسطہ رسید حضرت و اہب العطا یا نے مرحمت فرمائی تھی اور اسی مناسبت سے آپ کے مسترشدین کے اعمال بھی بقدر ان کے احوال کے محبت سے وابستہ ہیں۔ بلکہ یوں کہا جائے تو ناموزوں نہ ہوگا کہ اگر مسلک ارثی کا نقشہ بنایا جائے۔ تو اس کا ہر گوشہ لفظ محبت سے محدود نظر آئے گا۔

اور اسی محبت کا نتیجہ رضائے شاہد حقیقی کی تکمیل تھی جس کی جہنور قبلا عالم نے کمال ضبط و استقامت ایسی تکمیل فرمائی کہ احکام قضا و قدر کے سامنے ہمہ تن تسلیم ہو گئے۔ جو رضائے کامل کا مرتبہ ہے۔ چنانچہ جس طرح مرتبہ رضاد و قسم پر منقسم ہے کہ رضا اور رضائی کامل اور دونوں آپ کی ذات

جامع البرکات میں مجتمع تھے۔ اسی طرح محبت کے حقیقی مدارج دو ہیں۔ محبت۔ اور کمال محبت ہیں۔
 کو اصطلاح صوفیہ میں عشق کہتے ہیں۔ اور جو حضور کا عین مشرب تھا۔ اور جو آپ کے ملفوظات میں ہر
 اور آپ کا یہ ملفوظ متواترات کا حکم رکھتا ہے جس کو آپ نے خلوت میں مخصوص خدام سے فرمایا
 ہے۔ اور خلوت میں بھی عام مریدین کے مجمع میں ارشاد ہوا ہے کہ ”ہمارا مشرب عشق ہے“
 اور اسی مضمون کو یوں بھی فرمایا ہے کہ ”ہماری منزل عشق ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ہمارا
 مسلک عشق ہے اور ہمیں عشق سے سروکار ہے“

علاوہ ملفوظات مذکورہ کے دیگر ارشادات میں بھی آپ نے عشق کے صفات و برکات
 کا بصراحت ذکر فرمایا ہے جن کے اثرات آپ کے حالات و عادات سے نمایاں
 طور پر ظاہر ہوتے ہیں مثلاً ارشاد ہوا کہ ”عشق میں ترک ہی ترک ہے“ اور یہ بھی فرمایا کہ
 ”عاشق ہر چیز میں معشوق کا جلوہ دیکھتا ہے“ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ”عاشق وہ ہے جو معشوق
 کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”عاشق ہمیشہ غمگین رہتا ہے“ یہ
 بھی فرمایا کہ ”عاشق کو لازم ہے کہ سرکٹ جائے۔ مگر شکایت نہ کرے۔ کیونکہ قاتل بھی غیر
 نہیں ہے“ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ”عاشق وہ ہے جسکی کوئی سانس یا مطلوبے حالی نہ جائے۔
 یہ بھی فرمایا کہ ”معشوق کی جفا بھی عین وفا ہے“ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ”عاشق کو لازم ہے
 کہ معشوق کا فرمان بردار رہے“ یہ بھی فرمایا کہ ”معشوق کے سامنے عاشق ایسا بے اختیار
 ہو جیسے غسال کے ہاتھ میں مردہ“ یہ بھی فرمایا کہ ”عاشق کے عشق صادق کی علامت
 یہ ہے کہ ذکر یا رکی کثرت ہو“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”عاشق اگر ایک ساعت بھی یا معشوق
 سے غافل رہتا ہے تو وہ ساعت اس کے لئے بمنزلہ موت کے ہے“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”معشوق
 کی جفا ہو یا عطا ہو۔ عاشق کے لئے راز ہے“ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ”یار کا تصور عاشق کی زندگی ہے۔ یہ
 بھی فرمایا کہ عاشق نہ تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ نہ نلامت رنجیدہ۔ کیونکہ تعریف اور نلامت کرنے والے
 وہ غیر نہیں سمجھتا“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ایک زمانہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عاشق نہ سہر کی شکایت

کرتا ہے نہ وصل کی حکایت۔ یہ بھی فرمایا کہ ”عاشق کو بجز یار کے کسی سے سروکار نہیں رہتا۔“ یہ بھی فرمایا کہ عاشق کا وظیفہ ذکر یار ہوتا ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”عشق میں انتظام نہیں۔“ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ”عاشق دین و دنیا سے بیکار ہو جاتا ہے۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”جس کو اپنی خبر ہے وہ عشق سے بے خبر ہے۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”عاشق جب سب کو چھوڑتا ہے۔ تو یار ملتا ہے۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”جس کا عشق کامل ہوتا ہے اس کا شوقِ فراق و وصال میں یکساں رہتا ہے۔“ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ”عشق وہی ہے جو کسب نہیں حاصل ہوتا۔ یہ بھی فرمایا کہ ”عاشق کم اور مشائخ زیادہ ہوتے ہیں۔“ یہ بھی فرمایا کہ عاشق صادق مثل آنکہ کی تیلی کے ہوتا ہے کہ وجود چھوڑتا۔ اور شہود بڑا۔“ یہ بھی فرمایا کہ جو جس کا عاشق ہوتا ہے۔ وہ اس کی پرستش کرتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ ”جو جس صورت کا عاشق ہوتا ہے۔ وہ اس صورت میں مل جاتا ہے۔“ یہ بھی فرمایا کہ عاشق کا منصب یہ ہے کہ احکام معشوق کے سامنے سمر تسلیم خم رہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”عاشق کا ایمان رضا سے یار ہے۔“ الغرض جس طرح آپ کے ارشادات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ افراطِ محبت یعنی عشقِ شائد مطلق آپ کا عین مسلک تھا۔ اسی طرح آپ کے احوال سے رضائے کامل اور تسلیمِ اتم کی شان و عظمت کا بین اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ نگاہِ غور سے دیکھا جائے تو کوئی قول آپ کا ایسا نہیں جو مذاقِ محبت سے مملو اور عشق کے گہرے رنگ میں ڈوبا نہ ہو۔ اور آپ کا کوئی فعل ایسا نہیں جس نے رضائے کامل کے دشوار گزار میدان میں اپنے ثبات اور استقامت کا نشان نہ گاڑا ہو۔

سوال کرنا ممنوع ہے | لیکن صاحبِ نجات الانس نے لکھا ہے کہ ابراہیم بن داؤد علیہ الرحمۃ نے یہ فرمایا ہے کہ اہل رضا کے صبر و استقلال کی علامت یہ ہے کہ اپنی حاجت کے لئے سوال نہیں کرتے۔

درحقیقت اربابِ رضا کی یہ خصوصیت بھی بجائے خود بہت وسیع اور جلیل الشان صفت ہے۔ اور اہل رضا و تسلیم کی عقلاً و نقلاً صحیح علامت یہی ہو سکتی ہے کہ مشیتِ حضرت رب العزت

کے خلاف غیر اللہ سے استعانت طلب نہ ہوں۔ اور جو چیز منشا آلہی نے ان کے واسطے پسند نہ فرمائی ہو اس کے حصول کے لئے دوسروں سے سوال نہ کریں۔ جو یقینی منافی شانِ رضا ہے۔ مگر سب کو معلوم ہے کہ منجملہ دیگر صفات کے ہمارے سرکارِ عالم پناہ کی یہ بھی مخصوص صفت ہے۔ بلکہ تائید تکمیلِ رضائے آلہی کے واسطے آپ نے اس صفت کو لازمی گردانا ہے۔ کیونکہ آپ کے مشرب میں سوال کرنا قطعاً ممنوع ہے۔ اور اپنے خرقہ پوش غلاموں کو بتا کر اور متواتر فرمایا ہے کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتا“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”مرجانا مگر سوال نہ کرنا“ بمصداق حدیث نبوی ﷺ لَا تَسْئَلِ النَّاسَ شَيْئًا۔

بلکہ تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اولیائے عظام نے سوال کرنے سے قطعی احتراز فرمایا ہے۔ اور جنہوں نے وقتاً فوقتاً سوال کیا ہے وہ ان کی حالت اور کیفیت کا اقتضا تھا۔ ورنہ بغیر کسی خاص مصلحت کے سوال کرنا جملہ حضراتِ صوفیہ کے نزدیک ممنوع ہے خصوصاً آربابِ رضا تو ہر حالت میں سوال کرنا مذموم اور منافی شانِ رضا فرماتے ہیں۔ لہذا محبت کی تاکید اور سوال کرنے کی امتناع۔ یہ دونوں ایسے مہتمم بالشانِ صفات ہیں جن کی ہدایت حضور قبلہ عالم نے متواتر فرمائی۔ اور اس تکرار و اصرار سے ان کی اہمیت اس قدر زیادہ ہو گئی کہ ان کو غلامانِ وارثی کے مشربی دستورِ عمل کا خلاصہ کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا جن کی صراحت ضرور کرتا لیکن بابِ تسلیم و رضا میں اس موضوع پر زیادہ بحث کرنا ناموزوں معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے بلحاظ اختصار اسی قدر کہنا کافی ہوگا کہ حضور قبلہ عالم نے منزلِ تسلیم و رضا میں علاوہ شرائطِ معینہ و ضوابطِ مقررہ کے فروعی لوازمات کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا اور اسی اعتبار سے اپنے غلاموں کو بھی ہدایت فرمائی کہ محبت کرو۔ اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رضائے آلہی کے سامنے سرنگوں رہو۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کروں گا کہ مولف مشکوٰۃ عثمانیہ نے صفحہ ۲۱ بابِ رضا و تسلیم میں حضور قبلہ عالم کے ثبات و استقامت کا ثبوت جہاں آپ کے حالات و واقعات سے

ویا ہے۔ اسی کے تحت میں مولوی ناظم علی صاحب مجددی نقشبندی ناسب ہتھم مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کی ایک تحریر استدلال میں پیش کی ہے جس میں مولوی صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ حاجی صاحب اپنے وقت میں فقیر صاحب سکر۔ عدم المثال۔ فقید النظر سالک مجذوب تھے۔“
مولوی صاحب موصوف کا شکر گزار ہوں کہ باوجود غیر سلسلہ ہونے کے آپ نے ہمارے سرکار عالم پناہ کی نسبت وہ الفاظ تحریر فرمائے۔ جو مشائخین اجلہ کی شان میں اس وقت لکھے جاتے ہیں۔ جب ان کے مدارج علیا کا اظہار منظور ہوتا ہے۔

اس لئے نہ مجھ کو مولف مشکوٰۃ حقانیہ سے گہری شکایت ہے۔ کیونکہ اس تحریر سے ہمارے مشربی پہلو کو صدمہ نہیں پہنچتا۔ بلکہ سب الفاظ نہایت شائستہ ہیں۔ البتہ یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ رضا و تسلیم کی بحث میں یہ تحریر جو بطور استدلال پیش کی اس سے آپ کے دعویٰ کو کیا فائدہ پہنچا۔ اس لئے کہ مولوی صاحب کی تحریر میں اس کا ذکر کیسا اشارہ بھی نہیں ہے کہ حضور قبلہ عالم صاحب رضا و تسلیم تھے۔ لہذا بے محل اور غیر مفید استدلال کرنا۔ لائق مولفین کی شان کے خلاف ہے۔

ہاں یہ ضرور گزارش کروں گا کہ صفات مدحیہ کے ساتھ یہ جو درج تالیف فرمایا ہے کہ ”آپ سالک مجذوب تھے۔“ اس سے آپ کی عدم واقفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ جس طرح حضرات مشائخین کے نزدیک۔ مرتبہ سالک۔ مجذوب۔ مقربین بارگاہ احدیت کا مقام ہے۔ اور واقعی ہے بھی۔ اسی طرح غلامان و ارثی کا خیال ہے کہ مرتبہ مجذوب سالک یا سالک مجذوب کو حضور قبلہ عالم کے نام نامی کے ساتھ منسوب کرنا اگر خلاف مشرب نہیں تو کم سے کم منافی ادب ضرور ہے۔ جس کا ذکر پہلے سفر حجاز میں بصراحت لکھ چکا ہوں۔ اور مختصر طور پر پھر نگارش کرتا ہوں کہ سرکار عالم پناہ نے اس ممتاز مرتبہ سے قطعاً انکار کیا ہے۔ اور کراہت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ”ہم مجذوب نہیں ہیں۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے ”ہم لنگوٹ بند ہیں۔ جذب کا نام بھی نہیں۔“

اب ہمارا ادب اس کا مقتضی ہے کہ مرتبہ سالک مجذوب کیسا ہی حلیل القدر اور رفیع الشان ہی کیوں نہ ہو مگر ہم اپنے قلم یا اپنی زبان سے اس مرتبہ کو آپ کی ذات محمود الصفت کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتے ورنہ صریح اعراض عائد ہوگا۔

غرض صاحب مشکوٰۃ حقانیہ چونکہ پرستار بارگاہ وارثی ہیں۔ اس لحاظ سے شکایت آمیز لہجہ میں یہ تنقید بھی کی۔ اور حضور قبلہ عالم کے ملفوظات کے حوالہ سے یہ ذکر بھی کیا کہ آپ مجذوب نہ تھے۔ ورنہ مولوی ناظم علی صاحب کی تحریر کا تو وہی مضمون ہے جو ایک صوفی کسی بزرگ اور برگزیدہ ہستی کی نسبت اپنا خیال ظاہر کرتا ہے۔ مزید براں مولوی صاحب موصوف کی یہ ذاتی رائے بھی نہیں۔ بلکہ مستند بزرگوں کے اقوال کا اعادہ کیا ہے۔

اور غور کیا جائے تو ان بزرگان وقت کے اس خیال کو ان کا معالطہ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ سرکار عالم پناہ کے تبصر اہل طریقت نے جب آپ کے مدارج علیا کو آپ کے عشق صادق کی تہ روشنی میں دیکھا تو آپ کی شان رفعت کے لحاظ سے آپ کو عدیم المثال فقید النظر سمجھا۔ اور اپنی وسعت خیال کے اعتبار سے آپ کو اس مقام کا سیاح جاننا جو ارباب سلوک کا منتہائے کمال ہے لہذا ان کی یہ تجویز بجائے خود اس لحاظ سے صحیح بھی ہوتی ہے کہ درحقیقت عشق جلا اخلاق حسنہ کا چونکہ مرکز ہے۔ اور تمام صفات عشق ہی کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ پس جن کی نظر بصیرت کی رسائی عین مرکز تک ہوئی۔ انہوں نے آپ کے عشق کی تصدیق کی۔ اور جن کی نگاہ الوار عشق کے آگے خیرہ ہو گئی اور مقامات تحت مرکز کو دیکھا۔ انہوں نے آپ کو انہیں صفات سے موصوف کیا جو ان کے مشاہدہ میں آئے۔ اس لئے ان کی محدود و نظر کو جو کچھ سمجھا جائے۔ مگر ان کا خیال شک و شبہ سے معزا اور اصول طریقت کے مطابق ہے۔

عشق صفات حسنہ کا مرکز ہے | چنانچہ اکثر ممتاز اور حلیل القدر و رفیع الشان کے کرام نے عشق کو صفات حسنہ کا مرکز ہونا تسلیم کیا ہے جیسا کہ حضرت امام عبدالوہاب شعرائفی علیہ الرحمۃ نے جن تہجد و تقدس کا زمانہ معترف ہے طبقات الکبریٰ جلد ثانی صفحہ ۳۳ لکھا ہے کہ سید علی۔ فرزند سید محمد و

رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "قال سیدنی ابو الحسن الشاذلی رضی اللہ عنہ المحدثۃ
قطب الخیرات کلمہ ہذا ائیر علیہا فافہموا" یعنی حضرت ابو الحسن شاذلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ
عشق قطب ہے اور کل نیکیاں اس کے گرد چکر لگاتی ہیں۔

پس حضور قبلہ عالم کے ارشادات سے جبکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کا مشرب عین عشق
ہے۔ اور اب حضرت ابو الحسن شاذلی علیہ الرحمۃ کے مستند قول سے یہ ثابت ہو گیا کہ دیگر صفات
واقعی آثار عشق ہیں جن کو اصطلاح صوفیہ میں نتیجہ عشق یا ضمیمہ عشق کہتے ہیں۔ تو اطمینان ہو گیا
کہ یہی وجہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کی ذات مجموعہ صفات کو جب نظر تامل سے دیکھتے ہیں تو کسی
ذاتی خاص صفت کا ایسے نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے کہ ہم محو حیرت ہو جاتے ہیں۔

آپ کا توکل | مثلاً توکل جو اسباب طریقت کا مخصوص جوہر ہے۔ اور جس کے معنی اصطلاح
صوفیہ میں سبب و اسباب سے قطعاً و اموشی۔ اور سبب الاسباب پر کامل بھروسہ ہے۔
بمصدق التوکل هو الاعتصام باللہ یعنی اللہ پر مضبوط بھروسہ کرنا توکل ہے۔ اور حقیقت
توکل۔ متوکل کا کمال یقین ہے۔

حالانکہ یہ صفت علاماتِ رضا۔ اور نتائجِ درناجِ عشق میں سے ہے۔ لیکن دیکھنے
یہ ہیں کہ حضور قبلہ عالم کی ذات محمود الصفات میں اس صفت توکل کا بھی ظہور بدرجہ اتم ہے
کیونکہ آپ نے اوائل عمر سے تانفسِ آخر۔ سبب و اسباب سے انقطاع کلی۔ اور
سبب الاسباب پر ایسا اعتماد کامل فرمایا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے کہ تمام عمر اسبابِ ضروری
اور سامانِ لازمی سے بھی آپ دست بردار رہے۔ حتیٰ کہ نہ رہنے کو مکان بنایا۔ نہ مالکولات و
مشروبات کی فکر کی جو بقائے زندگی کے واسطے لازماًت سے ہے۔ ہر امر میں خدا پر بھروسہ۔
اور ہر حالت میں خدا پر تکیہ کیا۔ جو توکلِ کامل کی حقیقی تعریف ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ سیاحتِ قصبہ سترکہ کی واپسی میں حسب دستور قدیم سرکار عالم پناہ
بارہنگی میں حافظہ رضانی صاحب کے مہمان ہوئے۔ شب کو حافظہ صاحب نہایت غمگین

اور پریشان حال خدمت والائیں حاضر ہوئے۔ اور دست بستہ عرض کیا کہ آج صبح کو بھی ہم غلاموں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ کیونکہ ایک پیسہ بھی پاس نہ تھا۔ جب آپ تشریف لاتے تو میں نے بہت کوشش کی کہ قرض ہی مل جائے تو کچھ پکواؤں۔ مگر اس میں بھی مجھے کامیابی نہیں ہوئی واللہ مجھ کو اپنے فاقہ کا مطلق خیال نہیں۔ لیکن زیادہ افسوس اپنی اس بد قسمتی کا ہے کہ آپ کے سامنے کچھ پیش نہ کر سکا۔ کاش اس کے قبل مر جاتا کہ آج اپنی بد اعمالی سے یہ دن تو نہ دیکھتا۔

صلوٰۃ الشکر حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ حافظ جی۔ پریشان نہ ہو۔ صبر کرو۔ ہم کو تو بچپن سے فاقے کی عادت ہے۔ جب زرق مطلق ہمارا اور تمہارا رزق بچھے گا۔ اس وقت ہم بھی کھائیں گے اور تم بھی کھانا۔ اور حافظ جی تم نے یہ بھی سنا ہے کہ شاہد بے نیاز کے نعمت فاقہ میں سب سے بڑی نعمت فاقہ ہے۔ اور جس سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اس کو یہ نعمت مرحمت فرماتا ہے۔ خوش ہو۔ اور دو رکعت صلوٰۃ الشکر پڑھو کہ تمہارا نام اس کے دوستوں میں لکھا گیا۔ اور حافظ جی یہ بھی جانتے ہو کہ اس نماز کی پہلی رکعت میں ”واضحیٰ“ اور دوسری میں ”والم شرح“ اور بعد ختم نماز سجدہ میں شہرتہ ”حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِيْرُ“ پڑھ کر سر اٹھاتے ہیں۔ اچھا باؤ۔

حافظ صاحب حسب ہدایت تحفۃ الشکر ادا کرنے میں مصروف ہوئے۔ اسی عرصہ میں معلوم ہوا کہ راجہ سرندیپ سنگھ کی جانب سے میلاد شریف ہوا تھا۔ تو منشی غلام دستگیر صاحب نائب ریاست نے کھانا بھجوا ہے۔ حافظ صاحب نے سب کھانا لاکر حضور کے سامنے پیش کیا۔ اور سب حال عرض کیا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ہمیشہ پہلے ہم کو کھانا کھلا کر تم کھاتے تھے۔ آج تم پہلے کھاؤ۔ کیونکہ صبح سے نہیں کھایا ہے۔ پھر ہم کھائیں گے۔ حافظ صاحب نے عرض کیا یہ بے ادبی نہ ہوگی۔ پہلے حضور ایش کر دیں۔ مگر حضور نے پھر فرمایا کہ ہمیں پہلے تم کھاؤ۔ اور اگر ادب کا خیال ہے تو ہم نے معاف کیا۔ مجبوراً حافظ صاحب نے تھوڑا کھانا اس میں سے لے کر کھالیا تب حضور نے تناول فرمایا

ماقظ صاحب ناقل تھے کہ اُس کے بعد سے آج تک میں نے فاقہ نہیں کیا بسبب لایا
میری ضرورت سے زیادہ مجھ کو دیتا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ تھمتہ الشکر کی برکت سے یہ
فراغ حالی ہوئی۔

الغرض ایسے واقعات بکثرت ہیں جن سے آپ کے توکل کامل کی شان نمایاں طور
پر نظر آتی ہے۔ اور اسی مضمون کے ملفوظات بھی متعدد ہیں۔ چنانچہ اکثر آپ نے فرمایا کہ۔
”جس طرح خدا سب کا خالق برحق ہے۔ اسی طرح رزاق مطلق بھی ہے۔“ یہ فرمان
حضور کا اس آیت کریمہ کی پوری تفسیر ہے ”إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ“۔
یہ بھی فرمایا ہے کہ ”فاقہ ہو تو صبر کرو۔ خدا علیم بھی ہے بصیر بھی۔“ یہ بھی ارشاد ہوا کہ
جو جس کی قسمت کا ہے وہ اس کو ضرور پہنچاتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ ”جو خدا پر بھروسہ
کرتا ہے۔ خدا اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”انسان ہزار کوس سے جو رو کی
فکر کرتا ہے۔ اور محنت کر کے اس کو خرچ پہنچاتا ہے۔ اور جو تمہاری شہ رگ سے
قریب تر ہے کیا اس کو تمہاری فکر اس قدر بھی نہ ہوگی جس قدر خداوند کو جو رو کی ہوتی
ہے۔“ حضور کا یہ ارشاد حضرت رازق العباد کے اس وعدہ کی تصدیق ہے جس کا ذکر آئیہ
”وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا“ میں ہے یہ بھی فرمایا کہ ”توکل انبیاء
علیہم السلام کی سنت ہے۔“ یہ بھی ارشاد ہوا کہ ”خدا کو اپنا وکیل بناؤ۔“ ”وَكُفِيَ بِاللَّهِ
وَكَيْلًا“ یہ بھی فرمایا کہ ”خدا تمہارے رزق کا ضامن ہے۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”توکل طمع
کی ضد ہے۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”توکل حیا کی علامت ہے۔“

سرکار عالم پناہ کے ان ارشادات کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ اخلاق حسنہ میں
توکل نہایت مہتمم با نشان صفت ہے۔ لیکن حضور قبلہ عالم کے توکل کامل کا یہ عجیب کرشمہ
تھا کہ اس کے تصرفات کی روشنی دوسروں کو ان واحد میں متوکل بنا دیتی تھی جس کا سبب
بجز اس کے اور کوئی نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کا توکل درحقیقت آپ کے عشق کا عکس تھا۔

اس لئے اس کے اثر سے غیر متوکل بھی متاثر ہو کر متوکل ہو جاتے تھے۔ یا یوں کہا جائے کہ توکل کے پروردہ میں ان غیر معمولی فیوض و برکات کے حقیقی کارفرما آپ کے عشق کامل کے اثرات تھے۔

آپ کا استغفار اعلیٰ ہذا صفات حسنہ میں استغفار بھی عدیم النظم صفت ہے جو مخصوص سالکین کا حصہ ہے۔ کیونکہ حقیقت استغفار کمال توکل ہے۔ جیسا کہ دلدادہ سرکار مدینہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "طَلَبْتُ الْاِسْتِغْنَاءَ فَوَجَدْتُ فِي التَّوَكُّلِ" اور استغفار کے معنی اصطلاحات صوفیہ میں دل کا خواہشات و مرادات سے خالی ہونا ہے۔ لہذا جو "خَلْوُ الْقَلْبِ" عَنِ الشَّكَاكِ " اس لئے کہ اللہ کا ناظر ماسوائے اللہ سے مستغنی ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت استغفار نتائج در نتائج عشق میں سے ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ منجملہ دیگر علامات کے استغفار بھی عشق صادق کی ایک علامت ہے۔ اس واسطے کہ رہروان و ادنیٰ محبت کا مستغنی المزاج ہونا لازماً سے ہے۔ چنانچہ بعض صوفیائے عظام نے فرمایا ہے کہ منازل عشق میں استغفار عاشقان صادق کا گوشہ ہے۔

لہذا حضور قبلہ عام کا استغفار بھی قابل ذکر ہے۔ جو آپ کی قدیم بلکہ فطرتی صفت ہے۔ کیونکہ آپ کے صغیر سنی کے حالات جو معمر حضرات کے نقل کردہ ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ابتدائے سن شعور سے آپ کے مزاج بہایوں کا یہ انداز تھا کہ غریب ہمسایہ کی جب اعانت فرمائی ہے تو اس کا اندازہ کبھی نہیں کیا کہ ان کی حاجت روائی کے واسطے کس قدر امداد کی ضرورت ہے۔ بلکہ اکثر یہ ہوا ہے کہ مٹی کے برتنوں کے لئے لاچار دیکھا۔ تو آپ نے مکان سے تانبے اور چینی کے برتن لا کر ان کو دیدیئے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ ظروف نقرئی ان کو تفویض فرمائیے۔

کیونکہ آپ کی سیرت نے کسی چیز کے کم قیمت یا گراں بہا ہونے کا اندازہ کبھی نہیں کیا حالانکہ استغفار کی تعریف تو اسی قدس ہے کہ اسباب موجودات بے پروا ہو کر آپ کا استغفار بھی چونکہ استغفار کامل تھا جس کی تعریف بھی یہ ہو سکتی ہے کہ اشیاء عالم کی نوعیت اور حیثیت کے خیال کو صفحہ قلب سے محو اور فنا کرنا چاہئے۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ جس کو جو چیز عطا فرمائی۔ تو یہ نہیں دیکھا کہ اس شخص کی حیثیت

اس چیز کے لئے موزوں ہے یا نہیں۔ یا اس کی موجودہ ضرورت سے مقدار عطیہ زیادہ ہے۔ بلکہ طرز تقسیم سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ کے استغفار کامل کے آگے جو اہرات کے نگیٹے اور رنگ خارا کے ٹکڑے دونوں یکساں اور برابر ہیں۔

بلکہ آپ کی صغریٰ کا یہ مشہور قصہ ہے جس کو حضور قبایہ عالم نے خود بیان فرمایا ہے کہ تو کئی حلوائی سے ہم ایک اشرفی کا سینی کے برابر ایک بتا شاہنوائے تھے۔ جو توڑ توڑ کر بچوں کو تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس قصے سے آپ کے استغفار کامل کی شان نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ نہ بتا شے کی حیثیت پر آپ کی نظر تھی اور نہ اشرفی کی قدر و قیمت فرماتے تھے۔

اور یہ انداز طبیعت بھی آپ کی عمر شریف کے ساتھ یوں ما فیو ما بڑھتا گیا حتیٰ کہ مصداق ”لَا یَمْلِكُ وَلَا یَمْلِكُ“ جملہ اشیائے عالم سے کلیتہً احترام فرمایا اور کسی چیز کو اپنی ملک سمجھنا قطعاً ناپسند کیا۔

سکہ جات سے نفرت | مثلاً ہر انسان کو بہ اقتضائے بشریت۔ ضروریات زندگی کے واسطے روپیہ فراہم کرنے کی فکر لازمی طور پر ہوتی ہے۔ اور بقدر امکان روپیہ حاصل کرنا ہے لیکن ہمارے سرکار عالم پناہ کو روپیہ اشرفی کی صورت سے تنفر تھا۔ بلکہ مسلمہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں جب سیاحت مغرب کا عزم فرمایا۔ اس وقت سے سکے جات کا چھوٹا آپ کے متروکات میں داخل ہو گیا۔

مزید براں چشم دید واقعہ ہے کہ دوسرے شخص کا روپیہ اس کے ہاتھ میں آیا اس کے آگے رکھا ہوا جب آپ کی نظر سے گزرا ہے۔ تو آپ نے اس طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور آپ کے اس تنفر سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا دیکھنا بھی آپ کو ناپسند ہے۔

یہ واقعہ بھی اکثر پیش آیا ہے کہ وہ خدام جو صاحب لباس دینوی تھے۔ اگر انکی جیب میں روپیہ ہو اور اتفاق سے اس کی آواز آپ کے گوش گزار ہوئی۔ تو آپ دریافت فرماتے تھے کہ جیب میں کیا ہے۔ وہ عرض کرتا تھا کہ روپیہ ہے۔ پھر لو پچھتے تھے کہ کس کا ہے۔ اگر اس

نے کہا کہ میرا ہے، تو آپ کے چہرہ اقدس پر تشویش کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔ اس اشارے کوئی سائل آگیا۔ تو اس خادم سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے۔ کہ روپیہ اس کو دیدو۔ جب وہ سائل روپیہ لے کر چلا جاتا تھا۔ اس وقت آپ بہ اطمینان استراحت فرماتے تھے۔

حضور قبلہ عالم کے اس طرز احتیاط کا بجز اس کے اور کوئی مفہوم نہیں ہے کہ مستغنی اور بے پروا۔ عزاج ہمایوں کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ہمارے پاس بیٹھنے والے کی جیب میں یہ لکڑی چیز ہو۔ کیونکہ جب تک اس کی جیب میں روپیہ رہا۔ اس وقت تک طبیعت آپ کی مشوش رہی اور صرف ہو جانے کے بعد اطمینان ہو گیا۔

چنانچہ ایک مرتبہ آگرہ کے سفر میں ایک دنیا دار خادم بھی ہمراہ رکاب تھا اور سرکار عالم پناہ پر ظاہر ہو گیا کہ اس نے بہ نظر احتیاط کچھ روپیہ ساتھ لے لیا ہے۔ حسب عادت آپ کو تشویش ہوئی۔ اور لکھنؤ سے اس کا روپیہ صرف کرنا شروع کیا۔ اٹا وہ تک پہنچ کر وہ روپیہ ختم ہو گیا۔ جب اس نے کہا کہ اب روپیہ نہیں رہا یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے۔ اور اس کو سینہ اقدس سے لگا کر متبسم لبوں سے فرمایا کہ ”اب تم کو چور کا کھٹکا نہیں رہا۔ دیکھو کہ دنیا میں زن۔ زمین۔ زر کی وجہ سے انسان جھگڑے میں پڑتا ہے۔ جب ان تینوں کا تعلق دل سے نکل جائے تو پھر اسی دل کا نام قلب مطمئنہ ہو جاتا ہے۔“ اور یہ بھی متواتر فرمایا ہے کہ ”روپیہ سے اگر دنیا کے کام بنتے ہیں۔ تو آخرت کے کام اکثر بگڑتے ہیں۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”روپیہ چھونے سے ہاتھ کالا ہوتا ہے۔ اور اس کی محبت قلب کو سیاہ کرتی ہے۔“ یہ بھی آپ کا ارشاد ہے کہ ”روپیہ نے قارون کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔“

الغرض جس طرح مختلف اقسام کے مخالف روزمرہ آتے تھے۔ اسی طرح آپ ان کو بلائی شخصیت تقسیم کر دیتے تھے۔ اس میں قیمتی چیزیں بھی ہوتی تھیں اور معمولی بھی۔ مگر حضور قبلہ عالم نے کبھی اس کا خیال نہیں فرمایا کہ قیمتی چیزیں کس کو ملی۔ اور معمولی کس کو دی گئی۔ اس کا سبب بظاہر یہ ہوا

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا استغفار اشیا عالم کی حیثیت و ماہیت کو محو اور فراموش کر چکا تھا۔
 علی ہذا کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ چند احرام تبدیل نہ ہوتے ہوں۔ جن میں بن سکھ کا
 بھی ہوتا تھا۔ اور مالینہ والوان کا بھی۔ مگر سرکار عالم پناہ جس سادگی سے بن سکھ کا احرام تقسیم
 فرماتے تھے۔ اسی طرح الوان کا۔

سائل کی حاجت روائی | یہ تقسیم بغیر طلب تو روزانہ ہوا ہی کرتی تھی۔ اور اگر کسی نے سوال کیا تو
 کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کی خواہش سے زیادہ اس کو نہ دیا ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور شکوہ آباد
 میں قیام فرماتے تھے۔ شب کو غریب مگر پردہ نشین عورتیں جب قدمبوسی کو آئیں۔ گو اس سفر میں مگر
 ممتاز خدام بھی ہمراہ تھے۔ مگر اس وقت مجھ حقیر کو شرف حضوری نصیب تھا۔ آپ کے حکم سے
 میں باہر آیا۔ اور عورتیں کمرے میں پہر زیارت جانے لگیں۔ اور میں اپنی ضرورت سے اس مکان
 کے دوسرے حصہ میں چلا گیا۔ مگر بابو کنہیا لال صاحب وارثی۔ وکیل علی گڑھ کو حضور کے کمرے
 کے پاس اس لئے بٹھا گیا کہ جب حضور طلب فرمائیں۔ تو بابو صاحب موصوف مجھ کو خبر کر دیں
 چنانچہ جب عورتوں کی آمد و رفت موقوف ہوئی تو بابو صاحب نے کمرے میں دیکھا۔ تو
 جناب والا کو تنہا اور عجیب صورت میں پایا۔ فوراً مجھ کو بلایا۔ میں نے جا کر یہ دیکھا کہ نہ فرش
 پر چادر ہے۔ نہ کھانہ۔ نہ رضائی۔ بلکہ تہ بند بھی نہیں ہے۔ آپ صرف لنگوٹ باندھے ہیں
 میری زبان سے اضطرابی میں یہ نکل گیا۔ کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ حضور نے فرمایا۔ عورتوں
 نے مانگا تھا ان کو دے دیا۔

الغرض ایسے واقعات متعدد ہیں کہ حضور نے سائل کی اس خوبی سے حاجت روائی
 فرمائی کہ جس سے آپ کے استغنائے کامل کا اظہار ہوتا تھا۔ اور سخائے پنجتنی کی شان
 نظر آتی تھی۔ بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ شرف سخاوت آپ کا خاندانی حصہ ہے
 جو راننا آپ کو تفویض ہوا تھا۔

شامل شریف | احاصل انہیں اخلاق حسنہ پر آپ کے اوصاف عالیہ کا انحصار

نہیں ہے بلکہ سرکار عالم پناہ کے جسم اطہر کا ہر ایک حصہ گلدستہ صفات اور مجموعہ برکات ہے۔ اس لئے کہ تصرفات عشق کامل اور اثرات فنائے اتم سے انوار حضرت حق کی دیدیں آپ ہمہ تن محو و مستغرق تھے۔ اس واسطے آپ کے تن اطہر کا کوئی عضو ایسا نہیں تھا۔ جو مخصوص اوصاف سے مملو اور معمور نہ ہو۔ گو صورتاً۔ مگر وہ بھی کسی نہ کسی امتیازی حسن کے ساتھ آپ کے اعضائے لطیف کی وہی شکل تھی۔ جیسی ہر انسان کے اعضا کی ہوتی ہے۔ لیکن سیرتاً زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اور آپ کے ہر عضو میں ظاہری خوبوں کے علاوہ معنوی اوصاف بھی متحد پائے جاتے تھے۔ لمولفہ۔

گوکہ مشکل ہے جناب شہِ وارث کی ثنا ذات عالی ہے الوالعزم وغنی کان عطا
مہرتاباں و جاہتِ قمرِ پرخ سنا آسمانِ کرم و ظلِ خدائے دوسرا
جس نے دیکھا وہ ہوا عاشق و شیدا ان کا
سر بسر شانِ الہی ہے سراپا ان کا

مثلاً آپ کا قامتِ زیبا۔ جو مائل بہ درازی ضرور تھا۔ مگر نہایت موزوں بہ خوشنمائی اور محدود جن تناسب جس کو اردو کے محاورے میں۔ مردانہ و جاہت کہتے ہیں۔ یعنی ایسا زیادہ بلند بھی نہیں جو نظر کو بد نما اور معیوب معلوم ہو۔

چنانچہ آپ کے قامتِ زیبا کی ایک مخصوص صفت یہ تھی۔ کہ کسی قد آور شخص کے مقابلہ میں جب کسی نے دیکھا ہے تو آپ کا سر مبارک بلند نظر آتا تھا۔ اور اس صفت کا ظہور خاص خاص مواقع پر نہیں ہوا ہے۔ بلکہ یہ امتیازی شانِ آپ کی عام تھی۔ اور ہر وقت دیکھی گئی ہے خصوصاً اس صفت کے مشاہدے سے اس وقت ناظرین کو زیادہ استعجاب ہوتا تھا۔ جب حضور قبلہ عالم ہزاروں مریدین و معتقدین کے مجمع میں ہوتے تھے اور اس ہجوم سے باہر کے متعاقبن زیارت۔ آپ کے فرق اقدس کو معہ گلوئے النور نمایاں دیکھتے تھے۔

اور یہ بھی ہے کہ سرکار عالم پناہ کی یہ صفت دنیا میں مشہور ہے۔ اور عموماً غلامانِ

بارگاہ وارثی فخر و مباہات کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اور کرنا بھی چاہیے۔ کیونکہ یہ سر بلندی آپ کی سیادت و سرداری کی عین دلیل۔ اور آپ کی عظمت و رفعت کا بین ثبوت ہے۔ لیکن اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اس مخصوص صفت کی معنوی حقیقت کیا ہے۔ تو یہی عرض کروں گا کہ اس کو ارباب بصیرت خوب جانتے ہیں۔ مجھ نا اہل کو روحانیت کے رموز و اسرار سے کیا سروکار۔ البتہ اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے بھی حضور کی اس امتیازی شان و رفعت کا مشاہدہ ضرور کیا ہے۔ اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اس صفت کے مشاہدے سے وہ برگزیدہ ہستیاں تو کیف ہوتی تھیں جن کے پہلو میں محبت کا مارا ہوا دل تھا۔ اور مجھ ایسے کو ربان حضور کی یہ شان سر بلندی دیکھ کر متحیر ضرور ہو جاتے تھے۔ غرض دونوں کو لطف ملتا تھا۔ بقول بہار عارض گلگوں دل و جان تازہ میدارد۔ بزرگ اصحاب صورت را بہ بوار باب معنی را حقیقت یہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کے قامت بالا کے صفات۔ اور فرق ممتاز کی شان و رفعت کے خصوصیات کا اظہار وہ بھی میرے قلم سے بہت مشکل اور دشوار ہے۔ مؤلفہ۔

دیکھ کر دنگ ہوا ہوں قد بالا کا جمال وصف اس قدر کا لکھوں میں یہ کہاں میری مجال
رشک طوبی کہوں تو بھی تو غلط ہے یہ مثال اس کے سایہ سے ہوا گلشن عالم ہے نہال
جان و دل بیچ کے سب بید کے مشتاق ہوئے
سرد قامت پہ فدا سیکڑوں عشاق ہوئے

ہے یہ سر مخزن اسرار خدا نے اکبر کیوں نہ ہو سایہ افضال آہلی اسپر
پیش معبود اسرار از نہ ہو یہ کیوں کر بے ریا سجدہ خالق میں گرا ہے ہی سر
انکساری سے سدا اس نے اطاعت کی ہے
کوئی واقف نہ ہوا ایسی عبادت کی ہے

رخ پر نور پہ گیسو مجھے آئے جو نظر مجھ کو حیرت ہوئی پر دل نے کہا فکر نہ کر
عنبریں زلف ہے واللیل کی تفسیر اگر واضحی رخ کو سمجھ ہوتا ہے تو کیوں ششدر

ظلمت و نور ہم دیکھ کے حیراں کیوں ہے
رُخ و گیسو کی صفت میں تو پریشاں کیوں ہے

گیسوؤں کا رُخ نور پہ عجب حُسن ہے واہ
چودہویں رات کا یا سنبہ میں آگیا ماہ
ہی یہ دورا لوتوں میں اک چاند ہے شان آلہ
من کو طلقے میں لئے بیٹھا ہے یا ماریاہ

کیا مری فکر بیاں اس کی حقیقت کرنی
یہ شب قدر ہے کعبہ کی زیارت کرنی

سچ ہے ان بالوں کو جو سنبل جنت کہئے
غیرت بدر ہے یا خلق کی زینت کہئے
رُخ کو زیبا ہے اگر آئیہ رحمت کہئے
حق تو یہ ہے اسے اللہ کی قدرت کہئے

آنکھ والوں سے کہو آگے تماشا دیکھیں
ذات خالق کا اس آئینہ میں جلوہ دیکھیں

دعویٰ بدر نہ کس طرح سے باطل ہوئے
اوج یہ مہر کو تا حشر نہ حاصل ہوئے
اُس میں دھبا ہے وہ کس منہ سے مقابل ہوئے
اس میں یہ بات ہے جو دیکھے وہ مائل ہوئے

کب یہ طاقت ہے کوئی کر سکے جنت الکی
ہوتے موسیٰ تو بیاں کرتے حقیقت الکی

رُخ انور کے تصور میں جیں آئی نظر
کس سے تشبیہ دوں حیرت سے ہو ایں ششدر
کہوں آئینہ تو اس میں کہاں یہ جو ہر
یک بیک و جدیں یہ بیت خود آئی لب پر

ہاں اگر مصحف کامل رُخ نورانی ہے
سورۃ فساتحہ واللہ یہ پیشانی ہے

گوش دیکھے جو تہ زلف کہا دل نے کہ واہ
طبع غواصی میں تا دیر رہی جب کہ تباہ
بھول ہیں سنبل سچاں میں زہے شان آلہ
در مقصد ملا کو کشش جو ہوئی خاطر خواہ

فکر بونے ارے اتنا بھی تجھے ہوش نہیں
ہیں صرف چشمہ ظلمات میں یہ گوش نہیں

آپ کی چشم سر سر گیں | علی ہذا آپ کی چشم سر سر گیں۔ جو صورتاً بھی نہایت حسین، اور بدرجہ غایت خوبوں سے معمور۔ شان رعنائے میں یکتا اور دلبر بانی میں بے مثل ضرورتیں۔ کیونکہ آنکھ کی خوشنما کے لئے جس قدر اوصاف مشہور و معروف ہیں۔ اور ان جمیع صفات کا مجموعہ اگر کسی آنکھ کو دیکھا ہے تو وہ حضور قبلہ عالم کی چشم مخمور تھی رور نہ میں نے اپنی اس پچیس سال کی عمر میں ایسے دلفریب صفات سے مملو کوئی آنکھ نہیں دیکھی اور قرینہ ہے کہ جو حضرات شرف زیارت آنحضرت سے مشرف ہوئے ہیں وہ ضرور میرے ہم خیال اور ہم نوا ہوں گے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یار و اغیار نے بالاتفاق اور بیک زبان اگر حضور کی کوئی مدح سرائی کی ہے۔ تو وہ آپ کی خوبصورت آنکھ کا قصیدہ ہے۔

علاوہ ان خوبوں کے صفت حیا و شرم جو مہذب اور محتاط آنکھ کے جوہر ہیں۔ وہ بھی سرکار عالم پناہ کی چشم مبارک کے خاص صفات میں داخل ہیں۔ مثلاً کبھی حضور نے چار آنکھ کر کے کسی طرف نگاہ نہیں فرمائی۔ استتار ستر کے لحاظ سے کبھی باریک کپڑہ کا تہ بند نہیں باندھا۔ غسل کے وقت ہمیشہ خدام کو بہ نظر احتیاط ہٹا دیتے تھے۔ حتیٰ کہ کبھی اور کسی حالت میں آپ کی ساق مبارک بے پردہ نہیں ہوئی۔ جو آپ کے جدِ اعلیٰ کی خاص سنت ہے۔

اور معنوی لحاظ سے بھی آپ کی آنکھیں حق ہیں اور حقیقت شناس تو عام طور پر مشہور ہیں اور واقعی دیکھا یہ گیا ہے کہ ان کی دائمی محویت۔ یعنی ہر وقت کسی گہرے خیال میں غرق اور مصروف رہنے سے ان کے جوشِ محبت اور شوقِ دید کا اظہار اس عنوان سے ہوتا تھا جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ مردمِ چشم کسی ذات کا نظارہ کر رہے ہیں۔ اور شاہد بے مثال کے جمالِ باکمال کو بے حجاب دیکھ رہے ہیں۔ المؤلفہ

زرگس کو ایسی آنکھوں سے نسبت کہاں بھلا وہ ہے مریض ان کے اشاروں میں ہے ثنا
دیدان کی اہل درد کو صحت کی ہے دوا حق میں ہیں یہ۔ انہیں مئے عرفان کا ہے نشا

مست آنکے دیکھنے ہی سے سب خاص و عام ہیں

آنکھیں ہیں بیا کہ بادۂ وحدت کے جام ہیں

اور ان آنکھوں کی دوسری معنوی شان نمایاں طور پر یہ تھی کہ آپ کی چشم حقیقت نگر کے باطنی فیوض و برکات اس قدر ہیں کہ اگر اپنے چشم دید واقعات نگارش کروں۔ تو یہ مجموعہ ان کی گنجائش کے واسطے کافی نہ ہو۔ اس لئے تمثیلاً بعض تصرفات کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتا ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم منشی تفضل حسین صاحب وارثی۔ وکیل ادناؤ کے مہمان تھے۔ کہ مضافات سہارنپور کے باشندے مولوی عبدالمنان صاحب نے حاضر خدمت ہو کر یہ عرض کیا کہ جناب اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ماورائے یوم النشور دنیا میں بھی رویت باری تعالیٰ ہو سکتی ہے۔ آپ نے مسکرا کے مولوی صاحب کو دیکھا اور فرمایا۔ کیا آپ کو اس آئیہ کریمہ کا علم نہیں ہے ”مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى“۔ یعنی جو یہاں اندھا ہے وہ وہاں بھی اندھا رہے گا۔

آپ کے ان الفاظ میں بظاہر وجدانی مضامین کا اشارہ بھی نہیں ہے۔ البتہ آپ نے سائل کو دیکھا ضرور تھا۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے تیر لفظ کا یہ کرشمہ ہو گا کہ حضور قبلہ عالم سے یہ مختصر جملہ سنتے ہی مولوی صاحب کئیف اور از خود رفتہ ہو کر رقص کرنے لگے۔ اور حالت جوش میں بار بار کہتے تھے۔ جادو بھرے نینا نے مارا!

اسی مدہوشی میں لوگ مولوی صاحب کو دوسرے کمرے میں لے گئے۔ دو تین گھنٹہ کے بعد جب افاقہ ہوا تو سب نے اس بے قراری کا سبب پوچھا۔ موصوف نے کہا۔ برادر میں کیا بتاؤں کہ ان آنکھوں نے کیا دکھایا اور پھر وہی حالت ہو گئی کہ مولوی صاحب حالت وجد میں بار بار کہتے تھے۔ جادو بھرے نینا نے مارا۔

دوسرے روز مولوی صاحب کو منشی تفضل حسین صاحب حضور کی خدمت میں لائے اور عرض کیا۔ یہ غریب مولوی گل سے بے آب و دانہ ٹرپ رہا ہے حضور نے مسکرا کے فرمایا مولوی صاحب! کیسا مزاج ہے عرض کیا شکر خدا کا لیکن استدعا یہ ہے کہ اپنا بندہ بنا لو حضور نے فرمایا مولوی صاحب کفر کی باتیں نہ کرو مولوی صاحب نے عرض کیا کہ کفر ہو یا اسلام جملہ غلامی میں داخل فرمائے۔ آپ نے بیعت لی اور چند ہدایتیں فرما کر حکم

دیا کہ جاو سیر کرو آئندہ ذیچہ کی نو تاریخ کو سید پور ضلع بارہ بنکی میں آنا۔ وہاں ملاقات ہوگی۔

حضور قبلہ عالم کی آخری علالت کے دوران میں ۲۵ محرم ۱۳۲۳ھ ہجری کو ایک نانک شاہی معمر فقیر در دولت پر حاضر ہوئے۔ اور بعض غلامان وارثی سے اپنی حاضری کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے گرد نے ہدایت کی ہے کہ بہت جلد حاجی صاحب کے پاس جاؤ ان کی آنکھ کی جوت میں زنگار کا درشن ہوتا ہے۔ وہیں تمہاری سدہ ہوگی۔ دوسرے روز جب خدمت والا میں حاضر ہو کر زمین بوس ہوئے۔ تو حضور نے قریب بلایا۔ اور اسی حالت میں میں ان کو استغفار پڑھا کر مرید کیا۔ اور خرقة فقر مرحمت فرما کر حکم دیا کہ تم حج کرنے جاؤ دنیا کی کسی چیز سے تعلق نہ رکھنا۔ اور سات فاقوں کے بعد بھی سوال نہ کرنا۔

علی ہذا مسٹر پی۔ اس جان بانکی پور کے مشہور بیرسٹر کا ہمیشہ یہ دستور رہا کہ جب حضور قبلہ عالم پٹنہ تشریف لے جاتے تھے۔ تو بے ضرورت وہ کلکتہ چلا جاتا تھا۔ ایک روز خان بہادر مولوی سید فضل امام صاحب وارثی نے پوچھا کہ مسٹر جان تم حاجی صاحب قبلہ کی موجودگی میں ہمارے یہاں کیوں نہیں آتے مسٹر موصوف نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ ہمارا دوست حکیم مبارک حسین ان کے سامنے گیا تھا اور انکی آنکھیں دیکھ کر پاگل ہو گیا۔ اب ننگے سر اور ننگے پاؤں پھرتا ہے۔ اور بچلا کہتا ہے کہ میرا نام عبدالآدشاہ ہے۔

بلکہ بعض ضٹلمین نے بھی مجھ سے کہا کہ جیسے ہم نے حاجی صاحب بابا کی آنکھ دیکھی ہے دنیا کی کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ اور نہ کسی کام میں دل لگتا ہے۔ تو بھائی مجھے پاگل ہونا منظور نہیں ہے۔ اس لئے جب وہ آتے ہیں تو میں بانکی پور سے بھاگ جاتا ہوں کہ ان کی آنکھیں دیکھ کر میری زندگی خراب نہ ہو۔

مختصر یہ کہ مریدین یا غیر مریدین کے جس قدر واقعات ہیں۔ گو ان کا موضوع اور کچھ یا مضمون دوسرا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ہر ایک واقعہ میں تھوڑا بہت آپ کی چشم سر مدگیں کا تعلق ضرور ہے۔ بلکہ حضور قبلہ عالم کے کسی دست گرفتہ سے اس کی یافت اور کیفیت یا قلبی اہمیت

کے اسباب دریافت کئے جائیں۔ تو قرینہ غالب ہے کہ اگر وہ کوئی بتائے گا۔ تو یہ بھی ضرور
 کہے گا کہ حضور قبلہ عالم کی دلفریب آنکھوں کا یہ کرشمہ ہے۔ اس لئے واقعات کا اعادہ کرنا صریح
 طوالت کا باعث ہے۔ اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ ہر قوم اور ہر مذہب کے افراد آپ کی چشم
 حقیقت میں سے آگاہ ہونے کے ساتھ مداح بھی ہیں۔ لہذا آپ کی چشم حق شناس کا ایک واقعہ
 عجیب بلکہ عجیب تر لکھ کر اس مضمون کو ختم کر دوں گا۔

چنانچہ مسٹر سید شرف الدین بیرسٹر وارثی (رج ہائیکورٹ کلکتہ) ناقل تھے کہ ٹھا کر اور گروہن
 سنگھ رئیس اعظم بھاگلپور میرے مہمان تھے۔ ایک روز میں نے کچھری سے آکر دیکھا۔ تو ٹھا کر صاحب
 موصوف کو ان کے کمرے میں نہ پایا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ چار گھنٹہ سے وہ میرے
 سونے کے کمرے میں تنہا بیٹھے ہیں۔ میں اس کمرے میں گیا تو یہ تماشا دیکھا کہ سرکار عالم پناہ
 کا وہ کارڈ سائز فوٹو جو پلنگ کے قریب چھوٹی میز پر رکھا رہتا تھا ٹھا کر صاحب کے ہاتھ میں
 ہے۔ اور چہرہ متغیر اور آنکھیں اشک بار ہیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر سبب پوچھا۔ تو موصوف
 نے غمگین لہجے میں کہا کہ بھائی شرف الدین یہ فوٹو کس کا ہے۔ میں نے چند لفظوں میں حقیقت بیان
 کر دی۔ ٹھا کر صاحب اور زیادہ بیقرار ہو گئے اور فوٹو کو سینے سے لگا لیا۔ میں نے کہا۔ اپنی
 اس بے چینی کا حال تو بیان کر دو۔ موصوف نے کہا بھائی اس تصویر کی آنکھ جب سے دیکھی ہے
 اس وقت سے تن۔ من۔ دہن۔ دہرم کا ہوش نہیں۔ خدا کے واسطے وہ اصل آنکھ دکھا دو
 جس کی یہ تصویر ہے۔ میں نے کہا گھبراؤ نہیں اسی آخر ہفتہ میں اس آنکھ والے کو دکھا دوں گا۔
 چنانچہ جمعہ کے روز کچھری کے بعد ٹھا کر صاحب کو لے کر دیوی شریف آیا۔ اور حضور
 قبلہ عالم کی خدمت میں یہ کہہ کر ان کو پیش کیا لیکن آپ کی چشم مخمور کا یہ تازہ شکار ہے۔ آپ نے
 مسکرا کے جڑبڑ فرمایا۔ ٹھا کر صاحب بڑے نظر باز ہیں۔ ٹھا کر صاحب نے قدمبوسی
 کی۔ اور مرید ہوئے۔ حضور نے چند ضروری ہدایتیں فرما کر۔ بکمال شفقت پیٹھ پر آہستہ سے
 گھونسا مارا اور ارشاد ہوا۔ ٹھا کر جاؤ جس صورت کو دیکھا ہے۔ اس کو یاد رکھنا۔ اسی

کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔“

اس قصہ سے مجھ کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ آپ کی چشم سرمہ گین کے صفات و تصرفات جس قدر دیکھے اور سُنئے ہیں گو وہ اوصاف کسی دوسری آنکھ میں دیکھے نہ سُنئے لیکن جس طرح بلحاظ تو اثرات ان کی صحت میں کلام نہیں اسی طرح وہ اس لئے بھی مان لینے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ کہ اگر ایک مقدس اور برگزیدہ ہستی کی چشم حق شناس سے حُسنِ خدا داد کے عکس و اثرات سے غیر معمولی واقعات کا اظہار ہوا۔ تو عقلاً بھی بعید نہیں ہے۔ مگر یہ حیرت خیز واقعہ تو زبانِ حال سے شاہد ہے کہ حضور قبلہ عالم کے فوٹو کی آنکھ نے یہ کرشمہ دکھایا۔ کہ ایک عیش پسند ہندو کے قلب تیرہ و تار کو محبت کے انوار گونا گوں سے ایسا معمور کیا کہ خود صاحبِ چشم حقیقت میں نے کمال عنایت یہ وعدہ فرمایا کہ تمہارا حشر ہمارے ساتھ ہوگا۔ ”فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ“

الغرض یہ اس عدیم النظیر آنکھ کے حُسن و جمال کے کارنامے ہیں جس میں صانع با کمال نے کوٹ کوٹ کے گوہر صفات بھر دیئے تھے۔ جن کی صراحت بجز صاحب دید و یافت مجھ بے بصیرت سے ناممکن اور محال ہے۔ مولفہ

سرمہ گین آنکھوں میں سجید ہے بھری شرم و جیا فہم میں بھی نہیں اپنے جو انہوں نے دیکھا
عرش سے آگے رسائی ہے زہے شانِ علاء واقف پر دہ اسرار یہی ہیں بخدا

رازِ سربستہ سے آگاہی آنکھیں ہیں

دید جن کو ہوئی والشد یہی آنکھیں ہیں

بینی پاک کی توصیف جو در پیش ہے اب حل یہ عقدہ کروں پایا ہے دماغ ایسا کب
کوئی بینی کی نہ تشبیہ ملی مجھ کو جب متصل گوش جو دیکھے تو کھلا یہ مطلب

خضر جس طرح رہا کرتے ہیں الیائس کو پاس

قطبِ دو یہ بھی ہیں اک صاحبِ نفاس کو پاس

یہ کہاں منہ ہے مرا میں جو کروں وصف بہن
پشتمہ روفیض ہے یا غنیمت سرسری و سمن
فضحا شرم سے چپ ہیں کئے نیچی گردن
نطق عیسیٰ کا ہو بند ایسے ہیں اعجاز سخن

قدرت حق کا تمنا شاہد دکھا دیتا ہے

بات کی بات میں مردوں کو جلا دیتا ہے

آگیا اب درو ندان کا مرے دل میں خیال
کس سے نسبت نہیں دوں انکی ہر تشبیہ مجال
گر کہوں سلک گہر تو بھی غلط ہے یہ مثال
جان دیتا ہے ہر اک ان پر یہ ہے انکا جمال

جس نے دیکھا انہیں وہ تاب نہیں لانا ہے

عاشق ان دانتوں کا میرے کی کئی کھاتا ہے

بے محل اب نہ کروں بات یہی ہے بہتر
آگیا ذکر زباں کا نہ رہوں چپ کیوں کر
روح سبحان کی ہو دنگ اسکی فصاحت سنکر
اس کے عاشق سے تو پوچھے کوئی اس کے جوہر

جو کہا اس نے وہ ٹلٹا نہیں زہار کبھی

اس سر و ہی کے نہیں دیکھے ہیں کیا وار کبھی

آپ کا طرز کلام حضور قبلہ عالم کا طرز کلام اپنی نوعیت میں فرد۔ اور ماہیت میں یگانہ ہے۔

یایوں کہا جائے کہ آپ کی باتوں کے اثرات صوری و تصرفات معنوی سے ایک عالم علی قدر

مراتب مستفیض اور فائز المرام ہوا۔ کہ باعتبار ظاہر۔ اہل حاجت کی حاجت روائی کی۔ اور

بلحاظ باطن ارباب ارادت کی رہنمائی ایسی فرمائی کہ اکثر افراد دنیا کے دام تزویر سے آزاد

ہو کر تعلقات عالم کے بارگراں سے سبکدوش۔ اور بجائے ذکر ماسوسے اللہ کے فکر وصال

شاہد حقیقی میں خاموش ہو گئے۔ بقول بابل شیراز علیہ الرحمۃ

زمرغ صبح ندانم کہ سوسن آزاد
چہ گوش کرد کہ بادہ زبان خموش آمد

چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ سرکار عالم پناہ کی خوشگوار باتیں جس طرح رموز و نکات کی سرچشمہ

اور فیوض و برکات کی مجموعہ تھیں۔ اسی طرح آپ کی بے نظیر تقریر دافع آفات و رافع مہمات بھی تھی۔

حالانکہ کسی مخصوص خیال میں ہمہ وقت مصروف رہنے کی وجہ سے آپ گفتگو بہت کم فرماتے تھے۔ اور اگر کسی ارادتمند یا عقیدت شعار سے مخاطب ہو کر بہ اقتصائے خلق عمیم۔ یا بخیاں تربیت و تعلیم کچھ ارشاد فرمایا تو ایسے چند جملوں میں جو باوجود اختصار کے نہایت جامع اور معنی خیز ہوتے تھے۔ مگر طویل اور سبب گفتگو کرنے کی آپ کو عادت نہ تھی۔

ریز و چولش حرفِ گرانمایہ تو کوئی گنج از در گنجینہ اسرار برآمد

لیکن انہیں چھوٹے چھوٹے جملوں کا مفہوم مختلف انخیال سامعین کے مقاصد اور مطالب کا کافی جواب ہوتا تھا۔ اور اسی مختصر عبارت کے باطنی فیضان سے طالبین راہ حق کے خدشات و خطرات کی اصلاح بھی ہوتی تھی۔ اور اہل ضرورت کے حاجات و مرادات بھی حسب مقصود پورے ہوتے تھے۔ یعنی طالب خدا اگر فیوض باطنی سے شرف اندوز ہوتے تھے تو حاتمذہبی ناکام نہیں رہتے تھے۔ اس لئے آپ کی تقریر کو جامعیت کے لحاظ سے اگر لاجواب اور عدیم النظر کہا جائے تو شاید کسی کو کلام نہ ہوگا۔

چنانچہ مقدمہ منہاج العشق میں نگارش کر چکا ہوں کہ حضور قبلہ عالم کی تقریر کو اگر فصاحت کے اعتبار سے دیکھتے ہیں۔ تو باوجود دائمی محویت اور مستقل استغراق کے نہایت جربستہ اور غایت سلیس اور ششہ اور سادگی کے ساتھ خوشگوار بھی ہوتی تھی۔ یہ بھی دیکھا ہے کہ آپ کی تقریر میں مستند محاورات بھی شامل ہوتے تھے۔ اور اکثر کسی برگزیدہ صوفی کا کوئی مشہور مقولہ۔ یا کوئی صحیح حدیث۔ یا کوئی آیت قرآنی تمثیلاً شریک ہوتی تھی۔

عموماً آپ کی تقریر انکسار آمیز۔ تغلی سے معرار اور کسی کی تحقیر اور سچو سے مبرا۔ تعصب اور نفسانیت سے پاک۔ محبت اور صداقت سے مملو ہوتی تھی۔ آپ کی تقریر میں خوبصورت روانی۔ اور جربستہ آمد۔ اور تکلفات آورد کے بقائے نصاب سے پاک اور صفات شائستگی سے سراپا موصوف ہوتی تھی۔

آپ کی تقریر کا طرز اور لہجہ اس قدر خوشگوار تھا جس سے شان محبوبیت کا نمایا
طور پر اظہار ہوتا تھا جس سے ارادتمند متاثر ہوتے تھے۔

آپ کی وطنی زبان گوارا دہتی۔ لیکن اہل عرب سے۔ عربی میں۔ ایرانیوں سے۔
فارسی میں۔ افغانوں سے پشتو میں بلا تکلف آپ گفتگو کرتے تھے۔

اگر بلحاظ بلاغت دیکھا جائے۔ تو آپ کی تقریر مسائل تصوف کے معنوی لطائف
اور فرقوں کے حقائق و معارف سے مملو ہوتی تھی۔

آپ کے انداز تقریر کی ایک شان یہ تھی کہ سامعین ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے اور
پھر ان کے عادات اور معاملات انہیں نصائح کے تحت میں رہتے تھے۔

آپ کی تقریر کا ایک مخصوص سن صرف یہ تھا کہ گوسا معین مختلف احوال ہوتے تھے
لیکن ہر شخص سمجھتا تھا کہ آپ مجھے سے مخاطب ہیں۔ اور روئے سخن میری جانب۔ اور مفہوم
میرے حسب حال ہے۔ اور اس ایک ہی تقریر کے ظاہری الفاظ کے فیوض و برکات
سے ہر شخص باوجود مختلف انخیال ہونے کے مستفید ہوتا تھا۔

چنانچہ میرا مشاہدہ ہے کہ بیک وقت چار ارادتمند جو کلیتہً مختلف انخیال تھے۔
حاضر خدمت ہوئے۔ ہنوز کچھ عرض نہیں کیا تھا کہ حضور نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔
”جو شخص خدا پر بھروسا کرتا ہے۔ خدا اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔ اور تم تو آج رہو گے
کل چلے جانا“

حسب ارشاد چاروں ارادتمند قدسوس ہو کر چلے۔ لیکن دیکھا کہ وہ لوگ مسرور بہت
ہیں۔ ان کے بے محل اور غیر معمولی خوشی دیکھ کر مجھ کو خیال ہوا کہ موصوفین سے اس مرت
اور خوشی کا باعث دریافت کرنا چاہیے۔ شب کو ان سے مل کر مستفسر حال ہوا۔ معلوم
ہوا کہ ایک صاحب کا ہائیکورٹ میں مقدمہ ہے۔ جس کی کامیابی کے وہ ملتجی تھے۔ دوسرے
صاحب کو بعض عقائد اہل اسلام سے اختلاف تھا۔ تیسرے تہند پوش اس کے خواستگار

تھے کہ کوئی ذکر تعلیم فرمایا جائے۔ چوتھے حقائق توحید سے واقف ہونا چاہتے تھے اور چاروں کو مسرت اس کی ہوئی تھی کہ فیضانِ وارثی نے ہماری خواہشات کو پورا کر دیا۔ ظہوری سے

یک سخن از لوطی گروید است در ہزاراں سخن نمی گنجد

لہذا اس مختصر تقریر کے برکات۔ اور معمولی جملوں کے تصرفات کو نظرِ تامل سے دیکھا جائے کہ بظاہر تو ساوہ انطاط کے دو جملے تھے۔ مگر نہیں معلوم کونسا معنوی لغت ان غلاموں کے پیش نظر کر دیا گیا کہ اس ایک عبارت کے چاروں مترشدین نے چار معنی اپنے اپنے حسب حال سمجھے۔ اور لطف یہ کہ ان کے خیال کو اس وقت عین یقین کا مرتبہ دیا گیا کہ بجائے تذبذب و احتمال کے ان کو اپنی سمجھ پر اس قدر وثوق ہوا کہ مطمئن اور سرور ہو گئے۔

مزید براں۔ زیادہ حیرت خیز امر یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد جب انہیں حضرات سے ملاقات ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ صاحب مقدمہ کو کامیابی ہوئی۔ اور دوسرے صاحب کے خدشات رفع ہو گئے۔ شاہ صاحب کو دیکھا کہ ذکر اسم ذات جاری ہے۔ اور چوتھے صاحب کو توحید و وجود کا قائل پایا۔

قربان۔ آپ کے طرز تقریر کی شان پر کہ معمولی الفاظ کے پردہ میں یہ کرشمہ دکھایا کہ چاروں کے امراض کو مختلف تھے۔ مگر اس طبیب باطنی کے ایک نسخہ نے سب کو شفا کے کامل مرحمت فرمائی۔

علیٰ ہذا آپ کی برجستہ تقریر میں یہ روحانی اثر بھی دیکھا کہ اکثر غلاموں کے قلوب تکد رات نفسانیہ سے صاف ہو گئے۔ اور فیضانِ کلامِ وارثی سے یہ تصفیہ ایسا قوی اور مستقل ہوا کہ تادمِ مرگ قلب کو یقین اور اطمینان رہا جس کو عرفِ صوفیہ میں تصدیق کہتے ہیں۔

آپ کی معجز نما تقریر کی ایک عجیب شان یہ بھی دیکھی ہے کہ حضور قبلہ عالم نے اپنے غلاموں سے ان کی عدم موجودگی میں خطاب فرمایا ہے۔ اور انہوں نے اپنے مقام پر اس کو بخوبی سنا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بعد مغرب میا ختہ آپ نے یہ فرمایا کہ ”یا باریط۔ پڑھا کرو۔ چونکہ بظاہر

کوئی موجود نہ تھا۔ اس لئے استعجاب ہوا اور یہ واقعہ میں نے بقید تاریخ لکھ لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد چودہری خدا بخش صاحب ٹھیکدار متوطن اٹا وہ۔ جو بارگاہ واریتی کے قدیم حلقہ بگوش تھے۔ یہ نسا کے قدیم سی دیوبلی شریف حاضر ہوئے۔ جب مجھ سے ملاقات ہوئی۔ تو دوران گفتگو میں ان کے کاربار کی حالت بھی دریافت کی۔ موصوف نے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ اس کے قبل میں بہت قرضدار ہو گیا تھا۔ لیکن سرکار کے کرم سے وہ پریشانی یوں مبدل بہ خوشحالی ہو گئی کہ ایک روز بعد نماز مغرب حسب دستور میں نے تصور کیا۔ اور اتفاق سے حضور کی برزخ قائم ہو گئی۔ اسی حالت میں آپ نے فرمایا "یا باریٹ پڑھا کرو۔ میں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور بہت جلد میرا کاروبار پہلے سے بھی اچھا ہو گیا۔ اور قرضہ کی بھی ادائیگی ہو گئی۔"

چودہری صاحب سے یہ واقعہ ہوسنا۔ اور اپنی یادداشت سے تاریخ کا مقابلہ کیا تو مطابق پایا۔ اس وقت سمجھ میں آیا کہ حضور قبلہ عالم کا وہ ارشاد جسے وجہ نہ تھا بلکہ ایک نادار غلام کی پرورش منظور تھی۔

دو چار روز کے بعد میں نے یہ سبیل تذکرہ چودہری صاحب کا یہ قصہ حضور قبلہ عالم سے عرض کیا۔ تو فرمایا "ہاں۔ جو تصدیق کے ساتھ۔" یا باریٹ پڑھا ہے۔ وہ تنگدست نہیں رہتا۔" الغرض اس مختصر تصریح سے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ آپ کی تقریر فیوض و برکات سے مخلو تھی۔ باوجودیکہ میری عدم اہلیت سے وہ صفات چھوٹ گئے جن کا روحانیت سے گہرا تعلق تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ظاہری خوبیوں کو بھی کما حقہ نہ دکھاسکا۔ اور نہ آپ کی تقریر کو مذکورہ بالا صفات کے ساتھ محدود کر سکتا ہوں۔ کیونکہ جو اوصاف بیان ہوئے۔ یہ تو میری ناقص معلومات کا اندازہ تھا۔ ورنہ جو سامعین عالی خیال اور صاحب فہم و ادراک ہوں گے۔ خدا جانے انہوں نے آپ کی جربستہ تقریر کی کیا عظمت سمجھی ہوگی۔

لہذا سرکار عالم پناہ کا آن اظہر سرا پا قدرت الہی کا نمونہ اور صنعت ایندلی کا مجموعہ تھا جس کے ہر عضو نے اپنے برکات ظاہری اور تصرفات باطنی سے تقریباً ستر سال تک دنیا کو

مستفید فرمایا اس لئے ہر ایک جزو بدن آپ کا ہزار شاو سائش کے قابل ہے۔
 دستِ چاہ و ذوقِ نکلنے کو بیجا جسم خوف طاری ہوا چلنے لگا رک کے قلم
 کس سے تشبیہ دوں حیرت کا ہے مجھ کو عالم اس نشیبِ رہ الفت کی شناسا کیا ہو رقم

چوٹ کھائے ہوئے دل سے یہ اذیت پوچھو

چل اس چاہ کی یوسف سے حقیقت پوچھو

بخدا ہے یہ گلا نور کے سانچے میں ڈھلا طور کی شمع سے بہتر ہے کہیں اس کی ضیا
 جس نے دیکھا اسے بے ہوش ہوا یہ جو سنا عقل نے مجھ سے کہا ہے یہ محلِ خوف کی جا

کتنا بے خوف ہے تو ڈر نہیں اصلاً تجھ کو

مثل موسیٰ کہیں غش آئے نہ مشیداً تجھ کو

کہا گردن کو اگر میں نے کہ ہے شمع طور بے وقوفی ہے نہ مائیں گے اسے اہل شعور
 اس کی توصیف بیاں ہو یہ بت کس کا مقدور یہ گلا وہ ہے جسے دیکھو کے ہوتا ہے سرور

نخن و اقرب صفت آئی ہے اسی کی دیکھو

عاشقو بادہ وحدت کی صراحی دیکھو

جان دیتے ہیں انہیں باتوں پہ سب اہل صفا بر ملا کہتے ہیں سب سے ہیں ہی دستِ خدا
 پوچھا باعث تو نہیں دیتے جواب اسکے سوا تم ہو جاہل کبھی سمجھو گے نہ مطلب اس کا

خوبیِ نخت ہے ایسا جو ملا پیر ہیں

یاد ہے خوب یاد اللہ کی تفسیر ہیں

پنچہ ہر ہوا ہے اسی پنچہ سے نخل مرتبا چسپہ مریم کو کہانی یہ حاصل
 کام آسان یہ نہیں اس کی شناسا ہے مشکل اس میں ہے سخن پاک کا جلوہ اسے دل

سب ہی قبضے میں ہے دعویٰ اسے شاہی کاہر

شش جہت میں ہیں مختار خدائی کا ہے

اونگلیوں پر ہوں نہ کس طرح خدا اہل مذاق
رہبری سب کی کریں اس میں یہی ہیں مشاق
دستگیری کی صفت میں ہیں شہسیر آفاق
لیوں مشکل میں خبر عقدہ کشائی میں ہیں طاق

نیک اور بد سے بھی آگاہ یہ کر دیتی ہیں
ہاتھ پکڑا تو مع الشکر یہ کر دیتی ہیں

سینہ پاک ہے گنجینہ راز احدی
کینہ و بعض و صدر کیر و کدورت سے بری
یہ صفائی کبھی آئینہ میں دیکھی نہ سنی
اہل دل سمجھیں نہ کس طرح بزرگی اس کی

زہد زاہد کو دل افکاروں کو الفت بخشی
جن کو سینے سے لگایا اسے نعمت بخشی

وصفِ سینے میں رہا ذہن رسا سرگرداں
دم تحریر ہوا فکرو کیا کیا نہ گماں
کوششیں طبع نے کیں تب یہ کھلا راز نہاں
لوح محفوظ ہے یا عرشِ خدائی دو جہاں
صدر اعظم ہے درِ فیض کا گنجینہ ہے
صورتِ علم لدنی کا یہ آئینہ ہے

اور اسی سینہ کے پہلو میں ہے دل کا بھی مقام
وصف اس دل کا ہو یہ دل نہیں رکھتا ہر غلام
ذکر میں شغل میں مصروف یہ رہتا ہے مدام
الغرض یادِ الہی میں کٹی عمیر تمام

بھول کر لذتِ دنیا کی طرف چاہ نہ کی
عشق میں سینکڑوں صدے ہے پرآہ نہ کی

یہ شکم وہ ہے جو پر نعمتِ خالق سے رہا
مخزنِ صبر و توکل اسے کہنا ہے بجبا
ذہن تو صیغہ مکر میں ہوا کوشاں جو سوا
دل یہ بولا کہ تجھے عقل نہیں ہوش میں آ

مستعد ہو گیا تو کوشش بے جا کئے
دام پھیلایا گرفتاری عنقا کئے

مدحتِ موئے مکر ہو نہیں سکتی زہر سار
فکر بے سود ہے تدبیر ہے کرنا بیکار

اسم اعظم کی طرح یہ نہ کھلے گا اسرار ہے وجود اس کا مگر ہونہیں سکتا اظہار

کیوں نہ خاموش ہوں عاقل کہ محل صبر کا ہے

اختیار اس میں نہیں سدا یہ جبر کا ہے

صفت پائے مبارک بعض مؤلفین سیرت و ارثی نے حضور قبلہ عالم کی اس مخصوص صفت کا بھی ذکر کیا ہے کہ باوجود نعلین چوبی ہر وقت استعمال فرمانے کے ہمیشہ پائے مبارک گرد و غبار سے ایسے پاک اور محفوظ رہتے تھے۔ جن کا فرش سفید پر بھی نشان نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے بھی اس کی تائید میں بعض مستند اور ممتاز حضرات کے مشاہدات کا حوالہ دیا ہے۔ ظہوری سے

کعبہ رو نعلین دور انداخت درگام نخت از مغیلان نسترن زیر قدم می آورد
واقعی حضور قبلہ عالم کی یہ صفت عجیب اور عظیم المثال صفت ہے۔ اور نظر غائر سے دیکھتے ہیں تو صرف آپ ہی کی ذات محمود الصفات اس مخصوص صفت سے موصوف معلوم ہوتی ہے۔ اور اور آپ کی یہ صفت کسی خاص وقت اور موقع کے لئے موقوف نہ تھی بلکہ بلا قید مکان و زمان ہمیشہ اور ہر حالت میں اس صفت کا علی الاعلان اظہار ہوتا تھا کہ جس کے شاہدین کی فہرست بجائے خود ایک مستقل کتاب ہو سکتی ہے۔

لیکن حضور قبلہ عالم کی اس مخصوص صفت کا جس طرح زمانہ معترف ہے۔ اسی طرح آپ کا یہ خدا واد صفت اپنی نوعیت میں عقلاً و نقلاً ایسا غیر معمولی و عظیم النظیر ہے۔ جس کا ذکر سن کر بوجہ اپنی عدم معرفت کے استعجاب ہوتا ہے۔

کیونکہ جب تک حضور کے پائے مبارک کی اس صفت کا خلق میں اظہار نہیں ہوا تھا کسی فرد بشر کے کانوں نے نہ اس غیر معمولی صفت کا افسانہ سنا تھا۔ اور نہ کسی کی آنکھ نے یہ عجیب و غریب کرشمہ دیکھا تھا۔ بلکہ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ متقدمین حضرات صوفیائے کرام کے صفات میں نہ اس بے مثل صفت کا ذکر ہے۔ اور نہ ان کے تصرفات میں کوئی ایسا تصرف نظر آتا ہے۔

جس سے ہمیشہ اور مستقل طور پر اس صفت کا اظہار ہوا ہو۔

علیٰ ہذا نظام فطرت بھی یہی ہے کہ خشک مٹی سے پاؤں گروا لو۔ اور تر مٹی سے پاؤں
میلے ضرور ہو جاتے ہیں۔ اور سرد و محال میں ان کا نشان فرش پر محسوس ہونا لازماً ہے۔
مگر حضور قبلہ عالم کا معاملہ کلیتہً اس کے خلاف دیکھا کہ کوسوں کی مسافت پایادہ
اور پارہنہ طے کرنے کے بعد بھی آپ کی کف پاگروا لو نہ ہوئی۔ اور نہ بارش کے زمانہ میں
آپ کے پاؤں میلے ہوئے جن کا سفید فرش پر کبھی داغ نہ لگا۔

بلکہ حضور قبلہ عالم کے سوانح میں ایسے واقعات بھی منقول ہیں کہ اکثر غیر مریدین نے
آپ کی تشریف آوری کے وقت بہ نظر آزمائش اپنا صحن مکان پانی سے خوب تر کر دیا۔ اور
اسی میں گزر کر آپ فرش پر آئے۔ مگر اُس سفید فرش پر وہ بہ نہ لگا۔

مختصر یہ کہ نہ منقولات کی وساطت سے اس بے مثل صفت کے خصوصیات کا ہم کو
علم ہوا۔ اور نہ معقولات کے ذریعہ سے آج تک یہ سمجھ میں آیا کہ واقعی اس صفت کی اصل حقیقت
کیا ہے۔ اس لئے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قدرتی ودیعت اور وہی عنایت ہے
اور اس راز سر بستہ کی ماہیت کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو واجب العطا یا نے حق شناس
کیا ہے۔ بقول۔

درکار خانہ کہ رہ علم و عقل نیست و ہم ضعیف و رائے فضولی چرا کند

اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار عالم پناہ کی یہ غیر معمولی صفت۔ اور عجیب
غریب خصوصیت جس کے ظاہری تصرف سے گروہ مریدین و رعرہ معتقدین و غیر معتقدین میں
قریب بہ شخص واقف ہو۔ اور جس کا خاص و عام بلکہ یار و اعیانہ نے ہر شہر و دیار میں بار بار
مشاہدہ کیا ہے۔ اور جس حیرت خیز واقعہ کی یہ شان ہے کہ عین الیقین کا مرتبہ حاصل کر چکا
ہے۔ لہذا خلق اللہ کی یہ چشم دید صفت نہ صراحت کی اب تشنہ ہے۔ نہ اشاعت کی محتاج
اور اگر اس شہرت کے بعد بھی جس سے دنیا کا بڑا حصہ خبردار ہے۔ اس کا اعادہ کیا جائے

تو طوالت کے اعتبار سے بیکار ثابت ہوگا۔

قطع نظر اس کے ہمیشہ ارباب طریقت نے ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اخبار جو مشکل بہر موزو اسرار ہوں۔ ان کا اعلان عام منافی احتیاط ہے۔ اس لئے کہ بہت بلند مضامین کی سماعت سے اکثر عوام الناس بجائے مفاد و منفعت کے فساد و ضلالت کا نقصان اٹھاتے ہیں۔ کیونکہ روحانی صفات اور معنوی حکایات کے تذکرہ سے انھیں طالبان راہ حق کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جن کا قلب و زجت سے متاثر ہو چنانچہ اسی خیال سے مجموعہ ہذا کے مقدمہ میں عرض کر چکا ہوں کہ حضور قبلہ عالم کے وہ حالات و ارشادات نگارش نہ کروں گا جن کا روحانیت سے گہرا سروکار ہوگا۔

اور اسی اعتبار سے سرکار عالم پناہ کی اس مخصوص صفت کی تشریح و تصریح سے جو عین ودیعت حق اور عنایت وہی ہے۔ معذور ہوں۔ اور اسی قدر عرض کروں گا کہ میری آنکھوں نے حضور کے پاسے مبارک کی یہ صفت دیکھی ضرور ہے کہ نہ کبھی وہ غبار آلود ہوئے۔ اور نہ سفید فرش پر ان کا وہ بہہ محسوس ہوا۔ مگر اس میں کیا سراہ خداوندی تھے۔ اس سے نابلد اور بے بہرہ ہوں۔ نہ یہ بتا سکتا ہوں کہ اس صفت کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے۔ نہ یہ سمجھانے کا شعور ہے کہ یہ صفت حاجی صاحب قبلہ کے واسطے مخصوص کیوں تھی اور اس وصف خاص کا تمام عمر قدم قدم پر اظہار کیوں ہوا البتہ یہ باواز بلند کہہ سکتا ہوں کہ یہ صفت ہمارے سرکار عالم پناہ کی مخصوص صفت ہے

بلکہ یہ یقین سیرت و ارثی نے شاید خیال نہیں کیا کہ حضور قبلہ عالم کے اوصاف پاسے مبارک میں ایک اور بھی چھوٹی سی صفت مستتر ہے۔ لیکن اس صفت کی بھی معنوی صراحت اس لئے ہمارے امکان سے باہر ہے کہ آپ کی چھوٹی سے چھوٹی صفت بھی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اسرار کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ وہ صفت نگارش کرنے سے پہلے بطور تمہید یہ عرض کروں گا کہ نظام فطرت کا یہ کلیہ ہے کہ دنیا میں ہر قوم۔ اور ہر قوم میں ہر طبقہ کے افراد کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے خصوصیت عموماً دیکھی جاتی ہے کہ تمام جسم کی کھال سے ان کے تلوے کا چمڑا دبیر۔ اور ان کی اڑی تختہ ہوتی ہے۔

اور اگر اس کھلیے میں ان غریبوں کو شمار نہ بھی کیا جائے جن کا ہمیشہ پیادہ پھرنا۔ اور پابہرہ رہنا بہ سبب غربت۔ یا بہ کا ناظ پیشہ داخل معاشرت ہے۔ اور صرف اعلیٰ طبقہ کے حضرات اہل ثروت کو دیکھا جائے جو اپنے گھر میں بھی جوتہ اور پیتا پہننے کے عادی ہیں اور بغیر سواری کے چار خدم بھی نہیں چلتے۔ تو وہ بھی اس نظریہ فطرت سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اور ان کے بھی تلوے کی کھال۔ ان کے جسم کی کھال سے زیادہ موٹی۔ اور تلوے سے بہت زیادہ ایڑی کی کھال موٹی اور سخت ہوتی ہے۔

لیکن اس فلسفہ فطرت کے بالکل برعکس ہمارے سرکار عالم پناہ کے تلوے کی کھال نہایت نازک اور ایڑی نرم تھی یا وجودیکہ آپ نے ہندوستان کے علاوہ حجاز۔ عراق۔ ایران۔ روس۔ مصر۔ قسطنطنیہ۔ شام۔ حلب اور بعض حصص یورپ کی پیادہ سیاحت فرمائی۔ اور پہاڑوں کے نامہوار راستے۔ اور رنگستان کے سٹیل میدانوں کا پابہرہ سفر کیا۔ مگر آپ کی کف پاشیر خوارہ راور ماں کی گودیں رہنے والے بچے کے تلووں سے زیادہ نرم اور نازک تھے جس لئے بیاختہ کنا پڑتے ہے کہ یہ صفت بھی حضور قبلہ عالم کے خصوصیات میں داخل اور کلیہ فطرت کا ایک نازک استثناء ہے چنانچہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ پاؤں دبائے میں سرکار عالم پناہ کی کف پا کو جب از حد شفاف اور ریشم کی مثل نرم پایا۔ تو میں نے حالت استعجاب میں اپنے گالوں سے مقابلہ کیا اور خود حکم بنا۔ تو باللہ العظیم اس وقت میرے ایمان اور انصاف نے یہی فیصلہ کیا کہ تیرے گالوں سے حضور کی کف پا بہت زیادہ نرم و نازک ہے۔

لہذا باعتبار ظاہر آپ کے پائے مبارک کی اس بعید از عقل لطافت کو جسمانی صفت تو کہہ نہیں سکتا کہ فلسفہ فطرت کے قطعی خلاف ہے اور اس کا بھی محل نہیں ہے کہ بطور استدلال یہ عرض کروں کہ یہ قدرتی لطافت آپ کی شان عظمت و رفعت کی عین حجت۔ اور آپ کے مراتب تقرب اور مدارج محبوبیت کی خاص علامت ہے۔

اور بوجہ عدم اہلیت نہ یہ جبارت کر سکتا ہوں کہ اس قدرتی لطافت کے رموز و

اسرا زنگارش کروں۔ اس لئے زیادہ آسان صورت ہی نظر آتی ہے کہ برادران طریقت۔ اس عجیب و غریب صفت کی حقیقت و ماہیت کی نسبت خود مجھ تکہ فرمائیں۔ اور اپنے اپنے خیال اور مذاق کے مطابق حضور قبلہ عالم کے کفنیائے مبارک کے اس وصف کے ظاہری امتیاز اور باطنی اعزاز کا تصفیہ کریں۔

بہ تن بویا کند گہائے تصویر نہالی را پابیدار سازد خفتگان نقش قالی را
لطف آنقدر دارد کہ ہنگام خرامین تو ان از پشت پایش دید نقش رو قالی را
ورنہ میں یہی عرض کروں گا کہ سرکار عالم پناہ کی یہ صفت اپنی نظیر آپ ہے۔ اور کیوں نہ نہ ہو اس واسطے کہ یہ صفت ان قدم مہمت لزوم کی ہے جن کے فیوض و برکات سے ہزاروں گم کردہ راہ فائز المرام ہوئے۔

یہ وہی پاؤں ہیں جو راہ خدا میں ہیں چلے وادی صبر و رضا سے یہ قدم بھر نہ ٹلے
ہوئے حق میں وہی یہ پاؤں جو آنکھوں سے ملے ان کا پیر و جو نہیں عشق کا وہ نام نہ لے
کیوں نہ عشاق دل و جان سے چاہیں ان کو
مشق سب کوچہ الفت کی ہیں راہیں ان کو

سرہیاں جس نے جھکایا وہ ہوا نیک انجام دین و دنیا کے سبھی بن گئے بگڑے ہوئے کام
اپنے پیرو کی یہی رہبری کرتے ہیں مدام اب قدم چوم لے شیدا کہ سر پا ہے تمام
کوئی دنیا میں تعلق سے نہ ممتاز ہوا
سرہیاں جس نے جھکایا وہ سرفراز ہوا

آپ کے جسم کی خوشبو | اسی سلسلہ میں حضور قبلہ عالم کی اس مشہور اور مخصوص صفت کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے جسم اقدس سے ایسی خوشگوار نکلتی آتی تھی کہ علاوہ اہل ارادت کے غیر مریدین حضرات جب خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے تھے۔ تو وہ بھی اس روح پرور اور جان نواز خوشبو سے متاثر ہو کر آپ کی شان محبوبیت کا اقرار کرتے تھے۔ ظہوری ۔

پہرہن برگ سمن گشتہ ز لطف بدنش اسے خوش آں مغز کہ بوئے کشد از پیرنش

حالانکہ بعض مولفین سیرت و ارثی نے سرکار عالم پناہ کی اس عدیم النظر صفت کا ذکر کیا ہے بلکہ صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے صفحہ ۳۹ میں مولانا فضل الرحمن صاحب علیہ الرحمۃ کے ایک مقتدر حلقہ بگوش کی تصدیقی روایت نقل کی ہے۔

لیکن اس غیر معمولی صفت کا علم چونکہ جلد غلابان و ارثی کو بخوبی ہے۔ اس لئے جناب والا کے جسم اقدس کا یہ تصرف محتاج بیان نہیں بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ اس جلیل القدر صفت کا تذکرہ اب ایسے بدہی دلائل اور نمایاں اسناد کے ساتھ کیا جائے کہ اس گزشتہ واقعہ کے اہم اثرات اور زرین برکات سے خاص و عام ہمیشہ شرف اندوز اور فائز المرام ہوا کریں۔

کیونکہ حضور قبلہ عالم کی اس مہتمم با نشان صفت کے دیکھنے والے ارادتمندوں سے اب دنیا کا ہر گوشہ خالی ہوتا جاتا ہے۔ اور اگر چند معمر سپہ ستاران بارگاہ و ارثی کی شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ تو وہ بھی اس عالم فانی کی سیر کر چکے ہیں۔ اور اب سفر ملک جاودانی کے لئے مکرستہ اور داعی اجل کو لبیک کہنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ بقول

خیمے مسافرانِ عدم نے نکالے ہیں جس قافلے میں ہم ہیں وہ سب جانو الے ہیں
عنقریب وہ زمانہ آتا ہے کہ یہ قدیم اور منعم صورتیں جو آج بزم عالم میں جہلملا تے ہوئے
چراغِ سحری کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ کل باد فنا کا جھونکا جب ان کو معدوم کر دے گا۔ تو سرکار عالم
پناہ کے حیرت خیز واقعات کا چشم دید بیان کرنے والا ہمارے اس کثیر التعداد گروہ میں کوئی
نہ رہے گا۔

لہذا ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ حضور قبلہ عالم کی یہ جلیل القدر صفت ایسے عنوان سے
قلمبند ہو کہ آئندہ نسلوں کے واسطے یہی تحریر دور میں کام دے۔ اور گھڑیٹھے اپنے آقائے
نامدار کے جسم اقدس کی خوشبو سے متاثر ہوا کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ سرکار عالم پناہ کی یہ بے مثل صفت۔ واقعی مخصوص اور غیر معمولی

صفت ہے۔ اور آپ کے مدارج علیا کی کافی دلیل۔ اور تقرب و اختصاص کی کھلی ہوئی نشانی ہے جس سے بین طور پر آپ کی عظمت و جلالت کا اظہار ہوتا ہے۔

لیکن یہ بھی خیال ہے کہ آپ کی اس صفت کی شرح حکایت سے وہ حضرات جو فلسفہ جدید کے دلدادہ ہیں ضرور متعجب ہوں گے۔ اور آپ کی اس خصوصیت کو خلاف سچے تصور فرمائیں گے اور بیباختہ کہیں گے کہ ایک انسان کے جسم سے خود بخود ہمہ وقت خوشبو آنا۔ نظام فطرت کے منافی ہے اس لئے کہ عام دستور ہے کہ عموماً پسینے سے کم یا زیادہ بوئے ناگوار آتی ہے۔

مگر امید ہے کہ ایسا نہ ہو گا۔ اس واسطے کہ جس نے سیرت پاک حضرت صاحب لولاک کا بالالتزام مطالعہ کیا ہے۔ وہ دفعتاً انکار نہ کرے گا۔ کیونکہ مستند احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت خاتم الرسالت کے جسم اطہر کا یہ خاص معجزہ تھا کہ جس راہ سے آپ کا گزر ہوتا تھا۔ وہ کوچہ ایسا معطر ہو جاتا تھا کہ صحابہ پہچان لیتے تھے کہ اس راستہ سے آپ تشریف لے گئے ہیں اور بعض احادیث صحیحہ میں یہ بھی بصراحت منقول ہے کہ آپ کے پسینے کے قطرات۔ جس عروس سے لگا دیئے گئے۔ اس کی نسل میں وہ خوشبو عرصہ تک باقی رہی۔

پس یہ مستند اخبار جب کہ شاہد ہیں کہ سر و اردو عالم کے جسم اطہر کے عرق پر نکہت کا اثر عروس غیر کفو کی نسل میں عرصہ تک باقی رہا۔ تو باغ رسالت کا وہ نجیب الطرفین نونہال جو عنایت ایزدی سے صفات محمدیہ کا منظر اتم بھی ہو۔ اگر اپنے جدا علی کی اس صفت سے موصوف ہوا۔ تو محل استعجاب کیا ہے۔ بلکہ اس دلہند مصطفوی کا نسبتی شرف اور وہی اختصاص ضرور اس کا مقتضی تھا کہ اس کی امتیازی شان کا خلق میں اظہار ہو۔ اور اس کے مشک بیز پسینے سے سیادت کی دل فریب خوشبو آئے۔

چنانچہ حسب منشا جناب احدیت۔ اولاد حضرت رسالت میں۔ ایک فرزند سعید کی وساطت سے تیرہویں صدی میں اس نکہت سیادت کا اس طرح دنیا میں علی الاعلان اظہار ہوا کہ اس عظیم النظیر خوشبو سے پار و اغیار سب متاثر ہوئے۔

بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس بوئے خوشگوار کی نسبت غیر سلسلہ حضرات کی شہادتیں زیادہ مذکور ہیں۔ شاید اسوجہ سے کہ ایسے لوگ جب حاضر خدمت ہوتے تھے۔ اور دفعتاً ان کے دماغ میں یہ غیر معمولی خوشبو آتی تھی۔ تو وہ متعجب اور متحیر ہو جاتے تھے۔ اور چونکہ واقعہ حیرت خیز ہوتا تھا اس لئے اپنی اپنی صحبت میں اس کا ذکر ضرور کرتے تھے۔

اور مریدین تو اس بے مثل خوشبو کے اثرات اور برکات سے کما حقہ واقف ہیں۔ چنانچہ جملہ غلامان بارگاہ دارنی شاہد ہیں کہ حضور قبلہ عالم کے جسم اقدس کی بھینی بھینی خوشبو جو ہر شخص کو محسوس ہوتی تھی۔ وہ ایسی مخصوص اور دل آویز خوشبو تھی۔ جس کو کسی دوسری خوشبو سے نہ تمثیل دے سکتے ہیں۔ اور نہ ایسے الفاظ ہمارے پاس ہیں جن کے ذریعہ سے اس قدر تہ تکہ کی حقیقی کیفیت کا اظہار کریں۔ مجھلا اسی قدر کہا جاسکتا ہے۔ کہ دنیا کی ہر ایک مشہور و معروف خوشبو سے آپ کے جسم اقدس کی خوشبو بالکل جداگانہ اور دلفریب تھی جس کو اکثر حلقہ بگوش استعارہ کے طور پر دوہن کی خوشبو کہا کرتے تھے۔

اور جس کا دماغ ایک مرتبہ بھی حضور قبلہ عالم کے جسم اقدس کی عظیم المثال خوشبو سے متاثر ہوتا تھا۔ وہ تمام عالم کی خوشبوؤں پر اس تکہ قدرت کو ترجیح دیتا تھا۔ بقول کب خوش آتی ہے اسے سنبل وریجاں کی بو جس نے سونگھی ہو گئے لگ کے گریباں کی بو اور یہ صفت بھی دیکھی گئی ہے کہ وہ قدرتی تکہ اس قدر قوی الاثر بھی تھی کہ جو کپڑا سر کا عالم پناہ کے جسم اقدس سے مس ہو جاتا تھا۔ اس میں بھی وہ خوشگوار خوشبو ایسی آتی تھی کہ اس کپڑے کو دیکھ کر گلدستہ قدرت کے پرستار فوراً کہتے تھے کہ یہ ہمارے آقائے نامدار کا ملبوس خاص ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ اس کپڑے کے واسطے نہ رنگ کی قید تھی اور نہ سوتی۔ ریشمی۔ اونی ہونے کی شرط تھی۔ نہ اس کپڑے کے لانے والوں کی کسی امتیازی حیثیت کو دخل تھا۔ کہ فلاں قوم یا فلاں مذہب کے اراکیند کا پیش کردہ تھا۔ اس لئے جسم اقدس کی خوشبو سے متاثر ہو گیا بلکہ جو کپڑا اور جس وقت جسداہر سے مس ہوا۔ وہ اس قدر تہ تکہ سے ضرور معطر ہو جاتا تھا۔

کیونکہ آپ کے احرام کا کپڑا مختلف اقسام کا ہوتا تھا۔ اور مختلف مقامات سے مختلف انجیل اور مختلف اکیثیت بلکہ مختلف الاقوام اور مختلف المذاہب حلقہ بگوش لاتے تھے۔ البتہ یہ فرق ضرور ہوتا تھا کہ ارباب ثروت حضور کے احرام کے واسطے یہ اہتمام کرتے تھے کہ ان کا کپڑا قیمتی بھی ہوتا تھا۔ اور مختلف پھولوں کے رنگوں میں رنگے ہوئے اور مختلف عطریات سے بے ہوتے ہوتے تھے اور غریب ارادتمند سرکار عالم پناہ کا احرام اپنے ہاتھ سے معمولی رنگ میں رنگ کر بغیر عطر لگائے پیش کرتے تھے۔

اسی لئے جملہ احرام کا کپڑا جس طرح مختلف قسم اور مختلف قیمت کا ہوتا تھا۔ اسی طرح مختلف اللون اور مختلف قسم کی خوشبو سے معطر بھی اور غیر معطر بھی ہوتا تھا۔ غرض ہر حیثیت سے ہر ایک احرام میں صریح امتیاز اور بدیہی فرق ہونا لازماً تھا۔

اور چونکہ حضور قبلہ عالم کے مزاج ہمایوں میں غربانوازی کی شان نمایاں طور پر پھٹی۔ اس واسطے جس طرح احرام کے قیمتی اور معطر احرام آپ قبول فرماتے تھے۔ اسی طرح غریب ارادتمندوں کے معمولی۔ اور غیر معطر احرام آپ باندہ لیتے تھے۔

اور کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ دو چار احرام پھوڑے پھوڑے عرصہ کے بعد بدلے نہ جاتے ہوں۔ جس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ کسی احرام کو جسم اقدس کی موصلت کا شرف چار پانچ گھنٹے سے زیادہ نہیں حاصل ہوتا تھا۔

مگر یہ واقعہ ہے کہ اس مجموعہ صفات کے جسم اقدس کی خدا واد نکہت کا یہ تصرف تھا کہ اس قلیل عرصہ کے اتصال سے وہ مختلف مقام کے اور مختلف رنگوں میں رنگے ہوئے۔ اور مختلف عطریات سے معطر۔ اور غریبوں کے معمولی اور غیر معطر احرام ایک صفت مساوات سے ایسے موصوف ہو جاتے تھے کہ ان کی پہلی مختلف خوشبوئیں قطعی مغلوب بلکہ غیر متمیز ہو جاتی تھیں۔ اور ہر ایک کا آثار اس قدر ترقی نکہت سے معطر ہو جاتا تھا۔ اور ایک دگر غریب خوشبو سب میں یکساں آتی تھی جو گلدستہ صنعت الہی کے جسم اقدس کی مستقل خوشبو تھی۔

لیکن ہم نے اس زمانہ کے عجیب و غریب واقعہ کی یہ متفقہ شہادت دی ہے جس کا اب عہد ماضی میں شمار ہے۔ اگر ناظرین کو اس جلیل القدر صفت کی عظمت و اہمیت کے اعتبار سے ہنوز کافی اطمینان نہ ہو۔ اور تجلیات ایسی دلیل کے متقاضی ہوں۔ جو آج بدیہات سے پیش کی جائے تو باوجود ہماری شہادت مذکورہ بالا تعداد شاہدین کی رویت ہے۔ اور یہ لحاظ قانون شریعت جس کو تو اتر کا مرتبہ حاصل ہے۔ اس کے گزر جانے کے بعد کسی اور جدید ثبوت کے ہم محتاج اور پابند نہ تھے۔ مگر آپ کی تشفی کے واسطے یہ عرض کروں گا۔ کہ موجودہ زمانہ میں بھی ہمارے سیدالسادات آقائے ذی صفات کے جسم اقدس کی اس انوکھی خوشبو کے اثرات و برکات بدستور جاری ہیں۔ اور ہر شخص چشم خود اس دلفریب نکہت کا تصرف آج بھی اسی طرح مشاہدہ کر سکتا ہے۔ جس طرح چونتیس سال قبل ہماری آنکھیں روزیہ کرشمہ دیکھتی تھیں۔

چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ ہر سال میلہ کا تکبیر اعلیٰ اور ادنیٰ طبقہ کے افراد کا غیر معمولی ہجوم ہوتا ہے اور ہزاروں زائرین مزار اقدس پر چادریں چڑھاتے ہیں۔ جن میں تقریباً فی صدی پانچ چادریں ایسی ہوتی ہیں جو معتقدین اپنے مکان سے تیار شدہ لاتے ہیں۔ وہ رنگین اور قیمتی بھی ہوتی ہیں۔ اور مختلف قسم کا عطر بھی ان میں لگا ہوتا ہے۔ ورنہ پچانوئیں چادریں جو قرب و جوار کے ہندو مسلمان پیش کرتے ہیں۔ ان کی حیثیت یہ ہوتی ہے کہ میلہ ہی میں بزاز کی دکان سے۔ دو ڈھائی گز کپڑا لیکر شہرہ نی کے ساتھ مزار اقدس پر چڑھا دیتے ہیں جن میں عطر وغیرہ لگانے کا مقررہ کوئی انتظام نہیں ہے۔ اور ان چادروں کو صرف چند گھنٹہ اس سنگی لوح مزار سے اتصال رہتا ہے۔ شب کو یہ ہزاروں چادریں جب مزار پر انور سے علیحدہ کی جاتی ہیں تو ان کی پہلی ماہیت بالکل تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور جلد چادریں رنگ مسادات میں ایسی رنگ جاتی ہیں کہ معطر اور غیر معطر چادروں میں ایک ہی قسم کی وہ مخصوص خوشبو آتی ہے۔ جو حضور قبلہ عالم کے جسم اقدس کی نکہت تھی۔ **فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝**

الغرض ہمارے سرکار عالم پناہ کا جسم اقدس صفات آلہی کا گلدستہ اور کمالات خداوندی

کا مجموعہ تھا جس کی عدیم النظیر خوشبو نے اہل عالم کو اپنا شیفتہ اور فریفتہ کر لیا۔ اب اگر غلامان وارثی فخر و مباہات کے ساتھ بلبل شیراز کے ہم نوا ہو کر یہ عرض کریں تو بے محل نہ ہوگا۔

طبیبہ عطر گل و درج عبیر افشانش فیض یک شمع زبوسے خوش عطر رنست
طریقہ بیعت | علیٰ ہذا سرکار عالم پناہ کے صفات کی تعریف جس طرح ہمارے حد امکان سے باہر ہے۔ اسی طرح اس کا بھی اعتراف ہے کہ ہمارے واسطے طریقہ بیعت جو تجویز فرمایا۔ وہ بھی ایسا جامع اور وسیع المعنی ہے جس کی پوری تشریح کرنا تو ناممکن ہے۔ مگر اس کے قواعد اور ضوابط کے ظاہری مفاد و منفعت بقدر استعداد نگارش کرتا ہوں۔

چنانچہ حضور قبلہ عالم کے حلقہ ارادت میں داخل ہونا یہ شرف ایسا ہے کہ جس میں بغیر کسی فرق و امتیاز کے تمامی مریدین کی مساوی حیثیت ہے۔ کیونکہ اطاعت مرشد جو بیعت کی اصل یا بیعت کی شرط خاص ہے۔ اس کا اقرار جملہ ارادتمندوں نے بطریق واحد کیا۔ لیکن حلقہ غلامی میں داخل کرنے کے وقت سرکار عالم پناہ نے کیا فرمایا۔ وہ ضرور قابل ذکر۔ اور لائق غور ہے۔

لہذا یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مزاج ہمالیوں کو عموماً طوالت ناپسند تھی۔ مزید براں آپ کا جوش عشق اور غلبہ استغراق کب اس کا مقتضی تھا کہ قریب قریب ہمہ وقت بیعت لینے میں مصروف رہتے۔ شاید اسی لحاظ سے بیعت کے قواعد و وجہ میں آپ نے اختصار فرمایا جس کو جناب حضرت کا اجتہاد بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اکثر ارباب طریقت نے قواعد تصوف میں ترمیم و تصوف فرمایا ہے۔ مثلاً مخدومانِ حشمت نے مشائخین متقدمین کے مقرر کردہ مقامات سلوک میں کافی اختصار فرمایا۔

اور جو مراسم آپ نے ترک فرمائے۔ ان کا غیر ضروری ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ حضرات صوفیہ نے بیعت لینے کے وقت ایک ہی صورت نہیں اختیار فرمائی۔ بلکہ بیعت کے قواعد و وجہ میں بہت اختلاف ہے۔ مثلاً ایک طریق صوفیہ میں بیعت لینے کے وقت خطبہ کے ساتھ جو دعائیں پڑھتے ہیں دوسرے سلسلہ میں دیگر ادعیہ قواعد بیعت میں داخل ہیں۔ بعض نے بیعت کے وقت شجرہ بزرگان طریقت کا پڑھنا ضروری سمجھا ہے۔ ایک گروہ نے موتراشی کو بھی لازمی گردانا ہے۔ کسی خاندان

میں کلاہ و خرقہ پوشی بھی ایک شرط ہے۔ کسی خانوادہ میں جام نوشی بھی قواعد بیعت میں داخل ہے۔ لہذا ان سب امور کو بیعت کے واسطے اگر ضروری مان لیا جاوے۔ تو ہر سلسلہ کے متبعین کو دوسرے سلسلہ کے مریدین کی بیعت ناقص معلوم ہوگی۔ اس واسطے کہنا پڑتا ہے کہ یہ مراسم اصول بیعت میں داخل نہیں۔ بلکہ فروعات ہیں۔

انہیں بہات سے محققین ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ اصول بیعت میں صرف توحید حضرت احدیت کی تصدیق اور اطاعت مرشد کا اقرار ہے اور جملہ قواعد و وجہ فروعات حسنہ ہیں و نیز مشائخ عظام یکساں متابعت کرتے۔

بلکہ سیرت ارباب طریقت کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عہد رسالت سے چند صدیوں کے بعد یہ قواعد بیعت رائج ہوئے ہیں۔ چنانچہ صاحب کتاب معدن المعانی نے حضرت مخدوم شیخ شرف الدین بکھی منیری علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد صفحہ ۶۴ میں نقل کیا ہے: "در عہد رسول علیہ السلام حلق و قصر و بیعت بدین ہیت نہ بود۔ خواجہ جنید از خود ابداع کردہ است۔" قرینہ ہے کہ اسی خیال سے حضور قبلہ عالم کی اختصار پسند طبیعت نے یہ تجویز فرمایا کہ قواعد و وجہ کا خلاصہ مگر اصول بیعت کے مطابق۔ مرید سے یہی اقرار لینا کافی ہے کہ "ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا۔ پنجن پاؤں کا خدا رسول کا۔" اور بقیہ فروعات کو شرائط بیعت نہیں جانا۔

لیکن بیعت کی دوسری شرط یعنی اطاعت پیر یہ کسی قدر تصریح طلب ہے۔ اور یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ اطاعت پیر سے صرف ہاتھ پکڑنا اور قد مبوسی کرنا مراد نہیں ہے۔ چنانچہ اطاعت دو قسم پر منقسم ہے جسمانی اور روحانی۔ اور جو اطاعت بیعت کے واسطے مشروط ہے۔ وہ ہر دو صفات سے موصوف ہے۔ اس لئے مرید کو لازم ہے کہ پیر کے احکام ظاہری کی اتباع کا بھی مستقل تہیہ کرے۔ اور بیعت کے وقت پیر کی محبت بھی قلب میں جاگزیں ہو۔ اس واسطے کہ وہ جملہ عقائد جن کا مرید کو ہمیشہ سختی کے ساتھ خیال رکھنا لازمی ہے۔ وہ پیر کی محبت پر محمول ہیں۔

مثلاً پیر کو موجودہ تمام عالم سے بہتر سمجھنا لازمی ہے۔ یہ بغیر محبت کے ممکن نہیں۔ کیونکہ محبت ہی کا یہ خاصہ ہے کہ محب اپنے حبیب کو تمام عالم سے افضل جانتا ہے۔ یا جس چیز کو پیر سے نسبت ہو۔ اس کا نقصان بیان کرنا قطعاً ممنوع ہے۔ یہ خیال بھی بغیر محبت کے قائم نہیں ہو سکتا یا تصور پیر۔ جو مرید کے واسطے بہت ضروری ہے۔ یہ بھی مقتضای محبت ہے۔

چنانچہ امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے طبقات الکبریٰ میں شیخ عدی بن مسافر اموی علیہ الرحمۃ کا جو شانین شام کے صدر اور امام تھے یہ قول نقل فرمایا ہے کہ "تم اپنے پیر سے فائدہ نہیں لٹا سکتے۔ مگر اس صورت میں کہ محبت ہو۔ اور تمہارا اعتقاد اس کی نسبت ہر اعتقاد سے زیادہ ہو۔ اور صاحب قواعد الفوائد لکھتے ہیں کہ "ارادت و بیعت عبارتیں از عشق و محبت پیر" اور ہمارے حضور قبلہ عالم کے ایک مشہور ملفوظ کا جس کا آئندہ ذکر آئے گا۔ آخری حصہ یہ ہے کہ "چار سو یا فا کرو ب۔ جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

بے محبت خدا نہیں ملتا۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "پیر کی محبت مرید کا دین ہے"۔

ان ارشادات کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ مرید کا محبت کے ساتھ رجوع ہونا۔ اہل بیعت،

شاید اسی وجہ سے سرکار عالم پناہ سے جس طرح بیعت کے قواعد مروجہ کی تقلید ضروری

نہیں سمجھی۔ اسی طرح جب صاحب ارادت نے محبت سے رجوع کیا۔ تو اسی کی محبت ہی اس

کی بیعت کے واسطے کافی تصور ہوئی۔ گو بظاہر حضرات صوفیہ کی سنت جاریہ کا بھی لحاظ کیا اور

مرید کا ہاتھ بھی بکڑا۔ اور خلاصہ طور پر شرائط بیعت کا بھی اقرار کیا۔ بلکہ اکثر انابت و استغفار بھی

بایں تصریح پڑھا کہ ہاتھ چھوڑا اسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَخَطِيئَةٍ وَأَتُوْبُ بِلَيْتِيْ اِقْرَارًا بِاللِّسَانِ وَتَصَلِّيْ بِالْقَلْبِ

یہ بھی دیکھا ہے کہ کبھی اس عبارت میں اور اختصار فرمایا۔ یا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اہل راد

کے صرف رجوع پر یہ فرمایا کہ تم مرید ہو گئے۔ اس انداز سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس اراد مند کی

محبت کا جو اقتضا ہوا۔ اسی قدر اس کی بیعت میں اہتمام فرمایا جس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ

بیعت کے لئے صرف ہاتھ بکڑنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ شرط اول محبت ہے۔

بیعت عباسیہ | یہ بھی واقعہ ہے کہ اکثر حضور قبلہ عالم نے اہل ارادت کی غائبانہ بیعت لی ہے

اور متعدد حلقہ نگوش ایسے ہیں جو بذریعہ خط کے خواستگار ہوئے۔ اور آپ نے ان کی ہمدعا قبول فرمائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے فقیر حاجی اوگھٹ شاہ صاحب نے ایک منظوم عرض پیش کیا جس میں بیعت کی استدعا تھی۔ آپ نے فرمایا۔ لکھ دو۔ اگر "محبت ہے تو مرید ہیں" اور بعض نے عالم رویا میں بیعت کی۔ اور یہ واقعہ جب عرض کیا۔ تو جناب حضرت نے اس بیعت کو قائم رکھا۔ لہذا یہ واقعات دلیل ہیں کہ بیعت کے واسطے خلوص ارادت و محبت کافی ہے۔ حضور قبلہ عالم کے تصرفات باطنی و برکات معنوی کی یہ شان بھی دیکھی ہے کہ آپ نے گزشتگان مابین کی ارادت ان کے ورثا کی استدعا پر اکثر قبول فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سید نادر شاہ صاحب متوطن مضافات گیارے نے یہ عرض کیا کہ میرے خاندان میں ایک بی بی بہ سبب بعد مسافت حاضری سے قاصر ہیں۔ مگر بیعت کی تمنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "وہیں رہیں ہم نے مرید کر لیا" شاہ صاحب موصوف نے یہ عنایت دیکھی۔ تو تسلی ہوئے کہ میرے لڑکوں کو بھی مرید کر لیا جائے۔ ارشاد ہوا کہ "اچھا سب کو مرید کر لیا" جب دریا سے فیض کا یہ جوش دکھا تو موصوف نے دست بستہ عرض کیا کہ میرے بزرگان مابین کو بھی داخل بیعت فرمائیے۔ آپ نے متبسم لبوں سے فرمایا۔ "اچھا سب کو مرید کر لیا"

علیٰ ہذا ایک مرتبہ قاضی منیر عالم صاحب مختار در بھنگہ نے عرض کیا کہ مجھ کو تو شرف غلامی نصیب ہوا۔ مگر میرے آباؤ اجداد اس نعمت سے محروم ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "ان کو بھی مثل اپنے ہمارا مرید سمجھو" قاضی صاحب نے یہ شفقت وارنی دیکھی تو مستعدی ہوئے کہ میرے خاندان میں جو آئندہ پیدا ہوں۔ وہ بھی ظل حایت وارنی میں آجائیں۔ ارشاد ہوا۔ منیر عالم محبت سے سب ہو سکتا ہے۔ اچھا ان کو بھی مرید کر لیا"

ان ارشادات سے ظاہر ہے کہ اس طرز بیعت کا بھی دار و مدار محبت ہی پر موقوف رہا۔ اگرچہ بیعت کا یہ قاعدہ بظاہر عجیب بلکہ بعید از عقل معلوم ہوتا ہے۔ مگر نہیں۔ یہ روحانی

قوت اور محبت کی زبردست نسبت کا کرشمہ ہے۔ کہ وہ امور جن کے سمجھنے میں ہمارے ادراک قاصر ہیں۔ وہ بھت محبت سب ہو سکتے ہیں چنانچہ کتب سیر میں بعض صاحب قوت بزرگانِ طرقت کے حالات میں ایسے واقعات منقول ہیں

جیسا کہ صاحب سبع سنابل نے لکھا ہے کہ سید فتن نے حضرت مخدوم شیخ صفی علیہ الرحمۃ سے عرض کیا کہ فرزند زینہ پیدا ہوا ہے۔ لہذا آپ اس کو کلاہ و شجرہ مرحمت فرمائیں (اس سلسلہ میں کلاہ پوشی شرائط بیعت میں داخل ہے) حضرت مخدوم نے کشف باطنی سے دریافت فرمایا کہ سید فتن کے آئندہ پانچ لڑکے ہوں گے۔ اور میں اس وقت تک نہ رہوں گا۔ پس پانچ کلاہ و پانچ شجرہ حاضر کر دو۔ و فرمود کہ ہر پانچ لڑکے پر اس شمارا مرید کر دویم۔ بعد از مدتی حضرت مخدوم فوت شد و در خانہ سید فتن پانچ پسر متولد شدند۔ ازین معلوم شد کہ پیش تولد مردم نیز انابت و ارادت درست است۔“

اور صاحب سبع سنابل نے سنبہ دویم میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم شاہینا علیہ الرحمۃ نے ایک شخص کو اس کے مرجانے کے بعد کلاہ و شجرہ مرحمت فرمایا۔

اور قاضی محمود کنٹوری نے تذکرہ المتقین میں حضرت بدیع الدین قطب المدار علیہ الرحمۃ کے سفر جوہنور کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ”شہاب الدین درہنگامہ سفر عرض کر دو کہ در افادہ بیعت خلق اللہ چہ حکم می شود۔ فرمودند۔ ہر کہ بحضور ما بشرف ارادت مشرف گشت۔ اور اتنا ہفت پشت قبول کر دویم۔ و ہر کہ بغیبت ما بامیدارادت دست صادق ما خواہند بوسید۔ ویرا نیز تا ہفتے اولاد برگزیدیم۔“

لہذا مخدوم شیخ صفی علیہ الرحمۃ کا فرزندوں سید فتن کی بیعت قبل ولادت قبول فرمانا۔ اور حضرت مخدوم شاہینا قدس سرہ کا ایک مردہ کو مرید کرنا۔ اور حضرت قطب المدار علیہ الرحمۃ کا اپنے مرید کی ہفت پشت قبل و ہفت پشت آئندہ کی ارادت کو قبول کرنا۔ اس کی کافی دلیل ہے کہ غالباً نہ بیعت بھی جائز ہے۔ اور ہادیان راہ طریقت کے تصرفات باطنی سے غیر موجودہ ارادتمند بھی مستفید ہوتے ہیں جس کی بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مرید کی عقیدت اور

محبت۔ اور پیر کے فیض و تصرفات کو قلب اور باطن سے سروکار ہے۔ جو عین کوشش و روحیت اور روحانی تعلقات اس عالم مثال میں اسی نسبت سے ہوتے ہیں۔ جو عالم ارواح میں قائم ہو چکے ہیں۔ اور وہ روہیں جو عالم ارواح میں مقبولان ایزوی کے فیضان سے مستفید ہو چکی ہیں۔ ان کی ارادت بدستور قائم رہتی ہے۔ کیونکہ رہنمایاں کامل ان کے نگراں۔ اور معین الحال رہتے ہیں۔ اور جب اس عالم مثال میں تشریف لاتے ہیں۔ تو ان کو اپنی بیعت میں داخل فرماتے ہیں یہی سبب ہے کہ کبھی بقید اجسام۔ اور کبھی غائبانہ محض روحانیت سے ان کی ارادت اس عالم میں قبول کرتے ہیں۔ اور جس طرح شخص موجود کو اپنے فیض سے مستفیض کرتے ہیں۔ اسی طرح شخص غیر موجود کو یا گزشتہ یا آئندہ نسلوں کو بھی اپنے فیض سے فائز المرام کرتے ہیں۔ لیکن یہ انہیں ذی اقتدار اور صاحب اختیار ہستیوں کا منصب ہے جو عنایت وہی سے سرفراز ہیں۔

چنانچہ امام عبدالوہاب شرعی علیہ الرحمۃ طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ سہیل بن عبداللہ ستیری علیہ الرحمۃ فرماتے تھے کہ میں اپنے مریدوں کو روز الست سے پہچانتا ہوں۔ اور اسی روز سے میں اپنے مریدوں کی تربیت کرتا ہوں اور وہ صلبوں میں تھے۔ مگر تجھ سے پوشیدہ نہ تھے۔ علیٰ ہذا حضور قبلہ عالم کے بھی بعض واقعات و ارشادات کا یہی مفہوم ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایام میلہ کا تک میں چند معتقدین نے بیک وقت حاضر خدمت ہو کر حصول شرف بیعت کی استدعا کی۔ جناب حضرت نے تین یا چار ارادتمندوں سے اقرار اطاعت لے کر داخل بیعت فرمایا۔ لیکن اس کے بعد ایک طالب کا ہاتھ پکڑا۔ تو فوراً چھوڑ دیا۔ اور مسکرا کر فرمایا کہ ”اب بیعت کی کیا ضرورت ہے۔ تم کو تو روز ازل سے محبت ہے۔“

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب حضور قبلہ عالم بانگی پور تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے معزز حضرات حلقہ بگوش ہوئے۔ اسی وقت سے مولوی محمد آسن صاحب جو معمر اور نہایت مقتدر شخص تھے۔ بکمال خلوص اور شوق ارادت ہمیشہ حاضر خدمت ہوتے رہے۔ مگر سرکار عالم پناہ نے ان کو مرید نہیں فرمایا۔ آخر مولوی عبدالکریم صاحب نے سفارش کی۔ تو ارشاد ہوا کہ ”بیعت کی کیا

ضرورت ہے۔ ان کو تو ازل سے ارادت اور محبت ہے۔ اور اگر یہی خوشی ہے تو
آؤ۔ ہاتھ پکڑ لو۔“

ان ارشادات سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اصل بیعت ارادت اور محبت پر ہے۔ اور علاوہ
اس کے جس قدر قواعد بیعت مروج ہیں وہ مفید ضرور ہیں۔ مگر نہ لازمی۔ اگر ان کی بھی پابندی کی
جائے تو مضائقہ نہیں۔ کیونکہ شعائر صوفیہ ہیں۔ ورنہ ان کے ترک سے بیعت میں کوئی نقصان نہیں آتا۔
اگر یہ خیال ہو کہ اطاعت مرشد کے بعد اطاعت پختن پاک کو کیوں لازمی گردانا۔ اس کی
نسبت بیعت عدم اہلیت اسی قدر عرض کروں گا کہ یہ مسئلہ نہ قابل تقریر و تصریح ہے۔ نہ لائق ورج
سفینہ۔ ایسے ہی مسائل کے اظہار کے لئے حافظ شیراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

احوال شیخ وقاصی و شرب الیہودشان کہ دم سوال بجدم از پیرے فروش
گفتا کہ گفتیست سخن گر چہ مشرعی درکش زبان و پر وہ نگہدار دے بنوش
اسی قدر سمجھنا ہمارے واسطے کافی ہو گا کہ حضور قبلہ عالم کا نسب کہاں صحت حضرات پختن پاک
سے ملتا ہے۔ چنانچہ اکثر آپ نے فرمایا ہے کہ ہمارے بزرگ سادات ینشا پوری تھے۔ اور
ہماری غیر خاندان سے مناکحت نہیں ہوئی۔ علاوہ اس کے آپ کو حضرات پختن سیرو عانی
نسبت بھی بیعت قوی تھی۔ بلکہ اسی قوی نسبت کا یہ اثر تھا کہ ارادتمندوں سے اپنی اطاعت کے
ساتھ اطاعت پختن کا بھی اقرار لیا۔ جو عین بندہ نوازی کی شان تھی کہ ہم غلاموں کو اپنے اجداد اجداد
کے سپرد فرمایا۔ اور ہاتھ پکڑ کے وہاں پہنچایا۔ جہاں ہمارے دم و خیال کی بھی رسائی نہ تھی۔
یا اس کا سبب یہ ہو کہ اکثر حضور قبلہ عالم نے فرمایا ہے کہ ہمارا مشرب عشق ہے۔ اور
حقیقت یہ ہے کہ سلسلہ عشق حضرات پختن پاک پر ختم ہوتا ہے بقول مولانا علیہ الرحمۃ۔ ”ع
عشق امیر المؤمنین حیدر بود۔“ اس لحاظ سے یہ کہا جائے گا۔ کہ اپنے مشرب خاص کے بزرگان سلسلہ
کی اطاعت کا اقرار لیا۔ اور ہر ایک حلقہ بگوش کو ان مقبولان الہی کی حمایت میں دیا جو سر شہید عشق ہیں
جس سے آپ کے عشق کامل کا بھی نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے۔

حالانکہ جملہ حضرات صوفیہ کا مسلک عشق سے ماخوذ ہے۔ اور کوئی ساکب وادی طریقت
ایسا نہیں ہے جس نے عشق کو اپنا خضر راہ نہ بنایا ہو۔ مگر حضور قبلہ عالم نے عشق کی دشوار گزار گھاٹیاں
ایسے ثبات و استقلال سے طے فرمائیں جس کی نظیر چند صدیوں کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ حتیٰ کہ لوازمات
عشق کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا۔ بلکہ ہر ایک کو اتمام و اختتام کی حد تک پہنچا دیا۔

ذکر شجرہ طریقت اور بعض آمارات اور ارشادات سے کما حقہ ثابت ہوا کہ حضور قبلہ عالم کو افاضہ
عشق کامل بغیر کسی واسطہ کے بارگاہ مرتضوی سے براہ راست ہوا۔ جس کا ذکر اس مجموعہ میں مجملاً آچکا
ہے۔ اور دیگر مؤلفین سیرت و ارثی نے بھی مختلف عنوان سے نگارش کیا ہے جس کے اعادہ کی ضرورت
نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ یہ واقعہ ایسا نمایاں ہے جو صراحت کا محتاج نہیں۔ لیکن سلسلہ بیان کے اعتبار
سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بظاہر سلسلہ قادریہ رزاقیہ۔ اور چشتیہ نظامیہ سے آپ کو صغریٰ میں
تعلق ضرور ہوا۔ مگر کبھی آپ نے غلاموں کی بیعت میں سلاسل مذکورہ کے قواعد و وجہ کی تقلید نہیں
فرمائی۔ پس اگر مشرب عشق میں جو آپ کا خاص مسلک ہے بے واسطہ فیض حاصل نہ ہوتا۔ تو لازمی
تھا کہ مثل دیگر مشائخین عظام آپ بھی پیران طریقت کا پورا اتباع فرماتے

انیکہ از لغزش مستانہ نمی اندیشد میتواں یافت کہ دل تکیہ بجائے دارد

علیٰ ہذا صوفیائے کرام مریدین کو شجرہ پیران طریقت دیتے۔ اور اس کے درود کی ہدایت
فرماتے ہیں۔ لیکن حضور قبلہ عالم نے کبھی یہ اہتمام نہیں فرمایا۔ نہ کسی حلقہ بگوش کو مرید کرنے کے وقت
شجرہ دیا۔ اور نہ کسی کو شجرہ کے داخل اور ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ بلکہ شجرہ قادریہ چشتیہ جو دربار
وارثی میں خدام تقسیم کرتے تھے۔ ان کی ابتداء بقدر واقعیت نگارش کرتا ہوں۔

دیوی شریف کے معر حضرات کا عموماً یہ قول تھا کہ ۱۲۶۷ھ ہجری تک دربار وارثی میں
شجرہ کا وجود بھی نہ تھا۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ حضرات کس دلیل سے یہ فرماتے تھے۔ لیکن میری
پیدائش چونکہ ۱۲۸۱ھ ہجری کی ہے۔ اور تیرہ چودہ سال کی عمر کے حالات اکثر مجھے یاد ہیں۔ اس
اعتبار سے میرا اندازہ یہ ہے کہ ۱۲۹۲ھ ہجری تک حضور قبلہ عالم کے شجرہ پیران طریقت کا ذکر

بھی نہیں سنا تھا۔

اور جس طرح خلاف طریقہ مروجہ سرکار عالم پناہ نے مریدین کو شجرہ نہیں دیا۔ اسی طرح غیر معمولی صورت یہ پیش آئی کہ طبقہ مریدین میں بھی کوئی شخص شجرہ کا طلبگار نہیں ہوا۔ جس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو چونکہ صرف اپنے مفیض سے سروکار تھا۔ لہذا اسی نسبت کے اثر سے مریدین کو بھی ایک ہی ذات محمود الصفات سے واسطہ رہا۔ اور شجرہ نہیں طلب کیا۔

چنانچہ میرے خاندان میں کسی کے پاس شجرہ نہ تھا۔ اور آج بھی جو قدیم حلقہ بگوش باقی ہیں ان کے پاس نہ شجرہ ہے اور نہ ان کو اس کی جستجو ہے کہ ہم کس سلسلے میں مرید ہونے بلکہ بعض معراخوان ملت سلسلے کی تصریح کی تو جواب میں بکمال فخر و بہا بات یہی فرمایا کہ ہم اسی قدر جانتے ہیں کہ وارثی ہیں۔

لہذا میرا خیال یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ۱۲۹۵ھ ہجری میں رحیم شاہ صاحب خادم خاص نے شیخ بوعلی صاحب تعلقدار سے جو حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب اعلیٰ اللہ مقالہ کے مرید تھے۔ شجرہ قادر یہ و چشتیہ لاکر حضور قبلہ عالم کو دکھایا۔ اور عرض کیا کہ آپ کا نام بھی اس میں لکھ دیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ لکھ دو۔ پس وہ شجرے بیاض میں نقل بھی ہوئے۔ اور منشی خدابخش صاحب۔ شائق۔ دریا آبادی نے شجرہ قادر یہ نظم بھی کیا۔ اور مولوی محمد بکھی صاحب وکیل و رئیس عظیم آباد نے ہزاروں کی تعداد میں اس کو چھپوایا۔ اور جب سرکار عالم پناہ بانگی پورہ تشریف لے گئے۔ تو دیگر تحائف کے ساتھ وہ مطبوعہ شجرہ بھی آپ کے سامنے پیش ہوا۔

حضور قبلہ عالم نے جس طرح دیگر تحائف حاضرین پر تقسیم کرائے۔ اسی طرح وہ شجرہ بھی کسی کو دیا کسی کو نہیں دلا اور بقیہ کی نسبت مولوی عبدالکریم صاحب متوطن شیخ پورہ سے فرمایا "یہ تم لے جاؤ" اس واقعہ کے عینی شاہد اکثر ہنوز موجود ہیں۔

بعدہ یہ شجرے مختلف عنوان سے نظم بھی ہوئے۔ اور چھپوائے بھی گئے۔ اور خدام تقسیم بھی کرتے تھے۔ مگر اس کو ملنا تھا۔ جو طلب کرتا تھا۔ یہ انتظام اس وقت بھی نہ تھا کہ جو داخل بیعت ہو۔ اس کو شجرہ ضرور دیا جائے۔

چونکہ حضور کے برادر نسبتی حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب قدس سرہ نے
صغریٰ میں آپ کی نگاہداشت کی اور اسی زمانہ میں آپ کو مرید فرمایا۔ اس لئے سلسلہ قادریہ
وحشیہ سے آپ کو جو تعلق تھا۔ اس لحاظ سے شجرہ وجودیوں نے لکھا اور چھپوایا۔ اس کی
تقسیم کو بھی جائز رکھا۔ لیکن مثل مشائخین عظام شجرہ دینے۔ اور اس کے درود کی ہدایت کو لازمی
نہیں متصور فرمایا۔ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو شجرہ پیرانِ طریقت دینے کا اہتمام نہ کرنا
اس کی بنیادیں ہیں کہ آپ کو بغیر کسی واسطہ اور توسل کے افاضہ ہوا۔

غرض حضور قبلہ عالم کے ملفوظات و نیز عادات و آثار کے مفہوم سے بخوبی ثابت
ہوتا ہے کہ آپ کو بلا واسطہ حضرت خاتم الولاۃ الکبریٰ دائرۃ المقاصد و المطالب مولا و مولیٰ
اکمل اسد اللہ الغالب۔ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے فیض باطنی حاصل
ہوا۔ اسی وجہ سے نہایت قوی اور ممتاز نسبت آپ کو حضراتِ پنجتن سے تھی جو دیگر صوفیہ
میں عام طور سے نہیں پائی جاتی۔ اور یہی سبب تھا کہ آپ کے جوش میں خاص قسم کی کشش اور
کیفیت میں غیر معمولی اثر تھا۔

حالانکہ جملہ مقربین حق کو افاضہ بارگاہ مرتضوی سے ہوا۔ اور ہوتا ہے۔ اور ہوگا۔ مگر
دیکھا یہ گیا ہے کہ وہ فیض جو پیرانِ طریقت کے توسل سے پہنچتا ہے۔ اس میں۔ اور فیض
بلا واسطہ میں بدیہی امتیاز ہوتا ہے۔ چونکہ اول الذکر میں حجابِ حائل ہوتے ہیں۔ اس لئے
وہ خصوصیت نہیں ہوتی جو بغیر حجابِ حائل ہونے میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ نور آفتاب
جب بے حجاب ہوگا۔ تو نہایت شفاف ہوگی۔ اور جب ایک شیشہ کے حجاب سے
دیکھا جائے گا۔ تو گو شیشہ مصفا ہوتا ہے۔ مگر اس نور میں گونہ تکدر ہوتا ہے۔ چہ جائزہ
چند حجاباتِ حائل ہوں۔ تو کیوں وہ شان رہے گی۔ جو نور بلا حجاب میں ہوتی ہے۔
اور تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خاصانِ خدا فیض بلا
سے مستفیض ہوئے ہیں۔ ان کے احوال بمقابلہ دیگر بزرگانِ دین کے زیادہ روشن اور

تھے۔ مثلاً حضرت بدیع الدین قطب المدارس علیہ الرحمۃ کی مقدس سیرت کا مطالعہ بہ نظر تامل کرتے ہیں تو آپ کے جملہ صفات کو خصوصیات عالی نہیں پاتے اس کا سبب یہی تھا کہ آپ کو بار و واسطہ حضرت خاتم الرسالت صلعم سے افاضہ نصیب ہوا جس کی تصریح اور آپ کے جلال و عظمت کی تفصیل کتاب تحفۃ الابرار فی مناقب قطب المدارس صنف شاہ عزیز الدین سنیۃ الاولیاء مصنفہ مرزا دار الشکوہ اور کتاب الاکمال فی اسرار الرجال مصنفہ شاہ عبدالحی صاحب محدث دہلوی اور رسالہ ایمان محمودی مصنفہ قاضی محمود کنٹوری اور بحر المعانی وغیرہ میں مسطور ہے اور صاحب الطائف اشرفی لکھتے ہیں کہ جب قطب المدارس مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو بڑھاپے سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صفار باطن اور امیر گشت آنحضرت صلعم کمال مہربانی خود دست او گرفتہ اسلام حقیقی تعلیم فرمودند۔ دبر و عاقبت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سپردند اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ پس شاہ مدار حسب الحکم و در نجف اشرف رفتہ و کار خود تمام کردہ۔ باز بہ مکہ آمدند۔

علی ہذا محمد ابو المواہب شاذلی علیہ الرحمۃ جو مصر کے نہایت ابرار اور صاحب جوش بزرگ تھے جنہوں نے موشحات ربانیہ نظم کئے ہیں اور اکثر حالت مسکریں رہتے تھے۔ ان کی کتاب قانون اور شرح الحکم سے امام عبدالوہاب شمرانی نے ان کا یہ قول طبقات الکبریٰ میں نقل فرمایا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیعت لی۔" وَالْبَسْنَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِرْقَةٌ التَّصَوُّفِ " کہ مجھ کو خرقہ تصوف پہنایا۔

اور یہ بھی امام موصوف نے اپنی اسی کتاب میں لکھا ہے کہ سید ابراہیم متبولی علیہ الرحمۃ جو اپنے وقت کے مشائخین کے امام اور صاحب دوائر کبریٰ تھے۔ ان کا رسول اللہ کے سوا کوئی پیر نہ تھا۔ اور وہ بیداری میں آنحضرت صلعم سے اپنے معاملات میں مشورہ کرتے تھے۔ اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ کو علاوہ ان فیضان کے جو توسل سے حاصل ہوئے بغیر کسی واسطہ کے بھی افاضہ ہوا ہے۔ چنانچہ صاحب مراۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ "شیخ اکبر بے واسطہ خرقہ از دست خضر علیہ السلام نیز پوشیدہ است۔"

غرض کتب سیرتیں ایسے متعدد مقبولان احادیث کا ذکر منقول ہے جن کو بغیر توسل بیان

طریقت - بارگاہ رسالت - یا حضرت متضوی کے حضور سے فیض حاصل ہوا۔ اور ان کے علوی مرتب کا اظہار اسی طرح خلق میں ہوا جس طرح ہمارے آقائے نامدار کے ذوق و شوق عظمت و جلالت کا تقارہ دنیا کے ہر گوشہ میں بجا چنانچہ عرف صوفیہ میں اسی کو عنایت وہی کہتے ہیں اور یہی وہ مرتبہ ہے جو کسب و کوشش سے نہیں حاصل ہوتا اور اسی کو بعض فیض اویسیہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

معہذا اکثر صوفیائے کرام نے دوسرے سلسلہ کے ایسے بزرگان طریقت کے فیضان باطنی سے بطریق روحانیت استفادہ کیا ہے۔ جن کا زمانہ صدیوں پہلے تھا۔ چنانچہ حالات صوفیہ میں ایسے اوکارا اکثر مسطور ہیں جن میں سے بہ نظر اختصار اور تمثیلاً ایک مستند واقعہ نگارش کرتا ہوں۔

محقق متجرب مولانا نظام الدین صاحب فرنگی محلی نے جن کے تبحر و تقدس کا شہرہ ہے۔ مناقب رزاقیہ کے وصل اول میں مرشد الافاق حضرت شاہ سید عبدالرزاق بالنسوی قدس سرہ کے شجرہ قادریہ کی تصریح کے بعد تفسیر فرمایا ہے کہ شجرہ چشتیہ میں بطریق روحانیت جناب ممدوح کو خاص حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ سے اجازت یوں حاصل ہوئی کہ جب قصبہ موہان میں ایک شخص کی تنافی بیعت قبول فرمائی "آں مرید صادق گفت من گردیدگی بجناب خاندان چشت دارم۔ ہر چند ہمہ خاندانہا برحق و بزرگ اند۔ لیکن عقیدہ ما بایں خالوادہ تعلق گرفتہ پس آنحضرت سکوت فرمودہ گفتند کہ بحضرت خواجہ بزرگ ملاقات معنوی شد و اجازت فرمود۔ پس آن شخص مرید و طریقہ چشت شد" اس کے بعد بلا صاحب نے لکھا ہے کہ اس مرید کے لئے خاندان چشت کا شجرہ خود جناب سید صاحب نے اس ترتیب سے لکھوایا۔ الہی راز و نیاز سے کہ فقیر عبدالرزاق بتو وارد۔ آہی راز و نیاز سے کہ خواجہ بزرگ شیخ الاسلام خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ بتو وارد۔ الی آخرہ۔

مولانا ممدوح کی اس تحریر سے ظاہر ہوا کہ حضرت قطب الاقطاب سید عبدالرزاق قدس سرہ کو پہلے خاندان چشت سے تعلق نہ تھا۔ لیکن بلا واسطہ بطریق روحانیت حضرت خواجہ بزرگ سے اجازت حاصل ہوئی اس وجہ سے اپنے نام کے بعد شجرہ میں حضرت خواجہ بزرگ کا نام نامی لکھوایا چنانچہ سلسلہ رزاقیہ میں ہنوز وہی شجرہ بدستور جاری ہے۔ اس کے بعد سلسلہ چشتیہ صابریہ کی نسبت مولانا صاحب موصوف اپنے پیشوا کے

برحق کا یہ واقعہ تحریر فرماتے ہیں: "دینور قصبہ رزولی نزول فرمودہ بود۔ مردم ارادہ بہیست آوردند حضرت قدس سرہ در نظرہ آوردند کہ این قصبہ والایت شیخ احمد عبدالحق است رضی اللہ عنہ ورمزار مبارک دران قصبہ است (یزار ویتبرک) فی الحال نقاسے معنوی شد۔ برزخ مبارک اشراق شد۔ آثار اجازت ورضا لایح شدن گرفت۔"

چنانچہ شجرہ چشتیہ صابریہ میں بھی آپ کے نام کے بعد بلا واسطہ حضرت احمد عبدالحق قدس سرہ کا نام پاک مرقوم ہے جس کے دو شعر یہ ہیں۔

از طفیل عب الرزاق ولی بانسوی بہرا احمد عبدحق خضر عمراط مستوی

حرمت خواجہ جلال الدین شمس الدین ک ہم علی احمد علارالدین صابری کلیری

مناقب رزاقیہ کی اس مستند روایت سے جس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ طالبان حق کو مقتدین

بزرگان طریقت کے فیضان باطنی سے بطریق روحانیت انفاضہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح کمال و صفات یہ بھی معلوم ہوا کہ مستفیض بلا واسطہ کو بجز اپنے مفیض کے دیگر درمیانی پیران سلسلہ کے توسل کی ضرورت نہیں رہتی اور نہ مستفیض کے شجرہ میں دیگر درمیانی پیران سلسلہ کا نام ہوتا ہے۔ ہر چند کہ فیض کفایت کا زمانہ کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو۔ البتہ ماقبل مفیض جتقدر بزرگان سلسلہ ہوں گے۔ ان کے ذرائع

کی ضرورت رہتی ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ سید عبدالرزاق علیہ الرحمۃ کو جب مخدوم الملک احمد عبدالحق رود لوی قدس سرہ سے بطریق روحانیت سلسلہ چشتیہ صابریہ میں فیض اور اذن حاصل ہوا

تو باوجودیکہ حضرت مخدوم کا زمانہ آپ کے زمانہ سے دو سو سال پہلے تھا اور اس درمیان میں چند پیران سلسلہ کا واسطہ حاصل تھا۔ مگر ان کے وسیلہ کی ضرورت نہ ہوئی۔ اور کسی کا نام شجرہ میں نہیں

لکھا گیا، ہوایہ کہ جس طرح بغیر کسی توسل کے استفادہ ہوا۔ اسی طرح بلا واسطہ اپنے مفیض مخدوم الملک سے سروکار رہا۔ اور اپنے نام کے بعد حضرت مخدوم الملک کا نام شجرہ میں لکھوایا۔ لیکن

حضرت مخدوم کے قبل جو پیران سلسلہ تھے۔ ان کے ذرائع کی احتیاج باقی رہی۔ اور ان کا نام شجرہ میں بدستور قائم رکھا۔

علیٰ ہذا حضرت خواجہ بزرگ - جن کے پانچ سو برس کے بعد حضرت سید عبدالرزاق صاحب پیدا ہوئے، مگر چونکہ حضرت ہندالولی سے آپ کو اجارت بلا واسطہ نصیب ہوئی۔ اس لئے درمیان کے پیران سلسلہ کے توسط کی احتیاج نہ ہوئی۔ اور بلا واسطہ اپنے نام کے بعد حضرت غریب نواز خواجہ اجیری علیہ الرحمۃ کا نام اقدس تسمیہ کرایا۔

لہذا غور کرنے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ہمارے حضور قبلہ عالم نے اپنی غلاموں کی بیعت لینے کے وقت کمال احتیاط وہ اہتمام بھی فرمایا جو حضرات صوفیہ کی سنت جاریہ تھی یہ فروعی قاعدہ کہ بیعت کے وقت شجرہ پڑھا جائے۔ اس کو بھی نہیں چھوڑا۔ اور جس طرح حضرت شاہ سید عبدالرزاق علیہ الرحمۃ نے شجرہ میں اپنے نام کے بعد حضرت خواجہ بزرگ کا نام اور شجرہ چشتیہ صابریہ میں اپنے نام کے بعد حضرت خدوم رودلوی کا نام لکھوایا۔ اسی طرح ہمارے سرکار عالم پناہ نے۔ اس سلسلہ خاص یعنی طریق عشق کے شجرہ میں اپنے نام کے بعد ان منبع فیض و عطا کے اسمائے مبارک قائم فرمائے جو فیضان عشق کے افاضہ کنندہ تھے۔ اور یہی شجرہ اپنے مریدوں سے بیعت کے وقت پڑھوایا کہ ”ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا پختن پاک کا۔ خدا رسول کا۔“

الغرض بیعت کے قواعد و وجہ کا ایسا جامع اور مکمل خلاصہ فرمایا جس کی حیثیت ہم گہنگاروں کی سعادت نصیب ہوئی۔ کہ آپ کے حلقہ غلامی میں داخل ہو گئے۔ ورنہ حضور قبلہ عالم کا دائمی جوش اور غلبہ استغراق ہرگز اس کا متفق نہ تھا کہ ہر روز متعدد مریدین کی قواعد و وجہ کے مطابق آپ بیعت فرماتے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جملہ غلامانِ بارگاہ و ارثی کا اقرار اطاعت باللفظ اور بالمعنی ایک صورت سے ہوا۔ تو اب اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ بعد فراغ بیعت حضور قبلہ عالم نے اپنے مسترشدین کو اوراد و وظائف - ذکر و اشغال کی نسبت کیا کیا ہدایتیں فرمائیں۔

ہدایات ذکر و اشغال | لہذا واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ارشادات و ہدایات گور و زمرہ کے باخداؤں الفاظ میں صادر ہوئے مگر فی الحقیقت روحانیت سے مملو اور حقانیت سے معمور ہیں اور آپ کی ایک ایک ہدایت ہزار ہزار مفاد و منفعت سے بھری ہوئی ہے بلکہ بہ نظر نائل دیکھا جائے تو آپ کے ہدایات

کا حاصل اور حقیقی مفہوم محبت الہی کا نہایت ادق اور بہت دشوار سبق ہے۔ جس کا سمجھنا ہم کو
 محال تھا مگر حضور قبلہ عالم نے کمال شفقت اپنے ارادتمندوں کو ان کی استعداد سے زیادہ
 ان کو سمجھایا۔ اور اکثر غلاموں کو اپنی قوت کاملہ سے توفیق عمل مرحمت فرمائی۔

لیکن یہ محالات سے ہے کہ ان جملہ ہدایات کو احاطہ تحریر میں محصور کروں جن سے
 وقتاً فوقتاً مسترشدین مستفیض ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ عہد وارثی اپنی نوعیت میں فرد اور ماہیت
 میں یگانہ ہوا ہے جس کی عظمت و جلالت کا دنیا کے ہر گوشہ میں نقارہ بجا۔ اور لائق مخلوق
 آلہی شرف بیعت سے مشرف ہوئی اور ہمارے رہنمائے کامل نے ہر ایک حلقہ بگوش کو سکی
 حیثیت کے لحاظ سے ہدایت فرمائی۔ کسی کو ادائے فرائض کے ساتھ اور ادو ظائف میں
 مشغول رکھا۔ بعض آپ کے حکم سے دائم الصوم ہوئے بعض سے متعدد حج بیت اللہ
 کرانے۔ کسی کو گوشہ نشین کیا۔ کسی کو سیر و سیاحت میں مصروف رکھا۔ کسی کو ذکرِ طہی کسی کو
 خفی تعلیم فرمایا۔ کوئی تارک الدنیا اور فقیر ہوا کسی کو تجرید کا حکم دیا۔ پس کیونکر ہو سکتا ہے کہ
 میری محدود معلومات ان لاکھوں ہدایات کے مضامین بصراحت قلمبند کرے۔ بلکہ یہ کہنا
 بے جا نہ ہوگا کہ ہدایات و ارثی کی مکمل فہرست تیار کرنے کا قصد کرنا ایسا ہے۔ جیسے کوئی
 شخص عنقائے مغربی کو گھڑی میں بیٹھ کر دام تو حتم میں گرفتار کرنے کی سعی کرے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز ہیں کایجا ہمیشہ باد بدست است دام را
 البتہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ احکام نقل ہو سکتے ہیں جن کو بگوش خود سنا ہے اور
 ہنوز صفحہ خیال میں محفوظ ہیں۔ مگر غور کرتا ہوں تو بہ بلحاظ کثرت واقعات ان کی بھی تعداد زیادہ
 ہے اور وہ فرمان جن سے میرے کان آشنا ہیں۔ ان کی بھی گنجائش کی واسطے یہ مجموعہ کافی نہیں ہے۔
 اس لئے یہ نظر اختصار یہ پیرا یہ اختیار کرتا ہوں کہ اس رسالہ میں بعض ہدایات کا ذکر تو
 حضور قبلہ عالم کے حالات میں آچکا ہے۔ اور آئندہ بھی آئے گا۔ اور اکثر ارشادات کا تذکرہ
 مریدین کے واقعات میں نگارش ہو چکا ہے۔ اور ابھی اور لکھا جائے گا۔ لیکن یہ لحاظ تسلل

چونکہ اس کی ضرورت ہے کہ فرامین وارثی کا اس باب میں بھی ذکر ہو۔ اس واسطے چند نکریے ضروری احکام جن کی تعمیل بغیر کسی فرق و امتیاز کے جملہ غلامان وارثی کو لازمی ہے۔ نگارش کرتا ہوں۔

پہلا نچہ پہلے انھیں چھوٹے چھوٹے دو جملوں کو نقل کرتا ہوں۔ جن کا ذکر ہر چند اوپر ہو چکا ہے مگر یہ اعادہ بھی بے عمل نہ ہوگا اس لئے کہ ان دونوں ہدایات کو حضور قبلہ عالم کے مذاق و مسلک سے گہرا تعلق ہے۔ اور سرکار عالم پناہ نے متواتر بلکہ روزانہ ان کی ہدایت فرمائی ہے اور اپنے ارادتمندوں سے بطور حکم عام خطاب فرمایا ہے کہ ان ہدایات کی تعمیل کرو۔ اور جب کبھی یہ معلوم ہوا کہ فلاں حلقہ بگوش ان ارشادات کی تعمیل میں سرگرم کوشش ہے تو اس سے آپ خوش ہوئے۔ اور اس کو وہ انعام تفویض فرمایا۔ جو اس کا سرمایہ ناز ہوا۔ اور جس پر حکم عدولی کا جرم عائد ہوا۔ اس کو چسپیں بہ چسپیں ہو کر تہنید فرمائی۔

حالانکہ بظاہر یہ دونوں ہدایتیں معمولی الفاظ کے حجاب میں ہیں۔ جن کا مفہوم بھی بادی النظر میں نہایت سادہ اور جن کے مفاد کو بھی صرف شائستگی اخلاق سے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کا تو شبہ بھی نہیں ہوتا کہ یہ ہدایات بالمعنی رموز و اسرار سے مملو ہیں۔

لیکن حضور قبلہ عالم کا متواتر۔ اور بغیر تخصیص حیثیت و استعداد جملہ ارادتمندوں سے۔ کبھی بہ طرز حکم اور کبھی بہ نظر شفقت ہدایت فرمانا۔ ان ارشادات کو مہتمم بالشان بنانا ہے اس لئے باب ہدایات کی ابتداء انہیں دونوں ہدایتوں سے کی جاتی ہے۔ جن کو کلیتہً تسمیہ کا مرتبہ حاصل ہے۔ اور جن میں ایک ہدایت بصورت امر۔ اور دوسری شکیں ہی ہے۔ اور جن کی تعمیل کو ہمارے پیشوا نے برحق نے ہمارے لئے مفید تصور فرما کر مختلف عنوان سے اور مختلف مواقع پر ارشاد فرمایا کہ "محبت کرو۔ اور کسی کے آگے ہاتھ نہ بھریاؤ۔"

ان دونوں ہدایات کا مضمون جس قدر صاف اور مختصر ہے۔ اسی قدر بالمعنی بہت زیادہ مفید اور بکار آمد ہے۔ یا اس کو دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ دارالعلوم وارثی کے

متعلین کے واسطے یہی ہدایتیں ازاول تا آخر بمنزلہ ابجد یا سرنامہ کے بھی ہیں۔ اور بالا آخر ان کے دریات کا اختتام اور اسباق کا اتمام بھی انہیں ہدایات پر ہوتا ہے۔ کیونکہ تعلیم طریقت کی بسم اللہ محبت اور استغفار ہی سے ہوتی ہے اور جو طالب راہ حق محب صادق اور مستغنی المزاج ہوتا ہے وہی منازل سلوک سے فارغ ہو کر تجلی انوار شاہد مطلق کا مشاہدہ کرتا ہے۔

اس لئے یہ دونوں احکام ایسے گرانقدر اور جلیل المرتبہ ہیں جن کو غلامان بارگاہ و ارثی فخر و مباہات کے ساتھ اگر طرہ امتیاز بنائیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ انہیں دونوں جملوں کی تعمیل سے ہم کو دین و دنیا میں اقتدار حاصل ہو سکتا ہے۔ لہذا سرکار عالم پناہ کی ہدایت اول الذکر جو بمنزلہ امر بالمعروف ہے اس کے اثرات و برکات مختصر طور پر حضرات صوفیائے کرام ذی صفات کے مستداقوال کے حوالہ سے نقل کرتا ہوں۔

حالانکہ یہ کاغذ سیاق تالیف مجھ کو لازم تھا کہ اس ہدایت کی تشریح اس طریق سے شروع کرنا کہ پہلے محبت کے لغوی اور اصطلاحی معنی لکھتا۔ بعد ازاں اس کی خاصیت اور ماہیت۔ اور اقسام نوعیت اور ہر نوع کے مدارج۔ اور ہر درجہ کے صفات اور کیفیات کا بصراحت ذکر کرتا لیکن خیال ہوا کہ یہ امور تصانیف حضرات صوفیہ کے مطالعہ آنحوان ملت کو معلوم ہیں یا ہو سکتے ہیں اور مجھ کو حضور قبلہ عالم کے اس ہتم با نشان فرمان کا دوسرا پہلو دکھانا مقصود ہے۔

وہ یہ کہ سرکار عالم پناہ نے اپنے غلاموں کو چہ بتا کبیرہ ہدایت فرمائی کہ محبت کرو تو بظاہر اس جملہ میں کوئی مخصوص بات نہیں معلوم ہوتی۔ بجز اس کے سات عروتہ کی ایک معمولی عبارت نظر آتی ہے لیکن درحقیقت اس مختصر جملے کی اہمیت کا اس وقت پورا اظہار ہوتا ہے جب متقین حضرات عالمین کی تصنیفات کے ان صفحات کو نظر تعمق سے دیکھتے ہیں جن میں محبت کے ظاہری علامات اور خصوصیات کے ساتھ باطنی صفات و برکات کا تذکرہ کمال شرح و ربط مستور ہے اور دلائل عقلی و نقلی سے ثابت فرمایا ہے کہ محبت جگر ریاضات و مجاہدات کی اصل و حقیقت ہے۔ اور محبت صادق کے اثرات و تصرفات انسان کو انسان کمال بنا سکتے ہیں سے حافظ

عشق می و رزم و امید کہ این فن شریف چوں ہنرہائے دگر موجب حرماں نشود

علاوہ ان تصرفات کے۔ انہیں صفات میں رحمت کے فیوض و برکات کے ایسے بلند مضامین بھی نظر آتے ہیں جو اپنی نظیر آپ ہیں۔ چنانچہ محققین ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ اس وقت ریاضات و مجاہدات کے مفاد و ثمرات بھی مسافر راہ طریقت کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ جب بعد قطع منازل سلوک وہ ایسے عجائبات روحانیہ سے گزرتا ہے۔ جہاں عبارات و اشارات کی بھی گنجائش نہیں۔ مگر محبت صادق کا دستخطی پروانہ راہ داری اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یعنی تقرب الہی کے مدارج علیا سے وہی فائز المرام ہوتا ہے جس کے قلب میں محبت صادق جاگزیں ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ محبت ہی کی ایسی زبردست نسبت ہے جو ادنیٰ کو اعلیٰ۔ قطرہ کو دریا بنا دیتی ہے۔ مولانا رومی سے

شاد باش اے عشق خوش سوئے ما
وے لطیب جملہ علمہائے ما

الغرض یہ مسلمہ ہے کہ جملہ اخلاق حسنہ کی اصل محبت ہے۔ اور شاید اسی لحاظ سے حضور قبلہ عالم نے اپنے غلاموں کو یہ ہدایت فرمائی کہ محبت کرو۔ جس کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ شفقت و ارثی کا یہ مشار تھا کہ صفات حسنہ سے موصوف ہو جاؤ یا متخلق باخلاق اللہ ہو جاؤ گمنا جاء فی الحدیث القدسی
اَنْ كُنْتُ كُنْزًا مَخْفِيًّا فَاحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔ جس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ حُب یعنی محبت ہی باعث تخلیق عالم ہوئی۔ اور یہی علت غائی سبب وجود آدم ہوئی پس اس سے زیادہ کوئی قوی ذریعہ موصول الی اللہ نہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ فافہم و تدبیر۔

لیکن طوالت کے خوف سے اس اجمال کی زیادہ وضاحت نہیں کر سکتا۔ تمثیلاً وہ بھی مختصر الفاظ میں چند اخلاق صوفیہ کا ذکر کرتا ہوں جن کے دیکھنے سے ظاہر ہو جائے گا۔ کہ فی الحقیقت ارباب طریقت کی کوئی صفت ایسی نہیں ہے جو محبت سے وابستہ نہ ہو۔ اور جس کو خصوصیات محبت ثمرہ نہ کہا جائے۔

مثلاً شاد بے نیاز کی رضا جوئی۔ یہ ایسی ممتاز صفت ہے جس پر حضرات صوفیہ کے مسلک

کا مدار۔ اور ان کی ترقی مدارج کا انحصار ہے۔ لیکن عرفا محققین کے اقوال زبان حال سے شاہد صادق

ہیں کہ یہ صفت کلیتہً محبت کا ثمرہ۔ اور خصوصیات محبت کا عین کرشمہ ہے۔ کہ محبت صادق اثرات

محبت سے متاثر ہو کر اپنے محبوب کا فرمان بردار ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ابو محمد روم علیہ الرحمۃ نے محبت کی تعریف میں فرمایا ہے کہ ”ہی الموافقۃ فی جمیع الأحوال“ اور یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ ”صدق المحبۃ العمل بطاعة المحبوب“ اور سہل بن عبد اللہ تیسری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ”المحبة معانقة الطاعات ومباينة المخالفات“ یہ ارشادات بالمعنی مرادف ہیں کہ محب اپنے محبوب کی اطاعت کو گلے لگاتا ہے اور مخالفت سے احتراز کرتا ہے۔

اور یہی مضمون ہمارے سرکار عالم پناہ کے بعض ملفوظات کا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا: ”عاشق اپنے معشوق کا ایسا فرمان بردار ہوتا ہے۔ جیسے غلام اپنے آقا کا۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ عاشق کا منصب یہ ہے کہ معشوق کے آگے سر تسلیم خم رکھے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”رضائے معشوق کی تعمیل عاشق کا فرض ہے۔“

قرینہ ہے کہ حضور قبلہ عالم نے محبت کی اسی نسبت کے اعتبار سے جملہ ارادتمندوں کو متواتر یہ ہدایت فرمائی کہ ”محبت کرو۔“ اس واسطے کہ محبت کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ پروردگار عالم کے یہ فرمان بردار بندے ہو جائیں گے۔

علیٰ ہذا۔ کبر و غرور یہ ایسے مضر اور قابل احتراز صفاتِ ردیہ ہیں جن کی جہت سے ہمیشہ طالبین نامراد رہتے ہیں۔ لیکن محبت کا خاصہ یہ ہے کہ محب صادق متکبر اور مغرور نہیں ہوتا۔ شاید اسی لحاظ سے اس طبیبِ باطنی نے ہمارے امراضِ نفسانیہ کا سہل ترین علاج یہ تجویز فرمایا کہ اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ”محبت کرو۔“ جس کا صحیح مفہوم اب سمجھ میں آیا کہ واقعی اگر احتیاط اور پرہیز کے ساتھ اس جامع المفاد معجون کو ہم مسلسل استعمال کرتے تو یقینی اثرات محبت سے آج ہمارا قلب بھی ضرور تکرراتِ کبر و غرور سے صاف ہوتا۔

از انجملہ ثبات و استقلال بھی اربابِ طریقت کی ایک مشہور صفت ہے جس کو عرف عام میں۔ ”یک درگیر و محکم گیر“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اصطلاحِ صوفیہ میں اس کا ترجمہ ”خیالِ نچتہ کردن کا مردانست“

ہے۔ اور باوجودیکہ اس صفت کا اخلاق ظاہری سے تعلق ہے لیکن حضرات صوفیہ نے اس کو گرا فقدر
صفات میں شمار کیا ہے۔ اور طالب راہ حق کے عادات میں پہلے ہی صفت دیکھی جاتی ہے "الِاسْتِقَامَةُ
فَوْقَ الْكِرَامَةِ"۔

مگر ابوبکر واسطی علیہ الرحمۃ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفت محبت کی مخصوص علامت ہے
چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ "تصرفات محبت سے محب کے عادات اور خیالات میں ایسی پختگی آجاتی ہے
کہ بجز نظارہ محسن صیب و دوسرے حسین کے جمال پر نظر التفات نہیں کرتا ہے
ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ما ہے چہ کنم کہ چشم حق میں نہ کند کس نگاہ ہے
اور ہمارے حضور قبلہ عالم نے بھی اکثر فرمایا ہے کہ "عاشق سوائے معشوق کے اور کسی
کو محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "مشرَبِ عَشْقٍ مِّنْ اِيْكَ صَوْرَتِ
كَسْوَا - وَوَسْرِيْ صَوْرَتِ كُوْ دِيْكُنَا شَرِكِ هِيَ" اور یہ بھی متواتر فرمایا ہے کہ "ایک صورت
کو بکپڑ لو۔ وہی تمہارے ساتھ رہے گی"۔

ان ارشادات سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ طالب کے واسطے پختہ خیال ہونا لازماً
سے ہے۔ اور ثبات و استقامت اثرات محبت ہیں۔ اب حضور کے فرمان (محبت کرو) کا مفہوم
یہ ہو گیا کہ نشا و ارثی یہ تھا کہ یہ اقتضائے مشرب اس صفت سے بھی ہمارے حلقہ بگوش موصوف ہوجائیں
کیونکہ محبت کے اثرات سے ان کے خیالات میں پختگی۔ اور عادات میں استقلال و ثبات آجائے
گا۔ اور بے ساختہ زبان حال سے کہیں گے۔

۱۱ "گر چشم بروئے دگرے باز کنم حق نمک جن تو کورم سازد

معہذا شب بیدار اور خلوت گزریں ہونا۔ ارباب طریقت کے مختص اور ممتاز صفات ہیں
جن میں ایک صفت تو وسیلہ معرفت نفس و کشود احوال ہے۔ اور دوسری صفت حسب ارشاد
حضرت ادیس قرنی رضی اللہ عنہ "السَّلَامَةُ فِي الْوَحْدَةِ" کہ تنہائی موجب سلامتی ہے۔ بقول
پیچ آفت نہ رسد گوشہ تنہائی را۔

لیکن محمد البوروم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ”المحبة عدم النوم والعزلة القوم“
 کہ یہ دونوں صفات محبت سے وابستہ۔ اور محبت کے خصوصیات میں ہیں۔ اور محبت ہی کے
 اثرات سے محب غفلت سے بیدار اور تعلقات عالم سے دست بردار ہوتا ہے۔
 چونکہ یہ دونوں صفات اپنی نوعیت میں فرد تھے۔ کہ شب بیدار ہونا۔ اور مجرود و آزاد رہنا
 انہیں برگزیدہ ہستیوں کا منصب ہے۔ جو اپنی راحت اور عافیت کو حضرت واجب الوجود کی محبت
 میں نیست و نابود کرتے ہیں۔ پس شفقت و ارفی نے اپنے اراد مندوں کے واسطے ہر دو صفات
 پسند فرمائے۔ اور ایسی وسیع المعنی ہدایت فرمائی۔ جو ان ہر دو صفات کی بھی جامع ہے۔ یعنی ارشاد
 ہوا کہ ”محبت کرو“ اور اس کی تاکید میں مبالغہ اس لئے فرمایا کہ پیش نظر تھا کہ صرف محبت ہی کے آثار
 ان کو فارغ اور بیدار کر سکتے۔

اسی طرح تصور۔ جو حضرات صوفیہ کا مہتم بالشان شغل ہے۔ اور جس کے شاغل کو حضرت
 قائم الرسالت صلعم نے یہ بشارت دی ہے ”کَمَا نَعِيشُونَ تَمُوتُونَ وَ كَمَا تَمُوتُونَ تَبْعَثُونَ“
 کہ زندگی میں جو خیال رہے گا۔ اسی خیال میں مرو گے۔ اور جس خیال میں مرو گے۔ اسی خیال میں عثور
 ہو گے۔ رع جو میر و مبتلا میر و جو خیزد مبتلا خیزد۔

لیکن حقیقت تصور کی نسبت محققین حضرات صوفیہ کی متفقہ رائے ہے کہ تصور زادہ محبت
 ہے۔ چنانچہ مولانا علیہ الرحمۃ کے چند اشعار کا یہ مضمون ہے کہ اشتیاق دید محبوب کا یہ کرشمہ ہے کہ حالت
 فراق میں محب کی قوت تخلیہ صورت محبوب کو قائم کرتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ نسبت ایسی قوی ہو جاتی
 ہے کہ محب صورت محبوب سے بائیں کرتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

صورتے پیدا کند بر یاد او جذب صورت آردت در گفتگو

راز گوئی پیش صورت صد ہزار آں چنانکہ راز گوید پیش یار

اور محبت کے یہ تجلیات وہی نہیں۔ بلکہ حقیقی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ محب صادق کا یہ جذب
 جب کامل اور مستقل ہو جاتا ہے۔ تو صورت محبوب بھی اپنے محب کی دلجوئی کرتی ہے۔ اور

زبان حال سے کہتی ہے۔

پر دہارا این زماں برداشتیم حسن رابے واسطہ اذراشتیم
 لہذا شفقت دارٹی نے ہم کو اس مفید نفل سے اس طرح بھی مستفید فرمایا کہ جملہ ارادتمندوں کو حکم
 دیا کہ "مجت کرؤ اس لئے کہ اصل تصور محبت ہے۔ اگر یہ محبت کریں گے۔ تو محبت کے اثرات سے یہ
 صاحب تصور ہو جائیں گے۔"

علی ہذا خاموشی۔ جو اہل تصوف کی خاص صفت ہے۔ اور طالب راہ حق کی ترقی مراتب کا بہترین
 ذریعہ ہے۔ بخوانے "اَلصُّمُتُ تُوْرِيْتُ مَعْرِفَةَ اللّٰهِ" اس لئے ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ
 خاموشی میں امید کامیابی کی ہے۔ کیونکہ بارگاہ رسالت سے یہ حکم صادر ہوا ہے "مَنْ سَكَتَ سَكَتًا
 وَمَنْ سَكَتَ نَجَا" اور کسی شاعر کا مقولہ ہے۔

بہ طبعم ہیچ مضمون بہ زلب بستن نمی آید خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

لیکن حضرات عارفین فرماتے ہیں کہ خاموشی محبت کا مخصوص نتیجہ ہے جس کی ابو حامد احمد عاصم
 علیہ الرحمۃ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ "وہ شخص اکثر خاموش رہتا ہے جس کو محبت سے واسطہ ہوتا
 ہے" اور شرف الدین بوعلی شاہ قلندر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اہل محبت کی نشانی "کم خوردن و کم گفتن
 و خفتن حرام ہے۔"

اور ہمارے حضور قبلہ عالم نے یہ فرمایا کہ "عاشق خیال یار میں خاموش رہتا ہے" اور اگر
 آپ نے یہ بھی فرمایا ہے "محب کی زبان میں محبت قفل لگا دیتی ہے۔ کہ اسرار حقیقت کا اظہار
 نہ کرے" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "محبت میں انسان گونگا اور بہرا ہو جاتا ہے" "مَنْ عَرَفَ رَبَّهُ
 كَلَّ لِسَانَهُ" یعنی جس نے اپنے رب کو پہچانا اس کی زبان بند ہو جاتی ہے۔

ان ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ خاموشی کو محبت سے پورا سرد کار ہے۔ اور محبت کے
 اثرات سے محب ساکت اور خاموش رہتا ہے۔ کہ گونگے اور بہرے کی طرح نہ کسی سے اپنا حال
 کہتا ہے۔ نہ کسی کی نصیحت سنتا ہے۔

لہذا جب کہ خاموشی محبت کا ثمرہ ہے تو اس اعتبار سے ہم گنہگار بھی مفاد خاموشی کے مستحق اور سزاوار ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے آقائے نامدار نے ہم کو ہدایت فرمائی ہے کہ محبت کرو۔ اگر ہم نے اس حکم کی تعمیل کی تو **مَنْ سَكَتَ سَكَمَ** کے برکات سے مستفیض ہونا لازمی ہے۔

اسی طرح صنّاع رب العزت کا مشاہدہ جو جزو تصوف ہے۔ بلکہ منقول ہے کہ یہ صفت سالک راہ حقیقت کو بعد حصول مرتبہ تکمیلین بارگاہ میدار فیاض سے تفویض ہوتی ہے۔ تب وہ برگزیدہ حق صفت خالق مطلق کا نظارہ کرتا ہے۔ **مَا دَرَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَرَأَيْتُ اللَّهَ مَعَهُ**

لیکن تاج العارفین ابو بکر واسطی علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صفت کی بھی اصل اور حقیقت عین محبت ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ **”جملہ اشیا خلق میں صفات خالق نظر آنا محبت کی دلیل ہے۔ اور شیخ ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ ”محبت نہیں چاہتی کہ عاشق کو صفات معشوق دیکھنے کے سوا کسی کام میں لگائے اور ہمارے کار عالم پناہ نے یہ فرمایا ہے کہ ”عاشق ہر چیز میں معشوق کا جلوہ دیکھتا ہے۔“ بقول**

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ

غرض اس تشریح کا ماحصل یہ ہے کہ اس صفت کا وجود محبت کی خاصیت سے ہے۔ اور اسی خاصیت کے اعتبار سے حضور قبلہ عالم کی ہدایت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ **”محبت کرو“** تاکہ صنّاع باکمال کی صنعت گونا گوں کے مشاہدہ کی صلاحیت پیدا ہو۔

علی ہذا ذکر آہی جس کی حقیقت یاد حق ہے۔ بعد فراموش کرنے غیر حق کے لہجوائے **”وَإِذْ ذُكِّرْتُمْ بَلَّغُوا إِذًا نَسِيتُمْ“** اور فائدہ ذکر کا یہ ہے کہ حضرت عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **”ذِكْرُ اللَّهِ شِفَاءٌ وَذِكْرُهُ غَيْرُهُ دَاءٌ“** کہ اللہ کا ذکر شفا ہے اور اس کے غیر کا بیماری ہے۔

لیکن محبت کی عجیب شان ہے کہ ارباب طریقت کی کوئی صفت ایسی نہیں ہے جس کی اصل و حقیقت محبت نہ ہو۔ جیسا کہ عارفین کا اتفاق ہے کہ ذکر بھی محبت کا نتیجہ ہے۔ **”بِصِدْقٍ مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهُ“**

اور محبت چونکہ ذکر کی مقتضی ہے۔ اس لئے محب ہر وقت ذکر محبوب سے خاطر نگین کو تسکین دیتا

ہے۔ بقول۔

فَحُبُّكَ رَاحَتِي فِي كُلِّ حِينٍ وَذِكْرُكَ مَوْئِسِي فِي كُلِّ حَالٍ

چنانچہ ابو عبد اللہ بن فضل علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ ”محبت کی علامت یہ ہے کہ ذکرِ حبیب سے دل خوش ہو۔“ اور شیخ عبد الرحمن طفسوخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ”عاشق اس طرح شاہدِ حقیقی کا ذکر کرتا ہے کہ اپنے نفس سے غافل اور اپنے احساس کو بھول جاتا ہے۔“ اور ہمارے حضور قبلہ عالم نے یہ فرمایا ہے کہ ”عاشق وہ ہے جس کی کوئی سانس ذکرِ محبوب سے خالی نہ جائے۔“

غرض جس طرح یہ مسلہ ہے کہ ذکرِ محبت کا ثمرہ ہے اسی طرح سرکارِ عالم پناہ کی اس ہدایت پر کہ محبت کرو یہ ثابت ہوتا ہے کہ منارِ وارثی یہ تھا کہ ہمارے حلقہ بگوش اگر محبت کریں گے تو محبت کی اس مخصوص خاصیت سے بھی ضرور مستفید ہوں گے کہ ہمیشہ ذکرِ الہی میں مصروف رہیں گے۔
مجلد دیگر صفات کے ارباب تصوف کی ایک صفت کا نام تفکر بھی ہے جس کی تعریف حدیثِ نبوی سے ثابت ہے کہ ”تَفَكَّرْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً“۔ لیکن محققین کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ تفکر عشاق کی ایک حالت کا نام ہے جو افراطِ محبت کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ ابراہیم قبولی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اہل محبت کا خاصہ ہے کہ تفکر میں مصروف رہتے ہیں۔

پس محبت کا یہ ثمرہ زبانِ حال سے کہتا ہے کہ حضور قبلہ عالم کی ہدایت مذکور کے عاملِ مرید کو وہ بلند مرتبہ بھی مل سکتا ہے جس کو اصطلاحِ صوفیہ میں تفکر کہتے ہیں

ازین قبیل حضرات صوفیہ کے احوال صادقہ میں سے ایک مال کا نام شوق ہے۔ مگر کتب تصوف کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ شوق کو سراپا محبت سے سروکار ہے۔ اول تو اس صفت کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشاق کی یہ کیفیت زائیدہ محبت ہے۔ دوم محققین کا اتفاق ہے کہ شوق افراطِ محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جیسا کہ ابو عثمان حیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ”الشَّوْقُ ثَمَرُ الْمَحَبَّةِ“ سویم اربابِ طریقت فرماتے ہیں کہ شوق کی حقیقت یہ ہے کہ سالک کے ہجرِ قلب کی اس غیر معمولی کیفیت کو شوق کہتے ہیں جو محبوب سے متمتع ہونے کی خواہشِ محب سے

باطن میں پیدا کرتی ہے۔

لہذا سرکار عالم پناہ کی اس پرورش کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ ارادتمندوں کو متواتر یہ ہدایت فرمائی کہ ”محبت کرو“ جس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ محبت کرو گے تو ارباب شوق کی فہرست میں تمہارا نام درج ہو جائے گا۔

الحاصل یہ سات حرف کی ہدایت اس قدر جامع اور معنی خیز ہدایت ہے کہ علاوہ صفات مذکورہ کے وہ اخلاق مستحسنہ بھی اس مختصر جملے سے وابستہ ہیں جن کا ذکر خیال طوالت نہیں کیا۔ کیونکہ سمجھتا ہوں کہ جب اخوان ملت۔ اس ہدایت کی حقیقی ماہیت کو نظر غائر سے دیکھیں گے۔ تو نمایاں طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ ارباب طریقت کے جملہ صفات محبت کے خصوصیات ہیں، یا نتائج و ثمرات اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ بظاہر تو حضور قبلہ عالم نے اسی قدر فرمایا کہ ”محبت کرو“ مگر حقیقت یہ چھوٹی سی عبارت ہمارے بام ترقی کا ایسا زینہ ہے۔ جو ہم کو باسانی حضور شاہد حقیقی تک پہنچاؤ اور وہ شرف امتیازی حاصل ہو جو ہمارے وہم و خیال میں بھی نہیں ہے۔ لہذا اس زرین ہدایت کو جو فی الحقیقت اسم اعظم کی خاصیت رکھتی ہے۔ اگر ہم غلامانِ وارثی اپنا سرمایہ دارین سمجھیں تو بے جا نہ ہوگا۔

مگر اس تشریح سے یہ تو بخوبی ظاہر ہو گیا کہ جملہ اخلاق صوفیہ محبت کے نتائج ہیں۔ لیکن اس کا ذکر نہیں آیا کہ توحید رب العزت کو بھی محبت سے سروکار ہے یا نہیں۔ کیونکہ ارباب طریقت کے فضل و کمال کا مدار توحید پر وردگار پر ہے۔

اس کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ دیگر صفات اگر محبت کے خصائص و ثمرات ہیں۔ تو محبت فی الحقیقت عین توحید اور توحید عین محبت ہے۔ کیونکہ توحید کی تعریف یہ ہے کہ حضرت احدیت عزائم کو ایک جانے۔ ”اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهُ وَّاحِدٌ“ اور کمال محبت بھی یہی ہے کہ بجز ذات شاہد مطلق دوسرے کا وجود منقود ہو جائے۔ پس یہ دونوں درجات چونکہ فی الماہیت ایک ہیں۔ اس واسطے دونوں کی تالیف بھی مرادف ہے۔

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ہر چیز معشوق آں را پاک سوخت

چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کتاب المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال و

الفضائل کے تکرار میں تحریر فرماتے ہیں

”یَجِبُ مَعَهُ وَيُجِبُونَهُ“ چہ کفار است بہ زیر پردہ مگر خویش را خریدار است

ازیں جا روشن گشت کہ حاصل توحید غلبہ محبت و ظہور یگانگی است کہ در نظر شہود غیر محبوب را وجود نامند

لہذا ہمارے رہنمائے کامل نے اپنے غلاموں کو وہ کلیہ ہدایت فرمایا کہ جس کے بغیر توحید

کی تصدیق نامکن اور محال ہے۔ اس لئے کہ توحید اور محبت لازم و ملزوم ہیں۔ جو تکمیل توحید ہے

کہ وجود غیر مفقود ہو۔ وہی مال محبت ہے کہ ماسوائے مطلوب سب کو نیست و نابود سمجھو۔ غرض

جمع کمالات و صفات کی اصل، صرف محبت ہے۔ جس کی ہمارے سرکار عالم پناہ نے ہم کو مستواتر

ہدایت فرمائی کہ ”محبت کرو“ چنانچہ محبت کے صفات و تصرفات کی نسبت مولانا روم علیہ الرحمۃ

ارقام فرماتے ہیں۔

از محبت تلخہ شیریں شود وز محبت سہا زریں شود

از محبت درد ہا صافی شود وز محبت درد ہا شافی شود

از محبت دار تختے می شود وز محبت بار بختے می شود

از محبت سجن گلشن می شود بے محبت روضہ گلخن می شود

از محبت حزن شادی می شود وز محبت غول ہادی می شود

از محبت مردہ زندہ می شود وز محبت شاہ بندہ می شود

لیکن محبت کے صفات سے واقف ہونے کے بعد۔ اپنی محدود معلومات کے اعتبار سے

اگر یہ تخیل ہو کہ حضور قبلہ عالم کا ایک ارشاد یہ ہے کہ ”محبت وہی ہے۔ جو کسب سے نہیں حاصل ہو۔

یعنی منجانب اللہ مرحمت ہوتی ہے۔ اور برعکس اس کے یہ حکم ہوتا ہے کہ ”محبت کرو“ جس میں آپ

اختیار اور کتاب کو صریح دخل نہیں ہے تو یہ متضاد مضمون کیوں ہے۔

لیکن جب تھوڑا غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کا وقوع ہماری لاعلمی کا نتیجہ ہے۔
 درنہ سرکار عالم پناہ کے دونوں فرمان نہایت صحیح اور مطابق اصول شریعت۔ اور موافق احکام طریقت
 صادر ہوئے ہیں۔ کیونکہ جس طرح علمائے کرام۔ اور اولیائے عظام کے مستند اقوال سے یہ ثابت
 ہے کہ محبت وہی ہے اسی طرح یہ مسلم الثبوت ہے کہ ہادیاں اسلام اور صوفیائے کرام نے اپنے اپنے
 وقت میں محبت سے مستفید ہونے کے لئے طالبین حق کو ہدایت بھی فرمائی ہے۔ لہذا اگر حصول محبت
 کے واسطے سعی بے سود ہوتی۔ تو ہادیاں ملت اپنے مقلدین کو اس لاعلمی کو کوشش کے لئے تاکید
 نہ فرماتے۔

اگر میرے اس محفل بیان سے کافی اطمینان نہ ہو۔ تو تفصیح کے واسطے یہی ایک دلیل بس ہے
 کہ حضرت احادیث جل جلالہ نے محبت کو وہی بھی فرمایا ہے کہ ”حُبُّهُمُ وَحُبُّهُمُ سَادُونَ“ جس کا مطلب
 یہی ہے کہ محبت خدا کی جانب سے ملتی ہے۔ پھر حصول کے لئے اپنے بندوں کو کوشش کا بھی
 حکم فرماتا ہے کہ ”فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ“ اللہ کے ذکر کے واسطے کوشش کرو۔ اور ذکر لفظوائے
 ”مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهُ“ محبت کا نتیجہ ہے۔ تو ذکر کے لئے کوشش عین محبت کے
 واسطے کوشش کرنا ہے۔ پس اگر ذکر یعنی محبت کے واسطے کوشش اور سعی کرنا بے سود اور لامصلح
 ہوتا۔ تو وہ عالم علم ماکان و مایکون کبھی بے فائدہ کوشش کا حکم نہ دیتا۔

اور احادیث صحیحہ سے تو بغیر کسی تاویل کے ثابت ہے کہ حضرت خاتم الرسالت نے
 صاف لفظوں میں تاکید اور تکرار فرمایا کہ مجھ سے محبت کرو۔ چنانچہ صحیح بخاری میں انس بن مالک
 سے منقول ہے کہ ”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كَرِهَتْ
 أَكُونَ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ وَقَالِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“ کہ
 حبیب رب العالمین نے فرمایا۔ وہ کامل الایمان نہیں ہے جو اپنی جان اور مال اور اولاد اور والدین
 اور انام عالم سے زیادہ مجھ کو محبوب نہ رکھتا ہو۔

جب رسول کریم علیہ السلام نے ایمان کامل کے واسطے اپنی شرائط محبت کو لازمی گردانا

تو عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو بجز اپنی جان کے میں سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ فقَالَ لَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا تَكُونُ مَوْمِنًا حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبُّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ۔ فرمایا۔ اے عمر تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا۔ جب تک اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ کو محبوب نہ رکھو گے۔

بحیثیت شان رسالت یہ ہدایت فرمائی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ کو محبوب رکھنے کی کوشش کرو مگر شفقت محمدی کو اپنے جاں نثار کا یہ نقص ناگوار تھا کہ ان واحد میں یہ استعداد پیدا ہو گئی کہ فقَالَ عُمَرُ وَالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي الَّتِي بَيْنَ جَنْبِي۔ یعنی حضرت عمر خطاب نے قسم کہا کہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ فقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا نَبِعُمْرًا يَأْمُرُ بِأَيْمَانِكَ۔ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ اے عمر اب تمہارا ایمان کامل ہو گیا۔

اس مستند حدیث سے ظاہر ہو گیا کہ آنحضرت صلعم نے حصول محبت کے لئے ہدایت فرمائی اور محبت میں کامل ترقی بھی ہوئی پس محبت کے لئے اگر سعی بے سود ہوتی تو نہ اللہ تبارک و تعالیٰ ، فَاَسْعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ۔ فرماتا۔ اور نہ حضرت بہترین عالم صلعم اپنے جاں نثار کو أَحَبُّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فرماتے۔ جس میں اکتساب کو دخل ہے۔ چنانچہ اسی کی اتباع بزرگان دین نے فرمائی اور مطابق سنت اللہ و سنت رسول محبت کو وہی کہا۔ اور حصول محبت کے لئے ہدایت بھی فرمائی۔ اور اسی قدیم عمل درآمد کے موافق ہمارے حضور قبلہ عالم نے بھی اکثر فرمایا کہ ”عشق وہی ہے۔“ اور اپنے ارادتمندوں کو اس کا بھی حکم متواتر دیا کہ ”محبت کرو۔“

غرض اس شریح سے واضح ہو گیا کہ محبت کو وہی کہنا۔ اور حصول محبت کے لئے ہدایت کرنا اصول شریعت و طریقت کے مطابق قدیم دستور ہے۔ لیکن باوجود اس وضاحت کے اس کی بھی صراحت ہو جائے تو اچھا ہے کہ نئے واحد کی نسبت متضاد احکام کیوں صادر ہوئے کہ محبت کو وہی کہا گیا۔ اور اس کے حصول کی ہدایت بھی فرمائی گئی۔

چنانچہ حضرات صوفیہ کرام نے ان احکام کی جو بظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں یہ تطبیق فرمائی ہے کہ محبت دو نوع پر منقسم ہے۔ ذاتی و صفاتی۔ قسم اول۔ یعنی محبت ذات۔ محض وہی ہے جس نے سعی و کوشش قطعاً بے سود ہے۔ اور قسم ثانی۔ محبت صفات میں اکتساب کو بھی دخل ہے۔ جو اکثر محبت ذات کا وسیلہ بھی ہو جاتی ہے۔ کہ طالب صادق جب محبت صفات میں کوشش کرتا ہے۔ اور قلب و فورسوز و شوق سے گداز ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت عنایت رب العزت پر منحصر ہے۔ اگر کوشش وہی ہوئی تو طالب محبت ذات سے بھی مستفیض ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت محبوب الہی سلطان الاولیاء نظام الدین علیہ الرحمۃ نے ایک خط میں مولانا فخر الدین مردری کو اقسام محبت کے تذکرہ میں ارقام ہے کہ محبت ذات محض موہبت ہے۔ اور محبت صفات میں کسب کو بھی فی الجملہ دخل ہے۔ شاید اسی خیال سے بکھرے سرکار عالم پناہ نے ہم کو یہ ہدایت فرمائی۔ کہ ”محبت کرو جس سے محبت صفات مقصود ہوگی۔ کیونکہ محبت ذات بہت بڑا مرتبہ۔ اور عشق کا مراد ہے جس کی نسبت آپ نے اکثر فرمایا کہ عشق وہی ہے۔ جو کسب سے نہیں حاصل ہوتا ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست تاہ بخشد خداے بخشندہ

بلکہ صاحب سیر الاولیاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت محبوب الہی نے تو عشق کی نسبت بھی یہ فرمایا ہے کہ گو مسلمہ ہے کہ عشق وہی ہے۔ اور کسب سے نہیں حاصل ہوتا۔ مگر طالب کو لازم ہے کہ کوشش کرے۔ اور دروازہ کہٹ کھٹائے شاید اس کا فضل ہو جائے۔

مکن ہے کہ اسی خیال سے ہمارے حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ ”محبت کرو“ اور مطلوب حقیقی کی طلب کو طلب صادق بناؤ۔ اگر عنایت رب العزت ہوئی تو جو بیکار نہ جائے گی ”مَنْ طَلَبَ وَجَلَ“ چنانچہ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ ہی یہی فرماتے ہیں۔

سایہ حق بر سر بندہ بود	عاقبت جو بندہ یا بندہ بود
گفت سنجیب کہ چوں کوئی دے	عاقبت از در برون آید سرے
چوں نشینی بر در کوئے کے	عاقبت بینی تو ہم روئے کے

جوں زچا ہے میکنی ہر روز خاک عاقبت اندر رسی در آب پاک

مگر یہ تو مسلمہ ہے کہ مادہ محبت اللہ جل جلالہ نے نبی آدم کو عالم ارواح میں مرحمت فرمایا ہے بلکہ محبت ہی سے تخلیق عالم ہوئی ہے "كُنْتُ كَنْزًا خَفِيًّا فَاحْبَبْتَنِي أَنْ أَعْرِفَ فَخَلَقْتَ الْخَلْقَ" جس کا بعض مقدس حضرات نے اپنے اشعار میں ارشاداً ذکر کیا ہے۔ مثلاً حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

منعم از می مکن اے صوفی صافی کہ حکیم درازل طینت مارا ز می صاف شرت

لیکن انسان کی استعداد ازلی سے جب عالم اجسام میں تعلقات موجودات کے حجابات لاحق ہوتے ہیں۔ اور عوارض نفسانی کی وجہ سے فوسے روحانی مضحل ہو کر خواہشات نفسانیہ کے تابع ہو جاتے ہیں۔ تو وہ مادہ محبت جو بروز میثاق انسان کو تفویض ہو چکا ہے۔ عالم شہود میں آکر۔ اکثر خیالات باطلہ اور مرادات بشری کی معیت میں مبتلائے اشکال حوادث ہو جاتا ہے۔ اور حجابات تعینات صورت مقصود اصلی کو چھپا دیتے ہیں۔ اور شوق وصال مطلوب حقیقی سہو ہو جاتا ہے۔ جس کے لئے سعی و کوشش کی ضرورت ہے۔ کہ توہمات فاسدہ۔ اور خیالات باطلہ سے انسان روگردانی کرے۔ اور مقصود اصلی اور مطلوب حقیقی کی جانب رجوع ہو۔ اس واسطے ہادیان راہ طریقت نے جدوجہد کی ہدایت فرمائی۔ اور ہمارے حضور قبلہ عالم نے بھی اپنے جملہ مترشدین سے خطاب فرمایا کہ "محبت کرو" کہ فطرۃ جو استعداد محبت موجود ہے۔ وہ تکررات حجاب تعینات سے صاف ہو جائے "مَنْ جَدَّ وَجَدَّ"۔

ترک سوال الغرض حضور قبلہ عالم نے جس طرح مختصر جملہ میں اعمال باطنی کا ہم کو سبق دیا۔ اسی طرح دوسری ہدایت بصورت نہی عن المنکر فرمائی۔ تاکہ ہمارے عادات روزمرہ بھی درست اور شائستہ ہو جائیں جس کی نہایت موزوں مثال یہ ہے کہ مہربان طبیب کا دستور ہے کہ جب مریض کے لئے دوا تجویز کرتا ہے۔ تو اسی کے ساتھ پریہیز کی بھی تاکید کرتا ہے۔ اور اور مضر اشیاء کی تصریح کر دیتا ہے۔ چنانچہ ہمارے طبیب باطنی نے کمال شفقت امراض

روحانی کی اصلاح کے لئے جب ہم کو محبت کا مفید اور مجرب نسخہ بتا دیا۔ تو اسی کے ساتھ عنایت دارفی نے ہم کو پرہیز کی بھی تعلیم فرمائی۔ اور متواتر ارشاد ہوا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ“

فی الحقیقت حضور قبلہ عالم کی یہ ہدایت۔ ہمارے عادات کی اصلاح کے واسطے نہایت مفید ہے۔ کیونکہ جس طرح محبت کرنا مدوح اور محمود صفت ہے۔ اسی طرح سوال کرنا قطعاً ممنوع اور مذموم فعل ہے۔ اور غور کیا جائے تو واقعی ترک سوال میں ہزاروں خوبیاں۔ اور متعدد مفاد ہیں۔

مثلاً ترک سوال۔ حیا کی عین نگاہداشت ہے۔ اور حیا ایمان کا جزو مقدم ہے۔ ”الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ“

حضرت خاتم الرسالت کا حکم قطعی ہے۔ چونکہ ہادی برحق کو ہمارے ایمان کا تحفظ منظور تھا۔ اس لئے اپنے غلاموں کو یہ حکم دیا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ“

چنانچہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ چند ستر شہین حاضر خدمت تھے۔ اور حضور قبلہ عالم نے سبیل تذکرہ

فرمایا کہ اسلام اور چیز ہے۔ اور ایمان اور چیز ہے۔ اس ارشاد کا اصل مقصود جو کچھ ہو۔ یا حاضرین میں کس نے کیا فائدہ اٹھایا۔ اس کا تو علم نہیں۔ لیکن ایک صاحب جو بظاہر کبھی گاؤں کے باشندے اور کاشتکاری پیشہ معلوم ہوتے تھے، انہوں نے عرض کیا حضور پھر ایمان کیا چیز ہے۔ آپ نے ان کے فہم و استعداد کے لحاظ سے ایمان کی تعریف کا خلاصہ یہ فرمایا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ“ جس کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ ترک سوال حیا کا محافظ ہے۔ اور حیا جزو ایمان ہے۔

علاوہ اس کے سوال کرنا ایسا رکیک فعل ہے جو انسان کی صفت یقین کو برباد کرتا ہے۔ کیونکہ

طالب راہ حق وادی طلب میں پہلا قدم اس یقین کے ساتھ رکھتا ہے کہ ”عَلَى اللَّهِ رِزْقُكُمْ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِخَيْرٍ حَسْبٍ“ اور کارساز حقیقی کی جناب میں زبان حال سے عرض کرتا ہے۔ مصرع۔ بدرت کہ جز در پاک تو بدرد گر گزرے نشد

کیونکہ ہادیان راہ طریقت نے طالب راہ حقیقت کے واسطے توکل کو لازمی گردانا ہے بقول۔

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کا فریست راہر و گر صد ہنر دار و توکل لازم است

اور ماسوے اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانا طالب صادق کا اپنے عہد و ارادہ سے روگردانی کرنا ہے

جو بجائے منزل مقصود پر پہنچنے کے تعزذلت میں گرتا ہے۔ اس لئے ہمارے خضر راہ نے فائز المرام ہونے کا سیدھا راستہ یہ بتایا کہ "کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ"۔ اور غیر اللہ کی استعانت سے احتراز کرو

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ جس کا فائدہ یہ ہے۔ بقول

مَنْ نَظَرَ إِلَى الْخَلْقِ هَكَذَا وَمَنْ رَجَعَ إِلَى الْحَقِّ مَلَكَ

اور صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ ابو نصر بشر بن الحارث الحامنی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ "أَفْضَلُ الْمَقَامَاتِ إِعْتِقَادُ الصَّبْرِ عَلَى الْفَقْرِ إِلَى الْقَبْرِ" ترجمہ مقامات فقر میں افضل یہ ہے کہ فقر میں صبر کرنا۔ اور اس اعتقاد کو اپنے ساتھ قبر میں لے جانا۔ خلاصہ یہ کہ تمام عمر اپنی حاجت کا اظہار نہ کرے۔

اور صاحب کشف المحجوب نے ابو تراب بن حسین نخشی علیہ الرحمۃ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے کہ "الْفَقِيرُ قَوْنُهُ مَا وَجَدَكَ فَقِيرٌ خَوْرًا كِ وَهِيَ هِيَ جَوَابُ طَلْبِ الْمَالِ جَائِئٍ أَوْ رَيْبِي هَمَارِ حَضْرَتِ قَبْلًا" عالم نے فرمایا ہے کہ "سوال نہ کرو۔ بے طلب جو مل جائے اس پر صبر کرو"۔

علاوہ ان مفاد کے ترک سوال ایسی مہتمم با نشان صفت ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اصحاب مہاجرین سے ترک سوال کی بیعت لی ہے۔ جس کا ذکر کتب احادیث میں بصراحت مسطور ہے کہ وہ یاران رسول جو اس بیعت میں شریک تھے۔ وہ اپنے عہد کے اس قدر پابند تھے کہ ان کی زبان اس لفظ سے آشنا نہیں ہوتی تھی۔ جس میں ضمناً بھی سوال کا اشارہ ہو۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے رسالہ قول الجیل میں لکھا ہے کہ ابن ماجہ سے مروی ہے کہ وہ فقراے مہاجرین جن کو ترک سوال کی ہدایت ہوئی تھی ان کا کوڑا اگر گر جاتا تھا تو یہ احتیاطاً بھٹی کہ کسی سے کوڑا اٹھا دینے کا سوال نہیں کرتے تھے۔ اور گھوڑے سے اتر کے اپنا کوڑا خود اٹھا لیتے تھے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں لکھتے ہیں کہ "حکیم بن خرام کہ یکے از اقربائے ام المؤمنینؓ خدیجہ بود چیزے از آنحضرت صلعم بطلبید۔ فرمود یا حکیم من میدهم تو آنرا۔"

لیکن کراہتے باوے ہمراہ خواہد بود نصیحت کرد اورا کہ تا توانی سوال کن از بیچ کس“
 لہذا کمالات محمدیہ کے منظر اتم نے اپنے جدا مجد کی اس سنت کو کس خوبی کے ساتھ ادا کیا
 اور اپنے غلاموں کو حکم عام دیا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ“ اور اس پردہ میں فیضان سنت صحابہ
 سے ہم کو مستفیض فرمایا۔

علیٰ ہذا اس مشہور حدیث سے بھی ضمناً ترک سوال کی ترغیب ثابت ہوتی ہے کہ ”عَنْ بَنِي مَرْجٍ
 قَنَّعَ وَذَلَّ مَنْ طَمَعَ“ کہ قناعت وجہ عزت اور طمع سبب ذلت ہے جس کو دوسرے الفاظ میں
 یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سرکار مدینہ نے قناعت کو محمود اور طمع کو مذموم فرمایا۔

چنانچہ قناعت کی یہی تعریف ہے کہ خدا پر بھروسہ کرے۔ اور یہی ترک سوال کا حاصل ہے
 اور طمع کا مفہوم یہ ہے کہ تقسیم حضرت اہدیت کو کافی نہ سمجھنا۔ اور مخلوق سے استعانت چاہنا جس کا
 خلاصہ ہاتھ پھیلانا ہے۔ اس لئے ہمارے حضور قبلہ عالم نے اپنے غلاموں کو فعل محمود یعنی قناعت
 کی ترغیب دی۔ اور عادت مذموم یعنی طمع سے باز رہنے کے لئے ہدایت فرمائی کہ ”کسی کے آگے
 ہاتھ نہ پھیلانا“

اس حدیث کی نسبت شاید یہ عذر ہو کہ قناعت کا حاصل ترک سوال۔ اور طمع کا مفہوم
 ہاتھ پھیلانا اختیار کیا ہے۔ مگر صریح الفاظ میں ترک سوال کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا میں دوسری مستند
 حدیث ایسی نقل کرتا ہوں جس میں بغیر کسی تاویل کے ترک سوال کی ترغیب ہے۔ اور واضح طور پر سوال
 نہ کرنے والے کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اور جس کو سلطان العارفین شیخ شہاب الدین بن
 محمد ہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف المعارف کی فصل ہفتم آداب معیشت میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت
 ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے
 مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو شخص میری ایک بات قبول کرے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں
 میں نے (ثوبان نے) کہا۔ اَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ پس حضرت خاتم الرسالت نے فرمایا۔ (لَا تَسْئَلِ
 النَّاسَ شَيْئًا) کہ مخلوق سے کسی چیز کا سوال نہ کرو۔“

یہ حدیث ترک سوال کی مطلقاً ترغیب ہے۔ اور اس سے زیادہ صراحت کیا ہو سکتی ہے کہ فرمایا لَا تَسْئَلِ النَّاسَ شَيْئًا جِسْمًا نَهَابًا نَفِيحًا اور با محاورہ ترجمہ یہی ہوگا کہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ جس کی حضور قبلہ عالم نے ہم کو متواتر ہدایت فرمائی۔

الغرض ترک سوال کی ترغیب اور بشارت احادیث صحیحہ سے بخوبی ثابت ہو گئی۔ تاہم اور ایک حدیث نقل کرتا ہوں جس میں قطعی اور عام طور پر بغیر کسی استثنائی کے سوال کرنے کی نمانت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”مَا تَزَالُ الْمَسْئَلَةُ بِالْعَبْدِ حَتَّىٰ يَلْقَى اللَّهَ وَكَافِيَ وَجْهَهُ مُضْغًا“ کہ سوال کرنے والا خدا کے حضور میں جائے گا تو اس کے چہرہ پر گوشت کی بوٹی نہ ہوگی یعنی بروز قیامت وہ نہایت شرمندہ اور ذلیل و خوار ہوگا۔

اس حدیث سے کما حقہ ثابت ہو گیا کہ سوال کرنا شریعت میں ممنوع۔ اور اخلاق انسانیہ کے خلاف اور اصول طریقت کے منافی ہے۔ اور ترک سوال اس کا عکس ہے کہ شریعت کی جانب سے انعامات کی بشارت بھی ہے۔ اور ارباب طریقت کی خاص سنت بھی ہے۔ اس واسطے سرکار عالم پناہ نے اپنے ارادتمندوں کے لئے حکم عام صادر فرمایا کہ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جملہ معاملات کارساز حقیقی کے سپرد کرو۔ اور حرص و طمع جو صفات ذمیرہ ہیں ان سے احتراز کرو۔ بلکہ اکثر حضور قبلہ عالم مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ شعر بطور ہدایت پڑھتے تھے۔ جس میں حرص و طمع کی قطعی ممانعت ہے۔

زہد و تقویٰ چیت اے مرد فقیر لاطیع بودن ز سلطان و امیر

صفت حرص و طمع | اور حقیقت حرص و طمع ایسی مذموم خصلت ہے جو علاوہ دنیوی توہین کے دینی ترقیات میں بھی حارج ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت بوعلی شاہ قلندر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

دل چو آلود دست از حرص و ہوا کے شود مکشوف اسرار خدا

صد تہا در دل ست ای بوالفضل کے کند نور خدا در دل نزول

بر تو قسمت میرسد اسے بے خبر
 پس چرا قبائح نئی بر خشک وتر
 حرص تو دین قناعت پارہ کرد
 نفس امارہ ترا آوارہ کرد
 این سخن در گوش داری اسے جواں
 مولوی گفتہ ز روئے امتحان
 ہم خدا خواہی وہم دنیا سے دوں
 این خیال ست و محال ست و جنوں

صفت حسد اور اسی حرص و طمع کا ضمیمہ حسد ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حسد بہ لحاظ معنی اور باعتبار صفات حرص و طمع کا مرادف ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف المعارف میں جو حسد کی تعریف تحریر فرمائی ہے۔ اس کا ترجمہ محمود بن علی انکاشانی نے یہ کیا ہے: "از بہر تکاثر و تفاخر۔ یا بہر خوف و فقر و احتیاج۔ چون این صفت در نفس قوی گردد۔ حسد از دل تولد کند۔ زیرا کہ حسد بخیلی کردن ست بحال دیگران نخواہد کہ چیزے بدگیرے رسد۔ و اگر کے راستے مخصوص بنید زوال آن طلبد۔ و چون این قوت زیادت گیرد۔ حقد پدید۔ ہر کر ابا خود در نعمتے مسامح یا مادی یابد۔ یا فضیلتے متمیز بنید۔ یا سبب انتزاع نعمتے از خود پندار و یا موجب امتناع کر ایستے شناسد۔ زوال و ہلاک پیوستہ خواہاں بود۔"

غرض حرص جس طرح صفت ذمہ ہے۔ اسی طرح حسد بھی عقلاً و نقلاً مخالف اخلاق اور مخرب ایمان ہے اسی واسطے حضور قبلہ عالم نے یہ فرمایا ہے کہ "حسد سے احتراز کرو۔" چنانچہ ایک مرتبہ چند ارادتمند حاضر خدمت تھے۔ اور حضور بعض مسائل تصوف کا ذکر مختلف پیرایہ میں فرما رہے تھے جناب حضرت کی یہ پرورش دیکھ کر ایک حلقہ بگوش نے عرض کیا کہ سرکار بہتر فرقوں میں ناجی فرقہ کون ہے آپ نے عجیب شان سے مسکرا کر فرمایا "جس میں حسد نہ ہو۔" اور حسد کے عدد بہتر ہیں۔ اکثر یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ "حسد میں سوائے نقصان کے فائدہ نہیں۔" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "حسد سے ایمان خراب ہوتا ہے۔" غور سے دیکھا جائے تو واقعی حسد مخرب ایمان ہے۔ کیونکہ حقیقت حسد یہ ہے کہ اس کا تعلق نفس سے ہے۔ اور نفس روح کی ضد ہے اور یہ کلیہ ہے کہ خواہشات انسانیہ سے روح ضعیف اور ایمان خراب ہوتا ہے۔

چنانچہ امام رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر سورہ فاتحہ کے تحت میں بدلائل ثابت فرمایا ہے کہ جملہ اخلاق ذمہ کی اصل حسد ہے۔ اور تمامی عادات قبیحہ حسد پر ختم ہوتے ہیں۔ اسی باعث سے خداوند کریم نے ”مَنْ نَشَرَ حَاسِدًا إِذَا أَحْسَدَ“ پر تمام شرور انسانی کا فاتحہ کر دیا ہے۔

لہذا یہ مسلمہ ہے کہ جس طرح قناعت جامع اوصاف حمیدہ ہے۔ اسی طرح حرص جملہ صفات ذلیلہ کی اصل ہے۔ لیکن اس ذلیل عادت کا ایک مجرب علاج بھی حضرات صوفیائے کرام نے بتایا ہے جس سے یہ عیب قطعی طور پر ہمیشہ کے لئے زائل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ راجامہ زعنتے چاک شد
اوز حرص و عیب کلی پاک شد

یہی مجرب نسخہ ہمارے طبیب باطنی نے اپنے غلاموں کے واسطے تجویز فرمایا کہ جہاں یہ ارشاد ہوا کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ“ اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہوا کہ محبت کرو ”کیونکہ بغیر محبت کے حرص و طمع کا سدباب ہونا محال ہے۔“

الحاصل حضور قبلہ عالم کا یہ ارشاد کہ ”کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ“ بظاہر روزمرہ کی بات یا عمومی نصیحت معلوم ہوتی ہے۔ مگر درحقیقت یہ بہت بڑی تعلیم اور مہتمم بالشان ہدایت ہے۔ اور یہ مختصر جملہ ارشاد ہوا ہے۔ جو اصول شریعت کے مطابق۔ اور احکام طریقت کے موافق ہے۔ اور اس ہدایت کی تعمیل پر حصول مقصود اصلی کا انحصار ہے۔ اور حضرت احدیت کی شان ربوبیت کا یقین بھی اسی سے ہوتا ہے۔

حالانکہ بعض حضرات صوفیہ کے تذکرہ میں یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے کبھی کبھی طلب رزق کے لئے اسباب و توسل پر بھی نظر کی ہے۔ اور بعض نے بقدر ضرورت سوال بھی کیا ہے۔ مگر بالعمنی ان کا سوال مثل ہمارے سوال کے نہ تھا۔ گو صورت ظاہری دونوں کی ایک ہی کیوں نہ ہو۔ مگر دونوں کی حقیقت میں بڑا فرق ہے۔ بقول مولانا علیہ الرحمۃ

کار پاکال راقیاس از خود نگیر
گرچہ ماند در نوشین شیر و شیر

مثلاً ہمارا مقصود سوال کرنے سے جسم کو آرام پہنچانا ہوتا ہے۔ جس کی تحریک نفس کی

خواہش سے ہوتی ہے۔ اور حضرات صوفیہ کا سوال کرنا۔ اکثر کتمان و خفا کی غرض سے ہوتا ہے۔ کہ خلق میں ان کی سرداری کا اظہار نہ ہو۔ اور نمود و شہرت سے محفوظ رہیں۔ اور کبھی نفس کی گوشمالی اور اس کے تزکیہ کے واسطے سائلوں کی صورت میں اس لباس حقارت کو اختیار فرماتے ہیں اور ارباب طریقت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ منازل سلوک میں ایک حالت ہے جو اکثر سالکین پر طاری ہوتی۔ اور اس کا اقتضایہ ہوتا ہے کہ طبیعت میں خاص قسم کی رعونت کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جس کی اصلاح کا مفید طریقہ یہی ہے کہ جب تک وہ کیفیت رہتی ہے بقدر ضرورت سوال کرتے ہیں۔ اور جب وہ حالت سکون و جمعیت سے مبدل ہو جاتی ہے۔ تو پھر بدستور کفالت رب العزت جل جلالہ پر قناعت کرتے ہیں۔

جیسا کہ ابراہیم ادھم علیہ الرحمۃ کی مقدس سیرت میں منقول ہے کہ ایک زمانہ میں نجیال بقعہ حلال آپ نے کسب بھی کیا۔ اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ جامع بصرہ میں معتکف ہوئے تیسرے روز شب افطار میں دروازوں پر جا کر سوال کرتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ حالت جمعیت خاطر سے بدل گئی۔ اور اعانت رب العزت پر توکل کیا۔ اور استعانت خلق سے قطعی احتراز فرمایا۔

اسی طرح ابو جعفر حداد علیہ الرحمۃ جو حضرت جنید کے استاد تھے۔ چند روز کے واسطے ان کی بھی یہی حالت ہو گئی تھی کہ دوسری تیسری شب کو عشا کے بعد حجرہ سے نکلنے لگتے۔ اور بقدر احتیاج سوال کرتے تھے۔ مگر پھر بدستور وہی صورت اختیار کی۔ اور عطائے غیبی پر قناعت فرمائی۔

علی ہذا حضرت ابو سعید حراز علیہ الرحمۃ نے بھی کچھ روز یہی کیا کہ جب محتاج ہوتے۔ تو ہاتھ پھیلا کر۔ یا نبی اللہ فرماتے تھے۔ لیکن جب یہ حالت سکون سے مبدل ہو گئی۔ تو پھر گوشہ قناعت اختیار فرمایا۔ اور استعانت مخلوق کو حرام سمجھا۔

ان تمثیلات سے نمایاں طور پر ظاہر ہو گیا کہ حضرات صوفیہ کا بلحاظ اصلاح نفس و

مقتضائے حال طلب رزق کے لئے کسب کرنا نہ مثل ہمارے کسب کے ہے۔ اور نہ ان کا عارضی طور پر سوال کرنا ہمارے سوال کے مانند ہے۔ بلکہ وہ جو کچھ کرتے ہیں رضائے مطلوب حقیقی کے واسطے کرتے ہیں یا بطور تازیانہ بنفس عمل میں لاتے ہیں۔

لیکن بادی النظر میں اس مسئلہ کا خلاصہ مفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ توکل چونکہ بہت بڑا روحانی مرتبہ ہے۔ اور چند مدارج پر منقسم ہے۔ جس کی صراحت بکمال وضاحت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں کی ہے۔ اس واسطے لازم ہوا کہ متوکلین کے حالات و کیفیات بھی حسب درجات مختلف ہوں اس وجہ سے بعض حضرات بہت حال طلب رزق کے لئے توسل اور اسباب بھی اختیار کرتے ہیں۔ اور کسب کو سبب بناتے ہیں۔

اور بعض اہل جمعیت اور صاحب حال جن کی قوت اختیار یہ قضا و قدر کی قوت کاملہ کے سامنے فنا ہو چکی ہے وہ کفالت حق تعالیٰ پر اکتفا فرماتے ہیں۔ اور یہ اہل یقین نہ کوئی سبب پسند کرتے ہیں۔ اور نہ ماسوسے اللہ سے استعانت چاہتے ہیں۔ جب اور جس قدر سبب الاسباب ان کو رزق پہنچاتا ہے۔ اس کو بغیر کسی اعراض کے تسلیم کرتے ہیں۔

بلکہ علاوہ ان کے وہ متوکلین جو مقام اعلیٰ و ارفع سے سرفراز ہیں۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ نہ خلق کی امداد و استعانت چاہتے ہیں۔ اور نہ فالق سے روزی مانگتے ہیں۔ جیسا کہ حضور قبلہ عالم نے بعض مترشدین سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ ”فقیر وہ ہے جو سات فاقور کے بعد بھی خدا سے نہ مانگے“ اور یہی مضمون حافظ شیراز کے شعر کا ہے

نیست در دائرہ یک نقطہ خلاف از کم و بیش کہ سن این مسئلہ بے چوں و چرا می بینم
اس توکل اعلیٰ کی تعریف یہ ہے کہ جو خدا شناس اپنے علم و ارادہ کو ذات حضرت واجب الوجود کے علم و ارادہ کے سامنے محو کرتے ہیں۔ اور تصدیق کامل کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ علم الہی جو بے پایاں اور غیر محدود ہے۔ ہمارے مصاح ہم سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ اس لئے ان کا یقین کامل سوال کرنے سے ان کو مستغنی کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت خلیل اللہ نے فرمایا کہ ”حَسْبِيَ وَعَن سِوَا“

علمہ بحالی۔ یہ مرتبہ عاشقانِ خدا اور فقراے باصفا کا ہے۔ بمصدق "الفقر لا یحتاج
إلی اللہ" اصطلاحِ صوفیہ میں ان متوکلین کو اصحابِ فتوح کہتے ہیں۔ کیونکہ رزق ان کا
فتوحاتِ غیبی پر منحصر ہے۔

ذکر اسم ذات | الغرض یہ مسلمہ ہے کہ حضور قبلہ عالم نے بصورتِ امریہ ہدایت بطور تقسیمِ زمانی کہ
"محبت کرو" اور مہبات میں ارشاد ہوا کہ "کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ" اور فتوڑی صراحت
سے معلوم ہو گیا کہ ہدایت اول الذکر جملہ اخلاقِ حسنہ کی اصل۔ اور زمانِ ثانی صفاتِ ذمیہ کا قانع
ہے۔ مگر یہ دونوں ہدایتیں احکامِ شریعت و طریقت کے مطابق۔ اور مذہب و مشرب کے موافق
اور ہمارے عادات و معاملات کی درستگی کے واسطے کافی اور بس ہیں۔ اور اس وجہ سے میں نے
یہ دونوں فرمان و ارثی کسی قدر وضاحت سے نقل کئے۔ کہ جملہ غلامانِ بارگاہِ وارثی کو بغیر کسی ذاتی
وصفاتی امتیاز کے ان کی تفصیل لازمی ہے۔ مگر تاہم اس کا بھی ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ
علاوہ ان ہدایات کے دیگر اذکار و اشغال کی نسبت سرکارِ عالم پناہ نے ہم کو کیا حکم فرمایا ہے۔
چونکہ طرقِ حضراتِ صوفیہ میں قدیم دستور ہے کہ شیخ اپنے مسلک کی مناسبت سے مسترشدین
کو ذکر و اشغالِ تعلیم فرمایا ہے۔ چنانچہ ہمارے حضور قبلہ عالم کے ہدایات و ارشادات کا
بھی وہی انداز ہے۔ کہ جملہ احکامِ عشق و محبت سے وابستہ ہیں۔ جیسا کہ ہر دو ہدایات مذکورہ کا
مضمون ہے کہ پہلی ہدایت میں صاف صاف محبت کی تلقین ہے۔ دوسرا حکم ترکِ سوال کا
ہے۔ کہ ماسوائے اللہ سے مستغنی ہونا۔ اور کفالتِ معبودِ حقیقی پر اکتفا کرنا۔ عاشقوں کا عین مشرب
ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ جس طرح دیگر سلاسل میں اذکار و اشغال کے قواعد مقرر ہیں۔ اسی طرح
مشربِ عشق کی یہ خصوصیت ہے کہ اہل محبت کی ریاضت و مجاہدت کا کوئی خاص قاعدہ معین نہیں ہے
بقول

مذہبِ عشق از ہمہ ملت جدا است عاشقانِ رامت و مذہبِ خدا است
چنانچہ حضور قبلہ عالم نے متواتر فرمایا ہے کہ "محبت میں انتظام نہیں" اور ظاہر ہے

کہ انتظام کیونکر ہو۔ جبکہ قلب میں سوزِ محبت جاگزیں ہوا۔ اور دل مضطرب اور بیقرار رہنے لگا۔ تو پھر تنظیم سے کیا سروکار۔ بلکہ خیال یار میں جس وقت اور جس طریقہ سے اور جس زبان میں چاہتے ہیں۔ اہل محبت مطلوبِ حقیقی کا ذکر کرتے ہیں اور ان کا ذکر کرنا شاہدِ بے نیاز کو پسند بھی ہوتا ہے جیسا کہ مولانا علیہ الرحمۃ نے اس چرواہے کا قصہ لکھا ہے جو ہزار سوز و گداز۔ زبان حال سے شاہدِ بے نیاز کے ذکر میں مصروف تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی تہدید سے خاموش ہو گیا۔ اور جس کے سکوت کا یہ اثر ہوا کہ۔

وحي آمد سوائے موسیٰ از خدا بندہ مارا ز ما کردی جدا

اور اگر اہل محبت کے ذکر کا کوئی قاعدہ بظاہر مقرر بھی ہے۔ تو وہ نہایت مستند۔ اور ہر شخص کے واسطے بہ حیثیت مساوی مفید بھی ہے۔ اور لطف یہ کہ اس قاعدہ سے بغیر ارادہ اور اہتمام کے ذکر خود بخود ذکر کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس قاعدہ کی تعلیم وہی ہے جس کی خبر حضرت مخبر صادق تیرہ سو برس پہلے دے چکے ہیں کہ ”مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذَكَرَهُ“ یعنی اہل محبت کا وظیفہ یہی ہے کہ وہ جابجا نہ ہمیشہ اور ہر حال میں شاہدِ بے نیاز کے نام نامی کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

پس حضور قبلہ عالم کی عنایت سے جب ہم کو یہ ہدایت ہو چکی کہ ”محبت کرو جس کو کھیتہ قلب سے تعلق ہے تو اسی مناسبت سے ہمارے واسطے ریاضت تجویز ہوئی۔ جس کو روح سے سروکار ہے۔ یعنی مختلف عنوان سے ارشاد ہوا کہ۔ اسم ذات کا ورد کرو۔ کیونکہ محب کا فرض عین ہے کہ خیال یار میں مصروف رہے۔ اس واسطے وظیفہ بھی ہم کو ”اَكْثَرَ ذَكَرَهُ“ کی رعایت سے بتایا گیا کہ مطلوبِ حقیقی کا نام لیا کرو۔

چنانچہ مزاج ہمالیوں کا ہی انداز تھا کہ کسی طالب نے جب تعلیم اور ادب کی استدعا کی تو اکثر آپ نے یہ فرمایا ”اللہ اللہ کیا کرو“ اور اکثر بطور صراحت یہ بھی ارشاد ہوا کہ جس طرح بندوں کو روزی پہنچانا اللہ کی شانِ ربوبیت ہے۔ اسی طرح اللہ کے

نام کی مزاولت۔ بندوں کا اظہار عبودیت ہے۔ چنانچہ جملہ حضرات صوفیہ کا اتفاق ہے کہ ذکر اسم ذات افضل الاذکار ہے۔ جیسا کہ شیخ ابوالعباس مرسی علیہ الرحمۃ اپنے اصحاب کو اسم ذات کے ذکر کی تاکید کرتے اور فرماتے تھے کہ یہ ذکر سلطان الاسما ہے۔ اور اس کی لئے بساط اور رثرہ ہے بساط اس کی علم ہے۔ اور رثرہ نور ہے۔

بلکہ دیکھا جائے تو حضور قبلہ عالم کی یہ ہدایت بالمعنی جامع تھی۔ کیونکہ جس طرح خواص کے واسطے مفید تھی۔ اسی طرح عام مریدین کے لئے سود مند تھی۔ مثلاً وہ طالب جن کے دل میں شوق وصال الہی نے اپنا گھر بنانے کے واسطے ابھی بنیاد ڈالی ہے، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ ایسا مسافر راہ سلوک جس نے اس دادی و شوار گزار کی پہلی منزل طے کرنے کے لئے ہنوز کمر باندھی ہے۔ اس کو اگر یہ ہدایت ہوئی تو وہ اسم ذات کا زبانی درد کرتا تھا۔ اور وہ خوش نصیب جن کے قلوب کو خدا نے صلاحیت اور استعداد مرحمت فرمائی تھی۔ ان کے واسطے اسم ذات کا ذکر بآبھرتیجوز ہوتا تھا۔ اور جنکی طلب پختہ اور شوق مستقل ہوتا تھا۔ وہ حسب قاعدہ پاس انفاس ذکر اسم ذات کے عامل ہوتے تھے۔

چنانچہ حضرات محققین نے اس میں طویل بحث کی ہے کہ طالب کے لئے ذکر بآبھرتیجوز بہتر ہے یا بالکھفی۔ اور تصنیف یہ فرمایا ہے کہ ذکر کا طریقہ ذکر کی حالت پر موقوف ہے۔ جس کی تصریح شیخ محمد ابوالموہب شاہلی علیہ الرحمۃ نے یہ کی ہے کہ جو طالب مبتدی ہے اس کے لئے ذکر بآبھرتیجوز بہتر ہے **وَالذِّكْرُ سِرٌّ أَنْفَعُ لِمَنْ غَلَبَتْ عَلَيْهِ الْجَمْعِيَّةُ** یعنی جس پر جمعیت غالب ہو اس کے واسطے خفی بہتر ہوگا۔

اور ابوالحسن بن حبان علیہ الرحمۃ نے جن کا مصرعے مشاہیر صوفیہ میں شمار ہے فرمایا کہ **ذِكْرُ اللَّهِ تَعَالَى بِالسِّانِ يُؤْرِثُ الدَّرَجَاتِ وَذِكْرُهُ بِالْقَلْبِ يُؤْرِثُ الْقُرْبَانَ** کہ زبان سے ذکر الہی کرنا درجات پیدا کرتا ہے۔ اور قلب سے اس کا ذکر کرنا قربت پیدا کرتا ہے۔

ذکر اسم ذات جلالی اور بعض طالبین کو حضور قبلہ عالم نے ذکر اسم ذات جلالی طریقہ سے تعلیم فرمایا یعنی اللہ کی ہاکویش کے ساتھ اس طرح پڑھا جائے کہ جس سے واؤ کا اظہار ہو۔ چنانچہ واقعہ ہے کہ شاہ شاکر صاحب کو جو قدیم تہندپوش ہیں حضور نے اللہ صوبہ تعلیم فرمایا تو انہوں نے یہ عرض کیا کہ اس کی تمہیل با بھر کروں یا با بکھنی۔ آپ نے اس کی یہ تصریح فرمائی کہ تنہائی محض یا صحرا ہو تو با بھر کرنا اور ہر وقت خفا کے ساتھ۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے اپنے ایک تہندپوش کو ذکر اللہ صوبہ تعلیم فرمایا۔ دوسرے مرید نے بھی جو اسی جلسہ میں موجود تھا استدعا کی۔ آپ نے اس کو ذکر اسم ذات کا حکم دیا۔ اور پاس انھوں نے کا قاعدہ بتایا۔ اس نے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ ذکر اللہ صوبہ کا مجھ کو بھی حکم ہو۔ آپ نے فرمایا تمہارے واسطے یہی مناسب ہے۔

غرض مختلف صورتوں میں آپ نے ذکر اسم ذات کی تعلیم فرمائی۔ لیکن نسبتاً ان غلاموں کی تعداد زیادہ ہے جو ذکر خفا کے ساتھ کرتے ہیں۔ کیونکہ حضور قبلہ عالم نے متواتر فرمایا ہے کہ ”عاشق وہ ہے جس کی کوئی سانس خالی نہ جائے“ بلکہ آپ کے فقیر حاجی اوگھٹ شاہ صاحب نے بطور یادداشت زبان بھاشا میں اس کو یوں نظم فرمایا ہے۔

اوگھٹ چیلاد ہی گنی جو اپنی سہہ بسرای
 وہ بیان رہے اور گیان رکھے اور سانس نہ خالی جائے
 بلکہ دیگر مشاہیر صوفیہ نے بھی شمار انھوں کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ شیخ ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”أَفْضَلُ الْأَشْيَاءِ عِنْدَهُمُ الْعَفَافُ“ کہ اہل تصوف کے نزدیک سب سے افضل شمار انھوں ہے۔ اور شیخ احمد بن الحسن رفاعی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ ”أَنْ يَرَى كُلَّ نَفْسٍ مِنْ أَنْفَاسِهِ أَعَزُّ مِنْ الْكِبْرِيتِ الْأَحْمَرِ“۔ کہ سانس کو سرخ گندک سے زیادہ قیمتی سمجھے اور حضرت بوعلی شاہ قلندر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: پانس در انھوں سے اہل خرد تا ترا این قافلہ منسزل برود ہوش و مردم دار اسے مرد خدا یک نفس یک دم مباشرت از حق جدا

چوں شوی فانی تو از ذکر خدا راہ یابی در سریم کبریا
 فی الحقیقت ذکر اسی شان سے کرنا چاہیے۔ کیونکہ ذکر۔ نسیان کی ضد ہے۔ اور اسی وجہ سے عین عبادت ہے۔ اور جب عبادت میں سہوا اور نقصان ہوا۔ تو طالب صادق میں نقصان تصور ہوگا۔ اور یاد مطلوب میں نقصان محبت کے منافی ہے۔ اسی لحاظ سے حضور قبلہ عالم نے شمار انفاس کی ہدایت فرمائی۔ جس کو محبت سے کامل نسبت ہے۔

چونکہ باعتبار دیگر افکار کے اسم ذات کے ذکر میں کسی قدر تمہیم ہے۔ اس لیے میں نے اس کا تذکرہ کیا کہ اگر اس کو عام ہدایت کہا جائے تو ناموزوں نہ ہوگا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جیسی جس کی طلب اور استعداد تھی۔ اس کو اسی لحاظ سے ہدایت ہوئی۔ ورنہ کسی کو نفی و اثبات کا حکم ہوا اور کسی کو صرف اثبات کی تعلیم ہوئی۔ اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اکثر قدیم حلقہ بگوش اسم حق کا ذکر کرتے تھے۔ اور ان میں بھی بعض کو با محنتی اور بعض کو با بھرا کا حکم تھا۔ اور بھرا بھرا میں بھی فرق تھا۔ بعض اسم حق کو باہر کی سالن میں اعلیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ جیسا کہ معصوم شاہ صاحب دارنی جن کا زیادہ قیام دہلی میں رہتا تھا۔ ان کے ذکر کا یہی طریقہ تھا۔ اور غلغلا بارہ بنکی کے متوطن عبداللہ شاہ صاحب دارنی جن کا لقب حق شاہ ہو گیا تھا۔ وہ بھی اسی صورت سے حق کا ذکر کرتے تھے۔ اور بعض فقراء نے دارنی کی ضرب فضائے قلب سے تعلق رکھتی تھی۔ جیسی ولی شاہ دارنی انصاری جن کا امر وہ ہے میں مزار ہے۔ ان کی ضرب اس شد و مد کے ساتھ فضائے قلب پر پڑتی تھی کہ ایک قسم کی آواز آتی تھی۔ اور سامعین کے قلب بے چین ہو جاتے تھے۔

ذکر درود شریف اعلیٰ ہذا جس طرح غلامان بارگاہ دارنی کو ذکر اسم ذات کی عام ہدایت ہوئی۔ اسی طرح حضور قبلہ عالم نے ذکر درود شریف کی بھی متواتر ہدایت فرمائی۔ اور چونکہ یہ فرمان اکثر صادر ہوا ہے۔ اس لحاظ سے اگر اس کو کبھی حکم عام کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا۔ کیونکہ گاہے مریدین کی استعداد پر ادراگ ہے بہ نظر پرورش سرکار عالم پناہ نے خود مسترشدین سے فرمایا کہ ”درود شریف پڑھا کرو“ لیکن طالبین کی حالت اور استعداد کو ضرور ملحوظ رکھا جس کا

اظهار آپ کے احکام سے نمایاں طور پر ہوتا ہے۔

مثلاً کسی ارادتمند سے فرمایا کہ ”بعد فرائض کے درود شریف پڑھا کرو“ کسی سے فرمایا کہ۔
 ”پابندی کے ساتھ درود شریف پڑھنا بہتر ہے“ کسی کو حکم دیا کہ ”ادب اور ترتیل کے ساتھ درود
 شریف کا ورد کرو“ کسی کے واسطے وقت کا بھی تعین فرمایا۔ اور ارشاد ہوا کہ ”آخر شب
 میں درود شریف کا پڑھنا زیادہ مفید ہوتا ہے“ کسی کے لئے وقت کے ساتھ تعداد
 کی شرط بھی لازم گردانی۔ چنانچہ مولوی سید محمد یوسف صاحب وارثی مختار بانگی پور سے آپ نے
 فرمایا کہ ”آخری کام روزانہ یہ ہو کہ سوئے وقت سومرتبہ درود و محبت کے ساتھ پڑھ لیا
 کرو“ کسی حلقہ بگوش کو یہ حکم ہوا کہ ”سہر وقت درود شریف پڑھا کرو۔ مگر با وضو اور
 بغیر کسی غرض کے“

اور اگر کسی نے عرض کیا کہ کس درود شریف کا ورد کروں۔ تو اس کے لئے آپ
 نے تصریح بھی کر دی لیکن اکثر آپ نے ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ وَعَلَيَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ
 وَسَلِّمْ“ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

میرے والد ماجد کہتے تھے کہ بیت لینے کے بعد پہلی ہدایت محمد کو یہ فرمائی کہ ”محبت
 کرو“ اور جب سفر حجاز سے واپس تشریف لائے۔ تو ایک روز بحال پرورش یہ فرمایا کہ کیا
 حال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور کا کرم ہے۔ مگر قلب سوز محبت سے گداز ہوا اس کے
 لئے ایک نظر عنایت کی ضرورت ہے۔ ارشاد ہوا کہ ”تہجد کے بعد غسل کرو۔ اور عطریات
 سے معطر ہو کر تصدیق کے ساتھ ایک ہزار مرتبہ یہ درود پڑھا کرو۔ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ
 مُحَمَّدٍ وَآلِهِ بِقَدْرِ حُسْنِهِ وَجَمَالِهِ۔“ بزخ قائم ہو جائے گی۔ لیکن پھر دنیا کے کام
 کے نہ رہو گے۔ اور حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کا تبسم فرما کر یہ شعر پڑھا۔

ہر کہ را باشد زیزوال کا رو بار بار
 بار آسجایافت بیرون شد ز کار

ایک حاجت مند خریدنے اپنی حالت کا اظہار کیا حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ

شب کو دو رکعت نماز نفل کے بعد درود تاج پڑھ کر سو رہا کرو۔ مگر ہر رکعت میں سات مرتبہ سورہ تکوین پڑھنا۔ اور صبر کی اس دعا کرنا۔

بادی النظر میں یہ طریقہ تعلیم بہت سادہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت تعلیم کو دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عامہ مریدین کے لئے بھی درود شریف کی تعلیم خصوصیت سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ علاوہ فیضانِ باطنی کے حضور قبلہ عالمِ ذاکر کی استعداد کے لحاظ سے ایسی شرط تعلیم میں ضرور شریک فرماتے تھے جس کو روحانیت سے تعلق اور محبت سے سروکار ہو۔ تھا جس کا سبب یہ تھا کہ آپ مجتہد فی طریق العشق تھے۔ اس لئے آپ کی کوئی ہدایت ایسی نہیں ہے جس کو محبت سے کافی نسبت نہ ہو۔

خصوصاً درود شریف تو کلیتہً محبت ہے۔ جیسا کہ صاحب تفسیر عرائس البیان نے جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ میں لکھا ہے کہ قَالَ ابْنُ عَطَا الصَّلَاةُ مِنَ اللَّهِ وَصَلَةُ وَمِنَ الْمَلَائِكَةِ رَفَعَتْهُ وَمِنَ الْأُمَّةِ مَتَابِعَتُهُ وَمَحَبَّتُهُ "یعنی صلوة من اللہ کی حقیقت اس کا وصل ہے۔ اور صلوة ملائکہ کی تعریف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و رفعت کا اظہار ہے اور جب امت کی طرف سے درود پیش ہوگا تو آپ کی متابعت اور محبت مقصود ہوگی۔

ابن عطا کے اس قول سے واضح ہو گیا کہ ہمارے ہدیہ درود کی ماہیت یہ ہے کہ ہم ہزار عجز و نیاز بارگاہ رسالت میں متابعت اور محبت کی درخواست کرتے ہیں۔ لہذا عقلاً و نقلاً زبانی اس دعا متابعت و محبت کے واسطے کافی نہیں ہے۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ہماری یہ درخواست زبانِ قلب سے ہو۔ کیونکہ متابعت اور محبت کو قلب سے تعلق اور روح سے سروکار ہے۔

قرینہ ہے کہ اسی اعتبار سے ہمارے سرکار عالم پناہ نے لازمی گردانا کہ ذکر درود شریف کی حیثیت و استعداد کے لحاظ سے گو اس کی ابتدائی حالت کیوں نہ ہو۔ مگر ذکر سانی

کے ساتھ قلبی و روحی مشارکت بھی ضرور ہو۔ اور جس قدر ذکر کی استعداد میں ترقی ہو۔ اسی قدر روحی مناسبت زیادہ ہوتی جائے۔

اور اگر یہ خیال ہو کہ متابعت اور محبت میں تفاوت ہے۔ کہ محبت کیفیت قلبی ہے اور متابعت۔ جو ارجح کا فعل ہے جس کے لغوی معنی پیروی کے ہیں۔ اس مفارقت سے دونوں کی ایک تعریف اور ایک حیثیت نہیں ہو سکتی۔

اس کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ اتباع کے معنی پیروی کرنا ضرور ہیں۔ لیکن پیروی مخصوصاً بہ جوارح بھی نہیں ہے۔ قلب سے خیال سے بھی پیروی ہو سکتی ہے۔ مگر نظر غائر سے دیکھتے ہیں تو متابعت کو قلب سے قطعی نسبت ہے۔ کیونکہ متبع ہمیشہ وہی فعل کرتا ہے جو اس کو مرغوب ہوتا ہے۔ اور یہ سلمہ ہے کہ رغبت قلب کا فعل اور محبت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے بغیر محبت رغبت محال ہے۔ اور بے رغبت۔ متابعت ناممکن ہے۔ اس لحاظ سے متابعت اور محبت بالمعنی مرادف ہیں۔ اور دونوں کا ایک حکم ہوگا۔ اور بجائے مفارقت کے یگانگت ثابت ہوتی ہے۔

قطع نظر اس کے محققین حضرات صوفیائے کرام نے متابعت کے وہی معنی بیان کئے ہیں جو محبت کے معنی ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شرعی علیہ الرحمۃ۔ طبقات الکبریٰ کی جلد ثانی صفحہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمۃ نے جو سلسلہ شاذلیہ کے شیخ الطائفہ تخر فرمایا ہے۔ "رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا حَقِيقَةُ الْمَتَابَعَةِ فَقَالَ رُوِيَ الْمَتْبُوعُ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ وَمَعَ كُلِّ شَيْءٍ وَفِي كُلِّ شَيْءٍ" ترجمہ میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا۔ اور عرض کیا یا رسول متابعت کی حقیقت کیا ہے۔ فرمایا کہ ہر شے کے نزدیک اور ہر شے کے ساتھ اور ہر شے میں متبوع کو دیکھنا۔

اور یہی تعریف محبت کی ہے کہ "يَحْرَقُ مَا سِوَى الْمَحْبُوبِ" کہ بجز محبوب کے ہر شے کو جلا کر فنا کر دیتی ہے۔ یعنی اور کچھ نہیں دکھانی دیتا۔ پس ایسے جلیل القدر محدث کی کتاب سے۔ اور ایسے مقدس اور کبیر الشان صوفی کا قول۔ وہ بھی ان کا ذاتی اجتہاد

نہیں۔ بلکہ رسول اللہ کی تعلیم کردہ حقیقتِ متابعت جب معلوم ہوگئی۔ تو اب یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ متابعت اور محبت کا ایک حکم نہیں۔ بلکہ واقعی متابعت اور محبت کی وہی تعریف ہے جو ابن عطاء نے بیان کی۔

علیٰ بنہ صاحب تفسیر عریش البیان فی حقائق القرآن نے آیہ کریمہ "إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ" (الآیة) کے تحت میں صلوٰۃ من اللہ و صلوٰۃ ملائکہ کی تعریف کے بعد۔ صلوٰۃ امت کی نسبت لکھا ہے کہ "صَلَوَةُ الْأُمَّةِ عَلَيْهِ مُتَابَعَتُهُمْ وَ حُبُّهُمْ إِيَّاهُ وَالشُّنَاءُ عَلَيْهِ بِالذِّكْرِ الْجَمِيلِ" کہ صلوٰۃ امت یہ ہے کہ آپ کی متابعت اور محبت میں خوبصورت عنوان سے رسول اللہ کا ذکر کریں۔

ہماری درود خوانی کی صاحب عریش البیان نے جو حقیقی تعریف لکھی ہے وہ اور محبت کی تعریف جو حضرت خاتم الرسالت نے فرمائی ہے۔ بالمعنی ایک ہے۔ بمصدق من "أَحَبُّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرًا"

ای کا نظ سے حضور قبلہ عالم نے ذکر درود شریف کی تعلیم اسی طریق سے فرمائی۔ جس کو روحانیت سے تعلق اور محبت سے نسبت تھی۔ تاکہ ذکر درود شریف کو بقدر امکان قلب سے سروکار رہے۔

بلکہ بعض طالبین کو ذکر درود شریف جلالی قاعدہ سے بھی تعلیم فرمایا۔ چنانچہ شیخ محمد حسین صاحب متوطن مضافات راستے بریلی جو آپ کے قدیم حلقہ مگوش تھے۔ ایام میلہ کا تک میں حاضر خدمت ہوئے۔ اور جب حضور قبلہ عالم نے رخصت کیا۔ اور خادم نے ان کو شہر نجا اور چادردی۔ تو موصوف نے قدموں ہو کر عرض کیا کہ یہ تبرک تو ہمیشہ ملا۔ مگر آج سچن پاک کے نام پر وہ چیز مرحمت فرمائیے کہ دین و دنیا کی خواہش نہ رہے۔ آپ نے بتسم لبوں سے فرمایا اچھا۔ اور ذکر درود شریف تعلیم فرما کر ارشاد ہوا کہ "ہر وقت چہرہ نقاب میں ہے اور جو گزرے وہ زبان پر نہ آئے"

اور فیروز آباد ضلع آگرہ میں مولوی عبدالستار صاحب وارثی کو بھی حضور قبلہ عالم نے ذکر درود شریف جلالی قاعدہ سے تعلیم فرمایا۔ اور ارشاد ہوا رات کو جنگل میں رہا کرو۔ کچھ عرصہ کے بعد جب حضور پھر فیروز آباد تشریف لے گئے۔ تو معلوم ہوا کہ اب مولوی صاحب جنگل ہی میں رہتے ہیں۔ اور مغلوب الحال ہو گئے ہیں۔ آپ نے بلا کر مولوی صاحب کو ایک تہ بند دیا۔ اور فرمایا: ”تم مدینہ منورہ چلے جاؤ۔ فاقہ بھی ہو تو سوال نہ کرنا۔ اور وہیں مرجانا۔“

اور یہ تو مشہور واقعہ ہے کہ عبدالصمد ساکن قصبہ مسولی ضلع بارہ نکی نے استدعا کی کہ جلالی قاعدہ سے ذکر درود شریف مجھ کو بتا دیجئے اور حضور کی بندہ نوازی تھی کہ اس کی درخواست منظور فرمائی لیکن تین یا چار روز کے بعد جب مشاہدات کی تاب نہ ہوئی۔ تو خائف ہو کر چھوڑ دیا حضور نے سنا۔ تو فرمایا ”کم ظرف تھا۔ ورنہ انسان ہو جاتا۔“

اسی طرح ایک مرتبہ نصیحت شاہ صاحب وارثی جو انکار و اشتغال سے بخوبی آگاہ تھی حضور قبلہ عالم کا مخاطب دیکھ کر تازہ تعلیم کے مستعدی ہوئے۔ ارشاد ہوا کہ ”رات کو پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرو۔“ مجھ کو خیال ہوا کہ یہ باخبر فقیر ہیں۔ ان کو ضرور جلالی قاعدہ سے تعلیم ہوگی۔ مگر چونکہ تعداد زیادہ تھی اس وجہ سے عرض کیا کہ حضور تعداد زیادہ ہے۔ فرمایا کہ ”اچھا سو مرتبہ پڑھا کریں“ پھر میں نے عرض کیا کہ اس کا بھی شاید تحمل نہ ہو۔ اس وقت حضور نے فرمایا کہ جلالی قاعدے سے نہیں بتایا جاتا ہے۔ اور نصیحت شاہ سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا کہ ”تم پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرو۔ اور جو شغل تمہارا ہے۔ اس کو قائم رکھو۔“

لیکن اکثر آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ”بغیر محبت کے ذکر سے کچھ نہیں ہوتا۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”اسی ذکر سے فائدہ ہوتا ہے جو بے غرض ہوتا ہے۔“

ان ارشادات سے ظاہر ہو گیا کہ ریاضت بغیر محبت بے سود ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مشرب محبت میں اصول ریاضت یہ ہے کہ بجز رضائے مطلوب جملہ خواہشات سے

بے غرضی اور تمامی مرادات سے بے واسطہ رہنا لازماًت سے ہے۔ بقول حافظ شیرازی علیہ السلام
 من ہماندم کہ وضو ختم از چشمہ عشق چار تکبیر ز دم یکسره بر ہر چہ کہ ہست
 خلاصہ یہ کہ غلامان و ارثی کو اذکار و اشغال کی ابتدائی تعلیم بھی جو ہوتی وہ بھی روحانیت
 سے خالی نہ تھی۔ اور وہ تعلیم جس کا ہم کو فخر و ناز ہے۔ اور جو حضور قبلہ عالم کی توجہ خاص سے ہوئی ہے
 جس میں ہماری سعی اور کوشش کو کچھ دخل نہیں۔ اس کا ذکر نہ اعلیٰ تحریر میں آسکتا ہے۔ اور
 نہ تقریر اس کا اظہار کر سکتی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ گونگے کا خواب ہے کہ دیکھا سب کچھ گمربیان
 نہیں کر سکتا۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ۔ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ۔

صفات تصور آپ جس طرح حضور قبلہ عالم نے اراد مندوں کو ذکر اسمائے الہی کی مختلف
 طریقوں سے ہدایت فرمائی اسی طرح وہ اشغال جن کو محبت سے قطعاً تعلق تھا اپنے غلاموں کو
 بحال شفقت تعلیم فرمائی جن کی تفصیل اگرچہ بصراحت نگارش ہو۔ تو طوالت کا خوف ہے
 اس لئے بعض اشغال کا مختصر نفلوں میں ذکر کرتا ہوں۔

محققین ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ جو نوعیت اہل محبت کے ذکر کی ہے کہ ان
 کی محبت کا اقتضا ہوتا ہے۔ وہی شان ان کے شغل کی ہوتی ہے کہ نہ تعلیم کی حاجت نہ تربیت
 کی ضرورت۔ ان کا وہ فور شوق ان کو خیال یار میں ہر وقت مصروف و مشغول رکھتا ہے۔

چنانچہ صاحب طبقات الکبریٰ لکھتے ہیں کہ ابو حمزہ بن ابراہیم بغدادی علیہ الرحمۃ سے ان کے اصحاب
 نے دریافت کیا کہ ہل ینفقس الیٰ ربی؟ یعنی محبوب سے الگ ہونے کا کیا حال ہے؟ اور جواب کے سوا
 اور کسی چیز کے خیال کی بھی فرصت ملتی ہے۔ فرمایا نہیں۔ اور شیخ منصور بطائی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

”الْحُبُّ يَزِيلُ سُكْرَ الْخَمْرِ حَيْرَانَ فِي شَرَابِهِ“ یعنی محب ہمیشہ اپنے خمار میں سرشار اور شرب میں حیران ہوتا ہے۔
 اہل محبت کی اسی حالت کا نام اصطلاح صوفیہ میں شغل بے شغلی ہے۔ اور ان کی اسی کیفیت
 کا ضمیمہ ہے جس کو عرف عام میں تصور کہتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے سرکار عالم پناہ نے اکثر مشرکین کو یہ
 ہدایت فرمائی ہے کہ ”یا ترک پہونچنے کا آسان راستہ تصور ہے۔ اور یہ بھی متواتر ارشاد ہوا ہے کہ

ایک صورت کو کپڑو۔ وہی تمہارے ساتھ رہے اور اسی مضمون کو دوسری الفاظ میں لیں فرمایا ہے کہ جو صورت تمہارے ساتھ یہاں رہے گی وہی مرتے وقت اور وہی حشر میں تمہارے ساتھ رہے گی۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”جس کے تصور میں مروگے قیامت کے روز اسی صورت کو دیکھو گے“

ان ملفوظات میں تصور مطلوب کی ایسی بشارتوں کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے کہ جن کے خیال سے ہر فرد بشر متاثر ہوتا ہے اور باوجود اختصار کے یہ چھوٹے چھوٹے جملے جامع اور وسیع المعنی بھی ایسے ہیں جن کی تشریح دیکھپی سے عالی نہ ہوتی۔ مگر طوالت کے خوف سے اسی قدر عرض کرتا ہوں کہ یہ ارشادات فی الحقیقت غیر معمولی انعامات ہیں۔ اور واقعی حصول مراد کا اسی بے نظیر شغل پر انحصار ہے۔ اور طالب صادق کو اسی ایک شغل کی فراولت مرید سے مراد اور انسان سے انسان کامل بنا سکتی ہے۔

ہمارے حضور قبلیہ عالم کی یہ شان دستگیری ہے کہ اپنے ارادتمندوں سے ایک شغل کے عوض میں ایسے ایسے مہتمم بالشان اور گرانقدر وعدے فرمائے۔ جو ہماری امید سے بہت زیادہ۔ اور دارین میں ہمارے فخر و مباہات کے واسطے کافی اور بس ہیں۔

زہے قسمت ان کی جو اخوان ملت سرکار عالم پناہ کی اس زرین ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ اور اس دولت سرمدی کے حاصل کرنے میں ساعی اور کوشاں رہتے ہیں۔

اور وہ خوش نصیب تو بہت بڑے عالی ظرف ہیں جن کے گوشہ قلب میں برزخ نبویہ جلوہ فرما ہے و اللہ ان کی زندگی بھی بے بہا زندگی ہے۔ اور ان کا مرنا بھی حیات جاوید ہے اور روز نشور بھی ان کے لئے شب وصل سے بہتر ہوگا کہ میدان حشر میں تصور مطلوب کو ہکنا رائیں گے۔ اور آج بھی انہیں شاہاں ہے کہ باواز بلند یہ کہہ سکتے ہیں

روز قیامت ہر کے در دست دارد نامہ من نیز حاضر می شوم تصویر جانان در نعل
حضرات عارفین نے تصور شیخ کے صفات و برکات نہایت شرح و بسط کے

ساتھ نقل فرمائے جن کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ طالب سادق کو محبت کی دشوار گزار گھاٹیوں سے پہی برزخ شیخ خضر راہ بن کر جو ارشاد حقیقی تک پہنچاتی ہے۔ اور یہی تصور پیراسرار حقیقت سے خبردار کرتا ہے جس کا اقرار حافظ شیراز علیہ الرحمۃ بھی صاف الفاظ میں فرماتے ہیں۔

ہر دم از روئے تو نقشے زندم راہ خیال باک گویم کہ دریں پردہ چہسامی بسیم
 علی ہذا حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ نے بھی مفاد تصور کے سلسلہ میں یہی نقل فرمایا ہے کہ
 صورت متصورہ حشر میں ظاہر ہوگی۔ اور ہمارے فہم کے لائق تمثیل یہ تخریر فرمائی ہے کہ جس طرح
 تخم زمین کے اندر پوشیدہ رہ کر آخر شکل نخل ظاہر ہوتا ہے جو حقیقت اس کی اصلی صورت ہے
 اسی طرح جو صورت آج مرزعمہ دل میں مخفی ہے۔ وہ قیامت کے روز اپنی اصلی صورت پر نمایاں ہوگی
 چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

آں خیالے از دروں آید بروں چوں زمین کہ زاید از تخم دروں
 ہر خیالے کو گست دروں وطن روز حشر صورتے خواہد شدن

اور دوسرے مقام پر مولانا نے مدوح نے مفاد تصور کی اور زیادہ وضاحت فرمائی ہے
 اور صاف لکھ دیا ہے کہ جو صورت آج دل نشین ہوگی۔ اسی صورت متصورہ کے ساتھ محشور ہونا لازمی
 ہے۔ کہ

صورتے کاں بر بہاوت غالب است ہم بر آں تصویر حشرت واجب است
 مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد مطابق اصول شریعت ہے۔ کیونکہ حضرت بہترین عالم علی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”کَمَا تَعِيشُونَ تَمُوتُونَ وَكَمَا تَمُوتُونَ تَبْعَثُونَ“ کہ زندگی میں
 جو خیال رہے گا۔ اسی میں مروگے۔ اور جس خیال میں مروگے۔ اسی خیال میں محشور ہوگے۔

اس مستند حدیث سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ اہل محبت کی موت صورت متصورہ کے ساتھ
 ہوتی ہے۔ اور قیامت کے روز بھی صورت متصورہ کے ساتھ وہ محشور ہوں گے۔ لیکن یہ ضرور ہے
 کہ تصور اگر صورت محمود کا ہے تو فائدہ اٹھائیں گے۔ اور اگر شخص مذموم کا ہے تو اسی قدر

نقصان ہوگا۔

اور اس کا تصفیہ کہ خیال محمود اور تصور مذموم کا امتیاز کیونکر ہو۔ اس کے واسطے حضرات صوفیائے کرام کی تصانیف کا مطالعہ کافی ہے۔ جن کا ایک ایک ورق زبان حال سے منادی کر رہا ہے کہ دنیا میں پیشوائے کامل کے تصور سے بہتر کوئی خیال نہیں ہے۔ اس لئے کہ خیال و حقیقت صحبت روحانی ہے۔ اور سلمہ ہے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ اور اثر بھی کیسا اثر۔ کہ ایک دم کی صحبت کو "پہتر از صد سالہ طاعت بے ریا" فرمایا ہے۔ پس تصور شیخ جملہ موجودات کے خیال کو افضل ہے۔ اور جب ہم ایسے سعید خیال کے ساتھ مریں گے۔ اور اسی مقدس خیال کے ساتھ مشغور ہوں گے۔ تو ضرور سعادت ابدی نصیب ہوگی۔

بلکہ دنیاوی معاملات میں بھی بزرگ شیخ کی امداد سے ہم کو مفاد حاصل ہونے میں چنانچہ ایک مرتبہ شیخ عنایت اللہ صاحب تعلقہ ارسیدن پورہ جو بارگاہ وارفی کے قدیم حلقہ بگوش تھے۔ اور حضور قبلہ عالم کبھی ان کے حال پر خاص توجہ فرماتے تھے خدمت والا میں متمسک ہونے کے تعلقات زیندار ہمیشہ پیچیدہ رہتے ہیں۔ لہذا کوئی اسم سلال مشکلات تعلیم ہو جس کا در و کروں۔ آپ نے تبسم لبوں سے فرمایا "شیخ جی جب کوئی مشکل پیش آئے تو ہمارا تصور کر لیا کرو" اور تصور کا قاعدہ تعلیم فرمایا شیخ صاحب موصوف نے ہمیشہ اس ہدایت وارفی پر عمل کیا اور مشکلات اور مہات میں ان کو اسی تصور شیخ کے تصرفات سے کامیابی ہوئی۔

ایک مرتبہ آپ کے تہید پوش معصوم شاہ صاحب نے عرض کیا کہ حسب ہدایت شب کو ذکر کرتا ہوں لیکن بعض روز کیسوی نہیں ہوتی۔ فرمایا "تصور کیا کرو" شاہ صاحب موصوف نے عرض کیا گس کا تصور کیا کروں۔ ارشاد ہوا "جس کو زیادہ دوست رکھتے ہو" انہوں نے آپ کی جانب اشارہ کیا۔ اور کہا میں اسی صورت کو زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ حکم ہوا "اسی صورت کا تصور کیا کرو۔ خیال بھی پختہ ہو جائے گا۔ اور یہی صورت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی" علی ہذا ایک مرتبہ مولوی محمد یحییٰ صاحب وارفی وکیل دریں عظیم آباد خدمت اقدس میں

حاضر ہوئے۔ تو حضور نے کہاں شفقت فرمایا کہ ”مولوی صاحب تم تصور کیا کرو“ مولوی صاحب
موصوف نے دست بستہ عرض کیا کہ کس کا تصور کروں۔ اس وقت سرکار عالم پناہ نے حجاب آمینر
بیم کے ساتھ چہرہ اقدس پر دست مبارک پھیر کر فرمایا کہ ”اسی صورت کا تصور کیا کرو“

ایک مرتبہ مولوی فضل الرحمن صاحب وارتی عرف فضلومیان متوطن بانگی پور نے عرض کیا کہ
پچھری میں ملازم ہوں مگر افسر ناغوش رہتا ہے۔ فرمایا ”جب اس کے سامنے جاؤ ہمارا تصور کرو“
فضلومیان کہتے تھے کہ میں نے اس ہدایت کی تعمیل کی تین چار روز کے بعد اسی افسر نے میری
ترقی کے واسطے رپورٹ کی۔ اور ہمیشہ مجھ کو اسی تصور کی برکت سے کامیابی ہوا کی۔
ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے ایک ہندو دست گرفتہ کو تصور کی ہدایت فرما کر خدمت
کیا اسی ہنگام میں فیضو شاہ صاحب خادم خاص نے عرض کیا کہ مجھ کو بھی تصور کرنے کا حکم ہو۔ فرمایا
”ہر وقت قلب میں محبوب کی صورت دیکھنے کی کوشش کرو۔ اگر محبت ہے تو برزخ
قائم ہو جائے گی“

ایک نوا آموز حلقہ بگوش نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ بوجہ ہدایت تصور کرتا
ہوں لیکن کشف صورت کے ساتھ فوراً حجاب حائل ہو جاتا ہے حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔
جب حجاب حائل ہو چند مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرو۔ صورت قائم ہونے لگے گی۔
اور اکثر سرکار عالم پناہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”عاشق کو ایک صورت کے سوا دوسری
صورت کا دیکھنا حرام ہے“ لیکن قرینہ ہے کہ اس ارشاد کا روئے سخن ان باخبر ارادتمندوں
کی جانب ہو گا جن کے قلوب سوز محبت سے گدازتے۔ کیونکہ یہ مرتبہ عشاق کا ہے کہ ماسوائے
یار موجودات سے سرکار نہیں رکھتے۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور قبلہ عالم نے تصور کا قاعدہ کیا تعلیم فرمایا۔ اس
کی نسبت یہ عرض کروں گا کہ جس طرح ذکر اسم ذات کی تعلیم مختلف طور سے ہوئی۔ اسی طرح حضور
قبلہ عالم نے اپنے غلاموں کی حالت اور استعداد کے لحاظ سے تصور کی تعلیم بھی مختلف طریقہ

سے فرمائی ہے۔

مگر ایک قاعدہ میں مساوات بھی ہے کہ یہ ہدایت سب کو یکساں ہونی کہ بوقت تصور انکھیں
نہ بند کی جائیں۔ بلکہ قلب کی آنکھ کے ساتھ۔ ظاہری آنکھ سے بھی غائبانہ صورت محبوب دیکھنے کی
مزا اولت کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ طریق محبت میں جس طرح ذکر کے واسطے کوئی قاعدہ معین نہیں ہے۔ اسی طرح
شغل کے واسطے بھی کوئی طریقہ مخصوص نہیں۔ شاغل کی حالت کے اعتبار سے کوئی طریقہ بنا بھی دیا
جاتا ہے۔ ورنہ صحیح معنی میں اہل محبت کو اذکار و اشغال کا قاعدہ خود ان کا اضطراب قلب بنا دینا
ہے۔ کیونکہ محبت میں آورو نہیں ہے۔ طالب صادق یا مطلوب میں وہی کرتے ہیں۔ جو ان کی
بچی بقراری ان سے کراتی ہے۔

چنانچہ اہل محبت کا تصور بھی بغیر کسی سعی اور کوشش کے یوں قائم ہو جاتا ہے۔ کہ فراق محبوب
میں جب وہ زیادہ بقرار ہوتے ہیں۔ تو صورت محبوب کے خیال سے دل کو تسکین دیتے ہیں
اور رفتہ رفتہ صورت متصورہ ایسی قائم ہو جاتی ہے کہ موجودات میں بجز صورت محبوب ان
کو دوسری صورت نظر نہیں آتی ہے

سرمہ یوں تو کر کر ا بجر ادیوں نجاسے جن نین ماں پو بسیں دو بے کون بھائے
مالانکہ ارباب طریقت نے تصور کے قواعد منضبط فرمائے ہیں۔ اور بجائے خود وہ

بہت صحیح اور نیکار آمد ہیں جن کے لئے تھوڑی سعی اور کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور حدود
حد سے تصور بچتا بھی ہو جاتا ہے۔ مگر وہ تصور جو ”کہنا تعیشون تموتون وکہا تموتون تبعثون“
کا مصداق ہے۔ بغیر محبت کے نہیں قائم ہوتا۔ کیونکہ تصور محبت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے محبت
ہے تو تصور بھی ہے۔ اور محبت نہیں تو تصور بھی نہیں۔ اور محبت چونکہ وہی ہوتی ہے۔ جو
کسب سے نہیں حاصل ہوتی۔ پس وہ تصور جو عین محبت یا محبت کا ضمیمہ ہے۔ کیونکہ سعی و کوشش
سے حاصل ہو سکتا ہے۔

شغل سلطان الاذکار معہذا حضور قبلہ عالم نے اپنے مخصوص اور باخبر غلاموں کو شغل سلطان الاذکار بھی تعلیم فرمایا ہے۔ لیکن جن طرح تصور مطلوب کی ہدایت عام اور بغیر کسی تخصیص کے جملہ سترشدین کو ان کی استعداد کے اعتبار سے ہوئی۔ وہ تعلیم شغل مذکور کی تعلیم میں نہیں ہے۔ چند غلامان بارگاہ وارثی ایسے دیکھے ہیں جو شغل سلطان الاذکار کے صحیح معنی میں عامل تھے۔ لیکن شغل سلطان الاذکار کے صفات جس قدر ارباب طریقت کی تصنیفات میں منقول ہیں ان کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شغل جامع کمالات ہے۔ اور اس کے چند مدارج ہیں۔ اور درجہ آخر مخصوص مقربین بارگاہ حضرت احدیت کا مرتبہ ہے۔ اور اسی شغل کا اصطلاح حضرات صوفیہ میں صوتِ سرمدی اور شغل بے شغلی نام ہے۔ اور فقرا کے ہند کے محاورہ میں اس کو "انھد" کہتے ہیں۔

اس ممتاز شغل کی نوعیت اور حقیقت کو مشائخین عظام نے کمال وضاحت نقل فرمایا ہے اور اس کی تعلیم کے قواعد نہایت شرح و بیضا کے ساتھ لکھے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح یہ شغل اپنی نوعیت میں یگانہ ہے۔ اسی طرح اس کا عمل نہایت دشوار ہے۔ اور زمانہ دراز کی جدوجہد۔ اور مسلسل سعی اور کوشش سے شغل اس کے جملہ مدارج سے خبردار ہوتا ہے۔ مگر حضور قبلہ عالم کے مخصوص طریقہ تعلیم میں خصوصیت بدیہات سے دیکھی گئی ہے کہ شغل سلطان الاذکار کا قاعدہ بہت جلد اور نہایت آسانی سے طالب کے ایسا ذہن نشین ہو جاتا تھا کہ وہ اس پر عمل کرتا تھا۔ اور اس کے اثرات سے کما حقہ آگاہ ہو جاتا تھا۔

چنانچہ سرکار عالم پناہ نے جس دست گرفتہ کو شغل سلطان الاذکار تعلیم فرمایا۔ تین دنوں میں اس پر ابتدائی حالت طاری ہو گئی۔ اور اس کے بطنوں سے آواز لطیف آنے لگی۔

بقول حافظ علیہ الرحمۃ

کس ندانست کہ منزلگہ مقصود کجاست این قدر بہت کہ بانگ جبر سے می آید

گو طالبین کی اس یافت اور کامیابی میں اس قدر عجلت کا باعث یعنی حضور کے تصرف باطنی کا

اثر ہوگا۔ مگر بظاہر قاعدہ بھی آسان تھا۔

مجاہدہ عام | اب مجھ کو بلحاظ سلسلہ رضائین اس کا بھی ذکر کرنا لازمی ہے کہ حضور قبلہ عالم سے مجاہدات کی نسبت ہم کو کیا ہدایت فرمائی۔ اور ان ارشادات کی تعمیل میں غلامانِ بارگاہِ وارثی کیا اور کس عنوان سے جدوجہد کی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ جس قدر احکام مشتمل بہ مجاہدت وقتاً فوقتاً اہل ارادت کے حق میں صادر ہوئے ہیں ان کو بہ تفصیل نقل کرنا محالات سے ہے۔ کیونکہ کہ اور کہاں اور کس کو اور کیا حکم ہوا۔ اس کا مکمل علم شاید کسی کو نہ ہوگا۔

بلکہ ایسے فرمان جو بقدر واقعیت صفحہ یا دہیں محفوظ ہیں۔ اور وہ بھی مختصر الفاظ میں اگر نگارش ہوں تو باعتبار تعداد ان کی بھی گنجائش کے واسطے یہ مجموعہ کافی نہ ہوگا۔ اس لئے چند اخوان ملت کے مخصوص ریاضیات اور مجاہدات کا تمثیلاً ذکر کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا ہے کہ غلامانِ وارثی کے اس کثیر التعداد گروہ میں کس قدر اہل مجاہدت گزرے۔ اور یہ کیسے غیر معمولی مجاہدے انہوں نے کئے۔

لیکن قبل اس کے کہ وہ مجاہدے۔ اور ان اہل مجاہدات کے واقعات نگارش کروں یہ ایک ایسے مجاہدے کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو کلیتہً حضور قبلہ عالم کے تصرفات باطنی کا نتیجہ ہے۔ اور جس میں قطعاً تعمیم نظر آتی ہے۔ اور جس کے لئے کسب و کوشش کی ضرورت نہ زمان و مکان کی قید۔ اور بغیر کسی تخصیص کے جملہ پرستارانِ بارگاہِ وارثی کو اس قدر ترقی مجاہدے سے گہرا تعلق ہے۔ اور اس مجاہدے کو دل کا دامنِ محبت میں گرفتار ہونا کہتے ہیں۔

مگر غلامانِ وارثی کا یہ قلبی مجاہدہ گو صورتاً یکساں ہے۔ لیکن بالمعنی اس قدر امتیاز نہ ہے کہ کسی کے قلب کو قابلِ برداشتِ صدماتِ محبت سے تعلق ہے۔ اور کسی کا دل احوالِ محبت سے ہمیشہ سرسیمہ اور رنجور رہتا ہے۔ یا اس کو یوں کہنا چاہیے کہ حضور قبلہ عالم کے بعض حلقہ بگوشہ "دل بیار دست بکار" کے مصداق ہیں۔ کہ دنیوی تعلقات کے ساتھ اثراتِ محبت سے بے متاثر ہیں۔ اور بعض ارادتمندوں کو ایسا غلو اور انہماک ہے کہ وہ جا بنا زہمہ وقت بنا

بے نیاز کے خیال میں محو اور مستغرق رہتے ہیں۔ چنانچہ غلامانِ وارثی کے اسی قلبی سروکار میں نے عام مجاہدہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ اور میرے خیال میں یہ دوامی صعوبت و حقیقت بہت بڑا مجاہدہ ہے۔

مگر شاید اربابِ ہوش و خرد۔ محبت کے دل خراش اثرات کا ناقابلِ برداشت ہونا بقولِ نغمائیں۔ اور اہل محبت کے اضطراب و اضطراب کا کوئی ایسا بدیہی ثبوت طلب کریں جس و مشاہدہ سے تعلق ہو۔ تو فی الحقیقت اس قلبی حالت کا عینی معائنہ کرانا ہمارے امکان سے اہر ہے۔ بجز یہ عرض کرنے کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے مصرع۔ ”ذوقِ این می نہ شناسی نجدانہ چستی اور ان کی یہ بے خبری اسوجہ سے بیجا بھی نہیں ہے کہ جو حضرات عیش و آرام سے دن رات ہمکنار رہتے ہیں۔ وہ کس طرح اہل محبت کی دائمی صعوبت سے خبردار ہو سکتے ہیں۔ بقولِ حافظ شیراز علیہ الرحمۃ ”گجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا“ اور سے

تراچہ غم کہ شبِ مادرِ ز می گذرد کہ روزگار تو در خوابِ ناز می گذرد

حالانکہ اہل محبت کے اضطرابِ قلب کے نتائج اور آثار کا اکثر نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً انہیں آنکھوں سے بعض مقدر حضرات کو پہلے خوش مذاق اور خوش پوشاک اور شاندار مکانوں میں رہتے دیکھا تھا۔ لیکن انہیں کے دل کو جب فیضانِ وارثی نے درو محبت سے آشنا کیا۔ تو بغیر کسی مجبوری کے وہی عیش پسند فقیرانہ لباس میں نظر آئے۔ لہذا یہ انقلاب ان کے اضطرابِ قلب کا صریح اثر ہے۔ اور ان کی محبت کا صحیح نتیجہ ہے کہ خیالِ یار میں نہ دل بہ قرار ہوتا۔ نہ ان کی یہ حالت ہوتی ہے

منکہ ملول گشتے از نفسِ فرشتگا قال و مقال غالمی شخوم برائے تو

چنانچہ جس کی کھلی ہوئی تمثیل یہ ہے کہ ٹھا کر پنجم شاہ صاحب وارثی رئیس ملاوٹی ضلع بن پوری جنکی فراخ حالی کا سب کو علم ہے۔ کہ موصوف کی پہلی زندگی کیسی امیرانہ زندگی تھی۔ کہ پہنے کو کوٹھی۔ عیش و آرام کا جملہ سامان۔ غذا لطیف۔ شرکار کا شوق۔ سواری کے لئے متعدد فہمی

گھوڑے۔ موٹر۔ وراثتی لینڈ و ہر وقت موجود رہتی تھی۔ مگر محبت کے جگر سوز اثرات سے ان کے قدیم عادات میں یہ انقلاب ہوا کہ ان کی شان امارت تخر و اور فقر سے۔ ان کا لباس تہند سے تبدیل ہو گیا۔ حتیٰ کہ پنجم سنگھ سے وقار شاہ ہو گئے۔ اور عارضی امارت چھوڑ کر سردی افتخار کو اختیار کیا۔

علی ہذا سید محمد و احمد شاہ صاحب وارثی۔ رئیس مولانا گز ضلع مونگیر جن کی جائیداد کی آمدنی تقریباً بیس ہزار روپیہ سالانہ کی تھی۔ فیضان وارثی نے باطنی شرف و افتخار جو کچھ مرحمت فرمایا اس کا تو علم نہیں۔ مگر دیکھا یہ کہ موصوف و نبوی اقتدار سے ہزار۔ اور تعلقات موجودات سے دست بردار ہو کر محبت الہی کے جوش میں جبکہ فقیر تہند پوش ہوئے۔ اور مکان چھوڑ کر باغ میں گوشہ نشینی اختیار کی آج تک باہر قدم نہیں رکھا۔

غرض اس مضمون کے واقعات بکثرت ہیں۔ کہ محبت کے اثرات سے اکثر غلامان اس مضطرب اور مبہر ہزار ہوئے کہ ان کی تنظیم عادت میں انقلاب عظیم ہو گیا اور یہی وقوع انقلاب ان کا اضطراب قلب کی بنیادیں ہے بلکہ محبت کی یہی تعریف ہے۔ کیونکہ اصطلاح صوفیہ میں صادق کی اس باطنی کیفیت کو محبت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جو مطالعہ جمال یار کے۔ قلب کو ایسا مضطرب اور مبہر کر دے کہ ماسوائے یار دنیا و مافیہا سے سروکار نہ رہے۔ چنانچہ صاحب احیاء العلوم لکھتے ہیں کہ ابو محمد رومی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ محبت کی تعریف ہے کہ دل میں وحشت پیدا ہو ماسوائے اللہ سے۔ اور نشانات الانس میں ہے کہ خواجہ شمس علی علیہ الرحمۃ نے محبت کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ اپنی محبوب زین چیزوں کا بشار کرنا۔ ان کے لئے جس کو زیادہ دوست رکھتے ہو۔ اس کو محبت کہتے ہیں۔ بشجوائے کن تنالوا۔ حتیٰ تنفقوا۔ متماحبیوں کے بقول ہے

در مقامات طریقت ہر کجا کردیم سیر عاقبت را بانظر بازی طلاق افتادیم

لیکن بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ محبت اس کو کہتے ہیں کہ دنیا و دنیا دار

کو بھول جائے۔ لہذا غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ محبت کے اس اثر سے بھی حضور قبلہ عالم کے اکثر ارادے بقدر استعداد متاثر تھے۔ چنانچہ بعض ایسے ارباب علم جن کے تبحر اور تقدس کا شہرہ تھا۔ وہ مکتب محبت میں جب داخل ہوئے تو یہ انقلاب رونما ہوا کہ ایک قلم ان کا علم و فضل خیال موموم ہو گیا۔ اور بجائے تبحر کے وہ ذی اساس حرف شناس بھی نہ رہے۔

چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب وارثی متوطن شیخپورہ ضلع مونگیر جو علامہ وقت تھے لیکن جب فیضان وارثی نے ان کو محبت کا سبق پڑھایا۔ تو مدوح۔ عالم سہو میں ایسے مستغرق اور محو ہو گئے کہ بغدادی قاعدہ پڑھانے کی بھی صلاحیت نہ رہی۔ آخر گوشہ نشین ہوئے۔ اور اسی حالت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

معینا مولانا ہدایت اللہ صاحب وارثی محدث سورتی جو مختلف علوم کے عالم بلکہ ہفت زبان مشہور تھے مگر جب حضور قبلہ عالم کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور صحیفہ عشق کی ورق گردانی کی۔ تو ان کا کیف زبان حال سے کہتا تھا: "جو پڑھا لکھا تھا نیا ز نے اُسے صاف دل سے بھلا دیا۔" یہی حالت ملازمی الدین صاحب بغدادی کی ہوئی کہ کسی تقریب سے ہندوستان آئے۔ اور سرکار عالم پناہ کا نام نامی سنا تو پہلے معترض ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد خوبی قسمت سے حضوری نصیب ہوئی۔ تو حضور قبلہ عالم کی نظر عنایت سے یہ کرشمہ دکھایا کہ موصوف کے قلب سے حجاب علم ایسا اٹھایا کہ عالمانہ لباس سے سبکدوش ہو کر فقیر تہ بند پوش ہو گئے۔ بغدادی شاہ خطاب ملا اور ظاہری مشغلہ یہ بتایا گیا کہ پرانے جونوں کی مرمت کیا کرو۔ مگر چار پیسے سے زیادہ مزدوری نہ کرنا۔ وہ بھی باین شرط کہ دو پیسے خیرات کرو۔ اور دو پیسے میں بسر اوقات ہو۔ چنانچہ موصوف نے تمام عمر یہی کیا اور کبھی اپنے علم کا ذکر زبان پر نہیں لائے۔

بلکہ اکثر وہ علمائے ہنود جو دید شاستر سے کما حقہ آگاہ۔ اور اپنے مذہب کے پیشواؤں میں تھے۔ لیکن محبت کے دل خراش اثرات سے ان کے حالات زندگی میں انقلاب عظیم واقع ہوا۔ مثلاً پنڈت فضل رسول صاحب وارثی۔ جن کا پہلا نام رام اوتار شاستری تھا۔ اور

سنا ہے کہ موصوف جس طرح سنسکرت کے عالم تھے۔ اسی طرح دہیان اور گیان کے بھی
عال تھے۔ جب حضور قبلہ عالم کے حلقہ غلامی میں داخل ہوئے اور محبت کا چاب کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
دستار فضیلت بیکار ثابت ہوئی۔ بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی۔ اور تعلقات عالم سے
دست بردار ہو کر تاحیات رودلی شریف میں قیام کیا۔

یہی صورت پنڈت سینا رام پوجاری معروف بہ دین محمد شاہ صاحب وارثی کی ہوئی۔
کہ موصوف بہت خوشحال اور باکمال پنڈت تھے۔ حضور قبلہ عالم کی قدمبوسی کو آئے۔ دوران
گفتگو میں آپ نے فرمایا: ”پنڈت جی برہم پچا لو“ موصوف نے عرض کیا۔ دہرا اوتار پہچان لیا۔
ارشاد ہوا جاؤ۔ پھر ملاقات ہوگی۔ انہوں نے عرض کیا۔ مہراج جب تک نہیں پہچانا تھا۔ تو تلاش
میں در بدر مارا پھرتا تھا۔ جب پہچان چکا تو اب کہاں جاؤں۔ آپ نے مسکرا کر خرقة فقر تفویض فرمایا
اور ہدایت کی ”پنڈت جی گھر نہ بنانا۔ سیاحت میں مرجانا۔ اور سات فاتے بھی ہوں تو ہاتھ
نہ پھیلانا“

اسی طرح پنڈت دیندار شاہ صاحب وارثی کا واقعہ ہے۔ کہ پہلے آپ کا نام کیسوراؤ
تھا۔ اور ملک مالا بار کے باشندے تھے حالانکہ علوم مذہبی میں آپ کو فراغ تھا۔ مگر تحقیق حق
کا خیال ہمیشہ رہا۔ جب سرکار عالم پناہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور محبت کا سبق
پڑھا۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ طریق آبائی سے روگردانی کی۔ اور قومی لباس سے سبکدوش ہو کر بارگاہ وارثی کے
فقیر ہت بند پوش ہو گئے! اور اب وطن اور اہل وطن سے دور دیوی شریف میں شب و روز آساں بوسی
کرتے ہیں۔

چنانچہ متعدد مثالیں ایسی ہیں کہ حضور قبلہ عالم کے سیکڑوں ارادتمند جو واقعی تعلیم یافتہ اور
صاحب عقل و ہوش تھے۔ مگر کتب وارثی میں تربیت پا کر محبت کے اثرات سے خود فراموش
ہو گئے۔ نہ طریق آبائی کا خیال رہا۔ نہ وطن کا ملال ہوا۔ تمام عمر بے سرو سامان سیاحت میں
سرگرداں رہے۔

الغرض اہل محبت کی زندگی ایسے اضطراب و انتشار میں گزرتی ہے کہ نہ دن کو صبح نہ رات کو آرام۔ ہر وقت خیالِ یار میں مضطرب اور بیقرار رہتے ہیں۔ اس لئے میں نے محبت کو قلبی مجاہدہ کہا۔ اور چونکہ محبت کی ہدایت غلامان و ارثی کو بطور تعمیم ہوئی ہے اس نسبت سے میں نے اس کو عام مجاہدہ کے نام سے تعبیر کیا۔ اور میں یہی عرض کروں گا کہ محبت درحقیقت غیر معمولی مجاہدہ ہے **الْمَحَبَّةُ تَخْلِيصُ الْقَلْبِ عَنِ الْغَيْرِ**۔

مجاہدات | لیکن علاوہ اس عام مجاہدہ کے حضور قبلہ عالم نے اکثر ارادتمندوں کو خاص خاص مجاہدات کی بھی ہدایت فرمائی ہے۔ مثلاً عظمت علی شاہ صاحب وارثی۔ اور مولوی عبدالحی صاحب وارثی جگوری اور عباس علی شاہ صاحب وارثی کو تغلیل غذا کی ہدایت تھی۔ اور مخدوم شاہ صاحب وارثی دریابادی۔ اور پیر شاہ صاحب وارثی مقیم ہردوئی۔ اور نمازی شاہ صاحب وارثی۔ اور حاجی گھوڑے شاہ صاحب وارثی کو ترک لذات کا حکم تھا۔ جو بہت سادی غذا کھاتے تھے۔ اور ذائقہ نہیں لیتے تھے۔ اور بعض کے واسطے ترک حیوانات کا فرمان تھا۔ جو خیال احتیاط تک سے یا پانی میں بھگو کے روٹی کھاتے تھے۔

بعض کو مسلسل روزہ رکھنے کا فرمان تھا۔ چنانچہ حاجی فیضو شاہ صاحب وارثی خادم خاص نے حسب حکم چھبیس سال تک۔ اور ابوالحسن شاہ صاحب وارثی متوطن اٹاواہ نے بارہ سال تک۔ اور بابو کنہیا لال صاحب وارثی وکیل علی گڑھ نے چودہ سال تک متواتر روزہ کھا۔ اور حاجی مکی شاہ صاحب وارثی متوطن ضلع بارہ بنگی۔ اور مسکین شاہ صاحب وارثی۔ اور بی بی سکینہ صاحبہ وارثیہ دختر گلاب شاہ صاحب سکنا آگرہ۔ اور حاجی رمضان شاہ صاحب وارثی متوطن فتحپور تمام عمر دائم الصوم رہے۔

اور رومی شاہ صاحب ترک وارثی۔ اور مسکین شاہ صاحب وارثی میں مضافات الہ آباد دائم الصوم اور قائم اللیل تھے۔ اور بی بی نصیب شاہ صاحبہ وارثیہ تاحیات اس کی پابند رہیں کہ دو روز صرف پانی سے افطار۔ اور تیسرے روز بعد افطار کھانا کھاتی تھیں۔

اور حافظ احمد شاہ صاحب وارثی اکبر آبادی نے بارہ سال تک نماز معکوس شب کو پڑھی۔ اور شیخ مقصود علی شاہ صاحب وارثی رئیس پینے پور کو صلوة العشق کی مداوت کا حکم تھا۔ اور مولوی برکات اللہ صاحب وارثی ستون پٹی بھیت کو روزانہ چوبیس ہزار چار سو مرتبہ درود شریف پڑھنے کا حکم تھا۔ اور لکھنویں ایک سیدانی بی بی وارثیہ تھیں۔ ان کو کلمہ طیبہ کے ورد کا بایں شرط حکم تھا کہ ہر وقت با وضو پڑھا کر دو۔ چنانچہ دیکھا ہے کہ اس فرمان کی تعمیل میں وہ ضعیفہ اس قدر شہک رہتی تھیں کہ بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ اور کھانا باصرہ ایک وقت کھاتی تھیں۔ اس خیال سے کہ ورد میں نقصان نہ آئے۔

بعض کے لئے جاندار سواری کی امتناع۔ اور سیاحت کا حکم قطعی تھا۔ بعض ہر سال حج کرتے تھے۔ بعض دن کو سوتے اور رات کو جاگتے تھے۔ چنانچہ تیم شاہ صاحب جٹ بارگاہ وارثی کے قدیم تہ بند پوش فقیر تھے۔ چالیس سال تک شب بیدار رہے۔

اور میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ ایک روز حضور قبلہ عالم لکھنویں شاہ پیر صاحب کے ٹیلے پر بیٹھے دریا کی سیر کر رہے تھے کہ ایک طالب خدا نے حاضر خدمت ہو کر انقطاع تعلقات کی استدعا کی۔ جناب حضرت نے اپنا مستعمل احرام اس کو تغویض فرمایا۔ اور بیدار شاہ خطاب مرحمت ہوا۔ اور ذکر اسدی تعلیم فرما کر ارشاد ہوا کہ ”رات دیدار کے واسطے ہے۔ نہ خواب غفلت کے لئے۔ تم شب کو آبادی کے باہر یہ ذکر باجہر کیا کرو۔ اور جب تھک جاؤ تو کلمہ طیبہ یاد رو۔ درود شریف کا ورد مسلسل رہے۔ اور دن کو اگر نیند معلوم ہو تو اس طرح سونا کہ لوگوں کی گفتگو اور آواز رفتار سنجوبی سنائی دے۔“

اور حاجی موسیٰ شاہ صاحب وارثی تادم واپس کھڑے نہیں ہوئے۔ کیونکہ بوقت تہ بند پوشی ان کو قناعت کی بایں الفاظ ہدایت ہوئی تھی کہ ”فقیر کو چاہیے کہ خدا کی کفالت پر بھروسہ کرے اور صبر سے بیٹھا رہے۔“

اور جن بی بی صاحبہ دارشہ کو جب تہند مرتبہ ہوا۔ تو فرمایا تھا کہ ”خدا رازق ہے
 ٹانگ توڑ کر اس کے بھروسے پر بیٹھو۔“ اس فرمان وارثی کی تعمیل میں وہ ثابت قدم
 عورت تیس سال تک کھڑی نہیں ہوئی۔ اور اسی حال میں داعی اجل کو لبیک کہا۔
 اور بعض ارادتمندوں کو بستی میں آنے کی ممانعت تھی۔ جن کی زندگی ویران جنگلوں اور
 غیر آباد پہاڑوں پر تھی۔ مثلاً جنگلی شاہ صاحب وارثی پینے پور کے آگے ایک جنگل میں عزت گزیں
 رہتے۔ اور جمیل شاہ صاحب وارثی شملہ پر ایسے خطرناک مقام پر رہتے تھے جو گزرگاہ عام نہ
 تھا اور حافظ دوست محمد صاحب وارثی اجیر شریف میں حافظ جمال صاحبہ کے چلہ کے قریب
 پہاڑ کے ایک درہ میں تاحیات مقیم رہے۔

بلکہ ہندوستان کے باہر بھی ایسے مجاہدین کو اخوانِ ملت نے اکثر دیکھا ہے۔ چنانچہ
 محبت شاہ صاحب وارثی پنجابی جو بارگاہ وارثی کے قدیم خرقہ پوش فقیر ہیں بیان کرتے تھے
 کہ سیاحت عراق میں زیارت عتبات عالیات کے بعد حیفہ سے بیروت جا رہا تھا۔ اور اکرام علی
 شاہ صاحب جو مولانا فضل الرحمن صاحب علیہ الرحمۃ کے دست گرفتہ تھے۔ مگر سرکار عالم پناہ
 نے بھی ان کو سیاحت کا حکم دیا تھا۔ بغداد سے میرے ہم سفر تھے۔ ہم دونوں راستہ بھول کر ایسے
 مقام سے گزرے جہاں ایک قدیم مسجد تھی جس کا قطبی گوشہ افادہ تھا۔ اور صحن مسجد میں ایک
 حوض شفاف پانی سے لبریز تھا۔ اس کے کنارے آرام لینے کے لئے ہم بیٹھ گئے۔ پھوڑے
 عرصہ کے بعد استنجے کی ضرورت سے میں باہر گیا۔ ہنوز فارغ نہیں ہوا تھا کہ مسجد کے اسی
 شکستہ گوشے سے نہایت خوشگوار خوشبو آئی۔ میں نے اکرام علی شاہ صاحب سے یہ عجیب
 غریب واقعہ بیان کیا۔ اور کہا چلو دریافت کریں کہ اس غیر معمولی اور دل آویز نکہت کی واقعی
 حقیقت کیا ہے۔ قریب جا کر یہ دیکھا کہ اس شکستہ گوشے میں ایک غار بصورت ہتھانہ ہے
 اور یہ خوشبو اسی میں سے آتی ہے۔ جب اس غار کے اندر گئے۔ تو دیکھا کہ ایک سن رسیدہ بزرگ
 بیٹھے ہیں۔ اور وقتاً مجھ کو یہ بھی نظر آیا کہ حضور قبلہ عالم تشریف فرما ہیں۔ اس خیال میں گوجھ کو

محویت تھی۔ مگر سلام کیا۔ اور اشارہ پا کر بیٹھ گیا۔ وہ بزرگ اکرام علی شاہ سے مستفسر حال ہوئے اور جب اثنائے گفتگو میں سرکار عالم پناہ کا نام نامی آیا۔ تو موصوف نے خیریت مزاج دریافت کی۔ متعجب ہو کر اکرام علی شاہ صاحب نے عرض کیا کہ آپ کو حضور اقدس سے واقفیت کب اور کیونکر ہوئی۔ ممدوح نے ایک آہ سرد کے ساتھ کہا کہ پیشوائے برحق کی عمر چودہ پندرہ سال کی تھی۔ جب یہ گہنگار حلقہ غلامی میں داخل ہوا تھا۔ اور شاہجہاں پور سے یہاں تک ہمراہ رکاب آیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم ہمیں بیٹھو۔ ہم آئیں گے۔ میں نے اس وقت سے اس غار میں اپنے خضر راہ کا منتظر بیٹھا ہوں۔

بعض ارادتمندوں کو اپنی بیماری کا علاج۔ بلکہ اس کی تکلیف کا اظہار کرنا بھی ممنوع تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم۔ حاجی محمد اسماعیل صاحب دارنی رئیس بلچی ضلع پٹنہ کے مکان پر قیام پذیر تھے۔ کہ ایک شخص معمر مگر وجہ صورت۔ فقیرانہ لباس میں۔ جو بظاہر ہندو اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتے تھے حاضر خدمت ہوئے۔ جن کو پہلے نہیں دیکھا تھا لیکن ان کا انداز خانہ اور طرز ادب کہتا تھا کہ یہ بارگاہ دارنی کے حلقہ بگوش ہیں حضور قبلہ عالم نے بکمال عنایت فرمایا کہ کنورجی کہاں سے آتے ہو۔ انہوں نے دست بستہ ہو کر عرض کیا۔ انا امرت سر سے آ رہا ہوں آپ شیخ محمد اسماعیل صاحب سے فرمایا ان کو ٹھہراؤ اور کھانے کا انتظام کر دو۔

شب کو معلوم ہوا کہ کنورجی بیمار ہو گئے ہیں۔ حکیم مرزا یعقوب بیگ صاحب دارنی جو حضور کے ہمراہ رکاب تھے فوراً گئے۔ اور نبض دیکھ کر مستفسر حال ہوئے مگر بجائے کسی صراحت کے کنورجی نے بکمال اطمینان یہ کہا کہ گرو کی دیات سے اچھا ہوں لیکن ان کے کرب و اضطراب سے ظاہر ہوتا تھا کہ سخت تکلیف ہے۔ کیونکہ بار بار چہرہ کارنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ حکیم صاحب موصوف نے ریاحی درد سمجھ کر خوب ملین کھلانا چاہا۔ انہوں نے اس کے کھانے سے بھی قطعی انکار کیا۔ اور کہا حکیم صاحب مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔ اس لئے کہ مجھے کسی تکلیف کی شکایت نہیں ہے۔ البتہ گرو کی کی عنایت رکاب

صبح کو حکیم صاحب نے سرکار عالم پناہ سے یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے مسکرا کے فرمایا: "یعقوب وہ کبھی اپنی تکلیف نہ بیان کریں گے۔ اور نہ کوئی دوا کھائیں گے۔ یہ راجہ کے بیٹے ہیں۔ جب ہم پنجاب گئے تھے۔ اس وقت سے گھر بار چھوڑ کر فقیر ہو گئے۔ اور بغیر کسی ضرورت کے یہ بستی میں نہیں جاتے۔ اور رنج و راحت کو یکساں اور درد و دوا کو ایک سمجھتے ہیں اور ہر حال میں منشاء الہی کے آگے سرنگوں رہتے ہیں" اور دوسرے روز اپنا مستعمل احرام مرحمت فرما کر کنورجی کو زخمت کر دیا۔

علی ہذا اس مضمون کے واقعات اور بھی ہیں جن کو بخوف طوالت نہیں لکھتا ہوں۔ لیکن احد شاہ صاحب دارفی جو در بھنگہ میں ایک مقدر خاندان کے رکن تھے۔ اور ۱۳۱۵ھ ہجری میں جن کو حضور قبلہ عالم نے اپنی عنایت سے خرقہ فقر مرحمت فرمایا تھا۔ ان کو جس غیر معمولی عنوان سے جس مجاہدہ کی ہدایت ہوئی۔ اس کا خلاصہ طور پر ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ علاوہ انوکھی شان ہدایت کے۔ آپ کے تصرف باطنی کی قوت کاملہ اور اختیار اتم کا بھی نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے۔

چنانچہ احد شاہ صاحب کی نشوونما چونکہ خوشحال گھر میں ہوئی۔ اور زندگی کا پہلا حصہ راحت و آرام میں گزرا تھا۔ اس لحاظ سے ان کی علالت بھی امتیاز سے خالی نہ تھی۔ چنانچہ ایک زمانہ میں نواسیر کی تکلیف سے بہت بچپن تھے۔ علاج اعلیٰ سپانہ پر مہور ہا تھا۔ اور ان کے والد ماجد و اجداد علی خاں صاحب و ارثی بیدریغ روپیہ صرف کر رہے تھے۔

اسی دوران میں سرکار عالم پناہ بانگی پور تشریف لے گئے۔ تو قرب و جوار کے مسترشدین شوق زیارت میں حاضر ہوئے۔ منجملہ ان کے اجداد شاہ صاحب بھی بانگی پور آئے اور ایک روز حسب معمول شب کو قدسوس کی لئے حاضر خدمت ہوئے۔ تو اس وقت مریدین کا مجمع تھا۔ یہ بھی ایک گوشہ میں علیحدہ بیٹھ گئے۔ اثنائے گفتگو میں حضور قبلہ عالم نے بھداق "گفتہ آید در حدیث دیگران" یہ فرمایا کہ ایک شاہ صاحب کی پیٹھ میں زخم تھا۔

جس کو کرتے سے وہ پوشیدہ رکھتے تھے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ اس کا علاج کیوں نہیں کرتے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ یہ تحفہ خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اس عطیہ الہی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھوں۔ اور اس کے خوشگوار اثرات کو تکلیف اور صعوبت سمجھ کر بجائے شکر کے شکایت کروں۔ اور اس کے زوال کے لئے غیر خدا سے استغاثہ چاہوں۔ جو دعویٰ محبت کے صریح خلاف ہے۔

زخم دل منظر مبادا بہ شود ہشیار باش کایں جراحت یادگار ناوک منزگان دست
یہ فرما کر ارشاد ہوا کہ احد شاہ سمجھ گئے۔ احد شاہ سمجھ گئے۔ احد شاہ نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ اور دست بستہ عرض کیا کہ حضور سمجھ گیا۔ لیکن اس گنہگار غلام کی استدعا ہے کہ بختن پاک کے صدقہ میں تو فوق بھی مرحمت ہو۔

اس وقت سے احد شاہ صاحب نے تا دم واپسین نہ کبھی بیماری کا علاج کیا۔ اور نہ اس کی تکلیف کا ذکر کیا۔ حالانکہ موصوف اکثر بیمار ہوتے۔ بلکہ بعض تکلیف دہ امراض میں تازیت مبتلا رہے۔ مگر اس فرمان بردار نے نہایت ضبط و تحمل سے اپنے آقا کے نامہ کے اس حکم کی چونتیس سال تک تعمیل کی۔ اور ۱۳۲۶ھ ہجری میں بوا سبر کا زخم لے کر دنیا سے روانہ ہوا۔

مقانیف حضرات صوفیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشرب حاصل ہر محبت کا ہے۔ کیونکہ امام شعرانی علیہ الرحمۃ نے طبقات الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ابو محمد علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کہ محبت کی تعریف کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: **هِيَ الْمُوَافَقَةُ فِي جَمِيعِ الْأَحْوَالِ** یعنی ہر حال میں منشا را الہی کی موافقت کرنے کو محبت کہتے ہیں۔ علی ہذا بعض مہتر شہین بایں احتیاط گوشہ نشین تھے کہ بجز چند افراد کے صحبت احباب سے بھی احتراز کرتے تھے اور بغیر کسی خاص ضرورت کے کہیں نہ جاتے تھے۔ بعض کے واسطے حضور قبلہ عالم نے اس مجاہدہ کو اور زیادہ اہم اور دشوار کر دیا تھا۔

جو ناقابل برداشت معلوم ہوتا ہے۔ مگر آپ کی توجہ خاص نے ان گوشہ نشینوں کو ایسا ضبط و تحمل مرحمت فرمایا کہ انہوں نے بکمال ثبات و استقلال اس کی بھی تعمیل کی۔ جیسا کہ بدنام شاہ صاحب واری تھیں موضع کہوئی ضلع بارہ بنکی کا واقعہ ہے۔ کہ موصوف پہلے خادم خاص کے عہدہ پر مامور تھے۔ لیکن جب ان کو گوشہ نشینی کا حکم ہوا۔ تو حضور قبلہ عالم نے ان سے یہ وعدہ فرمایا کہ جب ہم دیوبند (شریف) آئیں گے تو تم سے ضرور ملاقات کریں گے۔ مگر کوئی احتیاج کیوں نہ ہو تم دروازہ اپنا بند رکھنا۔ جب ہم آئیں۔ اس روز کھولنا

اس مجاہد نے یہی کیا کہ جب حضور شریف لائے۔ تو دروازہ کھولا۔ اور اس روز جو سامان ہم پہنچا وہ آپ کی دعوت میں بھی صرف ہوا۔ اور جس قدر باقی رہا۔ اس میں اپنی بسر اوقات اس وقت تک کرتے تھے۔ جب چار ماہ کے بعد سرکار عالم پناہ دوبارہ تشریف لائے تھے۔ اور اکثر یہ ہوا ہے کہ سامان کم بچا۔ تو اس قانع اور صابر مجاہد نے مٹی کھا کر وہ دن گزار دیے۔ مگر دروازہ نہیں کھولا۔ اور سولہ سال تک اپنے آقائے نامدار کے حکم کی بکمال احتیاط تعمیل کی۔ اور اسی حالت میں جاں بحق تسلیم ہوا۔

اور بعض حلقہ نگوش حسب حکم تمام عمر خاموش رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ سفر حجاز میں ایک بہرے مولوی صاحب سے ملاقات ہو گئی تھی جو اپنے تہجر کے جوش میں اکثر علمائے متقدمین پر اعتراض کرتے تھے کہ فلاں عالم ضعیف الیائے تھے۔ جنہوں نے اس مسئلہ میں یہ غلطی کی۔ اور فلاں عالم کا حافظہ درست نہ تھا۔ جن سے اس فتوے میں بغرض ہوئی۔ اتفاق سے ایک روز مولوی صاحب نے دوران گفتگو میں یہ کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ نقل سماعت کی وجہ سے میں کسی کی غیبت نہیں سنتا۔ ہم نے کہا مولوی صاحب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آپ کسی کی غیبت سنتے نہیں ہیں اسی طرح غیبت کیا بھی نہ کیجئے۔ اور خاموش ہو جائے۔ اور بجائے باتیں کرنے کے ہر وقت درود شریف پڑھا کیجئے۔ یہ سن کے مولوی صاحب کیف ہو گئے۔ اور اس وقت سے اس طرح چپ ہو گئے۔

کہ کسی ضرورت کے واسطے اشارہ بھی نہیں کرتے تھے۔ اور لوگ ان کی خدمت کرتے تھے غالباً

بناب چہرہ ضیاء بخش دیدہ اعمی بلفظ نکتہ گرانی ربائے گوش صمیم
یہ واقعہ بھی معمر حضرات سے سنا ہے کہ لکھنؤ میں ایک تہند پوش حضور قبلہ عالم کے حکم سے خاموش رہتے تھے اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں ان کو مخبر سمجھا کر باغیوں نے پکڑا۔ اور جو بات دریافت کی انہوں نے جواب نہیں دیا۔ حتیٰ کہ سنگین کی نوک سے ان کو زخمی کیا۔ مگر انہوں نے جان دیدی۔ لیکن پیشوا کے برحق نے جو بہر خاموشی لگا دی تھی اس کو نہیں توڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہو گئی۔

ایک مرتبہ علی گڑھ کے قیام میں حضور قبلہ عالم نے ایک معمر شخص کو جو نواح دہلی کے باشندہ اور صاحب کیف بزرگ تھے خرقة فقر تفویض فرمایا۔ اور ذاکر اللہ شاہ ان کو خطاب حمت ہوا۔ اور ارشاد ہوا کہ کسی سے بات کرو نہ کسی کی بات سُنو۔ اور ہمہ وقت شمار انفاس میں مشغول رہو۔ اس وقت سے لوگ ان کو چپ شاہ کہنے لگے۔

اور بعض کے واسطے اسی خاموشی کا حکم ایسے پر اسرار الفاظ میں صادر ہوا جس کی حقیقت اور ماہیت سمجھنے میں بہار انہم و ادراک قاصر ہے۔ جیسے عبدالرزاق شاہ صاحب دارنی جو موضع کہیوی ضلع بارہ بنکی کے رئیس تھے۔ مگر ان کا قیام اکثر بارہ ضلع پٹنہ میں زیادہ رہتا تھا۔ ان کو سرکار عالم پناہ نے خاموشی کا حکم دیا۔ اس وقت سے موصوف ضرورت کے وقت لکھ کر یا اشارہ سے کام لیتے تھے۔ مگر ان کی یہ تکلیف دیکھ کر ان کے احباب کو افسوس ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب حضور قبلہ عالم پیر بانکی پور شریف لے گئے۔ تو وہاں کے مخصوص عمائدین نے متفق ہو کر عبدالرزاق شاہ صاحب کی تکلیف کا اظہار کیا۔ اور بتی ہوئے کہ صرف ضرورت کے وقت بات کرنے کی اجازت ہو جائے۔ آپ نے تھوڑے تامل کے بعد عبدالرزاق شاہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا "کیا تم کو تکلیف ہوتی ہے" موصوف نے شرم سے

سرنچا کر لیا۔ یہ دیکھ کر حضور نے فرمایا کہ "عبدالرزاق اب تمہارا بولنا و ضداری کے خلاف ہے بلکہ اشارہ بھی نہ کیا کرو۔ اور لکھنا بھی چھوڑ دو۔" اور ہر تو یہ حکم سن کر عبدالرزاق شاہ صاحب ساکت اور آبدیدہ ہوئے اور اُدھر شانِ محبوبیت کے جوش میں سرکارِ عالم پناہ نے یہ فرمایا "عبدالرزاق اس تھوڑی زندگی کو پونہی کاٹ دو۔ و ضداری اسی میں ہے کہ اب مرنے کی وقت بھی کوئی کلمہ زبان سے نہ نکلے۔ اور قبر میں نکیریں سوال کریں تو اس کا بھی جواب نہ دینا۔ بلکہ حشر میں خدا کے سامنے بھی خاموش رہنا۔"

حضور قبلہ عالم کا یہ ارشاد گو معمولی الفاظ کے پردے میں ہے۔ مگر معلوم نہیں کہ کس زبان سے اور کس حالت میں یہ حکم صادر فرمایا تھا کہ آپ کی عظمت و جلالت کا ایسا عجیب طاری ہوا کہ جملہ حاضرین ساکت اور سرنگوں ہو گئے۔ اور جناب والا کے ارشاد کا یہ حصہ کہ "اس تھوڑی زندگی کو پونہی کاٹ دو۔" اس کا بھی اظہار ہو گیا کہ چھ مہینے کے اندر عبدالرزاق شاہ نے بہادر علیخان صاحب خاں بہادر رئیس باڑہ کے مکان پر انتقال کیا۔

اور حضور قبلہ عالم نے اپنے قدیم تہند پوش مستقیم شاہ صاحب کو یہ قطعی حکم دیا کہ موجوداتِ عالم میں کسی چیز کو نہ دیکھو چنانچہ اس صاحب بصیرت نے جملہ اشیاء عالم کی رویت سے ایسا احتراز کیا کہ تہتر سال تک اس فرمانِ وارثی کی تعمیل میں آنکھیں بند رکھیں۔ پہلے اجیر شریف کے معروف بہاڑ مدار ٹیکری پر چالیس برس قیام کیا۔ بعدہ تیس سال مدار دروازہ کے قریب زندگی بسر کی۔ اور ایک سو دس سال کی عمر ختم کر کے ۱۳۲۵ھ ہجری میں راہی ملک بقا ہوئے۔ جن کی اجیر شریف میں غیر معمولی شہرت تھی۔

میں نے معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ سرکارِ عالم پناہ نے جب حجاز کا دوسرا سفر کیا تو مستقیم شاہ ہمراہ رکاب لے کر اور یہ تو خود حضور نے مجھ سے فرمایا کہ مستقیم شاہ قدیم تہند پوش ہیں۔ ساٹھ برس ہوئے جب مدار ٹیکری پر ان کو بٹھایا۔ تو ہم سے یہ خواہش کی کہ ایک مرتبہ اپنی صورت دکھا دو۔ ہم نے صورت تو دکھا دی۔ مگر یہ کہا کہ اب دنیا کی

کسی چیز کو نہ دیکھنا۔ جب سے انہوں نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ اور وضع کے پابند ہیں۔ انہوں نے اکیر کھائی ہے۔ اور اکیر بنانا بھی جانتے ہیں۔

یہ غیر معمولی مجاہدہ جس کی تمہیل بمقتضائے قوت بشری محالات سے معلوم ہوتی ہے۔ مگر سرکار عالم پناہ کے تصرفات باطنی کی یہ شان تھی کہ ادنیٰ غلام نے کمال ضبط و استقلال حسب ارشاد تہتر سال تک خلاف فطرت انسانی آنکھ نہیں کھولی اور دنیا کی کسی چیز کو نہیں دیکھا۔

اور تھوڑا غور کرنے سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حضور قبلہ عالم نے جو اپنے اراد مندوں کو عام طور پر یہ تعلیم فرمائی تھی کہ "محبت کرو" اور اپنے غلاموں کو مشرب عین محبت تجویز کیا تھا۔ تو اسی مناسبت

سے جملہ مسترشدین کو انکی یافت اور استعداد کے لحاظ سے اذکار و اشغال۔ ریاضات و مجاہدات کی تعلیم بھی فرمائی۔ چنانچہ مستقیم شاہ صاحب کے اس مجاہدہ کو بھی محبت سے کامل مناسبت

اس لئے ہے کہ محبت صادق کا تقاضا یہی ہے کہ محب کو موجودات عالم میں ماسوائے محبوب کچھ نہ دکھائی دے۔ چنانچہ حضور کے اس مصدقہ ارشاد کا یہی مفہوم ہے کہ "محبت میں انسان

اندھا ہو جاتا ہے" اور شیخ اکبر محی الدین عربی علیہ الرحمۃ نے فتوحات مکیہ میں محبت کی ہی تعریف لکھی ہے کہ "محب اندھا اور گونگا ہو جاتا ہے۔ لہذا ہمارے رہنمائے کامل نے مستقیم شاہ

صاحب سے وہی مجاہدہ کرایا جس کو درحقیقت محبت سے کلیتہً سروکار تھا۔ اور دوسرے دست گرفتہ کے واسطے حضور قبلہ عالم نے بالکل اس مجاہدہ کے برعکس اور

اس سے بہت زیادہ دشوار اور ناقابل برداشت مجاہدہ تجویز فرمایا۔ جو صرف فطرت بشری کے خلاف ہے کہ حافظ گلاب شاہ صاحب و ارثی ساکن آگرہ۔ کٹرہ مداری خاں کو یہ حکم قطعاً دیا

کہ "کسی وقت آنکھیں نہ بند کرو۔ شب و روز ایک نشست سے بیٹھو۔ اور ہمیشہ بیدار رہو۔ اور جو کچھ خدا دکھائے۔ دیکھو اور من گان فی ہذہ اعنی فہو فی الآخرۃ اعنی"

کے مصداق نہ بنو" اور ہمہ وقت کی مصروفیت کے واسطے شغل سلطان الاذکار تعلیم فرمایا چنانچہ چوالیس سال تک سرکار عالم پناہ کا رہے پچاس سال تک پھر کاتب لگائے۔ پھر

کھولے اس طرز سے عالم حیرت میں بیٹھا رہا جس کی ہیت مجموعی سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ حق شناس حضرت احدیت کی قدرت کاملہ کا کوئی عجیب و غریب کرشمہ دیکھ رہا ہے۔ اور اسی حالت محبت میں وہ جاں نثار وارثی قیدہستی سے آزاد ہو کر جوار شاہِ حقیقی کی سپر میں مصروف ہوا۔

یہ مجاہدہ اپنی نوعیت میں ایسا فرد ہے کہ شاید دو چار صدیوں کے اندر اس کی مثال ملنا ناممکن اور محال ہے۔ لیکن حافظ گلاب شاہ صاحب نے اس اہم ترین مجاہدہ کی جو مکمل تمہیل کی ان کی اس کامیابی کی واقعی حقیقت یہ تھی کہ جس خیال نے موصوف کو شب و روز بیدار رکھا۔ وہ ثمرہ تھا اسی محبت کامل کا جس کی حضور قبلہ عالم نے اپنے غلاموں کو عام طور پر یہ ہدایت فرمائی تھی۔ کیونکہ محبت کا ایک مشہور خاصہ ”خفتن حرام“ بھی ہے۔ ورنہ سوائے درد محبت کے اور کسی دوسری قوت سے ممکن نہ تھا کہ خلاف فطرت انسانی چوالیس سال تک اس اہم اور دشوار مجاہدہ کی تمہیل گلاب شاہ سے ہوتی حقیقت تو یہ ہے کہ یہ جملہ کرشمے اسی صاحب قدرت کی قوت کے ہیں جو ایسے مجاہدات کا حکم دیتا تھا مَا دَرَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَحِيْمٌ۔

گلاب شاہ صاحب کے مجاہدہ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ واقعی ہادیانِ راہِ طریقت۔ سا کی باطنی ماہیت کو دیکھتے۔ اور اسی اعتبار سے اس کی تعلیم و تربیت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ حضور قبلہ عالم نے اپنے دونوں مریدوں کا روحانی علاج دو نوع پر کیا۔ کہ ایک دست گرفتہ کے واسطے اشیاء عالم کا دیکھنا ممنوع گردانا۔ اور دوسرے فرمان بردار کو یہ حکم دیا کہ آنکھ بند نہ کرنا۔ اور ہر دو مرضا نے چونکہ طبیبِ حاذق کا نسخہ استعمال کیا۔ اس لئے دونوں کامیاب اور ناز المرام ہوئے۔

لیکن خدا بخش شاہ صاحب وارثی کا مجاہدہ اور بھی زیادہ عجیب ہے جس کی پوری تفصیل نگارش ہو۔ تو طوالت کا خوف ہے۔ حالانکہ موصوف کا تذکرہ عبرت انگیز اور سبق آموز ضرور ہے۔ مگر خلاصہ اس کا یہ ہے کہ سرکار عالم پناہ نے ان کو موضع پندِ ضلع بارہ ننگی میں بستی کے باہر چند شرائط کے ساتھ گوشہ نشین فرمایا۔ جن میں سے بعض احکام یہ تھے کہ اول بہت مختصر مقام

محدود فرما کر ارشاد ہوا کہ اس کے باہر نہ قدم رکھنا۔ دو دم یہ کہ مکان میں نہ رہنا درخت کے نیچے زندگی بسر کرنا۔ سوم یہ شرط بہت دشوار تھی کہ حیوانات کے ساتھ ترک بنا تا ت ہی لازم گردانا اور نمک کا استعمال بھی ممنوع فرمایا۔ ناظرین کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ سات برس تک خدا بخش شاہ صاحب اس فرمان وارثی کی تعمیل بوں کرتے رہے کہ جب زیادہ اشتہا ہوتی تھی تو پانی میں راکھ گھول کر پی لیتے تھے۔

مگر اس کے بعد شفقت وارثی نے اس قدر آسانی فرمائی کہ بغیر کسی تحریک کے ایک روز ارشاد ہوا کہ اس محدود مقام میں جو بنا تا ت خود رو ہوں۔ یا لال دانہ بلا طلب کوئی دے جائے تو بغیر شرکت نمک کھا لیا کرو۔ غرض چھتیس سال تک ان کی خوراک اس محدود مقام کی گھانس رہی جس کو جوش کر کے پی لیتے تھے۔ یا کبھی کبھی لال دانہ اگر اس جگہ میں کوئی دے گیا تو کھا لیا کرتے تھے۔

حالانکہ خدا بخش شاہ صاحب معمولی طبقہ کے بے پڑھے شخص تھے۔ مگر علاوہ اور اور صفات کے جن کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا۔ ان کی قناعت اور استقامت ہی ان کے اظہار منزلت کے لئے کافی دلیل ہے۔ کہ اس غیر معمولی مجاہدہ کی تعمیل کس دلیری اور جواںمردی سے کی جس کے خیال سے دل لرزتا ہے۔

مگر میں پھر وہی عرض کروں گا کہ خدا بخش شاہ کی یہ قوت نہ تھی کہ اس ناقابل برداشت بلکہ خلاف فطرت انسانی مجاہدہ کی تعمیل کرتے۔ اور جو کچھ کیا یہ اسی کی محبت کا کرشمہ تھا جو فیضان وارثی نے اپنے غلاموں کو تفویض فرمائی ہے۔ جس نے خدا بخش شاہ کی طلب کو طلب صادق بنایا۔ کہ موصوف خودی سے بے خود ہو کر خواہشات انسانیہ سے قطعاً فارغ ہوئے۔ اور مطلوب حقیقی کی ہستی کے آگے اپنی ہستی کو نیست و نابود کیا۔

الغرض اس سلسلہ میں چنداخوان ملت کی مجاہدت کا میں نے تمیلاً ذکر کیا۔ ورنہ حضور قبلہ عالم کے متعدد ارادتمندوں نے ایسے ایسے ناقابل برداشت مجاہدے کئے ہیں جو یقینی

قوت بشری سے باہر۔ اور صریح فطرت انسانی کے خلاف تھے۔ مگر طوالت کے خوف سے ان کی صراحت نہ کر سکا۔

اصول ایمان و اسلام اعلیٰ ہذا حضور قبلہ عالم نے ہم کو وہ مذہبی اصول بھی جن کو ایمان سے گہرا تعلق اور اسلام سے پورا سروکار ہے۔ اس طرح تعلیم فرمائے کہ ہماری حالت اور استعداد کے اعتبار سے ان کی حقیقت اور ماہیت کا دقیق فلسفہ نہایت آسان اور با محاورہ الفاظ میں بجمال شفقت سمجھایا۔

چنانچہ یہ عام دستور تھا کہ جس طرح بغیر کسی تخصیص اور امتیاز کے جملہ مریدین و معتقدین کو خدمت اقدس میں باریابی اور قدمبوسی کا شرف ضرور حاصل ہوتا تھا۔ اسی طرح یہ بھی خاص پرورش تھی کہ باوجود دائمی محویت کے بہ اقتضائے خلق عظیم ہمیشہ آپ نے یہ تکلیف گوارا فرمائی کہ ہر امیر و غریب سے مخاطب ہو کر اس کی تسکین و تشفی کے واسطے کچھ کلمات ضرور ارشاد فرمائے۔ یا اس کی طلب کے لحاظ سے اس کو کوئی ہدایت ایسی کی گئی۔ جو اس کے درد کی خاص دوا ہوئی۔ مثلاً کسی کو اسی قدر فرما کر رخصت کیا کہ ”اچھا جاؤ پھر ملاقات ہوگی“ یا اس کو غمگین اور آبدیدہ دیکھا تو یہ ارشاد ہوا ”گھبراؤ نہیں فلاں موقع پر پھر آجانا“ یا اور زیادہ عنایت منظور ہوئی تو یہ فرمایا ”فلاں تاریخ تمہاری بستی کے قریب ہم آئیں گے۔ تم بھی وہاں آجانا“

اور کبھی کسی کے واسطے عزت افزائی کے طور پر یہ ارشاد ہوتا تھا کہ یہ وضع کے پابند ہیں۔ یا خادم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”یہ مہمان کی بہت کشادہ پستانی سے خاطر کرتے ہیں۔“ یا یہ ارشاد ہوا کہ ”اہل بستی ان کی عزت کرتے ہیں۔“ اور کسی دل گرفتہ سے یہ فرماتے تھے کہ ”اگر خیال نچتہ اور محبت صادق ہو۔ تو اس کے لئے فراق بھی عین وصال ہے۔“ اور کسی سے یہ فرماتے تھے کہ ”جاؤ۔ اگر محبت ہے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔“ کسی سے یہ فرماتے تھے کہ ”یہ مشہور مثل سچ ہے کہ محبت سے خدا ملتا ہے۔“

اور اگر کسی کو کوئی خاص ہدایت فرمائی۔ تو وہ بھی اسی سادگی اور بے تکلف طریقہ پر
 حجاب اور تخلیہ کی نوبت بہت کم آتی تھی۔ مگر اس ہدایت کے انداز دیکھئے۔ یا شکل لطف و
 پرورش یا بصورتِ حکم و تاکید ہوتی تھی۔ اور چند روز میں اس کا بھی اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس
 ہدایت سے مسترشدین نے فائدہ حاصل کیا۔ کیونکہ اکثر طالبین متحجر۔ بعض خاموش بعض
 کیف۔ بعض ہر وقت آبدیدہ رہتے تھے۔ اور ان کے عادات روزمرہ میں نمایاں طور پر
 انقلاب ہو جاتا تھا۔ بلکہ ان کی اس غیر معمولی حالت سے اگر یہ بھی سمجھا جائے تو بے جا
 نہ ہوگا کہ ان کے قلبی کیفیات بھی تبدیل ہو جاتے ہوں گے۔

مگر ایسے ارشادات وہ ہوتے تھے۔ جن میں ریاضت و مجاہدت کا حکم خاص اور
 قطعی ہوتا تھا۔ یا صفاتِ عشق اور برکاتِ محبت کے حقائق و وقایع کا ذکر آپ فرماتے
 تھے۔ اسی وجہ سے وہ احکام بجا لے کر تقسیم کے شخصی اور انفرادی حیثیت رکھتے ہیں اور
 اسی لحاظ سے ان کا عادیہ بھی نہیں کیا جاتا۔

غرض یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ بارگاہِ وارثی میں ہدایت کے واسطے نہ زمان و مکان
 کی قید نہ کسی شخصیت اور امتیازی تخصیص تھی۔ جب اور جس کی استعداد جس ہدایت کے
 لائق دیکھی۔ اس کو وہی حکم ہوا۔ جس کا وہ اہل تھا۔

اب یہ امر قابلِ غور ہے کہ حضور قبلہ عالم نے تقریباً ستر سال تک مسلسل خلق اللہ کی
 ہدایت فرمائی اور دورانِ سیاحت میں مختلف مقامات، بلکہ مختلف ممالک میں مختلف اقوام کے مختلف انجیال
 مسترشدین کو اپنے فیضان سے مستفیض فرمایا۔ لہذا آپ کے کثیر التعداد ارشادات سے
 کوئی ایک شخص کما حقہ خبردار ہو۔ یہ تو محالات سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے
 کہ کوئی خادم برابر حاضر خدمت نہیں رہا۔

البتہ کسی خادم کو آپ کے حالات روزمرہ۔ اور ہدایات کثیرہ سے اگر کچھ واقفیت
 ہو سکتی ہے۔ تو اسی قدر کہ جو واقعات اس کے اوقاتِ حاضری میں وقوع پذیر ہوئے۔

ان کا علم اس کو ضرور ہوگا۔ اس اعتبار سے مجھ ہیچداں کو تو بہت قلیل زمانہ کی حاضری نصیب ہوئی۔ اور اس مناسبت سے میری معلومات بھی بہت محدود ہے کیونکہ وہی احکام جو وقتاً فوقتاً میرے سامنے صادر ہوتے ہیں۔ وہی میرا مبلغ علم ہے۔ اور انہیں کو نگارش کروں گا لہذا یہ اندیشہ کہ جو فرمان میں نے لکھے۔ یا آئندہ لکھوں گا۔ یہی جملہ احکام وارثی ہیں۔ غلط ہوگا بلکہ حضور کے ملفوظات کا بہت چھوٹا حصہ ہوگا جن کا ذکر ان اوراق میں آئے گا۔

لیکن دشواری یہ ہے کہ باوجود اس مختصر واقفیت کے ان احکام کی بھی تعداد اس قدر ہے کہ ان کا تفصیلی ذکر اور ان ہدایات سے جو مستفید ہوئے ہیں ان کی ظاہری حالت کا بصراً اظہار کرنا بھی طوالت سے خالی نہیں ہے۔ تاہم یہ نظر اختصار تمثیلاً ایسے چند ارشادات نقل کرتا ہوں جن کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ہمارے رہنمائے کامل نے اپنے غلاموں کو توحید حضرت واجب الوجود کی نسبت کیا ہدایت فرمائی ہے۔

توحید چنانچہ سرکار عالم پناہ نے توحید احدث۔ اور تصدیق الوہیت اور تفہیم ربوبیت کے متعلق اکثر فرمایا کہ ”خدا عالم الغیب ہے جو تمہارے دل کا حال جانتا ہے“ آپ کا یہ ارشاد اللہ جل جلالہ کے اسم علیم و جبر کا صحیح ترجمہ ہے۔ اور شاید اس مختصر جملے کا اشارہ یہ مفہوم ہو کہ اس دانائے راز عالم عالم مآکان و مآلیکون کی قوت و قدرت کا تم زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرو۔

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”خدا ہر جگہ موجود ہے“ اور یہی مضمون مگر دوسرے الفاظ میں یوں فرمایا ہے کہ ”جن کو محبت صادق ہے ان کو ہر چیز میں ذات الہی کا جلوہ نظر آتا ہے“ حضور کا یہ فرمان آیت کریمہ ”اِنَّمَا تُوَلُّوْا وُجُوْہَکُمْ لِلّٰہِ“ اور ”اِنَّمَا کُنْتُمْ دُوْعُوْا مَعَكُمْ“ کی مکمل تفسیر ہے۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جس طرح خدا سب کا خالق ہے۔ اسی طرح تمام عالم کا رزاق ہے۔“ یہ ارشاد وارثی اس آیت کریمہ کا باجاورہ الفاظ میں صحیح ترجمہ ہے جس میں رازق العباد نے

- اپنی عام ربوبیت کا بصراحت ذکر کیا ہے۔ ”وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا“
یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”خدا ایسا قادر مطلق ہے کہ تمام عالم اس کے قبضہ قدرت
میں ہے۔ نگاہ نال سے دیکھا جائے تو مختصر جملہ ”وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ“ اور ”إِنَّ اللَّهَ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ کا نہایت صحیح مفہوم ہے۔

یہ بھی اکثر ارشاد ہوا ہے کہ ”جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔ خدا اس کی مدد ضرور کرتا ہے“
یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جو اپنے کام خدا کے سپرد کرتا ہے خدا اس کے کام بنا دیتا ہے“
حضور قبلہ عالم کے یہ ملفوظ ”وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ“ کے لفظی ترجمے ہیں۔
یہ بھی آپ نے اکثر فرمایا ہے کہ خدا نے ہر کام کے واسطے ایک وقت مقرر کیا
ہے۔ ”اور یہ فرما کر آپ یہ حدیث پڑھا کرتے تھے ”كُلُّ أَمْرٍ مَرْهُونٌ بِأَوْقَاتِهَا“

یہ بھی ارشاد ہوا کہ موجد وہ ہے جو وحدت اور مذمت کو برابر جانے۔ اور یہ بھی
فرمایا ہے کہ جس نے حق کو حق کے ذریعہ سے تلاش کیا۔ اس کی توحید صحیح ہے۔ اور
جس نے حق کو نفس کے ذریعہ سے تلاش کیا اس کی توحید ناقص ہے۔ اور یہ بھی فرمایا
کہ ”توحید علم سینہ ہے جس کی سفینہ میں گنجائش نہیں۔ کیونکہ توحید نہ تقریر سے ادا
ہو سکتی ہے اور نہ تحریر میں آ سکتی ہے“ بقول مولانا علیہ الرحمۃ

ہست نادانی دریں رہ علم نیست علم را بگزار تا دانی یکیت

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”حقائق توحید کا انکشاف موجد کی نیاز مندی سے ہوتا ہے“ چنانچہ
ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ توحید کے اسرار کمون کا اظہار کسب و کوشش سے ہنر
ہوتا۔ بلکہ سالک بہر عجز و انکسار جب اپنی مجبوری کا اقرار کرتا ہے۔ تب اسرار توحید سمجھ
کی استعداد منجانب اللہ تفویض ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول ہے
”سُبْحَانَ مَنْ لَمْ يَجْعَلْ لِخَلْقِهِ سَبِيلًا إِلَىٰ مَعْرِفَتِهِ إِلَّا بِالْعِجْرِ عَنْ مَعْرِفَتِهِ“
یعنی پاک ہے وہ خدا جس نے خلق کو یہ راستہ بتایا کہ معرفت حق کے لئے عجز لازمی

ہے الْعَجْزُ مَعْنَى دَرْكِ الْإِدْرَاكِ إِدْرَاكٌ۔

یہ بھی فرمایا کہ ”موجود وہ ہے جس کے دل سے ماسوائے اللہ کا خیال محو ہو جائے“

اس ارشاد میں توحید ذات کے مقام علیا کی تعریف ہے۔ کیونکہ جس طرح توحید کے لغوی معنی

متعدد اشیاء کو ایک کرتا ہیں۔ اسی طرح یہ بھی مسلمہ ہے کہ دوئی کا خدشہ بھی سالک کو مشاہدہ النوا

حضرت احدیت سے محبوب رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرات صوفیہ نے فرمایا ہے کہ موجود کامل وہی

ہے جس کو وحدہ لا شریک لہ فی الوجود کا مرتبہ حاصل ہو۔ جیسا کہ ابوالعباس قاسم بن محمد ساری علیہ

الرحمۃ کا یہ قول صاحب طبقات الکبریٰ نے نقل فرمایا ہے کہ ”التَّوْحِيدُ أَنْ لَا يَخْطُرُ بِقَلْبِكَ

مَا دُونَكَ“ کہ توحید کی تعریف یہ ہے کہ ماسوائے اللہ کا خطرہ بھی دل میں نہ آوے۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”دلائل عقلی و نقلی سے خدائے برحق کو واحد جاننا۔ یا شہود اشیاء

موجودات سے ذات واجب الوجود کی یکتائی کا زبان سے اقرار کرنا توحید علمی ہے۔

اور توحید ذات یہ ہے کہ کثرت میں وحدت نظر آئے“ بقول۔

مغرور سخن مشوک توحید خدائے واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”مشرک عشق میں توحید حقیقی کی تعریف یہ ہے کہ اپنے وجود کے

ادراک کی ایسی نفی کرنا کہ ہستی حق کے سامنے تعینات کی ہستی مفقود اور نابود ہو جائے

اور فنا کے بعد حضرت احدیت کا وہ قرب و اتصال نصیب ہو جس کو حیات ابدی اور

بقائے سرمدی کہتے ہیں“

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”در حقیقت موجود وہ ہے کہ جس کا آخر۔ اول کی طرف لوٹ آئے۔

اور ایسا ہو جائے جیسا ہونے سے قبل تھا“

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جب تک من و تو کا ادراک باقی ہے۔ اس وقت تک اشارت

بھی باقی ہے۔ اور عبارت بھی۔ اور جب من و تو کا تجاہد الخٹجائے تو نہ اشارت

ہے نہ عبارت ہے“

یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کو توحید کا علم حاصل ہوا ہے۔ اس کی پہلی حالت یہ ہوتی ہے کہ موجودات کی یاد دل سے محو ہو جاتی ہے۔ اور وہ خدا کے ساتھ منفرد رہ جاتا ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ جس نے جملہ و ارادت و واقعات کا فاعل حقیقی خدا کو جانا۔ وہ موجد ہے۔ حضور قبلہ عالم نے یہ صفات توحید افعالی کا خلاصہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بغدادی علیہ الرحمۃ کا قول ہے ”مَنْ رَأَى الْأَفْعَالَ كُلَّهَا مِنْ اللَّهِ تَعَالَى فَهُوَ مُوَجِّدٌ“ یعنی جو کل کاموں کو اللہ کی طرف سے جانتا ہے وہ موجد ہے۔ بقول حافظ علیہ الرحمۃ۔

گر رنجِ پشت آید و گر راحت اے حکیم مناسب کن بغیر کہ اینہا خدا کند
یہ بھی فرمایا ہے کہ دو بہار ہے تو مسجد اور مندر میں ایک جلوہ دکھائی دے۔ حضور کے اس ارشاد میں توحید حقیقی کی تعریف ہے۔ چنانچہ اسی مسئلہ کو مولانا روم علیہ الرحمۃ نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

گرد و چشم حق شناس آمد ترا	دوست پر ہیں عرصہ ہر دوسرا
گر ترا چشمیت بکشاد رنگہ	بعد لا آخر چہ می ماند دگر
گر ہزار اندیک کس بیش نیست	چوں خیالاتت عدد اندیش نیست
اصلی بند دیدہ چوں اکسل شود	دو سہیں بند چو مردا حول شود
ایں دوئے اوصاف دیدا حول است	ورنہ اول آخر۔ آخر اول است

یہ بھی فرمایا ہے کہ جو مسجد میں ہے وہی مندر میں ہے۔ نام کا فرق ہے ورنہ انتظام بگڑ جائے۔ اس ملفوظ میں حضور قبلہ عالم نے توحید حالی کی تعریف کا خلاصہ فرمایا ہے کہ پہلے غلبہ اشراق الوار توحید۔ محسوسات افراد موجودات کو مضمحل کرتا ہے۔ پھر وجود موجد مشاہدہ جمال واجب الوجود میں ایسا غرق اور منہمک ہوتا ہے کہ بحر انوار ذات اور کرشمہ صفات واحد یکتا کچھ نظر نہیں آتا۔ یہی مضمون لسان الغیب نے لکھا ہے۔

ہم کس طالب یار اندچہ ہشیا رچہ مست ہمہ جاخانہ عشق است چہ مسجد چہ کشت
یہ بھی فرمایا ہے کہ ”خیر و شر اس کی جانب سے ہے۔ مگر تصدیق اس کی شکل ہے۔“
اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”خدا تم میں ہے۔ مگر تم دیکھ نہیں سکتے۔“ یہ ارشاد ”فِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا
تَبْصُرُونَ“ کا ترجمہ ہے۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”توحید اب ٹکے سیر ہو گئی ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”اسرار
توحید سے خبردار ہونا بہت دشوار ہے۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”سب سے زیادہ جو تم
سے نزدیک ہے۔ اسی کو تم سب سے زیادہ دور سمجھتے ہو۔“ بمصداق زَكَوٰةٌ أَقْرَبُ

إِلَيْهِ مِنَ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”رب و رام حقیقت میں ایک چیز ہے۔“ اگر علمی حیثیت سے بھی
دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لغوی بحث اور ملکی اصلاح ہے کہ ایک لفظ عربی
زبان کی ہے۔ اور دوسری سنسکرت کی مگر معنی اور مفہوم دونوں کا ایک ہے۔ اور ہر لفظ
کے واسطے ایسا ہی ہوتا ہے کہ دوسری زبان میں اس کی تعبیر دوسرے لفظ سے کرتے ہیں۔
غرض حضور قبلہ عالم کے انہیں ارشادات۔ یا اسی عنوان کے دیگر آیات کے برکات
تصرفات کا بلا اعلان یہ کرشمہ تھا کہ ہزاروں حلقہ بگوش تعلقات موجودات سے سکدوش
ہو کر شاید قدیر و قدیم کی رضامندی کے واسطے میدان تسلیم میں تاحیات سرکھن رہے اور
مردانہ وار محبت کی دشوار ترین گھاٹیوں سے گزر کر اپنی ہستی کو ہستی معبود حقیقی کے سامنے
ایمانیت و نابود کیا جس کی مثال کم سے کم اس تیرہویں صدی میں ملنا محال ہے۔

چنانچہ اسی خدا پرست جماعت کے بعض افراد کی ریاضات و مجاہدات کا ذکر تمثیلات
کے تحت میں آچکا ہے۔ اور ممکن ہے کہ بعض کا تذکرہ اسی صورت سے آئندہ بھی مختصر
الفاظ میں نگارش کروں۔ مگر ان کے حالات بھراحت لکھے جائیں۔ اس کی جسارت
نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اول تو اپنی قلیل واقفیت کی وجہ سے قاصر ہوں۔ دویم۔ اگر

بقدر محدود معلومات کے بھی ان کی سرگزشت لکھوں تو یہ مجموعہ بہت ضخیم ہو جائے گا۔ کیونکہ میرے خیال میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔ جن کی کثرت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ کہ ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آتا۔ جہاں کسی پرستار وارفی کے فقر و فنا کا نقارہ نہ بجا ہو۔ بلکہ ہندوستان کے باہر بھی اکثر مقامات پر اخوانِ ملت نے اپنے خدا رسیدہ بھائیوں کو دیکھا۔ یا ان کی غیر معمولی شہرت سنی۔ اور وہاں کے باشندوں کو ان کا گرد و پودہ پایا ہے۔

بلکہ ۱۳۰۹ھ ہجری میں۔ یا اس کو دوسرے الفاظ میں یوں عرض کروں کہ سرکارِ عالم پناہ کے سفر حجاز سے واپس آنے کے نصف صدی بعد یہ نجف دیار عراق اور حوا ایران میں آٹھ مہینے تک پھرتا رہا۔ اور لازمی ہے کہ اس پچاس سال کے عرصہ میں ان مقدس مقامات کے متعدد غلامان وارفی داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہوں گے۔ مگر باایں ہمہ میں نے جس قدر اپنے ممتاز برادرانِ طریقت کو وہاں دیکھا۔ تو لمباظ تعداد بھی وہ کم نہ تھے۔ اور ان کی حالت اور کیفیت بھی ایسی قابلِ رشک اور غیر معمولی دیکھی۔ جس کی تشبیہ و شواہہ ہے۔ اگر خدا کو منظور ہے تو ان کے حالات و واقعات جو انہیں سے معلوم ہوئے ہیں۔ آئندہ کتابی صورت میں بالتفصیل نقل کروں گا۔

الحاصل یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ فیضان وارفی سے بے شمار ارادند مستفیض ہوئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج بھی ہماری ہدایت کا دروازہ اسی طرح کشاہ ہے۔ یا مسدود ہو گیا۔ اس کی نسبت میرا خیال نہیں بلکہ تجربہ یہ کہتا ہے کہ حضور قبلہ عالم کے تصرفات باطنی بدستور جاری ہیں۔ اور یہ روحانی فیض ہمیشہ جاری رہے گا۔ بلکہ زبانی ہدایت کا سلسلہ جو بظاہر موقوف معلوم ہوتا ہے۔ اس کو بھی اس لئے بند نہ کہنا چاہئے۔ کہ سرکارِ عالم پناہ کے ارشادات کے مضمون و مفہوم کو اگر ہم بہ نظر تامل دیکھیں۔ اور ان خدا پرستوں کے عجیب و غریب حالات و واقعات سے سبق آموز ہوں جو پیشوا کے برحق کے فیضان

سے مستفید ہوئے ہیں۔ تو بالذات عظیم یقین نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ ہم اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں۔ جس طرح ان ہدایات سے حضور کے غلام فائز اطرام ہوئے۔
 خلاصہ یہ کہ غلامان وارفی کا یہ کثیر التعداد گروہ۔ باوصف اس کے کہ از روئے ارادت و بیعت مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر باعتبار یافت و استعداد و حالت جداگانہ ہے۔ چنانچہ بظاہر دیکھا جاتا ہے کہ ایک طبقہ ان ارادتمندوں کا ہے جو اپنی طلب صادق کی وجہ سے تعلقات موجودات سے دست بردار ہو کر راہ خدا میں ہم سب سے آگے ہیں اس لئے ان کو صف اول میں کھڑے ہونے کا استحقاق حاصل ہے۔

دوسری جماعت ان مسترشدین کی ہے جو دل بیار۔ دست بکار کے مصداق ہیں کہ اپنے مشرب کے اصول ضوابط و شرائط کے بھی پابند ہیں۔ اور بقدر ضرورت۔ مگر بغیر انہماک کے اپنا کاروبار بھی کرتے ہیں۔

ان کے بعد عام مریدین ہیں۔ بظاہر جن کی حالت زیادہ ممیز نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن ان میں دو صفتیں بہت بڑی۔ بلکہ قابل رشک ہیں۔ اول یہ کہ ہر شخص کو اس کا ناز ہے کہ ہم وارثی ہیں۔ اور ناز بھی معمولی ناز نہیں بلکہ اس کا یقین کامل ہے کہ یہی وسیلہ ہمارے حصول مقصود کے لئے کافی ہے۔ اور صفت ثانی یہ ہے کہ ہر شخص کا قلب اثرات محبت سے متاثر ضرور ہے۔ اور کم سے کم وہ اپنی محبوب ترین چیزوں سے زیادہ پیشوائے برحق کی محبت رکھتا ہے۔ جس کا اظہار اس کے حالات و عادات سے نمایاں طور پر ہوتا ہے۔
 الحاصل حضور قبلہ عالم کے فیضان باطنی سے جملہ حلقہ بگوش بقدر استعداد مستفید ضرور ہیں۔ ہاں۔ کوئی کم اور کوئی زیادہ۔ اور یہ تفریق ہمارے قلب کی صلاحیت کی مناسبت سے ہے۔ ورنہ سرکار عالم پناہ نے بغیر کسی تخصیص کے سب کو یکساں ہدایت فرمائی بقول حافظ علیہ الرحمۃ۔

ہرچہ بہت از قامت ناسازوبے اندام ما ورنہ تشریف تو برابر بالائے کس کوتاہ نیست

ہندوؤں کو توحید کا سبق | حضور قبلہ عالم کی ہدایت میں ایک مخصوص اور حلیل القدر نشان
یہ دیکھی کہ آپ کی ہدایت عام کسی قوم اور کسی مذہب کے واسطے موقوف اور محدود نہ تھی
بلکہ مساوات کے زبردست اصول کے مطابق آپ نے سب کو یکساں ہدایت فرمائی۔
اور جس بزرگانہ شفقت سے مسلمانوں کو توحید حضرت احدیت کے دقیق مضامین، نہایت
سلیس اور آسان نفظوں میں سمجھائے۔ اسی طرح کمال عنایت ہندوؤں کو شرک کے نقصانات
اور توحید کے برکات سے آگاہ کیا۔ اور ایسے پراثر الفاظ میں محبت الہی کی تعلیم فرمائی
عموماً ہندو دست گرفتہ بطیب خاطر موحد۔ اور بعض فائز المرام ہو گئے۔
چنانچہ جملہ غلامانِ دارنی کو اس کا علم ہے کہ آپ کے حلقہ بگوش ہندو بکثرت تھے۔
اور طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ہندو داخل سلسلہ ہوتا تھا تو استغفار کے بعد اقرار
اطاعت لے کر آپ اس کو یہ ہدایت ضرور فرماتے تھے کہ ”پتھر کو نہ پوچنا۔ اور جھٹکے کا
گوشت نہ کھانا۔ اور برہم پچانو“

لہذا علاوہ اور ہدایتوں کے جو وقتاً فوقتاً ہندو اور اومندوں کو ہوتی رہتی تھیں۔ اگر
بہ نگاہ تامل دیکھا جائے تو یہی تین نفظیں مشرک کو موحد۔ اور گم کردہ راہ کو حق شناس بنانے
کے لئے کافی ہیں۔ اور اسی ایک ہدایت کی تعمیل سے انسان کامل الایمان ہو سکتا ہے۔
اس لئے کہ جھٹکے کا گوشت کا استعمال بموجب آیہ کریمہ ”وَمَا أَهْلٌ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ“
منوع گردانا۔ اور پتھر کی پرستش سے احتراز۔ توحید خالق مطلق کا مکمل سبق ہے۔ اور
برہم کی معرفت ”مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ“ کی بسیط تشریح کا خلاصہ ہے۔
غرض فی الحقیقت۔ یہ ہدایت کس قدر جامع۔ اور یہ چھوٹے چھوٹے جملے کیسے وسیع
المعنی اور کثیر المفاد ہیں۔ جو ادنیٰ کو اعلیٰ۔ اور ناقص کو کامل بنا سکتے ہیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسی ایک ہدایت کی بدولت ہزاروں ہندوؤں نے شرک سے
بیزار ہو کر توحید رب العزت کا اقرار کیا۔ اور حضور قبلہ عالم کے فیض و تصرف سے ایسے

مستفید ہوئے کہ اغیار نے ان کو خدا رسیدہ لوگوں میں شمار کیا۔
 لہذا گود گیر ہدایات بھی قابل ذکر ضرور ہیں۔ لیکن بہ نظر اختصار اس باب میں یہ دکھانا چاہتا
 ہوں کہ اسی ایک ہدایت مذکورہ بالا کے اثرات سے کیسے کیسے لوگ فائز المرام ہوئے۔ مگر
 افسوس طوالت کے خوف سے جس قدر واقعات کا علم ہے۔ ان کو بھی بصراحت نقل نہیں کر سکتا
 اس لئے مختصر طور پر چند حضرات کے حالات تمثیلاً نگارش کرتا ہوں۔

چنانچہ صوبہ بہار کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ پنڈت چترنہج سہانے بیدانتی و شاستری جو در بھنگہ
 کے رئیس اور اپنے بھتیجی کے اعتبار سے ضلع تربہت میں قوم کے سردار تھے۔ قسام ازل نے
 ان کی ہدایت کے واسطے یہ توسط تجویز فرمایا کہ پنڈت صاحب موصوف نے حکیم مرزا یعقوب
 صاحب وارثی خیر آبادی جو در بھنگہ میں مطب کرتے تھے۔ ان کی زبانی سرکار عالم پناہ کا نام
 نامی سنا۔ اور اس کا یہ اثر ہوا کہ مشاق زیارت ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد جب یہ معلوم ہوا کہ
 جناب حضرت۔ بانگی پور شریف لارہے ہیں۔ اور خان بہادر مولوی سید فضل امام صاحب
 کے مہمان ہوں گے۔ تو پنڈت صاحب ممدوح بھی معہ برادر زادہ کے اس تاریخ کو بانگی پور
 پہنچے۔ اور حاضر خدمت ہو کر قدموں ہوئے اور زبان سنسکرت میں دو اشلوک پڑھے جن میں
 توحید باری تعالیٰ کا ذکر تھا۔

حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ پنڈت جی اس زبانی اقرار کے ساتھ تصدیق بالقلب کی بھی
 ضرورت ہے۔ جس کے بغیر تمہاری تصنیف بے نمک کا کھانا۔ اور بے سر کی تصویر ہے۔
 اور کلیہ ہے کہ تصدیق بغیر محبت کے نہیں ہوتی۔ اور محبت کا خاوعہ ہے کہ تخریقِ فاسوی
 المحبوب۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ جب تک خودی کا خیال اور دوی کا حجاب حائل ہے۔ خدا کی
 یکنائی کا یقین کامل اور اس کا عرفان ناممکن ہے۔ تم نے بھگوت گیتا میں پڑھا ہوگا کہ کرشن جی
 نے ارجن کو سمجھا دیا تھا کہ انسان کے دل سے دو بدہا کا بدنا خیال مٹ نہیں سکتا۔ جب تک
 پریم کی لاگ سے برہم وہیان مکمل نہ ہو جائے۔

پنڈت جی نے دست بستہ ہو کر۔ بکمال عجز و نیاز عرض کیا کہ مہاتما جی۔ کالے کالے
حرف زبان سے تو کتابوں میں پڑھے ہیں۔ مگر گوشائیں مہراج تصدیق کاگر۔ تو گر و انچہرے
جس کا اب تک محتاج ہوں۔ اور اسی کے واسطے آپ کے چرنوں میں سینس لویا۔ کہ آپ جگت
گرد۔ اور ان داتا ہیں۔ آپ کے در سے اس بہکاری کو بھی ٹکڑا مل جائے گا۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ پنڈت جی۔ خدا اور بندے کے درمیان جو اسرار ہیں۔ اس
پر دو بدہا کا پردہ پڑ جانے سے انسان کی آنکھ احوال ہو جاتی ہے۔ لیکن اس حجاب کو جب محبت
کے ناخن پھاڑتے ہیں۔ تب بندہ اپنی حقیقت سے واقف ہو کر صفات الہی کی حقیقی شان کو
مشاہدہ کرتا ہے۔ پنڈت جی خلاصہ یہ کہ محبت ہے تو سب کچھ ہے۔ اور محبت نہیں تو کچھ نہیں
جیسا کہ مولانا روم نے کہا ہے۔

از محبت مردہ زندہ می شود وز محبت شاہ بندہ می شود

یہ فرما کر ارشاد ہوا کہ اچھا پنڈت جی جاؤ۔ پھر ملاقات ہوگی۔

پنڈت صاحب نے حکم کی تعمیل کی۔ قدموں ہو کر کھڑے تو ہو گئے۔ مگر ایک حالت ایسی
طاری ہوئی کہ کیف ہو کر اپنی بگڑی پھینک دی۔ اور ہاتھ اٹھا کر۔ نہایت پرورد لہجہ میں کہا۔ یہ
کنہیا لال کی۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

لوگ ان کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئے۔ جب افاقہ ہوا۔ تو پہلا جملہ بے ساختہ
زبان سے یہ نکلا۔ بڑی بھول میں پڑا تھا۔ آج معلوم ہوا کہ وہ نرکار ہر گھٹائیں بران رہا ہے۔ اور
ہر چیز میں اپنے نرے روپ کا درشن دیتا ہے۔

اسی روز دونوں پنڈت حلقہ غلامی میں داخل ہوئے۔ اور حسب احکم ایک شغل خاص پر
بمہ وقت محو۔ اور رات کے آخری نصف حصہ میں ہمیشہ بیدار رہتے تھے۔ بلکہ پنڈت صاحب
ایک عجیب و غریب واقعہ اور بھی ہے۔ مگر اس کا بے پردہ مضامین اظہار مناسب نہیں ہوگا۔
علی ہذا ابوتک نرائن صاحب دارنی۔ رئیس نواح مظفر پور جو علوم ظاہری۔ اور

آبائی سے بخوبی واقف تھے۔ اور اکثر حاضر خدمت ہوا کرتے تھے۔ ان کے سامنے ایک ہندو نائب اور سلسلہ وارثی میں داخل ہوا۔ اور حضور قبلہ عالم نے ذکر اسم ذات کی تعلیم ان نفلوں میں فرمائی کہ ہر وقت اللہ اللہ کیا کرو۔ اور یہ بھی بتا کیدار شاد ہوا کہ ”جھٹکے کا گوشت نہ کھانا۔ اور اور تچھری کی پرستش نہ کرنا۔ اور برہم پچانو“ جب وہ چلا گیا۔ تو تلک زرائن صاحب نے ابدیدہ ہو کر عرض کیا کہ یہ غلام جیسے حضور کے نفل حمایت میں پناہ گزیں ہوا۔ تو حسب حکم جھٹکے کے گوشت سے احتراز قطعی۔ اور خدا کی وحدانیت کا پورا یقین ہے۔ مگر افسوس مجھ بد نصیب کو اس کا شعور نہیں کہ برہم کیوں کر پہچانتے ہیں اور اس جوگ کے جو طریقے ہماری قدیم کتابوں میں مذکور ہیں ان سے دلچسپی نہیں۔ کیونکہ میں آپ کے حکم کا تابع ہوں۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ جو ذکر کرتے ہو۔ تمہارے واسطے وہ کافی ہے۔ اور برہم پچانو گے تو پھر زمینداری کا کام اور اہل و عیال کی نگرانی کس طرح کرو گے۔

موصوف نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ آج سے زمینداری کا خیال بھی نہ کروں گا۔ بلکہ اقرار کرتا ہوں کہ اب ریاست کا پانی پنا بھی مجھ کو حرام ہے۔ اور اس کا یقین ہے کہ جو تمام عالم کی پرورش کرتا ہے وہ مجھ کو بھی میری قسمت کا ٹکڑا ضرور دے گا۔ کیونکہ حضور کی زبان مبارک سے یہ سن چکا ہوں کہ ”جس طرح خدا سب کا خالق ہے اسی طرح سب کا رازق بھی ہے“

آپ نے فرمایا کہ تلک زرائن محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ”ایک صورت کو بکڑ لو۔ وہی تمہارے ساتھ یہاں رہے گی۔ وہی مرتے وقت۔ وہی قبر میں۔ وہی حشر میں ساتھ رہے گی۔“ بمصداق انکو رزق من اجب۔

تلک زرائن صاحب نے ہاتھ جوڑ کر یہ استدعا کی کہ حضور اس پرورش کے ساتھ توفیق بھی مرحمت فرمائیں۔ تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ورنہ میں۔ اور میری ناچیز کوشش کو کچھ نہیں ہوگا۔

بابو تلک نرائن صاحب کا یہ عجز حضور قبلہ عالم کو پسند آ گیا۔ اور سکر اگر سینہ سے لگا لیا اور فرمایا کہ محبت میں تکلف نہیں ہے معشوق و عاشق ہر سہ یکسیت میں جا۔

اسی وقت سے بابو تلک نرائن صاحب جملہ تعلقات سے دست بردار ہو کر اس باغ میں جو بطور مہمان سرائے کے تھا۔ اور ان کے بزرگ مسافروں کے آرام کے واسطے وقف کر گئے تھے۔ رہنا اختیار کیا۔ اور حضور کے تصرف سے ان کی تاحیات یہ حالت رہی کہ ہمہ وقت کسی خیال میں ایسا مصروف رہتے تھے کہ اکثر پکارنے سے بھی متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اور کسی شب یہ کیفیت ہوتی تھی کہ باغ کے درختوں سے بغل گیر ہو کر روتے تھے۔ اور باوا از بلند کہتے تھے: ”ہر لحظہ شکل دگر آں یار برآمد“

یہ آخر الذکر ارشاد کہ ایک صورت کو پکڑ لو۔ الی آخرہ۔ جسکی بابو تلک نرائن صاحب کو خاص طور پر ہدایت ہوئی۔ یہ حکم دیگر مسترشدین کو بھی حضور قبلہ عالم نے اکثر تاکید فرمایا ہے۔ اور اسکی تعمیل سے متعدد داراؤمند مستفید ہوئے ہیں۔ کیونکہ معرفت الہی کے واسطے یہ نہایت آسان اور بہت مفید طریقہ ہے۔

چنانچہ محققین ارباب طریقت نے اپنے مریدین کی تربیت اور تعلیم کے سلسلہ میں جس طرح دیگر مدارج معرفت کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرمایا ہے کہ معرفت حضرت واجب الوجود و نوع پر منقسم ہے۔ قسم اول کا نام معرفت بالکنہ ہے۔ جس کو معرفت ذات بھی کہتے ہیں۔ یعنی ادراک حقیقت احدیت جل جلالہ۔ یہ جلیل القدر مرتبہ نہ کسب و کوشش سے حاصل ہوتا ہے۔ اور نہ توسل و توسط کا محتاج ہے۔ بلکہ یہ امتیازی شرف مخصوص اور برگزیدہ مقربین کو منجانب اللہ تفویض ہوتا ہے۔ جس کو اصطلاح صوفیہ میں عنایت وہبی۔ اور تشریف ازلی کہتے ہیں۔

اور قسم ثانی کا نام معرفت رسمی۔ یا معرفت صفات ایزدی ہے۔ جس کو عطیات خداوندی اور عنایات مرشدی کے ساتھ جدوجہد اور واسطہ اور وسیلہ سے بھی فی الجملہ تعلق اور سروکار اور اس کے حصول کے واسطے دو صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ بعض طالب راہ حق۔ الوار قدرت

بچوں و بے چلوں کو آتا صنعت گوناگوں میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ بقول۔
 وَفِي كُلِّ شَيْءٍ آيَةٌ لِّمَن يَتَذَكَّرُ عَلٰى اَنَّهُ وَاٰحِدٌ
 یہ خیال اُن کا جب مستقل اور پختہ ہو جاتا ہے تو موجودات کا ہر ذرہ صنعت الہی کا کرشمہ

اور قدرت نامتناہی کا آئینہ ان کو معلوم ہوتا ہے۔ اور جملہ ارض و سموات۔ خالق کائنات کی
 یکتائی اور بے مثلی کے شاہد عادل نظر آتے ہیں۔ بفقولے اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ
 الْاَرْضِ وَ اٰخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اٰيٰتٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ بعض عشاق نظارہ انوار شاہد حقیقی کے اشتیاق میں جب
 تعلقات موجودات سے فارغ ہو کر میدان طلب میں سر بکف کھڑے ہوتے ہیں۔ اور
 اپنے اختیارات کی کوتاہی اور نارسائی دیکھ کر بہرار عجز و انکسار اپنی محبوب ترین چیز کو معرفت
 الہی کے لئے آئینہ بنا کے اسرار قدرت اور انوار رب العزت کے مشاہدہ کیواسطے جستجو
 کرتے ہیں۔ اور ان کی یہ نیاز مندی بارگاہ خداوندی میں اگر پسند ہوتی ہے۔ تو اس پردہ
 میں مطلوب حقیقی کے جمال با کمال کا نظارہ ان کو نصیب ہوتا ہے۔ خصوصاً رہنما کے کامل
 کی صورت کو جو آئینہ بناتے ہیں۔ ان کو کامیابی جلد اور ضرور ہوتی ہے۔

چنانچہ عارف باللہ سید علی بن سید محمد و فاعلیہ الرحمۃ جو مصر کے مشہور اديب اور کبير الشان
 صوفی تھے اور جنہوں نے چالیس سال تک خلق اللہ کی اخلاقی تربیت اور روحانی تعلیم فرما کر
 ۱۰۰۰ ہجری میں سفر آخرت فرمایا۔ ان کا یہ قول صاحب طبقات الکبریٰ نے جلد ۲ صفحہ ۳۴
 میں نقل فرمایا ہے کہ مَنْ كَانَ مَعَ اُسْتَاذٍ بِدَلَايَاہِ كَانَ اُسْتَاذًا مَّعَهُ بِاللَّهِ۔
 (ترجمہ) جو شخص بدون اپنے اپنے مرشد کے ساتھ ہوگا۔ اس کا مرشد اللہ کے ساتھ اس کی
 معیت میں ہوگا۔

اور اسی مسئلہ کو مولانا روم علیہ الرحمۃ نے اپنی مثنوی میں کمال وضاحت و تسطیر فرما کر صاف
 الفاظ میں طالبین راہ حق کو یہ زرین بشارت دی ہے۔

چونکہ ذات پیرا کردی قبول ہم خدا اور ذلت آدم رسول
ان دونوں مستند اور ممتاز صوفیوں کے اقوال مصرحہ بالا کا مفہوم اور حاصل حضور قبلہ
عالم کے اس ارشاد کے مطابق اور مراد ہے جس کا خصوصیت کے ساتھ بالوتلک نرائن
صاحب کو حکم ہوا کہ "ایک صورت کو بکپڑ لو۔ وہی تمہارا ساتھ یہاں رہے گی۔ وہی مرتے وقت وہی
قبر میں۔ وہی حشر میں ساتھ رہے گی۔"

بلکہ وہ مستقر جس کو طالب معرفت الہی کے واسطے آئینہ بنانا ہے۔ اس کی ظاہری
صورت اور جسمانی نوعیت اگرچہ مادی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر محبت صادق کے اثرات سے۔
اس کے وہی قوائے مادی طالب کو مثل اشیائے روحانی فائدہ پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ
حضرت مخدوم شرف الدین بہاری علیہ الرحمۃ کے تذکرہ میں منقول ہے کہ بھیا کے جنگل میں جب
آپ کو استغراق سے افاقہ ہوا۔ اور مٹی چولاہی "اہیر کو ان کے خلوص آمیز خدات کے صلہ
میں روحانیت کی تعلیم دی۔ تو صورت تعلیم یہ اختیار فرمائی کہ ان کی محبوب بھور می بھینس کو
تصویر کا حکم دیا۔ اور چولاہی صاحب کو اس مادی مستقر سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ واردات
روحانیت سے مستفیض ہو کر فائز المرام ہو گئے۔

علی ہذا ابو محمد ردیم بن احمد علیہ الرحمۃ جن کی نسبت امام شعرانی نے لکھا ہے کہ یہ اپنے وقت
کے حلیل القدر اور صاحب تصرف ولی تھے۔ اور جن کا ۳۳۳ھ ہجری میں وصال ہوا۔ اور
شونیز یہ ہیں مزار زیارت گاہ خلالتی ہے۔ ان کا یہ قول ہے کہ "لِلْعَارِفِ مِنْ آةٍ اِذَا نَظَرَ
فِيهَا تَحَلَّى لَهُ مَوْلَاةٌ" یعنی عارفوں کے پاس ایک آئینہ ہوا کرتا ہے جب اس کو دیکھتے
ہیں تو ان کو اپنے مولا کی تہلی نظر آتی ہے۔

اور لسان الثیب حضرت عاقل شیرازی علیہ الرحمۃ نے ظاہرین راہ حق کے اس مستند
کو استعارہ کے طور پر دوسرے الفاظ میں یہ فرمایا ہے کہ
مادر پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم اسے بیخیز لذت شرب مدام ما

اور عارف سامی مولانا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمۃ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں ۵
 انچہ دید اندر رخت جامی کسند تحقیق ما گرنہ از قلب دیاں ترسد کہ تکفیرش کند
 اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ تعلیم فرمائی ہے کہ "ادقّبوا محمداً فی عازتہ"
 کہ محبوب کبریا کے جمال جہاں آرا کا اگر نظارہ مطلوب ہے۔ تو آپ کی عترت اطہار کو آئینہ بنا کر
 دیکھو گے۔ تو ان کی مقدس صورت میں حضرت رسالت کی شکل زیبا کی دید سے مستفید ہو گے
 اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ محققین ارباب معرفت کے اس خیال کی بنیاد صرف ان کے
 شخصی قیاس اور ذاتی اجتہاد پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ قرآن مجید شاہد صادق ہے کہ حضرت
 رب العزت نے اپنی معرفت کے واسطے کمال صراحت ہی طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ
 اعراف پارہ ۹ رکوع ۶۱ میں ارشاد فرماتا ہے کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) وقت معینہ پر آئے۔
 اور ہم نے کلام کیا تو قال رب ارنی انظر الیک قال لئن ترانی و لکن انظر الی الجبل
 فان استقر مکانہ فسوف ترانی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا و خر موسیٰ صعباً
 اس عبارت کا مفہوم با محاورہ الفاظ میں یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے مشاہدہ جمال الہی کی
 تما ظاہر کی۔ رب العزت نے سمجھا دیا کہ تم نظارہ عظمت احدیت کی تاب نہیں لاسکتے لیکن اپنے
 کلیم کی چونکہ خاطر اور عزت افزائی بھی منظور تھی۔ اس لئے دیکھنے کا طریقہ تعلیم فرمایا کہ اس پہاڑ
 کی طرف دیکھو۔ یعنی پہاڑ کو مستقر بناؤ تو دیکھ سکو گے۔ پھر اس پہاڑ پر شاہد بے نیاز نے تجلی
 فرمائی۔ تو پہاڑ جلال ایزدی سے پارہ پارہ ہو کر مسمار ہو گیا۔ اور موسیٰ بے ہوش کر گر پڑے۔
 اس شہادت قرآنی سے صاف ظاہر ہو گیا کہ باوجود موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر رسول
 اور کلمہ اللہ موسیٰ تکلیماً کے ممتاز خطاب سے سرفراز تھے۔ لیکن اس تخصیص کے ساتھ
 بھی نظارہ جمال حضرت ذوالجلال کے لئے ان کو مستقر قائم کرنے کی ہدایت ہوئی۔ اور
 یہی ظاہر ہو گیا کہ پہاڑ کی حقیقی نوعیت اور ماہیت حالانکہ مادی تھی لیکن تجلی انوار الہی کے
 لئے مرکز قرار پایا۔ اور روحانی واردات میں موسیٰ علیہ السلام کا شریک حال رہا۔ اور

موسىٰ علیہ السلام کو اس مستقر کی وساطت سے کماحقہ فائدہ ہوا۔

خلاصہ یہ کہ حضور قبلہ عالم کا یہ ارشاد جس طرح سیاق طریقت کے مطابق۔ اور اصول مذہب کے موافق ہے اسی طرح روحانی اثرات اور حقانی برکات سے مملو اور معمور ہے جس کے مفاد سے بالوتک نرائن صاحب دنیا کے دام تزدیر سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گئے۔ بلکہ اکثر یہود اس ہدایت کی تعمیل سے منزل مقصود تک پہنچے۔

جیسا کہ منشی رام سہائیں لال ساکن قصبہ رحیم آباد جن کا حضور کے قدیم ارادتمندوں میں شمار ہے اسی ہدایت کی تعمیل سے ایسا مستفید ہوئے کہ برہم چاری خطاب پایا۔ اور اس خدا شناس کا ایام حج میں عرفات پر انتقال ہوا۔

اور سیاحت کرتا تھا جب کہ سرکار عالم پناہ حافظ عبد القیوم صاحب دارنی کے ہمان تھے۔ اور حافظ صاحب کی سفارش سے آپ نے رام سرودپ امرت سہری تاجر پشمینہ کو داخل سلسلہ فرما کر ذکر اللہ سو کے دائی ورد کا حکم دیا۔ اور ارشاد ہوا کہ برہم پچا نو۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ دیوی شریف حاضر خدمت ہوئے۔ تو دیکھا کہ ان کے لباس میں صرف عربی وضع کا ایک کرتہ تھا۔ دوسرے روز رخصت کے وقت یہ حکم ہوا کہ تم بغداد میں منصور علاج کے ڈھیر پر جھاڑو دیا کرو۔

اور دیوی پر شاہ سہری دستو کی جب ہر دوئی میں بیعت لی۔ تو یہ حکم ہوا کہ پتھر کو پوجو گے۔ تو پتھر ہی دکھائی دے گا اور برہم پچا نو گے تو انوار الہی کا مشاہدہ ہوگا۔ اور ہر وقت اسم ذات کی تسبیح پڑھا کرو۔ پھر ایام میلہ کا تک ہیں وہ حاضر خدمت ہوئے۔ تو ان کو خلعت فقروں کے کریم شاہ خطاب مرحمت فرمایا۔

الغرض حضور قبلہ عالم کے فیض و تصرف سے متعدد ہندو موحدا اور خدا پرست ہو گئے۔ جن میں بعض حلقہ بگوش محبت الہی کے جوش میں تعلقات دنیا سے ہمیشہ کے لئے سبکدوش ہوئے اور بعض ارادتمند اہل و عیال کے ساتھ مگر اصول اسلام کے پابند رہے۔

یہودیوں کی ارادت علیٰ ہذا حضور قبلہ عالم کے فیضان باطنی سے یہودی بھی محروم نہیں

رہے۔ بلکہ مثل دیگر اراکینوں کے وہ بھی حاضر خدمت ہو کر کبمال خلوص و عقیدت حلقہ غلامی میں داخل ہوتے تھے۔ چنانچہ فیضو شاہ صاحب خادم خاص بارگاہ وارفی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم لکھنؤ میں قیام پذیر تھے کہ گھوڑا گاڑی پر ایک مرد اور ایک عورت انگریزی لباس میں ہاتھ میں سٹھائی لئے آئے۔ اور مجھ سے کہا کہ حاجی صاحب بابا سے عرض کرو کہ ہم مدرسے سے صرف مرید ہونے حاضر ہوئے ہیں۔ میں نے جا کر حضور سے عرض کیا کہ ایک میم اور ایک انگریز آیا ہے۔ ارشاد ہوا بلا لو۔ میں آکر ان کو لے گیا۔ دونوں قدموں ہوتے۔ اور میں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ ہم گنہگاروں کو اپنی غلامی میں قبول فرمائیے۔ حضور نے ان کو مرید کیا۔ اور فرمایا کہ ”اس کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرو کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول اور کلیم تھے اسی طرح محمد خدا کے حبیب اور پیغمبر تھے۔ اور جو چیزیں قرآن میں حرام اور ممنوع ہیں ان سے پرہیز کرنا اور جو فرض ہیں ان کو بجالانا۔ اور جھوٹ نہ بولنا۔“ پھر ایک تہ بند دے کر ان کو رخصت کر دیا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ فیضو تم ان کو انگریز سمجھتے۔ یہ یہودی ہیں۔ مگر اب دائرہ اسلام میں آگئے۔

اور راجہ دوست محمد خان صاحب وارفی تعلقدار مونیہ ضلع سلطان پور ناقل تھے کہ میرے دوست التفات احمد صاحب وکیل نے جب بغرض حج بیت اللہ حجاز کا سفر کیا۔ تو میں بھی بیٹی تک ان کو پہنچانے گیا تھا۔ اور بنیال تفریح دس بارہ روز ایک ہوٹل میں مقیم رہا۔ اس دوران میں جگر کی خرابی سے تپ آگئی۔ اور وہاں کے مشہور ڈاکٹر ہارن صاحب کو علاج کے لئے بلایا جو صورتاً یوریشین معلوم ہوتے تھے مگر موصوف نے ”یا وارث“ کہہ کر نبض دیکھی۔ جب نسخہ لکھ چکے تو میں نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب آپ نے نبض دیکھنے کے وقت ”یا وارث“ کیوں کہا موصوف نے کہا۔ یہ میرے مرشد کا نام ہے جو دشواری کے وقت لیا کرتا ہوں۔ میں نے کہا عیسائی کو پیری مریدی سے کیا تعلق انہوں نے ہنس کر کہا۔ میں عیسائی نہیں ہوں۔ میرا آبائی مذہب یہودی ہے مگر اب تو وارفی ہوں۔ میں نے کہا۔ نام آپ کا انگریزی معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اصل

میں نام میرا ہارون ہے۔ لیکن جب ولایت میں پڑھتا تھا۔ تو میرے کلاس فیلو۔ بوجہ موٹی آواز ہونے کے مجھ کو "ہارن" کہتے تھے۔ اور اسی نام سے اب تک مشہور ہوں۔

پھر میں نے کہا۔ یہ تو فرمائیے کہ آپ مرید کب ہوئے۔ انہوں نے کہا میں ۱۸۸۷ء جمیر کے جنرل ہاسپٹل کا انچارج تھا۔ وہاں عرس کے زمانہ میں حاجی صاحب کو دیکھا۔ پہلے میں مرید ہوا۔ پھر میری بہن اور بی بی اور بچے بھی مرید ہو گئے۔ اور ۱۸۹۱ء میں سب کو لے کر دیوبند شریف گیا تھا۔ اس وقت یہ حکم ہوا کہ نوکری چھوڑ دو۔ اور خلق اللہ کو فائدہ پہنچاؤ۔ خدا رازق ہے۔ تمہارا حصہ تم کو ضرور دے گا۔ جب سے یہاں رہتا ہوں اور صبح و شام مریضوں کو دوا و مفت تقسیم کرتا ہوں۔ اور بہت آرام سے ہوں۔ نوکری سے بہت زیادہ اب آمدنی ہے۔

یہ سن کے میں نے معاف کیا۔ اور کہا۔ ڈاکٹر صاحب میں بھی اسی سرکار کا ادنیٰ غلام ہوں پھر ہم دونوں دیر تک حضور کا ذکر کرتے رہے اور شب کو ڈاکٹر صاحب کی دعوت کی جس میں ان کی بہن اور بی بی بھی شریک ہوئیں۔

غرض اس مضمون کے تذکرے دیگر براہِ اور ان طریقے سے بھی منقول ہیں۔ اور گوکہ ان واقعات کا ذکر دلچسپی سے حالی نہیں ہے لیکن شمار کیا جائے۔ تو بمقابلہ ہندوؤں کے یہودیوں کی تعداد کم معلوم ہوتی ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مضافات بغداد (شرفینا) میں حضور قبلہ عالم کے حلقہ بگوش یہودی زیادہ تھے۔ اس لئے کہ وہ انخوان ملت جو سیاحت عراق، اور زیارت عتبات عالیات سے مستفید ہوتے ہیں۔ اکثر ان یہودیوں سے ملاقات ہوئی ہے جو حضور کے فیضان عام سے مستفیض تھے۔ علاوہ اس کے بعض واقعات سے بھی اس خیال کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ سرکار عالم پناہ آگرہ میں حافظ گلاب شاہ صاحب کے یہاں تھے۔ کہ خادم نے آکر عرض کیا کہ ایک سن رسیدہ عرب مشتاق زیارت ہیں۔ آپ نے فرمایا بلا لوجب وہ حاضر خدمت ہوئے۔ تو نہایت پر جوش لہجہ میں "یا وارثی انت مولانی" کہہ کر قدمبوس ہوئے حضور قبلہ عالم نے فرمایا "این بلدک" (تمہارا مکان کہاں ہے) انہوں نے دست بستہ عرض کیا

”اَنَا مِنْ قُوْتِ الْعِمَارَةِ لِلْبِلَادِ وَالْبُعْدَادِ شَرَّفَهَا اللهُ تَعَالَى“ (میں قوتِ عمارہ کا باشندہ ہوں جو حوالی بغداد میں ہے) ارشاد ہوا ”مَا اسْمُكَ“ (تمہارا کیا نام ہے) عرض کیا ”يُوسُفُ ابْنُ شَمْعُونِ الْمَرْوَرِ“ (کہا یوسف ابن شمعون مزور) آپ نے مسکرا کر ان کو سینہ سے لگایا۔ اور فرمایا ”كَيْفَ اُمُّكَ“ (تمہاری ماں کیسی ہیں) انہوں نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا مَا اُمَّتٌ رَانَ كَانَتْ اَتَقَالَ هُوَ كَمَا۔

پھر حضور قبلہ عالم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ یہ ہمارے پرانے یار ہیں جب قوت کی سیر کرنے ہم گئے تھے۔ تو انہیں کے مکان میں ٹہرے تھے۔ اس وقت ان کی عمر کم تھی مگر ان کے باپ جو وہاں کے یہودیوں کے سردار۔ اور حضرت عزیر علی نبیہا وعلیہ السلام کے مزار کے کلید بردار تھے۔ انہوں نے ہماری بڑی خاطر کی تھی اور اپنے ساتھ اپنے خاندان کے مرد۔ اور عورتوں کو مرید کرادیا تھا۔ اور خود۔ دنیا پر لات مار کر فقیر ہو گئے تھے اور ان کی ماں بھی خدا کی محبت میں گھر چھوڑنے پر آمادہ تھیں۔ مگر ہم نے روکا۔ اور کہا کہ اپنے بچوں کو خدا کا بندہ سمجھ کر پہلے پرورش کرو۔ پھر فقیر ہو جانا۔

اور حافظ گلاب شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ ان کی خاطر کرو۔ اور اس کا خیال رکھنا کہ یہ لوگ گوشت بہت کھاتے ہیں اور چائے زیادہ پیتے ہیں۔ کسی بات کی تکلیف نہ ہو۔

اور جب حضور قبلہ عالم نے اگرہ سے مراجعت فرمائی۔ تو ان کو اپنے ہمراہ دیومی شریف لائے۔ اور چند روز کے بعد ان عطیات روحانی کے علاوہ جن کا علم ہم کو نہیں ہے۔ بظاہر بھی ان کو تہنید۔ رضائی۔ کمال اور بعض قیمتی چیزیں دے کر رخصت کیا۔ اور خاص طور پر کچھ ہدائیں بھی فرمائیں۔

ان کے اس قیام کے دوران میں باتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ یہ حاجی بھی ہیں۔ اور ذکر خفی بھی کرتے ہیں۔ اور یہ تو بچشم خود دیکھا کہ رات کے آخر حصہ میں وہ سوتے نہ تھے۔

اور یہ بھی انہوں نے کہا کہ یہ سفر والدہ کے حکم سے کیا ہے۔ کیونکہ مرحومہ نے دم داپس یہ وصیت کی تھی کہ بغیر کسی دوسرے خیال کے صرف مرشد برحق کی قدمبوسی کی نیت سے ہندوستان جانا۔ اور موقع پا کر یہ عرض کر دینا کہ آپ کی مشاق زیارت مرگئی۔

پارسیوں کی عقیدت اسی طرح پارسی بھی حضور قبلہ عالم کے دست گرفتے تھے۔ بگرمندوستان میں ان کی آبادی چونکہ بہت محدود ہے۔ اس لحاظ سے باعتبار یہودیوں کے اس کثیر التعداد گروہ وارثی میں ان کا شمار زیادہ نہ تھا۔ لیکن جوش محبت جو سرکار عالم پناہ کا خاص تصرف۔ اور آپ کے ارادتمندوں کا لازمی حصہ ہے۔ اس کے اثرات سے پارسیوں کا قلب بھی متاثر اور معمور ضرور تھا۔ اور باوجود مذہبی غیریت کے ان کی عقیدت مسلمانوں کی ارادت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ کیونکہ حضور قبلہ عالم نے محبت الہی کا سبق۔ بغیر کسی تفرقہ کے سب کو یکساں اور اس حیثیت سے پڑھایا جو ہادی کل اور رہنمائے کامل کی حقیقی شان ہے۔

چنانچہ مولانا ہدایت اللہ صاحب وارثی۔ مدراسی۔ جو مشہور ادیب اور محدث اور ماہر ہفت زبان تھے اور جن کے تبحر کا ارباب علم و فضل نے اعتراف کیا وہ بلحاظ مذہب آبائی آتش پرست تھے۔ اور چونکہ اپنے مذہب کے عالم تھے۔ اس لئے پارسی اپنا مقتدا ان کو سمجھتے تھے۔ لیکن جس طرح موصوف وسیع النظر اور جامع علوم و فنون تھے اسی طرح یہ بھی طبیعت کا انداز تھا کہ کوئی خیال بغیر کسی قوی استدلال کے قائم نہیں کرتے تھے۔ اس لئے آتش پرستی سے مانوس نہ تھے اور بعض شکوک رفع کرنے کے لئے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اس کوشش اور جستجو میں صرف کیا کہ کوئی خدا شناس مذہب حق تلقین فرمائے۔

عرصہ تک دہریت کے خیال میں مبتلا رہے۔ اور کچھ روز مذہب عیسوی کی تقلید کی مگر تلیث کا مسئلہ جو اصول مذہب ہے جب سمجھ میں نہ آیا۔ تو فقرائے اسلام کی جانب رجوع ہوئے۔ اور آخر حضور قبلہ عالم کے حلقہ بگوش ہو گئے۔

چونکہ مولانا کے واقعہ بیعت دارادت کا علم چشم دید نہیں۔ اور نہ مجھ کو کماحقہ یہ معلوم ہے

کہ کب اور کہاں اور کیونکر سلسلہ وارثی میں آپ داخل ہوئے۔ اس لئے کہ مولانا نے اپنی سرگزشت کبھی بصراحت بیان نہیں کی۔ البتہ بسبیل تذکرہ اکثر یہ کہتے تھے کہ سرکار عالم پناہ نے ہاتھ پکڑ کے توحید کا سبق اس طریق سے پڑھایا کہ حقیقت دنیا ایسی منکشف ہوگئی کہ اسباب دنیا سے قطعاً متنفر ہو گیا۔

اور سب نے یہی دیکھا ہے کہ موصوف کا طرز معاشرت نہایت سادہ۔ اور موجودات سے بے تعلق تھا۔ اور تاحیات بکمال ثبات و استقلال ان کا زاہدانہ خیال قائم رہا۔ حالانکہ تاجر علمی کے لحاظ سے ہر جگہ ان کی قدردانی کے واسطے مقدر حضرات آمادہ ہوتے۔ لیکن ان کے بختہ خیال نے ہمیشہ ان کو آزاد رکھا۔ اور عنایت وارثی سے کبھی ان کا دامن زہد تکدر حرص و ہوسے غبار آلود نہیں ہوا۔ اور اسی حالت میں ان کو مالک حقیقی نے دوسرے عالم میں بلا لیا۔ علی ہذا ڈاکٹر و صاحبانی جو آج ہزار فخر و مباہات اپنے نام کے ساتھ وارثی لکھتے ہیں۔ اور بمبئی میں جن کا مشہور ڈاکٹر وں میں شمار ہے۔ ان کا بھی عجیب و غریب واقعہ ہے۔ کہ معلوم نہیں کیا صورت پیش آئی کہ موصوف کو بمبئی سے شوق ارادت وارثی کشاں کشاں دیوی شریف لایا۔ اور یہ سعادت ابدی نصیب ہوئی کہ وہ تعلیم یافتہ پارسی بکمال خضوع و خشوع سلسلہ وارثی میں داخل ہوا۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ۔

چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے واقعہ بیعت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز موصوف معہ اپنی بہن کے حاضر خدمت ہوئے۔ اور قد مبوسی کے بعد نہایت اضطرابی حالت میں آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ ہم گنہگار ہرگز اس لائق نہ تھے کہ آپ کے مقدس دربار میں حاضر ہوتے۔ مگر آپ واقف ہیں کہ کیونکر آئے۔ اور کس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا۔ اب استدعا یہ ہے کہ ازراہ کرم اپنی غلامی میں قبول فرمائیے۔

حضور قبلہ عالم نے تھوڑے تامل کے بعد دونوں کو استغفار پڑھا کر داخل سلسلہ فرمایا اور تبسم لبوں سے ارشاد ہوا کہ آتش پرستی کر چکے۔ اب تمام عمر محبت کی اس آگ کا سامنا ہے

جو غیر اللہ کے تعلق کو جلا دیتی ہے۔

اور خادم کو حکم ہوا کہ ان کو درگاہ میں فضل حسین کے پاس ٹہرا دو۔ تاکہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ کیونکہ دور سے آئے ہیں۔ اور بڑے شخص کے فرستادہ ہیں۔

دوسرے روز دونوں قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے۔ تو ڈاکٹر صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ ہم کو کوئی ہدایت فرمائی جائے۔ سرکار عالم پناہ نے ڈاکٹر صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”محبت کا تقاضا یہ ہے کہ دل ہرقت یا د محبوب میں مصروف رہے۔ اور ہاتھوں سے دنیا کا کام اس طرح کرو کہ نہ دل کو ہاتھوں سے سروکار ہو۔ نہ ہاتھوں کو دل سے تعلق رہے۔ اور اس کی تصدیق ہو کہ خدا ہر ایک تشبیہ اور تمثیل سے معرا۔ اور واحد اور قدیم ہے۔ جاؤ۔ خلق کو فائدہ پہنچاؤ۔“

ڈاکٹر صاحب کی بہن نے عرض کیا میرے پیارے رہنما میرے لئے کیا حکم ہے۔ ارشاد ہوا کہ ”بجز خدا کے کسی کو معبود نہ جانو۔ اور تم ہر مہینے کے وسط میں تین روز سے رکھا کرو اور جس کو بھوکا دیکھو اس کو کھانا کھلاؤ۔ اور جو پیاسا ہو اس کو پانی پلاؤ۔“ یہ فرما کر رخصت کر دیا۔ دوران قیام میں اکثر لوگوں نے ڈاکٹر صاحب سے یہاں آنے کا سبب مختلف عنوان سے دریافت کیا۔ مگر انہوں نے یہ راز پوشیدہ رکھا۔ اور جواب میں یہی کہا کہ قسمت اچھی تھی جو مار سے گلزار میں آئے عیسائیوں کا استفادہ اسی طرح متعدد عیسائیوں نے حضور قبلہ عالم کی پر اثر ہدایت سے متاثر ہو کر اپنی قدیم معتقدات سے انکار۔ اور توحید حضرت احدیت جل جلالہ کا کمال صدق و خلوص اقرار کیا اور حضور کے ظل حمایت میں پناہ گزیں ہوئے۔

اور آپ کے اس مخصوص فیض سے بھی ان کا قلب مستفیض ہوا۔ جو عموماً غلامان بارگاہ دارینی کا لازمی حصہ ہے۔ یعنی عیسائی حلقہ بگوش بھی بقدر استعداد محبت الہی کے جوش میں تاحیات۔ بعض خاموشی کے ساتھ اور بعض بہ تن مدہوش رہے۔ بلکہ اس تصرف دارینی کا ان پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ وہ دست گرفتہ عیسائی جو دل بیار دست بکار کے مصداق تھے۔ ان کے بھی عادات

نیالات دائرہ انتظام سے باہر نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان کے عرائض سے نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے۔
کاتب کا دل دردِ شوق سے معموم۔ اور سوزِ محبت سے ضرور معمور ہے۔

چنانچہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب دارنی نے جن کا قدیم خرقہ پوش فقرار میں شمار ہے (کیونکہ
وصوف کو، ارجمادی الاول ۱۳۱۲ھ ہجری کو سرکار عالم پناہ نے خلعت فقر مرحمت فرمایا تھا)۔
اپنے رسالہ ضیافت الاحباب میں بعض عیسائی ارادتمندوں کے ایسے عرائض تمثیلاً نقل کئے
ہیں جن کا ہر جملہ زبان حال سے شاہد ہے کہ یہ بے قرار دل والوں کی پردرد آواز ہے۔ انہیں
رضیوں کا اقتباس نقل کرتا ہوں۔

پہلے مسٹر ٹامسن دارنی جو افریقہ کے باشندہ اور او۔ آر۔ آر۔ ریلوے کے ملازم اور
بارگاہ دارنی کے قدیم حلقہ گوش تھے۔ ان کے خط کا ایک جملہ یہ ہے کہ ”دشگیر آج کل حضور
کی زیارت کے لئے دل بہت بے چین ہے۔ میرا حال آپ پر روشن ہے۔ ہم اور میم صاحب
آپ کے غلام ہیں۔“

علیٰ ہذا ایک عقیدتمند یورپین۔ جو معمولی یورپین بھی نہیں۔ بلکہ مقدر۔ اور تعلیم یافتہ عیسائی
تھے یعنی مسٹر سلسبری۔ ٹریفک مینجر راجپوتانہ ریلوے۔ جن کی ظاہری آنکھیں حضور قبلہ عالم کی زیارت
سے بادی النظر میں مشرف بھی نہیں ہوئیں۔ مگر وہ اپنی طلب صادق کے کماط سے۔ نایدہ جمال
سیرت دارنی پر شیفتہ اور فریفتہ تھے۔ ان کا اجیر شریف سے آیا ہوا ایک مطول عریضہ جس کے
مضامین واقعی شوق و ذوق سے مملو۔ اور جس کے ہر لفظ سے موصوف کی گہری عقیدت اور
کامل محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے بعض جملے اس خیال سے نقل کرتا ہوں کہ ان کے مطالعہ
سے ہم کو سرکار عالم پناہ کے فیضان باطنی کا یہ کرشمہ نظر آتا ہے کہ وہ دور افتادہ عیسائی جس نے
آپ کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ مگر ہمارے رہنمائے کامل کے تصرف روحانی سے ایسا مستفید ہوا کہ
اس کی تحریر سے ارادت و مودت کی سچی اور دل آویز خوشبو آتی ہے۔

چنانچہ مسٹر موصوف اپنے ایک عریضہ میں جو انگریزی زبان میں تھا علاوہ دیگر مضامین کو

ایک مقام پر لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ”میرے پیشوا میں جانتا ہوں کہ میرا رہنا بجز آپ کے کوئی نہیں۔ مگر میری بڑی تمنا یہ ہے جس کو آپ ہی پورا کر سکتے ہیں۔ کہ ایک ٹکڑا ملبوس فاس کا مرحمت ہو۔ اور اپنی عنایت سے میرے قلبی خواہشات کو پورا کر دیں۔“

باوجودیکہ اس عرض کا جواب تشفی بخش اور تسکین بخش الفاظ میں حسب امید سائل کو مرحمت ہوا۔ مگر اس طالب صادق کا دوسرا عرضہ مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۰۳ء پر جوش مضامین سے مملو، پھر آیا جس کے بعض جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔ ”حضور نے جو تبرک بھیجا ہے۔ اس کو میں تمام عمر اپنے ساتھ رکھوں گا۔“ پھر آگے لکھتے ہیں ”جو میرا دل چاہتا ہے وہ مجھ کو دیا جائے۔ اور میرے گناہ معاف فرمائے۔“ پھر آگے لکھا ہے ”میں بھی آپ کے فرزندوں میں ہوں۔ میری حالت ایک گونہ بدل گئی ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ میری مراد پوری کر دیں۔“ پھر آگے لکھتے ہیں ”میرے پیارے باپ۔ میری گریہ وزاری سنئے۔ اور راہ راست سکھنے میں میری مدد فرمائیے۔“ پھر لکھتے ہیں ”میں خوش ہوں کہ اکتوبر میں پانچ برادران طریقت کو دیکھا۔ جو عرس کی شرکت کے لئے یہاں آئے تھے۔ ان سے آپ کی خیریت پوچھی۔ اور معلوم ہوا کہ آپ عنایت سے ہیں۔“

غرض مسٹر موصوف کے چار عرضے اسی مضمون کے۔ اور اسی قسم کی تناؤں سے بھرے ہوئے رسالہ ضیافت الاحباب میں مسطور ہیں۔ اور ہر خط کے ایک ایک جملے سے مسٹر سالبری کے جوش عقیدت اور فرط محبت کا کما حقہ اظہار ہوتا ہے۔ جو حضور قبلہ عالم کے تصرف باطنی کی عین دلیل ہے۔ اور آپ کی قوت روحانی کی یہ بے نظیر شان نظر آتی ہے کہ فیضان ہدایت فی غیر مذہب اور عیش پسند قوم کے افراد کو ایسی طلب صادق مرحمت فرمائی کہ وہ راہ حق کے تلاشی اور شاہد حقیقی کے گردیدہ ہو گئے۔

اور بعض عیسائی اراکین فیضان دارنی سے اس درجہ مستفیض ہوئے کہ سرکار عالم پناہ نے ان کو خلعت فقر مرحمت فرمایا۔ اور ان خدا پرستوں نے بعد انقطاع تعلقات زاہدانی زندگی بسر کی۔ اور ننگے سرو پا رہنے ہمیشہ سیاحت میں مصروف رہے۔ چنانچہ رومی شاہ صاحب

وارثی جن کے ابتدائی حالات۔ اور ان کی ارادت و بیعت کے واقعات کا گونجہ کو سنجوبی عالم نہیں کیونکہ میری صغریٰ میں موصوف کا انتقال ہوا۔ لیکن ان کے ہم عصر حضرات ناقل تھے کہ وہ بارگاہ وارثی کے قدیم حلقہ بگوش۔ اور نواح ترکستان کے باشندے تھے اور ان کا آبائی مذہب عیسائی تھا۔ اور ان کی زندگی کا زیادہ حصہ ہندوستان کی سیاحت میں گزرا۔ اور مشہور ہے کہ چین کی سیر کو جارہے تھے کہ اثنائے راہ میں علیل ہوئے۔ اور ماٹڈے میں ہمیشہ کے لئے دنیا سے دست بردار ہو کر دارالقرار کا سفر کیا۔

اسی طرح ولایتی شاہ صاحب وارثی جرمنی۔ جو ہندوستان میں بغرض تجارت آئے تھے لیکن عنایت ایزدی شامل حال تھی کہ حضور قبلہ عالم کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر تارک الدنیا ہو گئے اور حج بیت اللہ کے لئے پایادہ جارہے تھے کہ راستہ میں انتقال ہوا۔

علیٰ ہذا عبداللہ شاہ صاحب وارثی بھی عیسائی تھے۔ جن کا نام حضور قبلہ عالم کے مشہور خرقہ پوشوں کی فہرست میں ہے۔ ان کو میں نے بھی دیکھا تھا۔ ہر چند معمر اور ضعیف بہت تھے۔ لیکن اسم حق کا ذکر ایسے شد و مد کے ساتھ کرتے تھے کہ سامعین کے قلب پر اثر ہوتا تھا۔ جو میں گھنٹہ میں ایک مرتبہ دن کو سٹو کھاتے تھے۔ ہر سال سرکار عالم پناہ کی قدمبوسی کے لئے آئے تھے۔ مدراس کے کسی دیہات میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی اور تقریباً ۱۲۸۵ھ ہجری میں وہیں وصال ہوا۔ کونٹ گلزار کا واقعہ | اکمال قدیم ارادتمندوں کے علاوہ۔ دورِ اخیر میں بھی اکثر عیسائی حضور قبلہ عالم کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر آپ کے فیضان باطنی سے مستفیض ہوئے۔ جن کی عقیدت اور بیعت کے حالات ماسوائے شنیدہ کے بعض دیدہ بھی ہیں اور اکثر واقعات کا خلاصہ یادداشت میں مسطور بھی ہے۔ لیکن بنجیال اختصار صرف ایسے ایک عیسائی کی ارادت کا واقعہ نقل کرنا ہوں جو سرکار عالم پناہ کے فیوض و برکات کی مجسم یادگار ہے جس کی حالت اور کیفیت سے جناب حضرت کا زود اثر قوت روحانی کا کافی اندازہ ہو سکتا ہے۔

وہ یہ کہ آخر دسمبر ۱۹۰۲ء میں ایک نوجوان یورپین عیسائی۔ جس کو اب خدا کا مقبول بندہ

کہنا چاہیے پیرس سے ایک مترجم کو ہمراہ لے کر دیوٹی شریفینا آیا۔ اور حاضر خدمت ہو کر آپ کے دست حق پر تائب ہوا اور بعدہ اقرار سبیت ہزار حجروں پر نیاز استدعا کی کہ آپ کے توسط سے اسی زندگی میں اور انہیں آنکھوں کے حقیقت صفات صمدیت سے آگاہی اور تجلی النور احدیت کا مشاہدہ چاہتا ہوں۔

سرکار عالم پناہ نے بکمال شفقت اس کی تسکین اور تشریحی فرمائی۔ اور عجم کے ساتھ اس طائر خدا کو سینے سے لگایا۔ اور بعض ایسے ہدایت آمیز کلمات مثل بہ رموز نکات ارشاد فرمائے جن کے اثرات روحانیہ سے وہ خوش نصیب جوش محبت سے کیف۔ اور افراط مسرت سے آبدیدہ ہو گیا۔ حضور نے حاجی اوگھٹ شاہ کو حکم دیا کہ ان کو ٹھا کر کے مکان میں بٹھرا دو۔ اور ان کے آرام کا سامان کر دو۔ اور کھانے کا خیال رکھنا۔ کوئی تکلیف نہ ہو۔

بعدہ وہ لوگ فار دام محبت شام کو بغرض قدم بوسی حاضر خدمت ہوا۔ تو حضور نے مترجم سے فرمایا۔ ان کو سمجھا دو کہ "محبت خدا کی قیمت روپیہ اور اشرفی نہیں ہے۔ جو شخص اپنی عافیت چھوڑتا ہے اس کو خدا ملتا ہے۔ اگر تصدیق ہو تو ہر چیز میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔"

پھر دوسرے روز۔ بعد ظہر حضور قبلہ عالم نے اس کو بلا کر شیرینی اور نصف تہ بند رحمت فرمایا۔ اور ارشاد ہوا "جھاؤ ایک صورت کو پکڑ لو۔ وہی تمہارے ساتھ رہے گی۔"

خادموں نے اس خدا شناس عیسائی کا نام و نشان مترجم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس جوان صالح کا نام "کونٹ گلارزا" ہے۔ اور امرائے اسپین کے ایک ممتاز خاندان کا یہ رکن ہے۔ اور بڑے دولتمند شخص کا بیٹا ہے۔ مگر بہ نظر تفریح پیرس کے مشہور کانٹی نٹیل ہوٹل میں زیادہ رہتا ہے اور علاوہ علوم مذہبی کے دیگر فنون کا ماہر خصوصاً علم کلام کا بیٹل عالم ہے۔

حالانکہ ہمیشہ سے طبیعت اس کی حق پسند اور وحدانیت پرست تھی۔ اور ارباب زہد اور اصحاب تصوف کا ہمیشہ تلاشی رہتا تھا۔ لیکن مسٹر احتشام علی صاحب وارفی متوطن شہر اسلام

جو پیرسٹری کا امتحان دینے ولایت گئے تھے۔ ان کی زبانی جب حاجی صاحب قبلہ کا نام نامی سنا۔ اور آپ کے صفات سے آگاہ ہوا۔ اس وقت سے مشتاق زیارت تھا۔

غرض اس نوجوان عیسائی کے حالات کا خلاصہ۔ اور داخل بیعت ہونے کا واقعہ تو اسی قدر تھا۔ لیکن مجھ کو یہ دکھانا منظور ہے کہ بارگاہ وارثی کے اس حلقہ گمبوش کو رہنمائے کامل کی عنایت اور توجہ سے بظاہر کیا کیا فیض ہوئے۔ اور اس کے طرز معاشرت میں کیا انقلاب ہوا۔ اور اب یہ عیسائی کس حالت میں ہے۔ اور کیا خیالات ہیں۔ اس کو تھوڑی صراحت کے ساتھ نگارش کرتا ہوں۔ لیکن نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس حق شناس کی جدید زندگی کے حالات حسب طریق محبت نہایت شاندار معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ پہلا دور کہ اس طالب راہ محبت کو فیضان وارثی سے کیا حصہ ملا۔ اس کی واقعی تصریح کرنا میرے واسطے یوں دشوار ہے کہ یہ قلبی واردات ہیں جن کا تعلق کلیتہً باطن سے ہے۔ اور اگر مجھ ایسا شخص کوئی اپنا ظنی خیال پیش بھی کرے تو وہ ظن ضرور شبہات سے وابستہ ہوگا۔ اس لئے اس کی صحیح اور قابل اطمینان وضاحت اسی حالت میں ہو سکتی ہے کہ یا کوئی صاحب بصیرت اس طالب راہ طریقت کی حقیقی حالت کا اظہار کرے۔ یا خود فیضیاب خواہ فیض کنندہ کی تقریر یا کسی مستند تحریر سے استنباط کیا جائے۔ لہذا میں ہی صورت اختیار کرتا ہوں۔ اس واسطے کہ آسان بھی۔ اور میرے امکان میں بھی ہے۔

چنانچہ مستفیض موصوف کے قلم سے نکلے ہوئے وہ الفاظ پیش کرتا ہوں جو زبان حال سے باواز بلند بیان کرتے ہیں کہ باوجودیکہ مسٹر کونٹ گلارزاکو ایک شب آستانہ وارثی پر قیام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور اس عرصہ میں صرف تین مرتبہ حاضر خدمت ہوئے اور ہر مرتبہ چار پانچ منٹ سے زیادہ حضور کی نصیب نہیں ہوئی۔ لیکن انہیں چند ساعتوں میں صحبت وارثی کا وہ اثر ہوا جو برسوں کی مجاہدت سے نہیں حاصل ہوتا۔ بمصداق

یک زمانے صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
حضور قبلہ عالم کے وصال کے بھوڑے عرصہ کے بعد مسٹر کونٹ گلارزاکو نے پیرس سے

اپنے دستخطی اور دستخطی شدہ خط مورخہ ۱۳ مئی ۱۹۰۵ء کے آخری حصہ میں مترجم کی معرفت حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی کو یہ لکھا ہے۔ "میں آپ سے معاف کرتا ہوں اپنے ولی کے حضور میں میں نے ان کو دیکھا کہ دوسرے عالم میں جا رہے ہیں اور موت کے قریب انہوں نے اپنے وعدے اور میری خواہش کو پورا کر دیا۔ اور مجھ کو اپنے قلب سے توام کر لیا۔"

مسٹر کونٹ گلارزا کا یہ خط جو انہوں نے اپنے ہم مشرب اور ہم خیال دینی بھائی کو لکھا ہے اس کے ان جملوں سے۔ بغیر کسی تاویل کے، موصوف کے صفائے باطن اور انکشاف صحیح کا اظہار ہوتا ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ ارباب طریقت نے کشف صادق کو آثار روحانیہ میں شمار فرمایا ہے۔ جو برسوں کی ریاضت اور مجاہدت کے بعد بارگاہ مبدار فیاض سے سالک راہ حق کو تفویض ہوتا ہے۔

لیکن فیضان وارثی کا یہ عجیب و غریب کرشمہ نظر آتا ہے کہ چند ساعات میں ایک عیسائی کے قلب کا ایسا کامل تصفیہ فرمایا کہ وہ پیرس میں بیٹھا دیومی شریف کے حالات دیکھ رہا ہے اور غرغہ صفر کے واقعات حرف بحرف بیان کرتا ہے۔

بلکہ علاوہ اس فیض روحانی کے مسٹر موصوف نے اپنی اس یافت کا بھی صاف الفاظ میں قرار کیا ہے۔ کہ "ولی نے اپنے وعدے۔ اور میری خواہش کو پورا کر دیا۔" خواہش کیا تھی۔ اس کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ تجلی انوار الہی کا مشاہدہ ہو۔ اور اس کا اقبال ہے کہ پیشوا کے برحق نے پورا کر دیا۔ تو یہ ایک فیض۔ ایسا ممتاز اور جلیل القدر فیض ہے جس کو تمامی فیوض کا جامع کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ غرض مسٹر کونٹ گلارزا کے اس خط سے ثابت ہو گیا کہ رہنمائے کامل نے ایفائے وعدہ فرمایا۔ یا اس کو یوں کہا جائے کہ ہادی برحق کی عنایت سے مسٹر موصوف کو ان کی خواہش کے مطابق۔ بلکہ امید سے زیادہ ان کو استعداد روحانی مرحمت فرمائی۔

پھر اس خوش نہاد عیسائی کا دوسرا خط مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۰۵ء حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی کے پاس آیا۔ جس میں کونٹ گلارزا نے صرف اپنی اس تحقیق و تدقیق کا تذکرہ کیا ہے کہ حضور

قبلہ عالم نے وہ احکام میرے واسطے معروف الفاظ میں صادر فرمائے تھے میں نے ان جملوں کے مطالب معنوی پر اپنے خیالات قائم کئے ہیں۔

یہ طرز عمل کہاں تک موصوف کی قوت روحانی کے واسطے مفید ثابت ہوا۔ اسکا علم نہیں مگر مسٹر کونٹ گلارزا کے اس استنباط سے اس کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے کہ ہمارے اخی ملت کی روحانیت میں پیشوائے برحق کی عنایت سے روز افزوں ترقی ہوئی۔

اس کے بعد مسٹر کونٹ گلارزا وارثی اپنے تیسرے خط مورخہ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں لکھتے ہیں ”جیسی اوگھٹ شاہ ذہب صاحبی المترجم لذلک اکتب لک بالعربیة“ کہ میرا مترجم گیا ہے۔ اس وجہ سے میں تم کو عربی میں لکھتا ہوں۔ ”فَرَحْتُ عَنْ اِسْتِغَاثِي بِالْعُلُومِ وَالْاِنْ اُغْوِصُّ فِي التَّوْحِيدِ“ یعنی میں علمی مشاغل سے فارغ ہو گیا ہوں اور توحید کے دریا میں غوطہ زن ہوں۔

مسٹر کونٹ گلارزانے استعارہ کے طور پر وہ بھی کمال اختصار ”وَالْاِنْ اُغْوِصُّ فِي التَّوْحِيدِ“ میں اپنے مشاغل روحانیہ کا ایسے بلیغ پیرایہ میں ذکر کیا ہے جس کے مفہوم سے ان کے احوال قلبی کی مبہم تصویر کے دور رخ دکھائی دیتے ہیں۔ اور ایک رخ سے ان کی روحانیت میں ممتاز شان نظر آتی ہے۔ اور دوسرے رخ سے مسٹر موصوف توحید کے جو یا اور محسوس معلوم ہوتے ہیں۔

حالانکہ یہ دونوں صورتیں اہل توحید کے احوال باطنی سے تعلق رکھتی ہیں لیکن دونوں کے مابین فرق یہ ہے کہ پہلی شکل موصوف کی تکمیل روحانیت پر دلالت کرتی ہے اور دوسری شکل سے ان کا مع الفکرۃ فی میدان التَّوْحِيدِ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

کیونکہ اگر اُغْوِصُّ فِي التَّوْحِيدِ سے مراد یہ لی جائے کہ مسٹر کونٹ دریاے توحید میں غرق اور حقائق توحید سے کما حقہ خبردار ہیں تو اس صورت میں موصوف کو صاحب دید و یافت کہہ سکتے ہیں اور یافت بھی معمولی یافت نہیں بلکہ بحر توحید کی غواصی جو فی الحقیقت ارباب یافت

معرفت کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ چنانچہ عراق کے مشہور اور صاحب حال صوفی شیخ علی بن الہتی علیہ الرحمۃ کا قول ہے "التَّوْحِيدُ فَوْقَ الْمَعَارِفِ" کہ توحید معارف سے بالاتر ہے۔ اور عبدالرحمن تفسوخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "أَرْفَعُ الْعُلُومَ عِلْمَ التَّوْحِيدِ" یعنی جملہ علوم سے برتر توحید کا علم ہے۔ اور محققین حضرات صوفیہ نے حقیقت توحید کی نسبت بالاتفاق فرمایا ہے کہ توحید رب الغزت نہایت مقامات اور غایت غایات ہے۔ اس لئے یہ مرتبہ انہیں مردان باصفا کو بارگاہ حضرت احدیت سے تفویض ہوتا ہے جو ماسوائے اللہ سے دست بردار ہو کر وادی طلب میں کمال ضبط و تحمل رضائے معبود کے سامنے اپنی ہستی کو نیست و نابود کرتے ہیں اور تجلی النور شاہ حقیقی کے شوق دید میں پروانہ وار جاں نثاری کے لئے تیار رہتے ہیں۔

علاوہ اس کے حضرات موحدین کے ایسے ہی صفات بلکہ ان سے زیادہ ممتاز علامات حضرات صوفیہ نے اور بھی ارقام فرمائے ہیں۔ لیکن خیال یہ ہوتا ہے کہ صفات مذکورہ محقق اور مکمل موحدین کے ہیں۔ اور ایسے صفات سے وہی برگزیدہ ہستیاں موصوف ہوتی ہیں۔ جن کا مقدس وجود صدیوں کے بعد عالم شہود میں آتا ہے۔ اور جن کی عظمت کا نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے۔ اور ان کے اعزاز و امتیاز کا یار و اختیار اقرار کرتے ہیں۔

اس لئے اگر کوئی مشکوک لہجہ میں کہے کہ مسٹر کوٹ گلارزاکا ظاہری حالت کے لحاظ سے اس مرتبہ علیا پر غائر ہونا ہماری چشم ظاہر میں کوناموزوں معلوم ہوتا ہے۔ تو بہ نظر احتیاط پہلے سے یہ صورت اختیار کرنا مناسب حال معلوم ہوتا ہے کہ "خیر الامور اوسطها" پر عمل کیا جائے۔ اور "أَخْوَصُ فِي التَّوْحِيدِ" کا آخر الذکر مفہوم تسلیم کریں۔ اور اس جملے سے مسٹر موصوف کے باطنی جوش اور روحانی حالت کی نسبت یہی اندازہ کیا جائے کہ آپ ادراک حقیقت توحید کے لئے کوشاں و سرگرداں یعنی طالب توحید حقیقی ہیں۔

کیونکہ ارباب طریقت کے نزدیک۔ سالک راہ طریقت کے فخر و مباہات کے لئے توحید کا یہ مرتبہ بھی کم نہیں ہے۔ اور اس مقام تک بھی رسائی۔ انہیں جانا مردان خدا کی

ہوتی ہے۔ جو صاحب ثبات و استقلال اور نہایت پختہ خیال ہوتے ہیں۔
 پھر حال مسٹر موصوف بجز توحید میں غرق ہوں۔ یا ادراک حقیقت توحید میں منہمک اور صرف
 ہر دو حالت میں اس نوگرفار دام محبت کی شخصیت کا اظہار۔ اور موحیدین کی کسی نہ کسی صف میں
 ان کا شمار کرنا ضرور ہوگا۔ اور بساط توحید کے کسی گوشہ پر ان کو جبکہ دینا پڑے گی۔ اور جب مسٹر
 کونٹ کا زمرہ موحیدین میں داخل ہونا مان لیا جائے گا۔ تو لازماً اس سے ہوگا کہ ان کو فائز المرام
 بھی کہا جائے۔ اور یہی دکھانا ہم کو مقصود بھی ہے کہ حضور قبلہ عالم کے فیض صحبت نے ایک
 عیسائی طالب کے خواہشات ردحانی کو ایسا پورا کیا کہ اس کا اقرار ہے "وَالْآنُ اُنْغُوْصُ فِي التَّوْحِيْدِ"
 اس کے بعد عرصہ تک مسٹر کونٹ گلارزا کا خط نہیں آیا۔ اور نہ کسی دوسرے ذریعہ سے
 یہ معلوم ہوا کہ وہ صادق الارادت کہاں، اور کس حالت میں ہے۔ لیکن تین سال کے انتظار
 کے بعد اس آوارہ دشت محبت کا خط مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۹ء مصر سے حاجی اوگھٹ شاہ
 صاحب کے پاس آیا جس کے مضامین سے ظاہر ہوا کہ سلف سے عشق و محبت کا جو مشہور کرشمہ
 اور مخصوص نتیجہ زبان زد ہے کہ محب صادق کو شوق وصال شاہد حقیقی میں ناقابل برداشت صدمات
 کا سامنا ہونا ضروری اور غیر معمولی صعوبات کا پیش آنا لازمی ہے اس کا خط سے مسٹر کونٹ بھی
 ابتلائے محبت میں مبتلائے آلام ہوئے۔ اور درحقیقت ایسے ایسے حادثات رونما ہوئے کہ مجبور
 ہو کر وطن مالوف سے دور۔ قاہرہ کے مشہور دارالعلوم جامع ازہر میں بحیثیت پروفیسر فلسفہ
 الہیات کا درس دیتے ہیں۔

چنانچہ مسٹر کونٹ اپنے اس خط میں لکھتے ہیں "قَدْ عَمَّرْتُ ثَلَاثَ سِنِيْنَ اَيْهَا الرَّخِ الْعَزِيْزُ"
 یعنی اے پیارے بھائی تین سال سے ملاقات نہیں ہوئی۔ "الْحَالُ اِلَيْ لَا اَبْرَحُ اَنْظُرُ دَائِمًا
 اِلَى مِثَالِ الْمَحْبُوْبِ قَدْ سَلَ اللهُ سِرَّةً" میں ہمیشہ اپنے برگزیدہ خدا محبوب کی تصویر سامنے
 رکھتا ہوں۔

پھر اپنی موجودہ حالت کا اظہار۔ اور بعض مصائب کا بصراحت ذکر کرتے ہیں۔ "وَسَلَكْتُ

بَعْضَ الْأُمْتِحَانِ الصَّعْبِ وَالْمُزِيلِ يُعْتَرِضُ لِي مِصْحِنٍ " اور بعض سخت امتحان میں مبتلا ہوا اور دشواریاں پیش آئیں۔ " فَوَالِدِي تَوْفِي وَأَكْثَرُ مَالِهِ رَاحٍ وَ لِي أُمٌّ وَأُخْتَانِ " کہ میرا باپ مر گیا۔ اور اس کا مال تلف ہو گیا۔ اور میری ماں اور دو بہنیں ہیں۔

مسٹر کونٹ گلارزا کے اس خط کا مفہوم گونٹا ہر دل خراش اور لائق تعزیت ضرور ہے مگر جس طرح ان کے باپ کا انتقال۔ مال کا اتلاف۔ خانہ بربادی کی مصیبت۔ غریب الوطنی کی اذیت جس کے بھیانک خیال سے قلب بے چین اور پریشان ہوتا ہے۔ اسی طرح حقیقت حال پر نظر کی جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف کے مسلک کا اقتضا۔ اور ان کے مشرب کا صحیح اصول یہی ہے کہ مصائب کا معنوی پہلو طالب صادق کے حق میں نہایت مفید اور مبارک۔ بلکہ قابل تہنیت ہوتا ہے۔

کیونکہ حضرات صوفیائے کرام کے مستند ارشادات سے ثابت ہے کہ اگر صبر و ثبات قائم رہے۔ تو ایسے ہی واقعات کے وقوع پر طالب راہ حق کی ترقی درجات موقوف ہے۔ اور یہی صعوبات جب پیش آتے ہیں تو موحدین اسرار توحید سے خبردار ہوتے ہیں۔

چنانچہ منقول ہے کہ سید الطائفہ حضرت جنید علیہ الرحمۃ سے توحید کی تعریف دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ "التَّوْحِيدُ الَّذِي إِنْفَرَدَ بِهِ الصُّوفِيَّةُ هُوَ إِفْرَادُ الْقَدَمِ عَنِ الْحَدَثِ وَالْخُرُوجُ مِنَ الْأَوْطَانِ وَقَطْعُ الْمَحَابِّ أَنْ يَكُونَ الْحَقُّ مَكَانَ الْجَمِيعِ " یعنی وہ توحید جس میں صوفی منفرد ہیں۔ قدم کو حدوث سے الگ کر لینا۔ اور وطنوں سے باہر نکلنا۔ اور اسباب تعلق کا قطع کرنا۔ اور سب کی جگہ حق کا قائم کرنا ہے۔

تاج العارفین حضرت جنید علیہ الرحمۃ نے جو صفات ارشاد فرمائے ہیں۔ ان کو مسٹر کونٹ گلارزا کے ان حادثات سے ملا کر دیکھتے ہیں۔ جن کو ہم ظاہر میں پہلے صعوبات سے تعبیر کرتے تھے۔ تو وہی واقعات اب توحید کے درجات اور موحدین کے مقامات معلوم ہوتے ہیں۔ اور صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ابتلا کے پردہ میں صورت استفادہ تھی۔

اور درحقیقت مسٹر کونٹ کی مکتب توحید میں ترقی ہو رہی تھی۔

الغرض مسٹر کونٹ گلارزا کے یہ خطوط بھی حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے اپنے رسالہ ضیافت الاحباب مطبوعہ ۱۹۱۲ء میں کمال احتیاط نقل کئے ہیں جن کو سرسری نظر سے بھی اگر دیکھا جائے تو ان کے اکثر جملوں سے بغیر کسی تاویل کے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا کاتب تصرفات وارثی سے حسب درخواست مستفید ہوا خصوصاً کشف باطنی اور تصدیق توحید کا شرف اس مقلد تالیف کو بارگاہ مبداء فیاض سے ضرور تفویض ہوا ہے۔

البتہ یہ سوال اگر کیا جائے کہ مدارج کشف اور مراتب توحید میں موصوف کی یافت کہاں تک ہو تو اس کا صحیح اور یہی جواب اس لئے ہمارے علم سے باہر ہے۔ کہ یہ قلبی واردات ہیں۔ مگر اس قدر ضرور کہہ سکتے ہیں کہ وہ احوال جن کا طریقت میں اخلاق مستحسنہ اور صفات روحانیہ میں شمار ہے، ان کے اثرات سے ایک حد تک اس طالب خدا عیسائی کے قلب کو سروکار ضرور ہوا۔ اور ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ یہ گراں بہا یافت مسٹر کونٹ کی کسی جدوجہد کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ روحانی فیض اور ابدی سعادت انہیں چند ساعات کی صحبت کا کرشمہ ہے جو دیوی شریفین میں ان کو نصیب ہوئی۔ اور جس کا فخر کے ساتھ ان کو اقبال ہے۔

چنانچہ علاوہ ان خطوط کے ایک مطول خط اور بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ جو اس پرستار بارگاہ وارثی نے ملک غلام محمد خان صاحب وارثی اسٹینٹ ڈائریکٹر جنرل پوسٹ اینڈ ٹیلگراف کو اس وقت لکھا تھا جب کہ جامعہ ازہر کی بائیس سالہ خدمت کے بعد موصوف بغرض سیاحت ہندوستان آئے تھے اور کلکتہ کے تعلیم یافتہ حضرات نے آپ کو مدرسہ عالیہ کا عربی پروفیسر بنایا۔

مسٹر کونٹ گلارزا نے اس خط میں اپنی قدیم ذہنیت کے انقلاب اور جدید زندگی کے قابل ذکر حالات اور حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضری اور اس مختصر صحبت کے متعدد مفاد اور کثیر برکات اور آپ کی عنایت سے روحانی یافت اور اس کے گرانقدر ثمرات، خانہ بربادی

کے آلام میں مبتلا ہونا۔ قابرہ میں عرصہ تک قیام کرنا۔ اور ہندوستان آنے کے اسباب۔ نہایت تسلسل اور وضاحت کے ساتھ قلمبند کئے ہیں۔

مگر چونکہ ایسا مطول خط۔ جو سیدہ رضائین پر مشتمل ہو۔ اس باب میں لکھنا بہ لحاظ طوالت قطعی ناموزوں تھا۔ اس لئے مناسب سمجھا کہ رسالہ ہذا کے آخری صفحات پر مع ترجمہ کے اس خیال سے اس کو نقل کر دوں گا کہ ناظرین کو سرکار عالم پناہ کے فیضانِ باطنی کی جلیل القدر شان کا مشاہدہ کرنے میں آسانی ہو۔

قطع نظر اس کے اگر خطوں کے وہ بلند مضامین جو فی الحقیقت مسٹر کونٹ کی خدائشناسی کی واسطے کافی دلائل ہیں ان کا حوالہ نہ ہی دیا جائے۔ تو بھی صرف ان کے عادات اور خیالات سے ان کی حقانیت اور ان کا منہک فی التوحید ہونا نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

مثلاً اگر ہم عدم سرمایہ کی وجہ سے وسیع پیمانہ پر وہ خدمتِ خلق نہیں کر سکتے۔ تاہم ایک طہریت کا یہ اختیار کیا ہے کہ بندگانِ خدا کو اکاد و ارتداد کے مذموم نتائج سے آگاہ کرنے کے لئے گرمیوں کی تعطیلات میں سفر کرتے ہیں۔ اور بڑے بڑے شہروں کی مشہور درسگاہوں میں۔ اربابِ علم و فضل کے اُن عام جلسوں میں جو مخصوص اسی غرض سے منعقد ہوتے ہیں۔ حضرت احدیت جل جلالہ کی توحید اور قدامت پر ایسی مدلل تقریر کرتے ہیں کہ سائنس کے دلدادہ۔ اور فلسفہ کے گرویدہ۔ اور انگریز اور ہندوستانی سردرگربیاں ہو کر۔ اکثر اپنی ذہنیت سے روگرداں اور موصوف کے ہم نوا اور ہم خیال ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس دو چار سال کے اندر آپ کی سچی ہمدردی کا یہ اثر ہوا کہ سیکڑوں مشرک موجد ہو گئے۔

خلاصہ یہ کہ اس خدا پرست یورپین کی عقیدت اور ارادت کے بعض حالات۔ اور اس خلوت کے چند اقتباسات جو مثیلاً نگارش کئے۔ اگر انہیں کو چشمِ انصاف سے دیکھا جائے۔ تو حضور قبلہ عالم کی ہدایت عام کے عجیب و غریب اثرات اور فیضانِ باطنی کے ان جلیل القدر برکات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے ہر مذہب و ملت کے طالبین راہِ حق کو عندا

ایسا مستفید فرمایا کہ جو خاندانی گم کردہ راہ تھے۔ ان کا خدائشناس بندوں میں شمار ہو گیا۔
آدابِ طریقت اعلیٰ ہذا حضور قبیلہ عالم نے اپنے ارادتمندوں کو آدابِ فی الطریقت سے
 بھی آگاہ کر دیا۔ اور نہایت آسان۔ اور عام فہم لفظوں میں شرائطِ سلوک اور ضوابطِ مشرب
 بکمال شفقت تعلیم فرمائے۔ چنانچہ اس باب میں چند ایسے ملفوظات نقل کرتا ہوں جن کو تقسیم کا مرتبہ
 حاصل ہے۔ اور باوجود مختصر اور عام فہم ہونے کے نہایت جامع۔ اور وسیع المعنی ہیں۔ اور نظر
 غائب سے دیکھا جائے تو ان کی یہ غیر معمولی صفت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہیں ارشادات کی
 تعمیل سے ذی استعداد مرشدین بھی مستفید ہو سکتے اور ہو سکتے ہیں اور ہم ایسے بتدریج
 کے واسطے بھی انہیں ملفوظات کے عارفانہ مضامین سے سبق آموز ہونا مفید اور سود مند ہے۔
 مثلاً مرید کی ارادت اور عقیدت۔ اور پیر کی عنایت و شفقت کی نسبت جناب حضرت نے
 اپنے غلاموں سے مخاطب ہو کر اکثر فرمایا کہ جو مرید پیر کو دور سمجھے وہ مرید ناقص ہے۔ اور
 جو پیر مرید سے دور رہے، وہ پیر ناقص ہے۔“

لفظی حیثیت سے اس ارشاد کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ کو مرید کی ارادت اور محبت
 سے گہرا تعلق ہے اور اس خیال کو مستقل اور پختہ کرنا جس طرح طالبین باتمکین کا کام ہے اسی
 طرح وہ نوآموز رموز طریقت بھی اس کی تعمیل کر سکتا ہے۔ جس نے وادی سلوک کی پہلی منزل
 میں قدم رکھا ہے۔

اور دوسرے حصہ میں پیر کامل کے درجات عالیہ کی تعریف فرمائی ہے۔ اور اس کے
 فیوض و برکات سے ارباب ارادت کو مطلع کیا ہے۔ کہ جس خلوص و مودت سے مرید اپنے پیر
 کے خیال میں محو اور مستغرق رہتا ہے۔ اسی لحاظ سے پیر اس کا منازل سلوک میں اس کا دستگیر
 اور معاون رہتا ہے۔

اور اگر مرید کو پیر کے خیال میں محویت نہ ہو۔ یا پیر اپنے مرید کی امداد و حمایت نہ کرے۔ تو یہ
 مزعج نقصان ہے۔ اور دونوں کی صداقت ساقط الاعتبار ہے۔

اور دیکھا ہے کہ اس فرمان و ارثی کی تعمیل سے اکثر اخوان ملت مستفیض ہوئے۔ اور ان کے واقعات قابل تہنیر ضرور ہیں۔ لیکن طوالت کے خوف سے ان کا ذکر نہ کروں گا۔ اور شاید یہ کاغذ سلسلہ اسی قدر عرض کرنا کافی بھی ہو گا کہ اس ہدایت و ارثی کی معروف لفظوں کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ سرکار عالم پناہ نے مرید کی ارادت صادق اور محبت و اثق کا معیار یہ فرمایا ہے کہ برہال میں مرشد برحق کو اپنا مدد و معاون جانے۔ اور غیبت میں بھی حاضر و ناظر سمجھے۔ اور اس کی دستگیری کا لہجہ "بِئِذِ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمُ" یقین کامل ہو۔

اور اسی طرح بجز دیگر صفات کے پیر طریقت کی ایک لازمی صفت یہ بیان فرمائی کہ "وہ ہمہ وقت مرید کا کفیل ہو۔ اور خطرات و خدشات سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے قلب کا نگران رہے" جیسا کہ مرشد کامل کی تعریف میں مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

بندگان خاص عتلام الغیوب در جہاں جاں جو اسیس القلوب
یہ بھی حضور قبلہ عالم نے فرمایا ہے کہ "مرید صادق وہ ہے جو پیر کی بارگاہ کو نقائص سے پاک سمجھے" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "جس کا پیر نہیں۔ اس کا دین نہیں" بمصداق "مَنْ لَا شَیْءَ لَہٗ لَا دِیْنَ لَہٗ" یہ بھی فرمایا ہے "مرید کی کامیابی۔ اس کے پیر کی عنایت پر موقوف ہے" یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "جس مرید کو اپنے ہر اعتقاد سے زیادہ پیر سے عقیدت ہوتی ہے۔ اس کا پیر غیبت میں اس کا محافظ ہوتا ہے" یہ بھی فرمایا "مرید کو وہی ارادہ کرنا چاہئے جو پیر کا اشارہ ہو" یہ بھی ارشاد ہوا کہ "مرید مثل بیمار کے ہے۔ اور پیر بمنزلہ طبیب کے ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو بیمار طبیب کی ہدایتوں پر عمل کرتا ہے اس کو شفا جلد ہوتی ہے" اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "مرید وہ ہے جو باپ کی خدمت پر پیر کی خدمت کو مقدم جانے اور پیر وہ ہے جو صلیبی اولاد سے قلبی اولاد پر زیادہ مہربان ہو" اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ "مرید کامرکز تسلیم و محبت ہے۔ جو اس سے ہٹ گیا۔ وہ خراب۔ اور جو قائم رہا۔ وہ کامیاب ہوا" اور یہ بھی فرمایا کہ "فی الحقیقت مرید وہ ہے جس کی مراد اس کا پیر ہو"

یہ بھی ارشاد ہوا کہ ”مرید کے واسطے پہلی شرط یہ ہے کہ جو حدود پیر نے اس کے لئے تجویز کئے ہیں۔ اس کے باہر قدم نہ رکھے۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”مرید کو خود بینی۔ مراد سے محجوب رکھتی ہے۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”مرید صادق وہ ہے جو پیر کے سامنے اپنی معلومات کو بھول جائے یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”پیر کی خوشی کے سوا۔ مرید کی کوئی خواہش نہ ہو۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”مرید اس طرح پیر سے ملے جس طرح قطرہ دریا سے مل جاتا ہے اور جب تک نہیں ملتا۔ اس کا نام قطرہ ہوتا ہے اور جب مل جاتا ہے تو اسی قطرہ کو سب دریا کہتے ہیں۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ ”پیر کی صورت میں خدا ملتا ہے۔“ اور یہ بھی اکثر فرمایا ہے کہ ”جو مرید صدق و ارادت کو اپنے افعال میں پیر کی موافقت کرتا ہے اس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔“ ظہوری سے

شدائے توبادیر و حرم کار نہ دارد انگندہ ز کف سجہ و ز نار نہ دارد
صفت فنا اس مجموعہ ارشادات کو اگر مریدین کا دستور العمل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا خصوصاً آخر الذکر دونوں فرمان تو جامع مفاد سترشدین ہیں۔ اور حضور قبلہ عالم نے ان دونوں ملفوظات میں نہایت سادہ۔ اور بہت مختصر الفاظ میں اس بلند پایہ مسئلہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ جو اخلاق صوفیہ میں جلیل القدر صفت ہے۔ اور مخصوص عشاق کا منہائے اوج ہے۔ کیونکہ طریقت میں خلق سے انقطاع اور حق سے اتصال کو فنا کہتے ہیں جس کی تکمیل کے بعد مرتبہ بقا نصیب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے فنا کا مورث بقا بھی نام ہے۔ غرض یہ حسب ارشاد سرکار عالم پناہ یہ ثابت ہوا کہ مرید کو یہ شرف اختصاص پیر کی صورت میں ملتا ہے۔ جو فنا فی الشیخ کے نام سے مشہور ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب دارنی نے حضور قبلہ عالم کو مخاطب دیکھ کر عرض کیا کہ حضرات صوفیائے کرام کے تذکروں میں منقول ہے کہ مشائخ عظام کا اتفاق ہے کہ مرتبہ فنا میں مدارج پر منقسم ہے اول فنا فی الشیخ۔ دویم فنا فی الرسول۔ سوم فنا فی اللہ۔ اور ہر درجہ اپنے پہلے درجہ سے فوقیت رکھتا ہے اور سالکین با تکمیل ہر سہ مدارج کو یکے بعد دیگرے تدریجاً طے فرماتے ہیں۔ اور بعد حصول درجہ فنا فی اللہ صاحب مقام فنا کے کامل سمجھے جاتے ہیں۔

اور مسلمہ ہے کہ فنا کے لغوی معنی مٹ جانا ہیں۔

لہذا یہاں تک تو ممکن الوقوع معلوم ہوتا ہے کہ سالک راہ طریقت، تقرب حضرت احدیٰ جل جلالہ کے شوق میں کمال جدوجہد، مرشد برحق کی ہستی کے سامنے اپنی ہستی کو نیست و نابود کرتے ہیں۔ اور پیر کی عنایت سے وہ خوش نصیب فنا فی الشیخ ہو کر پہلا درجہ فنا کا حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہی طالب جس کا پیر کی عنایت اور توجہ سے وجود کا عدم ہو چکا اور وہ پیر کا عین ہو گیا۔ اور اس پر صاحب ہستی ہونے کا اطلاق نہ رہا۔ تو پھر وہی فنا شدہ طالب دوسرے اور تیسرے درجہ فنا کے واسطے مکرر اور سکرر فنا فی کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیا اس کی فنا پذیر ہستی میں فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ ہونے کے لئے وجود موہوم عود کر آتا ہے۔

حضور قبلہ عالم نے متبسم لبوں سے مختصر الفاظ میں فرمایا کہ اسی قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ مرید صادق الارادت اپنی ہستی کو جب پیر کی ہستی کے سامنے فنا کرتا ہے اور اس کو فنا فی الشیخ کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو اسی کے ساتھ دوسرا اور تیسرا درجہ بھی طے ہو جاتا ہے۔ یعنی پیری کی شکل میں اس کو فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ کا مرتبہ مل جاتا ہے۔ جیسا کہ مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

چونکہ ذات پیر را کردی قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
چونکہ حضور قبلہ عالم کا مزاج ہالیوں نہایت اختصار پسند تھا اور ہمیشہ بڑے بڑے مسائل کا ذکر آپ چھوٹے چھوٹے مگر جامع اور معنی خیز الفاظ میں فرماتے تھے۔ اور آپ کی اس مختصر تقریر کا خاص تصرف یہ تھا کہ سامعین ان اجمالی جملوں کا مفہوم بخوبی سمجھ جاتے تھے۔ اسی انداز سے حاجی اوگھٹ شاہ کو آپ نے فنا کا دقیق مسئلہ کس آسانی سے سمجھا دیا اور مولانا علیہ الرحمۃ کے شعر سے استدلال بھی کس قدر لطیف اور حسب حال فرمایا جس کے بعد کسی اور شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ از روئے لغت فنا کے معنی مٹ جانا ضرور ہیں۔ مگر یہاں فنا سے موت طبعی مراد نہیں ہے۔ بلکہ صوفیہ بجائے لغوی معنی کے اصطلاحی معنی اختیار

کرتے ہیں۔ اور اصطلاح صوفیہ میں فنا سے مراد۔ مرید کا احکام پیر کی موافقت میں ایسا محو اور مستغرق ہو جانا ہے کہ جملہ مرادات و معلومات معدوم ہو جائیں۔ حتیٰ کہ اپنی ہستی سے بے خبر ہو جائے اور مقام فنا کی نسبت محققین ارباب طریقت نے یہ فرمایا ہے کہ حضرات سالکین کی مخصوص اور ممتاز حالت کا نام فنا ہے۔ جو ان کے اوج منزلت کی آخری منزل ہے۔

اور بعض حضرات نے نوعیت فنا کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ طریقت میں فنا اس عدم شعور کو کہتے ہیں۔ جو واسطے شہود انوار ہستی معبود ہو۔ اور جس حالت میں سالک کو اپنی بے شعوری سے بھی بے شعوری ہو جائے اس کیفیت کو فنا فی الفنا کہتے ہیں۔

اور اکثر حضرات عارفین نے فرمایا ہے کہ فنا کی حقیقی تعریف نہایت محویت فی اللہ اور غایت سیرالی اللہ ہے۔

اور مجتہدین طریقت کا قول ہے کہ مَنْ قَنِيَ بِالْمُرَادِ لَقِيَ بِالْمُرَادِ یعنی جو اپنی مراد سے فنا ہوا۔ وہ مراد حق کے ساتھ باقی رہا۔

اور حقیقت فنا کی نسبت ارباب طریقت نے علاوہ دیگر رموز و لطائف کے مختلف انجالی سالکین کو ان کے مقام اور افہام کے اعتبار سے۔ اسی پیرایہ میں جواب دیا ہے۔ جو ان کی ذہنیت تھی۔

چنانچہ بعض نے سائل کے اطمینان کے واسطے فنا کا مفہوم۔ فنا مخالفات اور امر الہی فرمایا جو مستلزم بہ توبہ نصوح ہے۔ اور کسی نے سائل سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ فنا زوال لذات دنیوی کو کہتے ہیں اس قول کو سائل کے غلبہ زہد سے تعلق ہے۔ اور بعض نے فنا کو زوال صفات ذمیہ کہا ہے۔ یہ تعریف تزکیہ نفس کی نسبت ہے۔ اور کسی نے حق سے تقرب۔ اور خلق سے غیبت کو فنا کہا ہے۔ یہ جواب سائل کی حالت سکر پر دلالت کرتا ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ فنا سے مفاد و نیوی اور اغراض اخروی سے انقطاع قطعی مراد ہے۔ یہ صفت بہ مقتضائے صدق محبت فرمائی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان جملہ ارشادات کا مفہوم واحد ہے۔ اور سب نے طالب صادق کا رجوع

بہ شمائل محمودہ ہونے کے لئے خصائل مذمومہ سے اجتناب کلی اور احترام قطعی کو فنا کہا ہے۔
 اور یہ بھی کتب محققین حضرات صوفیہ کی درق گردانی کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصوف کی کوئی
 صفت خواہ محمودہ ہو۔ خواہ مذموم۔ ایسی نہیں ہے جس کے چند مدارج نہ ہوں۔ جو ان کے تحقق اور
 نزدیک کی عین دلیل ہے۔

پس یہ جملہ باتیں پیش نظر رکھنے کے بعد اگر یہ کہا جائے تو بے محل نہیں معلوم ہوتا کہ ایک طالب
 صادق نے اپنی کسی صفت نفسانی سے بدفعات احترام کیا۔ یا کسی مرتبہ روحانی کے منازل و مدارج
 بتدریج طے کئے۔ اور ہر دفعہ اس کے تقرب و اختصاص میں ترقی رونما ہوئی۔ اور ہر ترقی کو ایک محمود
 صفت سے نامزد کیا گیا۔ اس صورت میں سالک کی چند ترقیوں کے ضرور چند نام مشہور ہو جائیں گے
 لہذا مشائخ عظام نے اگر مراحل فنا طے کرنے کو فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ
 سے تعبیر کیا تو اذروئے سیاق تحریر بھی ناموزوں نہیں ہے۔ اور اس اعتبار سے فنا کے لغوی معنی
 بھی نظر انداز ہو جائیں گے۔ اور شخص فنا فی الشیخ کو فنا فی الرسول۔ اور فنا فی الرسول کو فنا فی اللہ
 کہنے میں کوئی تردد نہ ہوگا۔

لیکن فی الحقیقت فنا کے یہ متعدد خواص۔ اور اہل فنا کی یہ جملہ تعریفیں جن سے کتب تصوف
 کے صفحات مملو ہیں۔ یہ فنا کے اثرات ظاہری کی قیاسی تشریح ہے۔ اور اہل حقائق نے اس قلبی
 واردات سے معروف الفاظ کے پردہ میں۔ طالبین راہ حق کو روشناس یوں کیا ہے کہ ارباب
 فنا کے وہ آثار جن کا بدیہات سے اظہار ہوا۔ ان کو اسی مناسبت سے حضرات محققین نے
 بنیال تفہیم ماوشما بطور استعارہ کے۔ اخلاق صوفیہ میں سے ایک صفت کے ساتھ نامزد فرمایا۔
 یا مشائخ عظام کو جب فنا کی نوعیت اور ماہیت کے اعتبار سے۔ اہل فنا کا ہونے کے
 سنان اور ناہوار میدان سے گزرنا معلوم ہوا۔ تو اس نا دیدہ مقام کے عقبات کے خیال
 سے اہل فنا کی آسانی کے واسطے ایک شاہ راہ کا نقشہ بنا دیا۔ اور اس کے مراحل و منازل کو
 ان مشہور اور معروف صفات سے موصوف کیا۔ جن کے ناموں سے ہمارے کان آشنا تھے

ورنہ صحیح اور فی الحقیقت فنا کی تعریف اسی قدر تسطیر میں آسکتی ہے کہ فنا۔ مقبرین بارگاہ احدیت کے باطنی حالات۔ اور قلبی واردات کا نام ہے۔ جس کی تصریح و تشریح ناممکن اور محالات سے ہے۔

اور اگر عاشقاں الہی کی اس عدیم النظیر منزلت۔ اور پراسرار یافت کا تذکرہ معروف الفاظ میں تمثیلاً کیا بھی جائے۔ تو میرے خیال میں حضور قبلہ عالم کے انہیں دونوں ملفوظات کا حوالہ کافی اور بس ہوگا کہ جو مرید صدق و ارادت سے اپنے افعال میں پیر کی موافقت کرتا ہے اس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔ اور پیر کی صورت میں خدا ملتا ہے۔“

صورت پیر آئینہ حق نما ہے | اس لئے کہ اکثر انخوان ملت کے عادات میں ایسی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ جن کو دیکھ کر ہر شخص کہہ سکتا تھا کہ ان کے خیالات۔ غیر معمولی تغیرات سے ایسے متاثر ہیں۔ جن کا اظہار ان کے حرکات و سکنات سے ہوتا ہے۔

چند روز پہلے ان کا قیافہ یہ کہتا تھا کہ یہ کسی بڑی چیز کے طلبگار ہیں۔ کیونکہ حصول طلب کے انتظار میں جو انتظار پیدا ہوتا ہے۔ وہ ان کے متحیر چہرے کو ہمہ وقت افسردہ رکھتا تھا۔ لیکن اب ان کا سکون شاہد حال ہے کہ قلب مطمئن ہے۔ اور ان کی بات بات میں جو لہجہ کی شان نظر آتی ہے۔ یہ عین دلیل ہے کہ کار ساز حقیقی کا کوئی ایسا کرشمہ دیکھا ہے۔ جو پہلے نظر سے نہیں گزرا تھا۔

شاید اسی عنوان سے ان کو انوار شاہد حقیقی کا مشاہدہ ہوا ہے۔ جس کی حضور قبلہ عالم نے اپنے سرشدین کو صاف الفاظ میں بشارت دی ہے کہ ”پیر کی صورت میں خدا ملتا ہے۔“ بعض غلامان وارفی ایسے بھی تھے کہ ان کے حالات و واقعات کسی تاویل کے محتاج نہیں بلکہ وہ خدا شناس بندے۔ سرکار عالم پناہ کی حق نما صورت دیکھ کر ایسے از خود رفتہ ہو گئے کہ کسی نے اپنی جاؤاد سے دست بردار ہو کر زابدانہ روش اختیار کی۔ کسی نے آبائی ذہنیت کو خیر باد کہا۔ کسی نے تعلقات منقطع کئے۔ کوئی صحبت خلق سے کنارہ کش ہو کر۔ تاحیات یاد حق میں

مصروف رہا۔

ان خدا پرستوں کی یہ حالت دیکھ کر بجز اس کے اور کوئی خیال نہیں کر سکتے کہ ان انخوان ملت کی ارادت صادق اور خیال نچتہ تھا۔ اس لئے بغیر کسی جدوجہد کے ان کو اپنے مرشد برحق کی صورت میں جلوہ حق نظر آیا۔

غرض حضور قبلہ عالم کے فیض و تصرف سے ایسے ارادتمند بھی سیکڑوں گزرے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اس مجموعہ میں آچکا ہے۔ مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں بھی چند ایسے علمائے دارنی کے واقعات نقل کروں جو حضور کی صورت زیبا دیکھ کر کامیاب ہوئے۔

چنانچہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب دارنی۔ اپنے رسالہ رشحات الانس میں لکھتے ہیں کہ ایک معمر شخص باشندہ پنجاب۔ عالمانہ لباس سے مزین۔ در و دولت پر حاضر ہوئے۔ خدام آستانہ اقدس در بالا خانہ پر کھٹھم لایا۔ جہاں مولوی سید محمد الدین صاحب دارنی ڈپٹی کلکٹر۔ اور قاضی لطیف عالم صاحب دارنی ڈپٹی کلکٹر پہلے سے مقیم تھے۔ صبح کو مولوی صاحب موصوف نے دونوں ڈپٹی کلکٹروں سے مخاطب ہو کر بطور ہدایت فرمائی کہ تم نے بغیر کسی عذر شرعی کے نماز کیوں قضا کی۔ شاید معلوم نہیں کہ حدیث صحیح "مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّلاً فَقَدْ كَفَرَ تَارِكٌ صَلَاةٍ كِي تَرْهَبُ فِيهَا وَارِدُهَا" ہے۔ بلکہ میں اس کے متعلق گفتگو کرنے یہاں آیا ہوں۔

مولوی صاحب کا انداز ہدایت دیکھ کر دونوں ڈپٹی کلکٹروں نے مجھے یہ تذکرہ کیا۔ اور کہا کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو دوسری جگہ ٹھہرا دیا جائے۔ تاکہ مولوی صاحب کو ہماری صحبت سے تکلیف نہ ہو۔

میں نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے اور کیوں آئے ہیں۔ اور آپ کا نام کیا ہے۔ موصوف نے فرمایا۔ میرا نام عبداللہ ہے۔ ملتان سے صرف اس واسطے آیا ہوں کہ نماز کی بابت جو اسلام کا رکن اعظم ہے۔ حاجی صاحب قبلہ سے گفتگو کروں۔

میں اسی وقت مولوی صاحب کو حضور قبلہ عالم کی خدمت میں لے گیا۔ مگر مولوی صاحب

وہاں خاموش بیٹھے رہے۔ اور جب واپس آئے۔ تو کہا۔ حاجی صاحب کہاں ہیں۔ ان کے پاس لے چلو۔

میں دوبارہ لے گیا۔ تو حضور نے فرمایا یہ کون ہیں میں نے یہ عرض کیا۔ یہ مولوی صاحب ملتان سے آئے ہیں۔ ارشاد ہوا ”جاؤ۔ پھر ملاقات ہوگی“

غرض اسی طرح تین مرتبہ مولوی صاحب۔ سرکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واپس آکر کہا۔ حاجی صاحب کہاں ہیں۔ چوتھی مرتبہ گئے۔ تو حضور نے فرمایا۔ مولوی صاحب بیٹھو۔ مولوی صاحب قدمبوس ہو کر دوزالو بیٹھ گئے۔ حضور نے مجھ سے فرمایا۔ ان کے آرام کا خیال رکھنا۔ یہ دین کے محافظ اور اسلام کے حامی ہیں۔ اور مولوی صاحب سے ارشاد ہوا کہ فی انفسکم اَفَلَا تَبْصِرُونَ کے معنی جانتے ہو۔ مگر مولوی صاحب کسی گہرے خیال میں ایسا محو تھے کہ خاموش بیٹھے رہے۔

پھر حضور قبلہ عالم نے مجھ سے پوچھا کہ شب کو شنوی مولانا روم کو کون پڑھتا تھا میں نے مولوی صاحب کی جانب اشارہ کر کے عرض کیا کہ یہی پڑھتے تھے۔

حضور نے گرم نظر سے مولوی صاحب کو دیکھا۔ اور فرمایا۔ سمجھ کر پڑھا کرو۔ ورنہ چھوڑ دو۔ شنوی کا مفہوم اگر نہ سمجھے تو نہ پڑھے۔ جاؤ پھر ملاقات ہوگی۔

مولوی صاحب نے فوراً حضور کا دست حق پرست پکڑ لیا۔ اور قدمبوس ہو کر سر اٹھایا تو حیرت خیز نگاہوں سے آپ کے رخ انور کو دیکھتے چلے صحن مکان میں جا کر پر جوش لہجہ میں کہا۔

مادر پیالہ عکس رخ یار دیدہ ام اسے بنجر لذت شرب بیدام ما
اور اسی حالت میں بالا خانہ پر آئے۔ اور تھوڑے عرصہ تک سکوت میں بیٹھے رہے۔

پھر شنوی شریف کا پہلا شعر۔

بشنوا ز نے چوں حکایت میکند وز جدا یہاں شکایت میکند
وجد میں پڑھا۔ اور کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔

اسی حالت میں بالاخانہ سے اوتر کر صحن دروازہ میں عرصہ تک رقصاں رہے۔ پھر قصبہ کی گلیوں میں بے خود اور سرشار پھرتے رہے۔ کبھی جوش میں شنوی کا شعر پڑھ کر روتے اور کہتے تھے۔ اب خوب سمجھ گیا۔ اور چونہ دیکھا تھا وہ دیکھا۔ اور جو کوئی کہتا تھا۔ مولوی صاحب یہ کیا ہوا، ہوش میں آؤ۔ ناچتے کیوں ہو۔ تو رو کر کہتے تھے۔ بھائی یہ دیکھا بھالا سودا ہے۔ سمجھانا بیکار ہے۔ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی انار دے۔ بلکہ بجائے سمجھانے کے۔ خواجہ امیر خسرو کے ہم نوا ہو کر یہ عرض کر دنگا۔ گراے زاہد دعائے خیر سیگونی مرا ایں گو کہ این آوارہ کوئے بستاں آوارہ تریاوا غرض یہ جوش آٹھ روز تک مسلسل رہا۔ اور مولوی بے آب و دانہ رقص کرتے پھرے۔ اگر کسی نے کہا۔ مولانا نماز تو پڑھ لو۔ تو آہ سرد بھرتے۔ اور کہتے۔

سرے درجہ ہر درندارم جزا این در قبلہ دیگرندارم
اور کبھی حضور قبلہ عالم کے آستانہ اقدس کی جانب حسرت زدہ نگاہوں سے دیکھ کر روتے اور نیاز مندانہ لہجہ میں دونوں ہاتھ اٹھا کر کہتے۔

قادر بہر حال خوشتن بر فلک این پردہ از رخ برگن
تا بخود بینم خود را در وجود گہ رکوع آریم شاداں گہ سجود
مولوی صاحب کا یہ اضطراب دیکھ کر ہر شخص کو افسوس ہوتا تھا لیکن راجہ دوست محمد خاں صاحب دارنی نے بار بار سہروردی کا اظہار کیا۔ حتیٰ کہ انہیں کے اصرار سے میں نے مولوی صاحب کو سرد پانی سے خوب نہلوا یا۔ اور کپڑے پہنائے۔ حالانکہ غسل وغیرہ سے بھی ان کی وجدانی کیفیت بالکل فرو نہیں ہوئی۔ مگر دوسرے ہفتہ میں بتدریج آفاقہ ہوا۔

جب کافی سکون ہو گیا تو مولوی صاحب نے سرکار عالم پناہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کمال ادب عرض کیا کہ واللہ کائنات آپ کے الوارذات سے معمور ہے۔ اور یہی نسبت شیخ حرم کو مطیع اسلام کرتی ہے۔ اور یہی صورت زیبا برہمن سے رام رام کہلاتی ہے۔ بقول۔

از زندی و پارسائی تو مینخانہ و خانقاہ در رقص

مولائی من یہ عبد خاظمی آپ کی عنایت کا امیدوار اور اپنی زندگی سے بیزار ہے۔ کیونکہ۔
 خواب چشم من بشد چشم تو بست خواب من تاب نہ ماند و رتم۔ زلف تو برد تاب من
 یہ نیاز مند مستدعی ہے کہ لباس فقر و محنت ہو۔ اور اپنے کرم سے دنیا اور تعلقات دنیا سے آزاد فرمایا
 ارشاد ہوا کہ مناسب یہ ہے کہ تم اپنے گھر جاؤ۔ اور دنیاویات کا مدرسہ قائم کرو۔ اور تبلیغ
 اسلام میں مصروف رہو۔ دین کی خدمت بھی عین عبادت ہے۔

لیکن جب مولوی صاحب بہت مضطرب ہوئے۔ تو حضور نے فرمایا۔ اگر خراب ہی ہونا
 ہے تو پہلے پورب کی سیر کر آؤ۔ مولوی صاحب تعمیل حکم کے لئے فوراً مستعد ہو گئے۔ اور
 قدسوس ہو کر مشرقی سیاحت کے واسطے یہ کہہ کر روانہ ہو گئے۔

اب تو جاتے ہیں بتکرہ سے تیر پھر ملیں گے گرخسدا لایا
 اور شاہ سید محمد واسم صاحب رئیس مولانا گنبر ضلع مونگیر کو بھی استفادہ اسی صورت
 سے ہوا۔ چنانچہ موصوف علمی قابلیت کے ساتھ نہایت وجہ اور حسین۔ اور غایت
 شریف النفس اور سلیم الطبع۔ اور زیب سجادہ آبا و اجداد۔ اور اس آستانہ کی جائداد
 زینداری کے متولی ہونے کے علاوہ آپ کی خاندانی ریاست بھی کم نہ تھی۔
 چونکہ حضور قبلہ عالم کے صفات حمیدہ سے ممدوح الذکر کے کان آشنا تھے۔ اس لئے شوق
 زیارت میں فضیحت شاہ صاحب وارثی کے ہمراہ حاضر خدمت ہو کر بحیثیت طالب شرف
 بیعت سے بھی مشرف ہوئے۔

دوسرے روز قدسوس کو آئے۔ اور سرکار عالم پناہ کا رخ الورد دیکھا تو بیخ مار کر
 بہوش ہو گئے۔ حضور نے فرمایا۔ یہ بھی محبت کے دام میں گرفتار ہوئے
 اسی حالت میں لوگ ان کو اٹھا کر باہر لائے۔ اور کھوڑے عرصہ میں افاقہ بھی ہو گیا
 مگر تیر اور حواس باختہ تمام دن رہے۔ شام کو فضیحت شاہ صاحب سلام کرنے حاضر ہوئے
 تو ان کو بھی ساتھ لائے۔ اور حضور سے ان کی حالت کا ذکر کیا۔ آپ نے بکمال شفقت سید

محمد و اسم صاحب کی پشت پر آہستہ سے گھونسا مارا اور فصیحیت شاہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اب یہ بیکار ہو گئے۔ جس صورت کو دیکھا ہے۔ تمام عمر اسی کے گردیدہ رہیں گے جب آئے تھے۔ تو اچھے تھے۔ اور جائیں گے دیوانہ ہو گے۔

اور سید محمد و اسم سے فرمایا کہ جس طرح ہم بتائیں۔ اسی طرح ہر وقت با وضو درود شریف پڑھا کرو اور آخر شب میں اللہ کا ذکر ناغہ نہ ہو۔ اور جب ریاست کے انتظام سے دل گھبرا کر تو اس کو چھوڑ کر تہنید باندھ لینا۔ اور گوشہ نشین ہو جانا۔ اور آخر دم تک دنیا اور اسباب دنیا سے بے تعلق رہنا۔ چنانچہ موصوف نے اس حکم قطعی کی پوری تعمیل کی کہ انتظامات سجادگی سے سبکدوش ہو کر فقیر تہنید پوش ہو گئے۔ اور ایک باغ میں ایسے عزت نشین ہوئے کہ باوجود مختلف حادثات پیش آنے کے آج تک باہر قدم نہیں رکھا۔ اور چہرے سے حیرت اور محویت کے آثار اسی قدر نمایاں ہیں۔ جو روز اول رونما ہوئے تھے۔

اور حضور قبلہ عالم کے آستانہ اقدس کا یہ واقعہ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب و غریب ہے جس کے دیکھنے والے اکثر موجود ہیں۔ مگر یہ نظر آسانی میں رشتات الالسن صفحہ ۹۱ سے نقل کرنا ہے کہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب ارثی اپنے مشاہدات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ایک پنجابی درویش جن کا سنیا سی قسم کا لباس تھا اور دولت پر حاضر ہوئے اور میرے بستر کے قریب بیٹھ گئے میں نے پوچھا سادہ ہو جی کہا اس ہے اور کس تلاش میں آئے ہو۔ انہوں نے کہا بابا اتر سر سے آنا ہوں اور بارہ سال سے اس سنجو میں ہوں کہ کوئی مارا نہ سیوک بتا دے کہ وہ زنگار ہمارے اس سر پر کے اندر ہے یا باہر ہے۔ اکثر مہاتماؤں نے سمجھایا مگر میری تسکین نہ ہوئی۔

جب حاجی صاحب بابا کا نام سنا تو اسی خیال سے یہاں بھی بہکاری بن کر آیا ہوں۔ اگر گرو جی نے کرپا کی تو میری گانٹھ کھل جائیگی۔

میں ان کو اندر لے گیا۔ تو اتفاق سے اس وقت حضور قبلہ عالم کا بستر صحن میں تھا۔ او آپ کھڑے تھے۔ وہ سادہ ہو جب دروازہ میں داخل ہوا۔ اور جناب والا کی خندانگی

صورت دیکھی۔ تو اسی مقام پر وہ زمین بوس ہوا۔ اور خاص کیفیت کے عالم میں افسانہ خیز
 قریب جا کر پاؤں پر سر رکھ دیا۔ سرکار عالم پناہ نے مجھ کو حکم دیا کہ ان کو ٹھہراؤ۔ اور ان کے
 کھانے کا انتظام کر دینا۔

باہر آکر میں نے کہا کہ سادہ بوجی تم نے کچھ دریافت نہ کیا۔ وہ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے کہ بغیر
 دریافت کے جواب مل گیا۔ جس وقت دروازہ کھلا تو میں نے بابا کی صورت کی ایک جوت
 دہرتی سے اکاش تک دیکھی۔ اور جب گرو جی کے چروٹوں میں سر دیا۔ تو جسم بشری پایا۔ بس میری
 تسکین ہو گئی۔ اور جو آج تک نہ سمجھا تھا۔ وہ سمجھ گیا۔

یہ واقعہ بھی اسی مضمون کا ہے کہ ایک حاضر باش حلقہ بگوش نے اپنی دلی خواہش کا اظہار
 اس خوشنام عنوان سے کیا کہ یہ شعر جلی قلم سے لکھ کر سرکار عالم پناہ کے سامنے پیش کیا۔

منم وہیں تمنا کہ بوقت جان سپردن برخ تو دیدہ باشتم تو درون دیدہ باشی
 حضور قبلہ عالم نے ملاحظہ فرما کر کمال عنایت ارشاد فرمایا کہ اپنی اس خواہش دلی کو لفظ
 تمنا سے کیوں تعبیر کرتے ہو۔ یہ تو مخصوص طور پر تم لوگوں کا حصہ ہے۔ جو حسب حیثیت سب کو
 ضرور ملتا ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ بجائے گل کے آج ہی اپنا حصہ لے لو۔

یہ فرما کر سخائے سخنتی کی حقیقی شان دکھائی۔ اور اس ارادند کو اپنے سینہ اقدس سے لگایا
 معلوم نہیں اس نے کیا دل فریب کرشمہ دیکھا۔ کہ مغلوب الحال ہو کر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حکم ہوا۔
 ”خاموش۔ تم کو نہیں معلوم کہ ضبط اہل نعت کا خاص زیور ہے۔ مرتے دم تک نہ زبان سے کچھ
 کہنا۔ اور نہ اس صورت کے دیکھنے کے بعد دوسری صورت کو دیکھنا۔ بلکہ یہ شعر یاد رکھو۔

گر تو خواہی کہ بنش بردوز دیدہ ہارا ز غیر او چوں باز“

اس دیرینہ غلام نے یہ حکم قطعی سن کر دست بستہ عرض کیا کہ خداوند کیا زندگی
 ہی میں زبان کے ساتھ آنکھیں بھی بند کر لوں۔

حضور قبلہ عالم نے مسکرا کے فرمایا کہ آنکھ بند کرنے کا مطلب وہ نہیں ہے۔ جو تم

سمجھے ہو۔ کیونکہ مخلوق الہی کو ازراہ خوش نیتی بغور یا سرسری طور سے دیکھنا مباح ہے بلکہ عبرت اور خشیت کا سبق حاصل کرنے کے واسطے کارساز حقیقی کی صنعتوں پر نظر کرنا۔ لہٰذا ”فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ“ عین عبادت ہے۔ البتہ مشرب عشق میں ماسوائے محبوب کو ایسی ملتفت نظر سے دیکھنا۔ جو شخص منظور کے ساتھ اہٹاک پیدا کر دے۔ غیرت عشق کے منافی ہے کیونکہ حقیقت میں ماسوائے یار جملہ موجودات کے اثرات کو دل سے زائل اور فنا کرنے کا نام عشق ہے۔ چنانچہ مشہور مقولہ ہے۔ ”نَارُ الشَّقْوَقِ تَذِيبُ النَّفُوسِ“ بقول مولانا سہ عشق آں شعلہ ست کہ چوں بر فروخت ہر چیز معشوق باقی جملہ سوخت

چنانچہ ”بردوز“ سے مراد یہ نہیں ہے کہ آنکھوں کو سی لور یا بند کر لو۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ جس طرح باز کی آنکھیں جب سی دیتے ہیں۔ تو وہ کسی کو نہیں دیکھتا۔ اسی طرح تم اپنی آنکھیں سوز محبت سے سی لو۔ یعنی یار پر مائل اور اغیار سے غافل رہو۔ اور خلق میں کسی صورت کو ایسی رغبت سے نہ دیکھو جس کا تعلق دل میں جاگزیں ہو۔ پس بظاہر خلق میں ہر چیز کو دیکھو۔ مگر فی الحقیقت بجز ایک کے سب سے نا آشنا رہو۔

اس ارادتمند نے باوجودیکہ اس وقت حواس باختم تھا۔ مگر بکمال عجز و نیاز عرض کیا کہ مولائی من جس طرح مجھ نا اہل کو حضور نے اپنی گرانقدر عنایت سے سرفراز کیا ہے۔ اسی طرح یہ توفیق بھی مرحمت ہو کہ بجز آپ کے کسی کو نہ دیکھوں۔ ورنہ میں نہ اس پرورش کا سزاوار تھا اور نہ اس کی طاقت ہے کہ اس اہم ترین حکم کی تعمیل کا ارادہ بھی کروں۔ لیکن آپ کے کرم سے اس کا یقین واثق ہے کہ۔

آسان ز نغافل تو مشکل
مشکل ز عنایت تو آسان

حضور قبلہ عالم نے خوش ہو کر اس غلام کو بچہ سینہ سے لگا لیا۔ اور اپنی مستعمل رضائی مرحمت فرما کر ارشاد ہوا ”گھبراؤ نہیں۔ بیٹھو۔ اللہ مالک ہے“ بلکہ بعض ارادتمند حضور قبلہ عالم کی دید حقیقی سے بطریق اولیہ بھی مستفید ہوئے ہیں

چنانچہ سن ۱۳۰۰ھ ہجری کا واقعہ ہے کہ سید مقصود علی صاحب وارثی۔ رئیس پیتے پور جو بارگاہِ ارفی کے قدیم اور باوضع مگر پر جوش حلقہ بگوش تھے۔ حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت دربار وارثی میں فقراء متقدمین کی ریاضت اور مجاہدت کا تذکرہ ہو رہا تھا۔

سرکار عالم پناہ نے بیاختہ فرمایا کہ مقصود علی تم نے سنا ہے کہ ”صَنْ كَانِ فِي هَذِهِ اَعْمَى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمَى“ کہ جس نے یہاں نہیں دیکھا۔ وہ وہاں بھی دید سے محروم رہے گا۔ اور دید کی صحیح تعریف یہ ہے کہ قلب کی آنکھ سے بے حجاب مشاہدہ ہو۔ کیونکہ ظاہری آنکھ اجزائے جسمانی۔ اور آلات بشری میں شامل ہونے کے لحاظ سے خلق کو دیکھتی ہے۔ اور باطنی آنکھ چونکہ صفت بصیر سے موصوف ہے۔ جو صفات الہی میں مخصوص صفت ہے اس لئے وہ الٰہی کو دیکھتی ہے اور انسان جب حقیقت کے رموز معنی کو دیکھتا ہے۔ تب ان کا یقین کامل ہوتا ہے۔ جو تصدیق کا پہلا زینہ ہے اور اس کو ودیعت بالواسطہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ مرید کی یہ کامیابی۔ پیر کی عنایت پر موقوف ہے۔

مقصود علی نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ بندہ پروردگیا ہماری قسمت ایسی خراب ہے کہ آپ کے نمک پروردہ اور غلام ہونے کے بعد بھی ہم دنیا اور آخرت میں اندھے رہیں گے۔ حضور قبلہ عالم نے تبسم لبوں سے فرمایا: ”اندھے نہیں رہو گے“ عرض کیا کہ بھر یہ سعادت کب نصیب ہوگی۔ ارشاد ہوا: ”كُلُّ اَمْرِ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا“ اور حکم ہوا جاؤ۔ میلہ میں آنا۔ ایک ہفتہ کے بعد معلوم ہوا کہ مقصود علی مجذوب ہو گئے۔ ہر وقت روتے۔ اور حق وارثی وارثی وارثی کہتے ہیں۔ اور اکثر شب کو جنگل میں رہتے ہیں۔

رحیم شاہ صاحب نے (جو اس زمانہ میں خادم خاص کے عہدہ پر مامور تھے) یہ قصہ جناب والائے بیان کیا۔ سرکار عالم پناہ نے مسکرا کر فرمایا۔ اچھا ہوا۔ اپنی سزا کو پہنچ گئے اب بیکار ہو گئے۔ گھر کا انتظام نہیں کر سکتے۔

رحیم شاہ نے عرض کیا۔ وہ خراب ہوئے۔ مگر لڑکا تو خراب نہیں ہوا۔ چند روز کے

بعد وہ انتظام خانہ داری کے قابل ہو جائے گا۔

حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ لفظ بھی تو انہیں کا لڑکا ہے۔ کیا تم کو یہ نہیں معلوم کہ محبت کا اثر تین پشت تک رہتا ہے۔

حضور قبلہ عالم

جب میلہ میں مقصود علی صاحب حاضر ہوئے، تو یہ دیکھا کہ واقعی ان کی حالت بالکل بدل گئی ہے کہ بجائے دانشمندانہ باتوں کے ہمہ وقت تخریر اور کسی گھرے خیال میں محو رہتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ بھائی یہ عارضہ کب سے ہوا۔ موصوف نے کہا جس روز میں یہاں سے گیا۔ اسی شب کو حالت غنودگی میں ہمارے بندہ نواز وارث پاک نے کرم فرمایا۔ اور جو کرشمہ دکھانا منظور تھا۔ وہ دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جملہ کاروبار سے بیکار ہو گئے۔ بقول

عشق نے غالب نکلا کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

یہ بھی دیکھا ہے کہ متعدد غلامان بارگاہ وارثی۔ اپنے آقائے نامدار کی دید حقیقی سے بیک وقت مستفید ہوئے۔ چنانچہ ۱۳۱۷ھ ہجری کے میلہ کا تک میں حافظ پیارے صاحب کی طرف سے جو ہفت روزہ دعوت ہوئی۔ اور اس کے اوقات معینہ اور مراسم مقررہ ختم ہو چکے۔ مگر سامان دعوت زیادہ بچ گیا۔ تو حافظ صاحب موصوف نے یہ تجویز کیا کہ آج تقریب خدائی رات ہو۔ تاکہ یہ پس انداز سامان بھی صرف ہو جائے۔ مگر چونکہ یہ رسم جدید ہے۔ اس لئے حضور قبلہ عالم کی منظوری حاصل کرنا لازماًت سے ہے۔ چنانچہ ہزار عجز و نیاز استدعا کی گئی۔ اور اصرار کے بعد منظور ہوئی۔ اور اس دعوت میں بھی جملہ مہمان شریک ہوئے شب کو گل گلے پکائے گئے۔ اور چار بجے صبح کو نہایت احتشام کے ساتھ طاق بھرنے در اقدس پر حاضر ہوئے۔ سرکار عالم پناہ بیٹھ گئے۔ اور ہر شخص قدمبوس ہونے لگا۔

لیکن اس تیز روشنی میں آپ کی خدا ناما صورت کے فیض عام کا یہ اثر ہوا کہ ہر شخص مکیف ہو گیا اور بغیر تخصیص عمر و حیثیت و مذاق کے جملہ حضرات ایک رنگ اور ایک حالت میں ایسے محو اور مستغرق ہوئے کہ بے خود ہو کر رقص کرنے لگے اور تقریباً چار گھنٹہ تک یہ وجدانی کیفیت طاری رہی

الحاصل یہ چند واقعات: زبان حال سے شاہد ہیں کہ حضور قبلہ عالم کے اکثر اراد مندوں کو حضور کی عنایت سے۔ اور حضور ہی کی صورت میں الوار شاہد حقیقی کی اس تجلی کا مشاہدہ ہوا جس کو عرف صوفیہ میں یافت اور وید کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ فیض بھی وہ فیض ہے جس کو ارباب طریقت نے مرشد برحق کی گرانقدر عنایت فرمایا ہے۔

لیکن بمقتضائے عدم اہلیت یہ خوف ہے کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ بتاؤ کہ حقیقت دیکھا کیا۔ اور اس دیکھنے سے فائدہ کیا ہوا۔ تو بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ ظاہر میں کو اہل بصیرت کی اس معنوی یافت اور روحانی مشاہدت کی حقیقی نوعیت کا بصراحت بیان کرنا۔ یا ضبط تحریر میں لانا۔ ناممکن اور محال ہے۔ بلکہ صحیح معنی میں کہاں ادب یہ عرض کروں تو ناموزوں نہ ہوگا کہ ”ذوق این می نہ شناسی بخدا تانہ حسی“

علیٰ ہذا اس مشاہدہ کے مفاد و منفعت کا بھی مجھ کو کلیتہً علم نہیں۔ لیکن اس قدر دیکھا ضرور ہے کہ مشاہدہ کی حالت میں دفعتاً ایسا انقلاب آیا کہ اس کے قدیم عادات میں فرق آگیا۔ اور طرز معاشرت کا نقشہ بدل گیا۔ خواہشات فنا ہو گئی۔ مرادات سے سروکار نہ رہا۔ رنج و راحت اور تکلیف و عافیت کا امتیاز جاتا رہا۔ انتظامات سے نفرت ہو گئی۔ تعلقات سے کنارہ کشی کی۔ اور تاجیاں چہرہ او داس اور آنکھیں نمناک اور تھیر رہیں۔

حالانکہ از روئے عقل دیکھا جائے تو مشاہدین کے احوال میں یہ تغیرات بظاہر خوشگوار اور قابل مباحثات نہیں معلوم ہوتے۔ لیکن حضرات صوفیائے کرام نے۔ سالکین را حق کی اس دلگداز حالت کو کامیابی کی عین دلیل فرمایا ہے۔

ممنوعات مشربی | ہماری ہدایت کے واسطے حضور قبلہ عالم نے ان ممنوعات مشربی کا بھی متواتر ذکر فرمایا۔ جن کا ترک کرنا سالک راہ طریقت کو لازماً سے ہے۔ اور کہاں شفقت یہ بجا دیا کہ ان ممنوع اور مکروہ خصائل سے احتراز و اجتناب۔ شرافت نفسی کی عین دلیل اور خدا شناسی کی مخصوص علامت ہے۔

لیکن غلامی و ارثی کی سراپا حالت کو دیکھتے ہیں تو اس قدر آدم تصویر کے دورخ نظر آتے ہیں اور بجائے خود دونوں خوشنما اور حسین ہیں۔ بلکہ ایک رخ کو اگر لمحاظ باطنی خوبیوں کے سبیل تمثیل صبح اللون کہہ سکتے ہیں۔ تو دوسرا رخ اپنے مشروح اور محمود طرز و طریقہ کی جہت سے اس کا مستحق ہے کہ بطور استعارہ اس کو یلیح کہیں۔ کیونکہ ایک رخ کو معنوی پہلو سے دیکھتے ہیں تو مرشد برحق کی ارادت اور محبت میں جملہ حلقہ بگوش متفق الخیال اور متحد الحال معلوم ہوتے ہیں۔ اور دوسرا رخ نعمت اور تحقق کی نظر سے دیکھا جائے۔ تو صورتاً اس کی شان تفصیلی نظر آتی ہے۔

لہذا باعتبار ظاہر اگر اس کثیر التعداد گروہ کو دو نوع پر منقسم سمجھا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ حالانکہ بین الطریق ہر دو فریق کا ایک خیال اور ایک اصول ہے۔ صرف بہ لحاظ طرز معاشرت بعض حضرات کے لباس میں کافی تخصیص۔ اور اعمال میں بھی گونہ امتیاز ہے۔

چنانچہ اس جماعت کثیرہ کا ایک حصہ۔ گو تعداد میں دوسرے حصہ سے کم ضرور ہے مگر ملقب بہ فقرائے خرقہ پوش ہے۔ اور اس کے افراد اپنی زاہدانہ روش اور عاشقانہ طرز کے باعث تعلقات دنیا سے ہمہ تن آزاد ہیں۔

اور حصہ ثانی۔ باوجود دنیاوی کسب و کتاب کے اثرات محبت سے متاثر۔ اور ارادات پر ہیں سرشار اور بقدر حیثیت تصوف کا مذاق بھی رکھتا ہے۔ گویا "دل بیار و دست بکار" کا مصداق ہے۔

اور اسی اعتبار سے سرکار عالم پناہ کے ملفوظات کے مضامین میں معنائاً لختوڑی تفریق ہوئی ہے۔ تاکہ افاضت افادت دونوں کے حسب حال ہو۔ بلکہ صفات ذمیرہ کی امتناع میں بھی اسی رعایت سے فرمان صادر ہوئے ہیں جن کا ذکر اس باب میں قدرے صراحت کے ساتھ منظور ہے۔ لہذا پہلے حضور قبلہ عالم کے وہ احکام نقل کرتا ہوں جن کا روئے سخن صرف غلامان خرقہ پوش کی جانب ہے۔ لیکن ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ احکام خاص۔ و احکام عام۔ احکام خاص ان کو کہتا ہوں۔ جو بعض بعض فقرائے حق میں۔ ان کے حالات اور واردات کے لحاظ سے

صادر ہوئے ہیں۔ مثلاً مستقیم شاہ صاحب کے واسطے حکم ہوا کہ آنکھیں نہ کھولو۔ اور حافظ کلاب شاہ صاحب سے فرمایا کہ شب و روز بیدار رہو۔ اور عبدالرزاق شاہ صاحب کو بات کرنا قطعاً ممنوع ہوا۔ اور خدا بخش شاہ صاحب کو ترک حیوانات و نباتات کی ہدایت ہوئی جس کا ذکر آچکا ہے۔ اور اس لیے بھی اعادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ان فرامین کی شخصی اور انفرادی حیثیت ہے۔ وہ احکام جن کے حسب حال ہتھے۔ انہیں پران کا نفاذ ہوا۔

اور احکام عام کی تعریف یہ ہے کہ جو فقراء تہند پوش کے پورے گروہ کے واسطے اور بغیر امتیاز و اختصاص اور بطور دستور العمل کے صادر ہوئے ہیں۔ گوان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مگر اس باب میں انہیں ملفوظات میں سے مثلاً چند ارشادات کا ذکر مقصود ہے۔ جو تعمیم کا حکم رکھتے ہیں۔

چنانچہ وہ صفات رذیلہ جن کے ارتکاب سے مسافران وادی فقر کو کلیتہً اجتناب لازم ہے حضور قبلہ عالم نے اپنے تہند پوش اراد مندوں کو انہیں مکروہ اور ممنوع خصائل کے ترک کی ہدایت فرمائی۔ اور ارشاد ہوا کہ ”دنیا کا مال و اسباب جمع کرنا فقیر کے واسطے حرام ہے“ اور یہ بھی فرمایا ”فقیر کو چاہیے کہ خدا کے واسطے جان دیدے۔ اور دنیا کے واسطے کوئی کام نہ کرے“ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ۔

حضور گرامی خواہی از و غائب مشو حافظاً مَتَى مَا تَلَقَ مَنْ تَهْوَى دَعِ الدُّنْيَا وَ أَهْلِهَا
یہ بھی فرمایا ”فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو“ یہ بھی ارشاد ہوا ”فقیر وہ ہے جو اکنگ رہے“ یہ بھی فرمایا ”فقیر وہ ہے جو بجز خدا کے کسی پر بھروسہ نہ کرے“ یہ بھی فرمایا۔
فقیر وہ ہے جو کل کے واسطے جمع نہ کرے“ یہ بھی فرمایا ”محبت میں انتظام نہیں“
یہ بھی ارشاد ہوا ”غیر اللہ سے استعانت۔ فقر کے منافی ہے“ یہ بھی فرمایا ”وہ فقیر ناقص ہے جو کسی چیز کو اپنی ملک سمجھے“ یہ بھی فرمایا ”فقیر وہ ہے جو ماسوائے اللہ سے مستغنی ہو“ یہ بھی فرمایا ”جس نے کسب و اسباب کو سبب معاش بنایا وہ فقیر نہیں

ہے۔ "یہ بھی فرمایا ہے کہ "فقیر کی شان یہ ہے کہ آزاد اور بے غرض رہے۔" یہ بھی فرمایا کہ "فقیر کو چاہیے کہ مصیبت پڑے تو گھبرائے نہیں۔" یہ بھی فرمایا "فقیر کو چاہیے تکلیف کی شکایت نہ کرے۔ کیونکہ تکلیف اور آرام اللہ کی جانب سے ہے۔ پھر شکایت کس سے کرو گے۔ یہ بھی ارشاد ہوا "فقیر وہ ہے جو خدا کی محبت میں مٹ جائے" یہ بھی فرمایا کہ جس کے پاس دنیا اور آخرت کا سرمایہ نہ ہو وہ فقیر ہے۔" یہ بھی فرمایا "فقیر۔ وضع کا پابند ہوتا ہے۔" یہ بھی فرمایا "جس نے حق کو پکڑا وہ کامیاب۔ اور جس نے خلق پر بھروسہ کیا وہ خراب ہوا۔ یہ بھی فرمایا "فقیر وہ ہے جس کے دل میں غیر کا خیال نہ آئے" یہ بھی فرمایا "دنیا سے انقطاع قطعی کو فقر۔ اور ماسوائے اللہ سے مستغنی ہونے والے کو فقیر کہتے ہیں۔" یہ بھی فرمایا "فقیر کو نہ دوست کے واسطے دعا کرنا چاہیے نہ دشمن کے لئے بددعا۔ یہ بھی فرمایا "فقیر کو چاہیے گناہوں سے گریز نہ کرنے۔ کیونکہ رضا کے خلاف ہے۔" یہ بھی فرمایا۔ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا۔"

الغرض اگر طلب صادق ہے۔ تو انہیں چند ملفوظات کی تعمیل سے۔ سالک راہ حق کے عادات اور خیالات کا ایسا تصفیہ اور تزکیہ ہو سکتا ہے کہ مردانہ وار میدان فقر میں آئے۔ اور انوارِ شاہد مطلق کی دید کا مشاق ہو۔

حالانکہ یہ احکام بظاہر مختلف المفہوم ضرور معلوم ہوتے ہیں۔ مگر فی الحقیقت بالمعنی مرادف ہیں۔ کیونکہ حاصل ان کا ایک اور اسی قدر ہے کہ محبت الہی میں دینا اور اسباب دنیا سے دست کش۔ اور ماسوائے اللہ کے خیال سے فارغ ہو جاؤ۔ اور واقعی امراض باطنی کے لئے ہی ایسا تجرب نسخہ ہے جس کے اثرات سے انسان کو حیات جاوید نصیب ہو سکتی ہے۔

لیکن غور کرتے ہیں تو انہیں ارشادات میں۔ علاوہ مشربی ہدایات کے ایک عجیب و غریب شان یہ نظر آتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں فصاحت کا یہ کرشمہ ہے کہ الفاظ کے ظاہری معنوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق صوفیہ کی تعلیم فرمائی ہے۔ اور بعض مفید ہدایات سے مستفید فرمایا

ہے۔ لیکن کلام الملوک۔ ملوک الکلام کا مضمون صادق آتا ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم نے فقر است
مخاطب ہو کر جو احکام تعلیماً نافذ فرمائے۔ حرف بجز وہی لفظ فقیر کے معنی ہیں۔ اس لئے اس
تعلیم کو علاج بالمثل کہا جائے تو ناموزوں نہ ہوگا۔

قطع نظر اس کے ارشادات مذکورہ کے مضامین کو بہ نگاہ تامل دیکھا جائے تو یہی کہہ سکتے ہیں
کہ صفات توکل کا یہ ایسا مکمل اور مستند مجموعہ ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ بلکہ بالاتفاق
جملہ حضرات صوفیہ کا فتویٰ ہے کہ جب تک سالک راہ طریقت ان اوصاف حمیدہ سے موسوف
نہ ہو۔ اس کا زمرہ متوکلین میں شمار ہو نہیں ہو سکتا اور نہ زاہدین کی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔
مثلاً حضور قبلہ عالم نے فرمایا ہے کہ کسب و اسباب کو بسبب معاش نہ بناؤ۔ یا۔ خدا پر بھروسا
کر دیا۔ یا سوائے اللہ کے مستغنی ہو جاؤ۔ وغیرہ وغیرہ یہ جملہ صفات۔ قناعت کے منازل ہیں۔ جو
وادی فقر میں مسافر راہ حق کو اپنے اپنے محل اور مقام پر پیش آتے ہیں۔ مگر بصورت مجموعی ان
کے حاصل اور آل کا نام توکل کی مخصوص تعریف ہے۔ اس لئے اصطلاح صوفیہ میں جمیع اسباب
سے انقطاعی قطعی۔ اور بسبب الاسباب پر اعتماد کامل کو توکل کہتے ہیں۔ اور یہی مشرب سلف صائین
کہے۔ اور اسی مسلک کی ہمیشہ ارباب طریقت نے حمایت فرمائی

چنانچہ امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ نے۔ احیاء العلوم میں حضرت اویس علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل
فرمایا ہے کہ جب متوکل تلاش معاش میں نکلنا ہے۔ تو اس کا توکل لوٹ جاتا ہے۔

اور صاحب تذکرۃ الاولیاء نے حضرت محمد واسع علیہ الرحمۃ کا یہ قول توکل کی تعریف میں نقل
فرمایا ہے کہ کوئی طالب وصیت کا خواستگار ہوا تو آپ نے فرمایا: ”در دنیا زاہد باشی۔ و
بیچ کس طمع نہ کنی“

اور صاحب عوارف المعارف نے لکھا ہے کہ ایک جماعت نے حضرت جنید الرحمۃ کی
قدمت میں عرض کیا کہ ہم طلب رزق کے لئے سعی کریں تو کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اگر میدا نید کہ رزق
شکارا فراموش کردہ است۔ و طلب رزق سعی کنید“ (از ترجمہ ملا محمود کاشانی)

اور حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کا قول ہے "التَّوَكَّلُ تَرْكُ تَدْبِيرِ النَّفْسِ وَ
 الْإِخْلَافُ مِنَ الْحَوْلِ" کہ توکل نام ہے ترک تدبیر کا۔ اور خالی ہونے کا اپنے حول و قوت سے
 (عوارف المعارف)

اور خواجہ حمدون علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ "التَّوَكَّلُ هُوَ الْإِعْتِصَامُ بِاللَّهِ" (ترجمہ اللہ
 جل جلالہ پر مضبوط بھروسا کرنے کا نام توکل ہے) (عوارف المعارف)

اور ابوالحسن سروالی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے "مَنْ تَرَكَ تَدْبِيرَ عَاشٍ طَيِّبًا" یعنی
 جس نے تدبیر کو ترک کیا اس نے خوش حال زندگی پائی۔ (عوارف المعارف)

اور محمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے پوچھا۔ مَا التَّوَكَّلُ۔ توکل کی تعریف کیا ہے۔ آپ نے
 فرمایا "الثِّقَةُ بِاللَّهِ" یعنی اللہ پر بھروسا کرنا (کشف المحجوب)

اور ابو محمد الراہبی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ "أَعْظَمُ حِجَابٍ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْحَقِّ اسْتِغَالُكَ
 وَإِعْتِمَادُكَ عَلَى عَاجِزٍ مِثْلِكَ فِي أَسْبَابِكَ" یعنی بڑے حجاب درمیان تیرے اور حق تعالیٰ

کے دو ہیں۔ اول (تدبیر نفس کے ساتھ) مشغول ہونا۔ دوم بھروسا کرنا اسباب پر جو تیری طرف
 خود بھی عاجز ہے (نفحات الانس)

اور مولانا روم علیہ الرحمۃ تو یہ فرماتے ہیں کہ جس کو خدا سے سروکار ہوتا ہے۔ اس میں
 دنیوی کاروبار کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ وہ ہوندا۔

تا بدانی ہر کہ رازداں بخواند از ہمہ کار جہاں بیکار ماند
 ہر کہ را باشد یہ یزدان کاروبار بار آخبا یافت بیرون شد کار

یہ اقوال اور ایسے دیگر ارشادات حضرات عارفین کے ترک کسب کی تائید میں متعدد
 منقول ہیں۔ اور ان حضرات کا وہی مسلک تھا۔ جس کی تقلید کے لئے حضور قبلہ عالم نے اپنے

فقر کو ہدایت فرمائی کہ رضوان الہی کا طریقہ یہی ہے کہ حضرت سبب الاسباب پر بھروسا کر
 کیونکہ قناعت کی ترغیب میں یہ حکم ناطق ہے کہ "فَتَوَكَّلُوا إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" کہ اگر تم صادق

ہو تو خدا پر بھروسہ کرو۔“

اس حکم منصوص پر حضرات عارفین کا عمل درآمد ہے۔ اور یہی مسلک عاشقین کا ہے۔ کہ کسب معاش سے احتراز فرماتے ہیں۔ چنانچہ صاحب مرآة الاسرار نے۔ اصحاب صفہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ”دریگانہ سکونت داشتند و آنحضرت ایشانرا تکلیف کسب و جہاد نہ داد۔“ اور صاحب کشف المحجوب نے اصحاب صفہ کے تذکرہ میں یہ لکھا ہے کہ ”دوست از دنیا و کسب بداشتند بودند۔ و از ہمہ اعراض کردہ“

حالانکہ ارباب طریقت کے نزدیک بھی کسب بالذات مذموم نہیں ہے۔ مگر جب حاج احوال ہو تو ترک لازمی ہے۔ کیونکہ شاغل کے لئے جمعیت خاطر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جمعیت خاطر انہیں قائلین اور متوکلین کو حاصل ہوتی ہے۔ جن کو کامل یقین ہو کہ **إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ** یعنی اللہ اپنی قوت سے ہم کو رزق پہنچاتا ہے۔ اور یقین کو نچتہ اور مستقل کرنے کے لئے حضور قبلہ عالم نے اپنے فقیروں کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ”فقیر اسی پر قناعت کرتا ہے جو بے طلب غیب سے اس کو پہنچے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جو رزق جس کی قسمت کا ہے وہ اس کو ضرور پہنچتا ہے“

ان ارشادات میں صبر و ثبات کی تعلیم ہے۔ تاکہ فقیر کو اپنے رزق رساں کی قوت کاملہ کا ایسا یقین ہو جائے کہ قلب مطمئن اور مستغنی رہے۔ اور ما سوا اللہ کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔ اور جب عنایت مرشد کامل سے فقیر کو رازق مطلق کے وعدہ رزق رساں پر کامل بھروسہ ہو جاتا ہے۔ تو اس کا قلب مطمئن۔ اور اسباب کی فکر سے فارغ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سرکار عالم پناہ نے متواتر فرمایا ہے کہ ”فقیر تصدیق کے بعد مستغنی ہو جاتا ہے“ اور اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں فرمایا ہے کہ ”اہل تصدیق کسب نہیں کرتے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”تصدیق عین ایمان ہے جس کو تصدیق نہیں اس کا ایمان ناقص ہے“ اور اکثر یہ ارشاد ہوا ہے کہ ”جس کو کسب پر بھروسہ ہے اس کو تصدیق ہونا محال ہے“

ان ارشادات کا صاف اور صریح مفہوم یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کی صفت رزاقی پر یقین قطعی نہ ہونا ضعف ایمان کی عین دلیل ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ رازق حقیقی نے اپنے وعدہ رزق رسانی پر قسم کھائی ہے۔ اور کمال رحمت ارشاد ہوا ہے ”وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ الْحَقُّ“

چنانچہ اس آیت کریمہ کے تحت میں امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ نے مہاج العابدین کے عقبہ چہارم میں۔ عارف باللہ حضرت جن بصری علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ”لعنت خدائے برقوے کہ پروردگار ایشان برسانیدن رزق سوگند خورده و ایشان استوارش ندارند“

الحاصل حضور قبلہ عالم نے اپنے تہذیب پوش غلاموں کو جس طرح ترک سوال کی متواتر تاکید فرمائی اسی طرح مختلف عنوان سے یہ بھی سمجھا دیا کہ اسباب و کسب کو رزق کا وسیلہ نہ بناؤ۔ اور غیر اللہ کی امداد و استعانت سے مستغنی رہو۔ اور کمال صدق اس کا یقین کرو کہ رزاق مطلق رزق مقسوم کا ضامن ہے۔ جو وقت مقررہ پر ہم کو ضرور پہنچے گا۔ بقول مولانا علیہ الرحمۃ۔

ہیں توکل کن ملرزاں پاو دست رزق تو بر تو ز تو عاشق ترست

اور کسی اہل دل اور صاحب یافت نے اسی مضمون کو یوں نظم فرمایا ہے۔

بے گس ہرگز نہ ساند عنکبوت رزق را روزی رساں پر میدہد

خلاصہ یہ کہ مسلک دارینی میں باعتبار دیگر شرائط و قیود کے ترک کسب مقدم اور لازمی قرار پایا ہے۔ ممکن ہے کسی دوسری شرط کی تعمیل سے کوئی فقیر کسی وجہ سے مستثنیٰ بھی ہوا ہو۔ لیکن یہ حکم عام ایسا قطعی ہے کہ اس کی ہدایت حضور نے متواتر فرمائی ہے۔

اور دیکھا ہے کہ اکثر فقرائے دارینی۔ پیشوائے برحق کی عنایت سے کسب و اسباب اور سوال عن الناس سے محفوظ رہے۔ اور کمال صبر و ثبات سلف صالحین کی یہ سنت

جاریہ ادا کی۔ اور رنج و مصیبت فقر و فاقہ میں زبان حال سے ہی عرض کیا۔

من بہ کوئے تو خوشم خانہ من ویران کن من بہ بوئے تو خوشم نافہ تا تار مگیر

لیکن حضور قبلہ عالم نے بعض پر جوش اور صاحب یافت فقرا کے واسطے ترک سوال کو اور زیادہ وسیع کر دیا ہے۔ اور ایسے احکام صادر فرمائے جن میں توکل خاص کا ذکر ہے اور ان کا وہی مفہوم ہے جو حضرات عاشقین کا مشرب ہے۔ مثلاً اکثر ارشاد ہوا ہے کہ ”مر جائے مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے“ اور کبھی اسی مضمون کو یوں فرمایا ہے: ”سات روز کا بھی فاقہ ہو تو زبان (حرف) شکایت سے آشنا نہ ہو“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جن کو تصدیق ہے وہ خدا سے بھی نہیں مانگتا۔ اور سمجھتا ہے کہ جو میری قسمت کا ہے وہ ملے گا“ اکثر یہ بھی فرمایا ہے کہ ”فقیر کو چاہیے کہ اللہ سے بھی نہ مانگے۔ کیا وہ جانتا نہیں جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”فقیر وہ ہے جو لاطمع ہو۔ اور رضا و تسلیم پر قائم رہے“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”فقیر خدا کا عاشق ہوتا ہے اور عاشق کو چاہیے کہ وہی کرے جو معشوق کی رضا ہو۔ نہ مانگے نہ انکار کرے اسی کا نام رضا و تسلیم ہے“

حضور قبلہ عالم کے یہ احکام جو توکل خاص کی تعلیم سے مملو ہیں۔ بظاہر اس مسلک کے منافی معلوم ہوتے ہیں جس میں قاضی الحاجات کی بارگاہ میں مناجات کرنا شروع اور مستحسن ہے مگر نہیں یہ سمجھنا ہماری عدم معلومات کا قصور۔ یا محدود خیال کا اقتضا ہے۔ حضرات عارفین کے مسلک میں بجز اتحاد کے مغائرت نہیں۔ ہمیشہ ان کے اقوال اور افعال وہی ہوتے ہیں جو خدا کے پسندیدہ ہیں۔ پس خدا کی پسندیدہ شے میں مقرر ہیں خدا کو اختلاف کیوں ہوگا۔ لہذا بارگاہ رب العزت میں حاجت براری کے لئے مناجات کرنا یہ مسلک بھی اہل حق کا ہے۔ اور ان کا دعا کرنا۔ ان کی تصدیق صادق اور یقین واثق کے منافی ہرگز نہیں بلکہ ان کے حالات اور مقامات کا اقتضا ہی ہے کہ بحیثیت عبدیت حضور احدیت میں ضرور استدعا کریں۔

اور ارشادات وارثی کا جو مفہوم ہے۔ یہ مسلک۔ حضرات عاشقین کا ہے جو کمال صدق و یقین سمجھتے ہیں کہ ذات خالق کائنات علیم و خیر ہے اور اس کا در مطلق کو جو منظور

ہے۔ وہ ضرور ہوگا۔ اور اس کا غیر محدود علم ہمارے مصالح۔ ہم سے بہتر جانتا ہے۔ اس نے قضا و قدرت کی مصلحت میں دخل دینے کی حاجت نہیں۔ بقول حافظ۔

جام جہاں ناست ضمیمہ سیر مبارک اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجب است
بلکہ ان کا یقین کامل کو مستغنی کر دیتا ہے۔ جیسا کہ مشہور مقولہ ہے ”الْفَقِيرُ لَا يَحْتَاجُ إِلَى اللَّهِ
وَلَا إِلَى غَيْرِهِ“ چنانچہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلی علیہ الرحمۃ نے صحائف السلوک
میں ”الْفَقِيرُ لَا يَحْتَاجُ إِلَى اللَّهِ“ کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ ”اے دوست در فقر مقامے است
کہ فقیر در اں مقامے بیچ افتقار بہ بیچ کس ندارد۔ زیرا کہ احتیاج صفت وجود است؛ لہذا
فقیر جب توحید حقیقی سے آگاہ ہوتا ہے۔ تو بہرہت جمعیت خاطر اس کو طلب اعانت کی حاجت
نہیں رہتی۔“

چنانچہ مکتوبات یحییٰ مینری کے مکتوب شصت و نہم میں ہے کہ ”یکے از بزرگان گفتہ است
کہ فقیر کے است کہ اور ابر خداوند حاجت نہ باشد۔ یعنی کہ از صدق و یقین کہ دارد۔ میدانند
کہ روزے او اگرچہ نخواہد حق تعالیٰ بدور ساند۔“

اور امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے طبقات الکبریٰ میں مظفر القریب سی علیہ الرحمۃ کا
یہ قول نقل کیا ہے کہ ”الْفَقِيرُ هُوَ الَّذِي لَا يَكُونُ لَهُ إِلَى اللَّهِ حَاجَةٌ“ کہ فقیر ہے جس کو اللہ
سے بھی کوئی حاجت نہ ہو۔ اور یہی مضمون ہمارے حضور قبلہ عالم کے ملفوظ کا ہے۔

چونکہ مقام توکل میں حضرات صوفیہ کے حالات۔ ان کے درجات کے لحاظ سے مختلف
ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض اہل معرفت حسب ضرورت حق تعالیٰ کی کفالت چاہتے ہیں جو
بجائے خود بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور بعض اہل تصدیق۔ جن کی قوت اختیار یہ قضا و
قدرت کی قدرت کے آگے فنا ہو جاتی ہے۔ وہ انوار توحید مطلق کے سامنے ایسے محو اور
مستغرق رہتے ہیں کہ ان کو دوئی نظر نہیں آتی۔ اور جملہ معاملات میں ”رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ“
ان کا نصب العین ہوتا ہے۔ اور وہ موحدین ”لَا يَحْتَاجُ إِلَى اللَّهِ“ کے مصداق ہوتے ہیں۔

الغرض حضور قبلہ عالم نے فقرائے تہذیب پوش کو اپنے مشرب کی اس مخصوص شرط سے
 کا حقہ آگاہ فرمایا کہ سوال عن الناس قطعاً حرام ہے۔ کفالت خدا پر بھروسا کرو "وَكُفَىٰ بِاللَّهِ كَيْلًا"
 لیکن جس طرح اس اہم ترین مجاہدت کا حکم قطعی آپ نے صادر فرمایا۔ اسی طرح شفقت
 وارثی نے ازراہ پرورش اس ریاضت کی دشواریوں کو آسان کرنے کا طریقہ بھی ایسے حکیمانہ
 عنوان سے تعلیم فرمایا کہ وہ آسانیاں بھی داخل مشرب ہو کر لوازمات زہد اور فروعات
 توکل ہو گئیں۔

حالانکہ وہ آسانیاں بظاہر معمولی باتیں ہیں۔ لیکن درحقیقت نہایت مفید اور غایت
 بکار آمد ہیں بلکہ ان کے نتائج اور ثمرات کو دیکھ کر اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ بغیر ان
 کے زاہدین اور متوکلین کا دستور عمل مکمل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ حضور قبلہ عالم نے گویا اپنے فقرا کو یہ سمجھا دیا کہ اگر تعلقات موجودات سے انقطاع
 کو شکل جانتے ہو جو واقعی دشوار ہے بھی۔ تو اس ناقابل برداشت مجاہدہ کی تکمیل اس صورت
 سے آسانی ہو سکتی ہے کہ تم خواہشات بشری۔ اور ضروریات معاشرت کو مختصر اور محدود کر دو۔
 جس طرح اہل دنیا کے مکلف اور قیمتی لباس کو چھوڑ کر۔ نہایت سادہ اور کم خرچ لباس اختیار کیا
 ہے۔ اسی طرح تمہارا دیگر اسباب معاشرت بھی اغنیا کے سامان معاشرت سے بالکل جداگانہ
 اور تکلفات سے معزا ہو۔ جب ایسے زاہدانہ طرز اور فقیرانہ انداز سے جو سراپا مشتمل پیادگی
 ہو زندگی بسر کرو گے تو نہ اسباب نمائش کی جانب التفات ہوگا۔ اور نہ سامان آرائش کی طرف
 طبیعت مائل ہوگی۔ اور فطرتاً ایسی چیزوں سے جو تعلق ہوتا ہے۔ وہ خود بخود منقطع ہو جائیگا۔
 مثلاً لباس میں جوتہ اور لوٹپی جو بالکل زائد اور غیر ضروری اسوجہ سے ہیں کہ ستر لوشی سے ان
 کو تعلق نہیں۔ لہذا ان کا پھتا ترک کر دو۔ یا بستر کے ساتھ تکیہ بھی ہو۔ یہ ایک قسم کا اصراف ہے
 بلندی کی ضرورت ہے۔ تو اینٹ یا پتھر کا ٹکڑا سر کے نیچے رکھو۔ یا اپنے ہاتھ کو اپنا تکیہ بنا لو۔
 راحت کے لئے سواری کا انتظام بیکار ہے۔ خدانے پاؤں دیتے ہیں۔ پیدل سفر کرو۔ اور

چند دن کی زندگی کے واسطے مکان بنانا فضول ہے۔ آرام لینے کے لئے درخت کا سایہ کافی ہے۔ اور چکی چولہا اس لئے بے ضرورت ہے کہ روزی غیب پر موقوف ہے۔ جو کم از کم دعوت کی صورت میں پہنچے گی۔

اسی طریقہ سے حضور قبلہ عالم نے اکثر مجملاً اور کبھی بصرحت تجرید کی ہدایت فرمائی ہے بلکہ بہ نظر تعمق دیکھا جائے تو اصولاً مشرب وارفی کا جزو اعظم تجرد ہے جس کی اہمیت کا اشارہ آپ کے خرقہ میں موجود ہے۔ کیونکہ آپ کا خرقہ بغیر لنگوٹ کے ناتمام رہتا ہے۔ اور لنگوٹ کا منہ صرف تجرید کا اختیار کرنا ہے۔

اور حضور قبلہ عالم نے متواتر فرمایا ہے کہ ”ہم لنگوٹ بند ہیں“ یعنی مجرد ہیں۔ اور اگر آپ نے لنگوٹ بندی کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ ”لنگوٹ بند اس کو کہتے ہیں جو دنیا کی عورتوں کو اپنی ماں بہن سمجھے“ اس سے صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ لنگوٹ بند کے معنی مجرد رہنا ہیں۔ چونکہ تجرید کا ذکر اور بصرحت ہو چکا ہے۔ اس لئے اسی قدر عرض کروں گا کہ ایک تجرد سے اس قدر افکار لاحق ہوتے ہیں جن کا شمار کرنا دشوار ہے۔ اور صرف تجرید سے ان کا سدھ ہوتا ہے۔ اس لیے سرکار عالم نے اپنے تہند پوشوں کو تجرید کا حکم دیا۔ تاکہ جمعیت خاطر ہو ورنہ اہل تجوز کو کسب و اسباب سے دست بردار ہونا دشوار ہے۔

علیٰ نبی اکبر حضور قبلہ عالم نے اپنے فقرا سے مخاطب ہو کر یہ بھی فرمایا کہ ”تخت۔ پلنگ۔ مونڈھے۔ کرسی پر نہ بیٹھنا“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”انسان کا خمیر خاک سے ہوا ہے۔ خاک ہی میں اس کو ملنا ہے۔ تو فقیر کو لازم ہے کہ انجام کو دیکھے اور زمین کو اپنا بسنے بنائے“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”مونڈھے کرسی پر بیٹھنے سے رعونت کو تحریک ہوتی ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”فقیر ہمیشہ سے زمین پر سوتے ہیں“ یہ بھی فرمایا ہے کہ زمین پر بیٹھنا خاکساری کی دلیل ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جن کا ذکر دائمی ہوتا ہے وہ زمین پر سوتے ہیں“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”زمین پر سونا اور بیٹھنا ہمارے داد

کی سنت ہے۔“

یہ ارشادات فقراءے وارثی کی معاشرت کا وہ دستور العمل ہے جس کی تعمیل سے علاوہ تفریح خاطر کے آپ کے مقدس افعال کی صورتاً تقلید بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ آپ نے ہمیشہ فرش زمین پر استراحت فرمائی ہے۔ اور تخت۔ پلنگ وغیرہ کا دیکھنا بھی آپ کو ناپسند تھا۔ الغرض بہ لحاظ اختصار یہ چند احکام تمثیلاً لگا کر شش کیے۔ ورنہ علاوہ ان کے اور متعدد فرمان ہیں جن میں اکثر شخصی یا غیر قطعی بھی سمجھے جاتے ہیں۔ جن کا ذکر بخوف طوالت نہ کروں گا۔ لیکن حضور قبلہ عالم نے خود ان کی بھی کمال اہتمام ہمیشہ پابندی فرمائی۔

مثلاً تقریبات شادی وغنی میں شرکت نہ کرنا۔ جو آپ کے مخصوص متروکات میں داخل ہے۔ چونکہ ایسی تقریبوں میں شریک ہونے سے تعلقات میں اضافہ ہوتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے سرکار عالم پناہ نے شرکت نہ فرمائی۔ کیونکہ آپ کے مشرب کی پہلی شوق ماسواۃ اللہ سے کلیتہً انقطاع قطعی ہے۔

یاسکہ جات کو رغبتاً ہاتھ سے نہ چھونا۔ چنانچہ جملہ مریدین کو بخوبی اس کا علم ہے کہ روپیہ اشرفی کی کثافت سے حضور قبلہ عالم کا دست مقدس ہمیشہ پاک اور محفوظ رہا۔ اور شرط رغبت اور غیر رغبت کا کیا ذکر ہے۔ آپ نے مسی یا القرئی یا طلانی سکھ کو کبھی سہواً بھی ہاتھ سے نہیں چھوا۔ کیونکہ قانون فقر کی یہ مخصوص شق ہے کہ فقیر چاندی اور سونے کو نجس جانتا ہے۔

یا نماز میں امامت نہ کرنا۔ حضور نے اس شرط غیر قطعی کی پابندی میں بھی ایسا مبلغ اہتمام فرمایا کہ فرض کے ساتھ نوافل کی بھی آپ نے کبھی امامت نہیں فرمائی۔ ہمیشہ اقتدار کی جلالاً آپ حافظ بھی اور قاری بھی تھے۔ ارباب تصوف نے احترام امامت کے جو جوہ تحریر فرمائے ہیں وہ قابل دید ہیں۔ لیکن علاوہ ان کے شاید آپ کی اس احتیاط کا ایک سبب یہ بھی ہو کہ مقتدیوں سے امام عموماً افضل سمجھا جاتا ہے۔ اور آپ کی انکسار پن طبیعت نے اس فضل عارضی کو بھی گوارا نہ فرمایا۔

یا غفلت کی نیند سونا۔ یا شکم سیر ہو کے کھانا کھانا۔ یا قہقہہ کے ساتھ ہنسا۔ یا زیادہ باتیں کرنا۔ یا کسی کی تکلیف سن کے خوش ہونا۔ یا کسی چیز کے زائل ہو جانے کا افسوس کرنا۔ یا اغتیا سے ملنے کی کوشش کرنا۔ یا قرض لینا وغیرہ وغیرہ ان صفات کثیف کے کدرو کدورت سے آپ کا شفاف دامن ہمیشہ پاک رہا۔

ہدایت عام | فلہذا جس طرح برادران خرقہ پوش کے حق میں حضور قبلہ عالم نے ممنوعات مشربی کے سلسلہ میں مخصوص احکام صادر فرمائے۔ اسی طرح یہ ارشادات بھی اپنی اس خصوصیت کے اعتبار سے ضرور قابل مطالعہ ہیں کہ ان کا خطاب کسی خاص اور محدود جماعت سے نہیں ہے بلکہ یہ وہ فرامین ہیں جن کو حکم عام۔ یا غلامان واری کا دستور العمل کہا جائے تو بے جا ہوگا۔ یا با محاورہ الفاظ میں یوں کہیں کہ حضور کے اس فیض عام سے جسد غلامان وار مستفیض ہو سکتے ہیں۔ جو فی الحقیقت آپ کے احسان اور پرورش کی بن دلیل ہے۔

کیونکہ آپ کے مزاج ہمایوں کی یہ صفت جو دیگر صفات سے نسبتاً زیادہ متمیز معلوم ہوتی ہے کہ باوجود دائمی استغراق اور مستقل محویت کے۔ اس داعی الی اللہ نے کبھی اور کسی حالت میں اپنے غلاموں کی حمایت اور دستگیری میں تامل یا ہدایت اور رہنمائی پر دریغ نہیں فرمایا۔

بلکہ زیادہ فریہ ہے کہ میری اس گزارش کی تائید کرنے میں اخوان ملت کو عذر نہ ہوا کہ سرکار عالم پناہ نے از روئے اصول مساوات اپنے مترشدین کے اصلاحات میں ان کے ذاتی اعزاز اور صفاتی امتیاز کی وجہ سے رشد و ہدایت میں کوئی تخصیص اور تفریق نہیں فرمائی۔ بلکہ ہر دست گرفتہ کی معاونت کے موقع پر معاونت اور ہدایت کے موافق پر ہدایت اسی عنایت اور اسی شفقت سے فرمائی جو ایک مہربان رہنما کی شان ہے۔

بجز اس کے کہ تعلیم روحانیت میں یہ احتیاط ضرور فرمائی کہ طالب کی استعداد کا اندازہ فرما کر اس کی صلاحیت کے اعتبار سے اس کو وہی حکم دیا جس کا وہ اہل تھا۔ ورنہ غلام

اور ارادتمندی کے رشتہ سے بارگاہِ وارثی میں سب کی حیثیت یکساں تھی۔
 خصوصاً یہ احکام جن کا کلیتہً اخلاق سے تعلق ہے۔ اور عادات کو درست اور خیالات کو
 ثابۃ بنانے کے لئے ہمارے مرشدِ کامل نے بہ عنوان ”اصلاح و تصفیہ“ صادر فرمائے ہیں ان ارشادات
 کے برکات اور تصرفات سے تو بدرجہ اتم جملہ مریدین کو مساوی سروکار ہے۔ اور اس کثیر العدد
 گروہ کا ہر فرد آپ کے اس فیض عام سے مستفید ہونے کا بحیثیت واحد مستحق ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ جس طرح یہ احکام تعمیم کے لحاظ سے حضورِ قبلہ عالم
 کے جملہ مریدین کے واسطے عموماً مفید ہیں۔ اسی طرح ان کی قطعیت کی وجہ سے جملہ پرستار ان بارگاہ
 وارثی ان کی تمہیل کے لئے منکلف بھی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے طبیبِ باطنی نے صحتِ حال
 اور تقویتِ خیال کے واسطے یہ تجربہ نسخہ مرحمت فرمایا ہے۔ پس شکرِ گذاری کے ساتھ تا ازالہ مرض
 اس کو استعمال کرنا ہمارا فرض لازمی ہے۔

چنانچہ حضورِ قبلہ عالم نے اپنے امیر و غریب۔ قدیم و جدید مریدین سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے
 کہ ”اگر کسی کے ہاتھ سے تکلیف ہوئے۔ تو قبل اس کے کہ وہ منفعل ہو تم معاف کر دو“
 اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”باوجود اختیار کے دشمن سے بھی بدلہ نہ لو کیونکہ جب فاعل حقیقی ایک
 ہے تو عوض کس سے اور کون لے گا“

حضورِ قبلہ عالم کا یہ ارشاد مختصر لفظوں میں توحیدِ افعالی کی مکمل شرح ہے۔ اس لئے کہ موحد
 کو جب یہ مرتبہ تفویض ہوتا ہے۔ تو وہ کچھم تحقیق خود اپنی مجبوری کو دیکھتا۔ اور کمال یقین جملہ واقعات
 و واردات کا فاعل حقیقی شاہِ غیبی کو جانتا ہے۔

چنانچہ منقول ہے کہ شہیدِ سرمد دہلوی کو جب غلبہ جذبات نے محو تجلیات انوار ذات کیا
 اور مدہوشی کی حالت میں ستر لوشی کا خیال بھی نہ رہا۔ تو حضراتِ علمائے قتل کا فتویٰ دیا۔ اور
 مالگیر کی منظوری سے جلاذ قتل میں لایا اور قتل کیا۔ تو آخری کلامِ سرمد کا یہ تھا۔

سرحد اگر دازتم شوئے کہ با ما یار بود
 قصہ کو تہ کر دور نہ درد سر سبار بود

لیکن بظاہر تو سرد کا قاتل جلاد تھا۔ یا وہ علماء جنہوں نے فتویٰ لکھا یا اورنگ زیب جس کے حکم سے جلاد آیا۔ مگر سرد علیہ الرحمۃ نے ان کا نام اشارۃً بھی نہیں لیا۔ بلکہ قاتل کا پتہ یہ بتایا۔
 ”شونے کہ باما یار بود“ لہذا وجہ یہ تھی کہ سرد کو صرف شاہد حقیقی سے سروکار تھا۔ اس لئے اسی کی جانب اشارہ کیا۔ اور یہی توحیدِ افعالی کی تعریف ہے کہ موحد جملہ موجودات کو مجبور اور شاہدِ غیبی کو قادر مطلق اور فاعل حقیقی جانتا ہے۔ جیسا کہ سرکارِ عالم پناہ نے اپنے مشرب کے مطابق فرمایا۔
 ”فاعل حقیقی ایک ہے عوض کس سے اور کون لے گا“

اور یہ بھی حضور نے فرمایا ہے کہ ”دشمن کے ساتھ سلوک کرو۔ یہ شیرِ خدا کی سنت ہے کہ قاتل کو پہلے شربت پلایا“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”دشمن سے بغض رکھنے میں اپنا نقصان ہے۔ کہ بغض کی کثافت قلب کی لطافت کو خراب کرتی ہے“

چنانچہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم کو معلوم ہوا کہ قصبہ کے دو موثر شخص باہم ایسے کشیدہ خاطر ہیں کہ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے۔ ان میں سے ایک صاحبِ قدمبوسی کو آئے۔ تو آپسے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کو نہیں معلوم کہ بغض۔ نفاق کی جڑ ہے۔ اور نفاق سے ایمان خراب ہوتا ہے۔ وہ صاحبِ ندامت سے سزنگون اور آبدیدہ ہو گئے۔ اور اسی وقت جا کر اپنے فوق مخالف سے بغل گیر ہو گئے۔ اور پھر دونوں ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔ اور اپنی مصالحت کا اظہار کیا۔ تو حضور خوش ہوئے اور فرمایا کہ ”وہ بھائیوں میں عداوت ہونا اس کی دلیل ہے کہ ان کو باپ سے محبت نہیں۔ جاؤ۔ عداوت سے ہمیشہ احتراز کرنا“

اور یہ بھی فرمایا کہ ”کسی بندہ پر احسان کرنے سے۔ خدا کے ان احسانات کی حقیقت سمجھنے کا شعور ہوتا ہے۔ جو ہر وقت وہ بندہ نواز تم پر کرتا ہے۔ اور یہ شعور حاصل ہونے سے۔ شکر کی توفیق ہوتی ہے۔ اور شاکر میں شمار ہو جاتا ہے“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”دوسرے کا احسان یاد رکھو۔ اور اپنا احسان بھول جاؤ“ اور یہ بھی فرمایا کہ ”اپنے احسان کا ذکر کرنا۔ احسان کے فائدہ کو مٹاتا ہے“

چنانچہ آپ کے ایک حلقہ بگوش نے خدمت والا میں اپنے بھائی کی شکایت اس عنوان سے کی کہ میں نے اولاد کی طرح پالا۔ پڑھایا۔ شادی کی۔ لیکن اس نے عدالت میں دعویٰ کیا ہے کہ باپ کا متروکہ تقسیم کر دو حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ ”اگر اپنے احسانات تم بھول جاتے تو شاید وہ دعویٰ بھی نہ کرتا۔ تم کو تو احسانات یاد ہیں۔ گویا واپس کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان کا اثر بھی زائل ہو گیا۔ جاؤ جب اس کا مطالبہ جائز ہے تو باہمی تصفیہ کر لو۔“

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو۔ کیونکہ ایفائے وعدہ نہ کرنا گناہ ہے۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”طمع ذلت کا پیش خیمہ ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”طمع یقین کو خراب کرتی ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”حرص حرمان نصیب او محروم رہتا ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا کہ ”جب عقل سلیم مغلوب ہوتی ہے تو آثار حرص و طمع کا اظہار ہوتا ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا کہ ”حسد میں سوائے نقصان کے فائدہ نہیں۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”حاسد ہمیشہ ذلیل رہتا ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا کہ ”حسد سے ایمان خراب ہوتا ہے۔“ بقول مولانا۔

خاناناہا از حسد باشد خراب باز شاہی از حسد گرد و غراب
اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”عمدا کسی کی حق تلفی کرنا وہ گناہ ہے جو توبہ سے بھی نہیں معاف ہوتا۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”انسان کو چاہئے کہ زمین کی خاصیت اختیار کرے۔ کہ سب کا بوجھ اٹھائے۔ اور اپنا بار کسی پر نہ ڈالے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”اپنی بھلائی چھپاؤ۔ اور کسی کی برائی نہ دیکھو۔“

چنانچہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں ایک تہند پوش حلقہ بگوش نے عرض کیا کہ حسب ہدایت آخر شب میں ذکر کرتا ہوں۔ مگر یک سوئی نہیں ہوتی۔ متناسب ہے کہ طبیعت گداز ہو جائے۔ ارشاد ہوا ”کسی کو بُرا نہ سمجھو۔ محبت کا ادب یہ ہے کہ معشوق کی جس چیز کو عاشق دیکھے۔ وہ اچھی معلوم ہو۔ جیسا کہ مجنوں۔ لیلے کی نسبت سے۔ سگ لیلے کو پیار کرتا تھا۔ تم بھی خالق کی نسبت سے اگر مخلوق کو اچھی نظر سے دیکھو گے تو قلب کی حالت تبدیل ہو جائے گی۔“

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”کسی کے مذہب کو بڑا نہ کہو۔ کیونکہ اس کے ملنے کے راستے بے شمار ہیں۔“ **الطَّرِيقُ إِلَى اللَّهِ بِعَدَدِ أَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ**۔“

چنانچہ منقول ہے کہ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے آخر زمانہ میں یہ مسلک اختیار فرمایا تھا کہ اسلام کے کسی فرقہ کے اعمال و عقائد سے اختلاف نہیں کرتے تھے۔ جب آپ کے اس خیال کی شہرت ہوئی تو ایک جلیل القدر فقیہ نے تصدیق حال کے واسطے۔ اپنے دو شاگردوں کو حکم دیا کہ جاؤ اگر مولانا کی یہی حالت دیکھتے تو تم ان کو گالیاں دینا۔ شاگردوں نے جا کر مولانا سے ملاقات کی۔ اور معلوم ہوا کہ واقعی آپ کسی سے اختلاف نہیں فرماتے۔ تو اتاد کے حکم کے مطابق انہوں نے مولانا کو گالیاں دیں۔ آپ نے انکسار کے ساتھ فرمایا۔ ”مجھے اس سے بھی اختلاف نہیں۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”قرض لینا انسان کے وقار کو ضائع کرتا ہے۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”قرض دو تو طلب نہ کرو۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”واپس لینے کی نیت سے قرض دینا۔ محبت کو قطع کرنا ہے۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”شریعت اور طریقت میں خود بینی منافی آداب عبدیت ہے۔“ بقول۔

از مرد مک چشم بسا یاد آموخت دیدن ہمہ کس را و ندیدن خود را

یہ بھی فرمایا کہ ”خدا اس وقت ملے گا جب من و تو کا جھگڑا چھوڑ دو گے۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”جس نے حق کو دیکھا۔ وہ کامیاب ہوا۔ اور جس نے خلق کو دیکھا۔ وہ خراب گیا۔“ یہ بھی فرمایا کہ ”جو کام کرو خدا کے بھروسے پر کرو۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”خود پرستی حجاب کو بڑھاتی۔ اور مقصود سے دور رکھتی ہے۔“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”مریدین میں جب تک خودی رہے گی۔ پیر سے دور رہے گا۔“ بقول۔

در محفلے کہ خورشید اندر شمار زہ است خود را بزرگ دیدن شرط ادب نباشد

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”گنہگار کو دوست رکھو۔ اور شہرت سے بچو۔“ مصرع۔ خود پسندی

جان من برہان نادانی بود۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ ”خواہشات نفس امارہ کی تعمیل خدا سے دور رکھتی ہے۔“ یہ بھی فرمایا

ہے کہ نفس امارہ کے خلاف عمل کرنا عبادت ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”نفس کی دوستی ہلاک کرتی ہے“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”مرید کی ترقی کا زینہ ادب ہے“ یہ بھی فرمایا ہے کہ جس دنیا سے عنقریب علیحدہ ہونا ہے۔ اُس کی جستجو صریح غفلت ہے“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”دنیا کا دل دادہ۔ فلاحِ آخرت سے محروم رہے گا“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”تمام برائیوں کی جڑ دنیا ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جو حق سے ڈرتا ہے۔ وہ خلق سے بے خوف رہتا ہے“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جو خدا سے ڈرتا ہے۔ وہ اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھتا ہے“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”رنج پہنچے تو صبر۔ اور راحت پہنچے تو شکر کرو“ یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ہماری منزل عشق ہے۔ اور منزل عشق میں انتظام نہیں“ اور اکثر اس مضمون کو یوں فرمایا ہے کہ ”ہمارا مشرب عین عشق ہے۔ اور عشق میں خلافت اور جانشینی نہیں“ اور کبھی یہ مفہوم ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ ”ہماری منزل عشق ہے۔ اور مشرب عشق میں خلافت اور جانشینی کا انتظام نہیں۔ جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے“

اقتناع جانشینی نظر غائر سے دیکھتے ہیں تو ارشادِ آخر الذکر غیر معمولی اہمیت سے معمور معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور قبیلہ عالم نے۔ اسی مفہوم کو مختلف الفاظ میں مسترشدین و مخاطب ہو کر کبھی استفہامیہ لہجہ میں۔ اور کبھی ہدایت کے طور پر تاکید اور متواتر فرمایا ہے۔

بلکہ اس ملفوظ کی خاص اہمیت کا اظہار جناب والا کے اس طرزِ تعلیم سے بھی ہوتا ہے کہ اس فرمان کے نافذ کرنے میں سرکارِ عالم پناہ نے خلافِ عادت وہ جدوجہد فرمائی۔ جس کی نظیر آپ کے بمقادیر سالہ دور ہدایت میں نہیں ملتی۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرکارِ عالم پناہ نے یہ حکم صادر فرمانے میں اس قدر کوشش سے کیوں کام لیا جس طرح دیگر قطعی اور ضروری احکام سے اپنے غلاموں کو خبردار کیا تھا۔ اسی طرح اس فرمان کی نسبت بھی آپ کا بے تکلف عنوان سے بیان کر دینا کافی تھا۔ چونکہ یہ استفسار ایک حد تک قابلِ سزا ضرور ہے۔ اس لئے یہ عرض کروں گا کہ فی الحقیقت

اس کوشش میں مصلحت وارثی کیا تھی۔ اس کا تو علم نہیں لیکن بظاہر آپ کا بار بار اس مفہوم کو مختلف الفاظ میں اظہار کرنے کا سبب بھی یقینی ہے۔ اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ سبب عرض کرنے سے پہلے ایک تاریخی واقعہ کا ذکر کروں جس کے وقوع کا علم ہو جانے کے بعد شاید یہ آسانی یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس جہت سے یہ حکم صادر ہوا۔ اور اس لحاظ سے حضور قبلہ عالم نے اس حکم عام کے اعلان کرنے میں یہ اہتمام فرمایا۔ اور اس اعلان کے لئے جو خلاف عادت کوشش فرمائی وہ بخیاں مزید احتیاط تھی جس کو دوسرے الفاظ میں حفظاً مقدم بھی کہہ سکتے ہیں۔

چنانچہ تقریباً سب کو معلوم ہے کہ مستقیم شاہ صاحبہ رئیسہ فچپور جن کا بارگاہ وارثی میں قدیم خدمت گزار مریدوں میں شمار ہے اور اسی صدق ارادت کے جوش میں وہ ممدوحہ وطن مالوف سے کنارہ کش ہو کر مدعا اپنے چند اعزاز کے۔ دیوٹی شریف میں بطور مہارت نطل حمایت وارثی میں پناہ گزیں رہیں اور انتقال بھی دیوٹی شریف ہی میں ہوا۔ مگر تدفین اس مکان میں ہوئی جو فچپور میں اسی غرض سے مرحومہ نے خرید کیا تھا۔

مستقیم شاہ صاحبہ کے انتقال کے بعد بھی ان کے اعزاء ایک مقتدر خادم کی شان سے اسی مکان میں سکونت پذیر رہے۔ اور معززین ارباب دیوٹی شریف نے ان کا احترام بھی کیا۔ لیکن بالآخر تدفین کے دنوں میں اس خیال کی وجہ سے مفاہرت بلکہ معاندت کا گہرا حجاب حائل ہو گیا تھا کہ قصبہ کے وہ حضرات جن کو دربار وارثی میں غلامی کا شرف حاصل تھا۔ ان کا عموماً یہ نصب العین تھا کہ سرکار عالم پناہ کا جانشین کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضور کے وہ احکام یاد تھے جو اس بارہ میں صادر ہو چکے تھے۔

مگر برخلاف اس کے جب یہ مشہور ہوا کہ مستقیم شاہ صاحبہ کے اہل قرابت اپنی دیرینہ خدمت کے اعتبار سے سمجھتے ہیں کہ سجادگی کے مستحق ہم ہیں۔ اور بلا اعلان یہ کہتے سنا بھی کہ حضور قبلہ عالم نے ہم کو مستقیم شاہ صاحبہ کے مزار کا مہتمم کیا ہے۔ اور وعدہ فرمایا ہے کہ ہماری قبر بھی مستقیم شاہ کی قبر کے برابر ہوگی۔ بلکہ اپنی قبر کا نشان بنا دیا ہے تو باہم اختلاف ہو گیا۔ اور

ان کو اس خلاف مشرب تخیل سے خود غرض خادم سمجھنے لگے۔

لیکن تعجب یہ ہے کہ مستقیم شاہ صاحبہ کے خاندان کے جملہ افراد کو اپنی عقیدت کے لحاظ سے بہت ممتاز اردو مندوں کا مرتبہ حاصل تھا۔ لہذا سب کو جانشینی کا خیال لاحق ہوا یہ تو بالکل خلاف عقل۔ اور ان کی قابل قدر خدمت کے صریح منافی معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر کسی خاص شخص کا یہ تخیل ہو۔ تو اس کی نادانی اور عین غفلت کی دلیل تھی کہ سرکار عالم پناہ کے ان ملفوظات کو نظر تعمق سے نہیں دیکھا۔

مثلاً آپ اکثر فرما چکے تھے کہ ”ہمارا مشرب عشق ہے“ اور یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ ”عاشق“ اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ اور یہ کلیہ بھی گوش گزار کر دیا تھا کہ ”عشق میں ترک ہی ترک ہے“ اور بالآخر صاف لفظوں میں فرما دیا تھا کہ ”عشق میں انتظام نہیں“ اور ظاہر ہے کہ یہ ارشادات منطق کے دقیق مسائل نہ تھے جن کے سمجھنے کے لئے

خاص دماغ کی ضرورت ہوتی۔ کیونکہ حضور قبلہ عالم نے سلیس اردو میں اپنے مشرب اور اصول مشرب سے مسترشدین کو کما حقہ آگاہ کر دیا تھا کہ ہم وادی عشق کے رہ نورد ہیں۔ ہم کو اسباب موجودات سے نہ تعلق۔ نہ لوازمات دیا سے واسطہ بلکہ ترک دنیا۔ ترک عیشی۔ ترک مولا ترک ترک کا مضمون ہے کہ بجز خیال یا ردینا و مافیہا کی ترتیب و تنظیم سے سروکار نہیں۔ امتناع سجادگی کا حتیٰ کہ بعد ان ہدایات کے۔ ہمارے شفیق رہنما نے۔ یہ مزید احتیاط فرمایا ضبط تحریر میں آنا کہ شاید کسی نے ان معمولی اشارات کو۔ اپنی ثقالت عقل سے مقطعات سے تعبیر کیا۔ اور یہ عذر پیش کیا کہ ان ملفوظات کے مفہوم سے میں نے جانشینی کو منافی مشرب نہیں سمجھا تھا۔ اس لئے آپ نے صاف اور بے پردہ مضامین میں یہ فرما دیا کہ ”ہمارا مشرب عشق ہے جو ہم سے محبت کرنے وہ ہمارا ہے اور منزل عشق میں خلافت اور جانشینی نہیں ہے“

اس فرمان کی وضاحت نے غلامان و ارثی کو آپ کے مشرب اور اصول مشرب سے

بخوبی آگاہ کر دیا تھا۔ اور حالانکہ اب کسی تاویل کی بھی گنجائش نہ تھی۔ مگر افسوس جن کے خیالات اغراض سے معمور تھے۔ ان کے دل سے جانشینی کی یاد فراموش نہ ہوئی۔

چنانچہ اکثر مقتدر حضرات نے حضور قبلہ عالم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کے کسی دست گرفتہ کا خیال ہے۔ کہ بلحاظ قدامت اور باعتبار خدمت میں جانشینی کا سزاوار ہوں۔

اور بعض خدام کہتے تھے کہ شیخ عنایت اللہ صاحب وارثی تعلقدار سید پور کا ایک خود حضور کے پاس آیا تھا جس میں بکمال شرح و بسط مرقوم تھا کہ باوجود امتناع قطعی کے جس کا ذکر آپ کے ملفوظات میں بصراحت موجود ہے مگر آپ کے ایک خدمتگزار بالاعلان کہتے ہیں کہ مجھ کو حضور نے مستقیم شاہ صاحبہ کے مزار کا ہتھم اور جانشین کر دیا ہے اور وہیں جناب والا بھی استراحت فرمائیں گے۔

چنانچہ اسی واقعہ کو حکیم سید عبدالآؤ شاہ صاحب وارثی۔ اپنی کتاب موسومہ عین یقین کے صفحہ ۵۵ میں لکھتے ہیں کہ ”فچچورا اور دیوی کے لوگ جھگڑتے تھے۔ فچچور کے لوگ جو مستقیم شاہ کے خاندان سے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جناب حضور نے مجھے اپنا خلیفہ کیا ہے اور دیوی کے صاحبان کہتے تھے کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جب لوگوں نے آپ سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا ”منزل عشق میں خلافت کیسی“

غرض یہ اخبار جیب متواتر گوشگزار ہوئے۔ تو حضور قبلہ عالم کو اپنے غلاموں کی یہ خود غرضی ناگوار ہوئی اور قاضی بخشش علی صاحب سے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دو ات لاؤ قاضی صاحب موصوف۔ لکھنے کا سامان لے کر فوراً حاضر ہوئے۔ ارشاد ہوا کہ لکھو ہماری منزل عشق ہے۔ جو کوئی دعویٰ جانشینی کا کرے وہ باطل ہے۔ ہمارے یہاں کوئی ہو۔ چار ہو یا خا کر وہ۔ جو ہم سے محبت کرے۔ وہ ہمارا ہے“

الحاصل سال ۱۳۱۳ھ ہجری میں حسب حکم قدیم۔ فرمان تھوڑی صراحت کے ساتھ ضبط

تحریر میں آگیا۔ اور سرکار عالم پناہ نے وہ تحریریں حکم خادم خاص کو سپرد فرمائی کہ اگر کوئی شخص اس کی نقل کا خواستگار ہو تو اس کو دے دینا۔

مکن ہے کہ اس تحریر کی نقل بعض دیگر مریدین نے بھی حاصل کی ہو۔ لیکن چند ہفتے کے بعد جب قصبہ مسوی اضلع بارہ بنکی میں جسٹس سید شرف الدین وارثی قدس سرہ کے لئے پٹنہ سے حاضر ہوئے تو حضور قبلہ عالم نے خاص طور پر وہ اصل تحریر ان کو مرحمت فرمائی۔ اور ایک نقل اس کی اپنے قدیم حلقہ بگوش منشی نادر حسین صاحب رئیس نگرام کو اس مخصوص حکم کے ساتھ مرحمت ہوئی کہ "نادر حسین اگر کوئی انگریز بھی مانگے تو اس کو دکھا دینا"

جسٹس موصوف نے تو حکیم سید عبدالآدشاہ صاحب وارثی کی کتاب عین یقین میں اس تحریر کو شائع کر دیا۔ اور ستائیس سال کے بعد اگست ۱۹۱۵ء میں جب درگاہ وارثی ایسوسی ایشن کی جانب سے عدالت و سٹرکٹج لکھنؤ میں حسب دفعہ ۹۲ ضابطہ دیوانی بمقبرہ شریف کو وقف عام کرانے اور تنسخ سجادگی کا دعویٰ ہوا تو جسٹس سید شرف الدین نے اپنے اظہار میں کمال وضاحت اس تحریر کا ذکر کیا۔ اور منشی نادر حسین صاحب نے وہ تحریر عدالت میں پیش کی جس کی بنا پر آستانہ اقدس وقف عام ہوا۔ اور قانوناً بھی لوٹ سجادگی سے ہمیشہ کے لئے مبرا ہو گیا۔

نظاہر یہ فلسفہ تھا کہ حضور قبلہ عالم نے ایک اہم ترین رکن مشربی کی اشاعت کے واسطے بطور اتمام حجت یہ اہتمام فرمایا کہ پہلے اپنے مشرب اور اصول مشرب سے مترشدین کو بلا اجازت مگر متواتر آگاہ کیا۔ اور ہر مرتبہ انہیں ارشادات میں یہ نظر استفہام کچھ نہ کچھ وضاحت فرمائی۔ حتیٰ کہ اصل منشا یعنی امتناع سجادگی کا نہایت سلیس اور سادہ الفاظ میں اظہار کر دیا۔ تاکہ جملہ حلقہ بگوش ہمارے اصول مشرب سے آگاہ ہو جائیں۔ اور کسی کو لاعلمی کا عذر نہ ہو۔

بہر کیف حضور قبلہ عالم کے اس حکم عام کی شہرت ہو گئی۔ ہزاروں غلامان وارثی اس امتناع مشربی سے واقف ہوئے۔ مصنفین نے اپنے تصنیفات میں اس کا ذکر کیا۔ چنانچہ قاضی

بخشش علی صاحب وارثی نے اپنے رسالہ وسیلہ بخشش میں یہ فرمان بصراحت نقل کیا۔ اور وہ رسالہ جب حضور کی نظر سے گزرا۔ تو اس میں اپنے حکم امتناع کا ذکر دیکھ کر متبسم ہوں سے فرمایا کہ ”اب جو کتاب لکھی جائے گی اس میں تنسخ سجادگی کا ذکر ہوا کرے گا“

اور حاجی اوگٹ شاہ صاحب وارثی نے رسالت الائن مطبوعہ ۱۹۲۶ء کے صفحہ ۱۱۲ میں سرکار عالم پناہ کا یہ حکم عام حرف بحرف نقل کیا ہے کہ ”ہماری منزل عشق ہے جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے“

پھر شاہ صاحب موصوف اس کے تحت میں لکھتے ہیں کہ مستند ذرائع سے معلوم ہوا ہے اور صاحب عین الیقین نے بھی لکھا ہے کہ ۲۴ نومبر ۱۸۸۹ء کو یہ فرمان وارثی بایں صراحت ضبط تحریر میں آیا کہ ”ہماری منزل عشق ہے جو کوئی دعویٰ جانشینی کا کرے وہ باطل ہے۔ ہمارے یہاں جو کوئی ہو۔ چار ہو یا خا کر وب۔ جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے“

اور حاجی شاہ محمد خاں صاحب وارثی نے اپنے رسالہ تلقین میں اس حکم امتناع سجادگی کا ذکر بصراحت کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ آپکی بے مثل ہونے کی عین دلیل ہے۔

علی ہذا مولفین سیرت وارثی نے بھی حضور قبلہ عالم کے اس حکم عام کو تعلیمات کی بحث میں نمایاں طور پر لکھا ہے۔ چنانچہ مولوی تفضل حسین صاحب وارثی رئیس اٹاواہ نے اپنی جیم کتاب موسومہ بہ مشکوٰۃ حقانیہ کے صفحہ ۱۷۱۔ ارشادات متعلق عشق کے سلسلہ میں حضور

کا یہ ملفوظ نقل کیا ہے کہ ”جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے۔ منزل عشق میں خلافت نہیں ہوتی پھر مولف موصوف مشکوٰۃ حقانیہ کے صفحہ ۱۱۲ میں لکھتے ہیں کہ ”تحقیق و تدقیق سے جو

ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ آپ نے خود نہ کسی کو خلیفہ کیا۔ نہ سجادہ نشین نام زد کیا۔ اور اس کے استدلال میں۔ وسیلہ بخشش سے حضور قبلہ عالم کا حکم امتناع سجادگی نقل کیا ہے۔

پھر مولف ممدوح صفحہ ۲۱۲ میں مسٹر شیخ مشیر حسین صاحب قدوائی وارثی۔ بیرٹریٹا و تعلقدار گدیہ ضلع بارہ بنکی کی مستند شہادت اسی بحث میں پیش کرتے ہیں کہ ”شیخ مشیر حسین

صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی زبانی میں نے بارہا سنا ہے کہ ہمارا شرب عشق ہے۔ اور عشق میں کسب نہیں۔ خدا کی دین ہوتی ہے۔ ہمارا کوئی خلیفہ نہیں۔ عشق میں خلافت کسی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جس کے دل میں عشق ہو۔“

اسی کے تحت میں مولف موصوف ایک اور مستند شہادت کا حوالہ دیتے ہیں کہ ”منشی نادر حسین صاحب دارنی رئیس نگرام جو بارگاہ دارنی میں خاص شرفِ قدامت رکھتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور انور نے بمقام نواب گنج بارہ بنکی مجھ سے ارشاد فرمایا کہ نادر حسین۔ ہمارا کوئی جانشین نہیں ہے۔ ہماری منزل عشق ہے جو کوئی دعویٰ کرے وہ باطل ہے۔ نادر حسین تم سے اگر انگریز پوچھے تو یہی کہہ دینا۔ اور قاضی بخشش علی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ وہ تحریر لاؤ اور منشی جی کو دیدو۔ قاضی صاحب نے عرض کیا کہ ایک ہی تحریر ہے۔ جو رکھی گئی ہے۔ فرمایا۔ وہی لاؤ۔ قاضی صاحب تحریر لائے حضور نے ملاحظہ فرما کر مجھے مرحمت فرمائی کہ اپنے پاس رکھو۔ وہ میرے پاس موجود ہے۔“

علی ہذا سید غفور شاہ صاحب دارنی حسامی متوطن مضافات بہار نے بھی اپنے رسالہ الوارث میں اس حکم اتناعی کو مختلف واقعات کے سلسلہ میں لکھا ہے۔ اور اس ملفوظ کو آپ کے خصوصیات میں شمار کیا ہے۔

اور مرزا منعم بیگ صاحب دارنی مولف حیات وارث نے بھی حضور قبلہ عالم کے اس حکم عام کے بعض حصص مختلف حالات میں بہ سبیل سلسلہ نقل کئے ہیں۔ لیکن صفحہ ۵۵ میں یہ ملفوظ بصرحت لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ”ہم دنیا کے جھگڑوں بکھیڑوں کو کیا جانیں۔ دنیا مردار پر ہم نے پہلے ہی لعنت کر دی۔ جو ہم سے محبت کرے۔ وہ ہمارا ہے۔ چاہے کوئی ہو۔“

الغرض مولفین سیرت دارنی کا حضور قبلہ عالم کے اس حکم اتناعی کو اہتمام کے ساتھ نقل کرنا اس کی اہمیت اور قطعیت کا اقتضا۔ اور اس کی صحت کی عین دلیل۔ اور اخوانِ ملت کو خبردار کرنا ہے کہ لوٹ سجادگی سے مشرب دارنی کلیتہً محفوظ ہے۔

سبب امتناع سجادگی لیکن سرسری طور پر دیکھنے والے کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ امتناع جانشینی کا فرمان بھی شاید حضور قبلہ عالم کا اجنبی ہوگا۔ کیونکہ سلاسل مشائخین عظام میں خلافت و جانشینی کا دستور عام ہے۔

مگر نہیں یہ ہماری محدود معلومات کا قصور ہے۔ وسیع النظر شخص کو یہ شبہ کبھی نہ ہوگا۔ بلکہ ٹھوڑا غور کرنے سے عوام الناس پر یہ ظاہر ہو سکتا ہے کہ درحقیقت یہ حکم بالکل اصول طریقت کے مطابق ہے اور اکثر ممتاز عارفین نے خلافت اور جانشینی کو غیر ضروری سمجھا ہے۔

ابن امیر کے خیال میں اس مسئلہ کی صحت اور عدم صحت کو معلوم کرنے کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے معتبر اور مستند کتابوں میں انصاف کی عینک سے یہ دیکھنا چاہیے کہ حضرات عارفین میں وہ جلیل المنزلت اور مقدس ہستیاں جن کے نورانی جسم پر تصوف کا گر انقدر خرقہ دوزوں ہوا۔ اور جو درحقیقت صوفی تھے۔ اور جن کو آج بھی دنیا کے محققین صحیح معنی میں صوفی جانتے ہیں اور جن کی نسبت اس کا بھی تصفیہ ہو چکا ہو کہ یہ برسر حق تھے۔ اور ان کے جملہ اقوال اور افعال حق اور رضائے حق کے واسطے تھے۔ انہوں نے خلافت اور جانشینی کی نسبت کیا عمل کیا۔ اور وہ موحدین ہم خیال تھے۔ یا اس معاملہ میں مختلف الرائے۔

ان صفات حمیدہ سے موصوف بزرگوں کے اقوال اور افعال پر محاکمہ کرنے کی فرمائش اس واسطے کی گئی کہ جو خدا شناس ایسے جامع الاطلاق ہوں گے۔ ان کے حرکات و سکنات عادات و معاملات بھی ضرور قابل تمسک ہوں گے۔ اور ان کی جانب نہ اغلاط کا شک نہ اغراض کا شبہ ہوگا۔ بلکہ یقین ہوگا۔ کہ جو انہوں نے کہا۔ وہ بجا کہا۔ اور جو کیا۔ وہ درست کیا۔ اسی کے ساتھ یہ نظر تعمق یہ دیکھنا چاہیے کہ انہیں کبیر الشان عارفین نے۔ اپنے مترشدوں میں سے کسی کو خلیفہ اور کسی کو جانشین بنانا کیوں اور کس ضرورت سے تجویز کیا۔ اور خلفاء اور جانشینان کے سپرد کیا خدمت فرمائی۔

چنانچہ تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات صوفیہ جو امام

اور صاحب مقامات علیا تھے۔ انہوں نے خلافت اور سجادگی کو عموماً ہدایت خلق کا سلسلہ قائم رکھنے کے واسطے لازمی گردانا۔ اور وہ مقتدر عارفین جن کا مسلک صرف عشق الہی سے وابستہ تھا۔ انہوں نے مشرب کے لحاظ سے جانشینی کو بے ضرورت سمجھا۔ لیکن دونوں کا یہ فعل مثل پھانیت تھا۔ اس لئے اس کے نتیجے پر خیال کر کے ایک نے دوسرے پر اعتراض بھی نہیں کیا۔ لیکن یہ خیال کہ ہر دو فریق میں بہتر اور مفید بلکہ لائق تقلید کس کا فعل تھا۔ اس کے تصفیہ کی جسارت کرنا صریح منافی ادب ہے۔ اس لئے کہ ہر دو فریق ہمارے واجب التعظیم ہیں اور دونوں نے جو کیا۔ وہ رضائے حق کے واسطے کیا۔ کیونکہ جن بزرگوں نے اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا۔ انہوں نے عند اللہ وہ کام کیا جس کے لئے وہ مامور تھے۔ اور جنہوں نے اپنا خلیفہ اور جانشین کسی کو نہیں بنایا۔ انہوں نے اپنے صدق و خلوص کا اظہار کیا۔ کہ خدا کی محبت میں خدا کی مخلوق کو مغالطہ کے نقصان سے بچایا۔ کیونکہ ان کا مشرب خلافت کا محتاج نہ تھا۔

لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اجمال کی اگر تھوڑی وضاحت اور ہو جائے اور اس نزاع لفظی کی تفصیل کر دی جائے کہ جانشینی کی ترتیب میں حضرات صوفیہ کی کیا مصلحت تھی۔ اور عاشقان الہی نے جو سجادگی کو غیر ضروری تصور فرمایا تو فی الحقیقت ان کا نقطہ نظر کیا تھا۔

اس کا انکشاف ہو جانے سے فائدہ یہ ہوگا کہ آج وہی تفریق اور فرضی اختلاف کی جو درپردہ خراب شکل نظر آتی ہے۔ بجائے اس مکر وہ خیال کے حضرات عارفین و عاشقین کے حقیقی اتحاد کی خوشنما تصویر ہماری آنکھیں بے نقاب دیکھیں گی۔ اس لئے اگر کہا جائے کہ یہ بیان ہنوز تشریح کا محتاج ہے تو بے محل نہ ہوگا۔

لہذا ایسے تصفیہ شدہ اسباب جو ہر دو خیالات کے صحیح ترجمان ہیں اور جن کا ذکر مستند کتابوں میں با عظمت رہنماؤں نے کیا ہے۔ اور عقلاً و نقلاً۔ روایت سے بھی۔ اور روایت سے بھی آج تک یہی ثابت ہوا ہے کہ اصطلاح صوفیہ میں منصب ہدایت کے استخلاف کا نام خلافت ہے یا اس کو یوں کہا جائے کہ اپنی جانب سے اپنے علم کی اشاعت اور اپنے سلسلہ کی تنظیم کے

واسطے جس کو جائز مختار کیا جائے۔ اس کو عرف عام میں خلیفہ کہتے ہیں۔ اور اس مرتبہ کا دستیاب ہونا مرشد کی عنایت پر موقوف ہے۔

اور یہ عہدہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ وہ برگزیدہ حق ہادی۔ جو خلق کی ہدایت کے واسطے من جانب اللہ مامور ہوتے ہیں ان کا یہ بھی فرض لازمی ہے کہ اپنے بعد کے لئے مخلوق کی رہنمائی کا انتظام کریں۔ اس لئے وہ اپنے شاگرد و رشید کو خلیفہ اور جانشین بتاتے ہیں۔ اور یہ جلیل القدر مرتبہ عہد سلف صالحین سے اسی طرح منتقل ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور تصانیف حضرات صوفیہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہادیان راہ طریقت ہمیشہ سے منصب خلافت اپنے اس مرید کو مرحمت فرماتے ہیں۔ جو کما حقہ اس کا اہل ہوتا ہے کہ سلسلہ کے مشائخین عظام نے جو سلوک اور جس قاعدہ سے طالبین کی کامیابی کے واسطے تجویز فرمائے ہیں ان کی تعلیم اسی عنوان سے دوسروں کو دے جس طریقہ سے خود اس کو۔ اس کے پیشوائے برحق نے تعلیم دی تھی۔ اور طالبان راہ حق کو اپنے فیضان باطنی سے بھی اسی طرح مستفیض فرمائے جس طرح خود اس کو مرشد کامل نے فائز المرام کیا ہے۔

چنانچہ آج تک اس کا عمل درآمد۔ اسی طریق مقررہ پر ہو رہا ہے۔ اور امید ہے کہ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ اور پیران طریقت کے تصرف باطنی سے۔ اس سخن منصب میں یہ اثر ہے کہ ہادی برحق نے جسکو خلافت کا اعزاز۔ یا سجادگی کا امتیاز تفویض فرمایا۔ اس نے اپنے دوران عہد میں مقتدا کے علم ظاہری اور باطنی کی اشاعت و ہدایت میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ ہمیشہ بندگان خدا کو۔ خدا کے طے کار راستہ بتایا۔ اور اس مبلغ کی اس بے غرض خدمت کو دیکھ کر خلق نے بھی اس کی اطاعت کے آگے گردنیں جھکا دیں۔

اور اس ممتاز عہدہ کی شان و رفعت کا اس جہت سے خاص و عام کو اعتراف ہے کہ بڑے بڑے خدائیدہ صوفیوں نے پہلے اسی عہدہ تبلیغ و ہدایت کا کام کیا۔ اور مخلوق الہی کو خدا کی رضامندی کی تعلیم دی۔ اور یہ خدمت ایسے صدق و خلوص سے فرمائی کہ مبداء فیاض نے

ان کو دنیا کا مخدوم بنا دیا۔ اور آج تک ان کی عظمت و جلال کا چارواں عالم میں تقارہ نہج رہا۔ اس مصلحت سے حضرات مشائخ عظام نے خلافت اور سجادگی کی حمایت فرمائی۔ اور اس ممتاز منصب کی تعمیری بنیاد اپنے مقدس ہاتھوں سے رکھی۔ اور خدا کے فضل سے ان کی یہ عمارت آج تک قائم ہے۔ اور انشا اللہ قائم رہے گی۔ اور ان کی تنظیم ہر پہلو سے مفید ثابت ہوئی۔ اور واقعی مفید ہے بھی۔ کیونکہ بغیر اس نظام کے نہ مشربی تعلیم کی اشاعت ہو سکتی تھی۔ اور نہ سلسلہ کی بقا کا کوئی اور طریقہ تھا۔ اس لئے اگر یہ عرض کروں تو بے جا نہ ہوگا۔ کہ ان کی اس کامیاب دوراندیشی نے خانوادہ کے اقتدار کو ہمیشہ کے لئے برقرار رکھا۔

لیکن مشائخ عظام کے اس مشربی نظام سے بالکل برعکس اور جداگانہ حضرات عاشقین کا مسلک ہے حالانکہ نظر غائر سے دیکھا جائے تو جملہ مقربین بارگاہ احدیت کے شائستہ خیال کا نتیجہ اور آل واحد ہے۔ مگر بظاہر ہر گلے رازنگ و بوئے دیگرست کا مضمون ہے۔ کہ جس طرح شاہد بے نیاز کی رضا مندی کا صحیح راستہ بنانے کے لئے جملہ سلاسل صوفیہ کے ارباب حل و عقد نے تسلیم و تربیت کے دستور العمل میں تقرر خلافت اور جانشینی کے لازماًت سے گروانا ہے۔ اسی طرح عاشقان حضرت احدیت خدا کے بندوں کو خدا سے ملانے۔ اور کثرت میں اس کی شان و حدت کا کرشمہ دکھانے کے واسطے وسیلہ خلافت اور ذریعہ جانشینی کو فعل عبث اور بیکار سمجھتے ہیں۔ بلکہ سبب الاسباب کی قوت کاملہ کے آگے ہر سبب کو لاشے۔ اور ہر ترتیب و تنظیم کو ممنوع۔ اور انسانی مشرب عشق جانتے ہیں۔ مگر واضح رہے کہ عاشقین سے میرارو کے سخن ان عاشقان ذی مرتبت کی جانب سے جو اپنے اختیار کو اس قدر مطلق کے اختیار کے آگے فنا کر کے اس کی تجلی انوار کے مشاہدہ کے لئے ہمہ وقت بصد عجز و نیاز سرنگوں رہتے ہیں۔ اور جن کا سرمایہ دارین۔ صرف عشق الہی ہو۔

کیونکہ طبقہ عشاق باعتبار اپنے مشربی خیال و مذاق کے دو نوع پر منقسم ہے۔ اور دونوں کے اصول متضاد ہیں۔ چنانچہ طبقہ اولیٰ جن کو عاشقان خاص۔ یا عاشقان صادق یا عاشقان

کامل کہہ سکتے ہیں۔ یہ جاں نثار بجز یار کے کسی سے سروکار نہیں رکھتے۔ عشق ہی ان کا مذہب
عشق ہی مشرب ہوتا ہے۔ عشق ہی سے واسطہ عشق سے ان کو مطلب ہے۔ عشق ہی ان کا دین
عشق ہی ایمان۔ عشق ہی ان کی روح۔ عشق ہی جان۔ عشق ہی کے نعل حمایت میں ان کی نشوونما
ہوتی ہے۔ عشق ہی پر ان کی حیات و ممات کا مدار ہے۔ ہمہ وقت عشق ہی کا دم بھرتے اور زبان
حال سے کہتے ہیں۔

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما اے طیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما

اور طبقہ ثانی جن کو عرف صوفیہ میں نسبتاً عشاق کہتے ہیں۔ ان کا مستقل اصول یہ ہے کہ

اپنے مذہبی اور مشربی شرائط و ضوابط کی پوری تعمیل۔ اور کامل پابندی کے ساتھ خزن عشق
کے خوشہ چیں ہیں۔ یا اس کو یوں کہا جائے کہ ان کے عقائد اور اعمال کی تعمیری بنیاد گو قواعد
مذہبی اور صحائف مشربی پر ہے۔ مگر کاشائے ملت کے نقش و نگار۔ کا کار فرما عشق کو جانتے
ہیں۔ اس لئے ان کا یہ تصدیق قلب اقرار باللسان یہ ہے کہ وہی عبادت مفید عابد۔ اور
مقبول معبود ہوتی ہے۔ جو مشتمل بہ عشق و محبت ہو۔

اور اس طبقہ ثانی کا یہ قابل تعمیل اور ممکن العمل اصول ایسا ہر دل عزیز اور مقبول عام ثابت

ہوا کہ دنیا کے ہر مذہب اور ہر ملت کے رہنماؤں نے اس کی تقلید پسند فرمائی۔ اور اپنے اپنے
سلسلہ کے دستور العمل کی پیشانی پر جلی قلم اور سرخ روشنائی سے یہ لکھ دیا کہ پوجا۔ پاٹ۔
جپ۔ جاپ۔ دھیان۔ گیان۔ اطاعت۔ عبادت۔ ریاضت۔ مجاہدت۔ جدوجہد سیر و
سلوک۔ تجرید۔ تفرید کے قواعد اتر رہے۔ اور ضوابط معینہ پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ عشق کا
بھی دامن پکڑو۔ کیونکہ مقبولیت، اعمال محبت پر موقوف ہے۔

اور یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہر مذہب و ملت کے سالکین راہ حق اپنے اپنے اصول

کے مطابق جب سیر سلوک سے فارغ اور فائز المرام ہوتے ہیں۔ تو سرکار رب العزت سے

بہ کاظان کے مدارج و مراتب ان کو خطابات تفویض ہوتے ہیں جن کے مفہوم سے ان کی رفعت و عظمت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اور ان کے مذہب و ملت کا بھی اشارہ ہوتا ہے۔ لیکن باوجود جملہ افاضات و افادات کے اس طبقہ کو سرکار شاید غیبی سے کبھی عاشق کا خطاب نہیں تفویض ہوا جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کی ریاضت اور عبادت ضمناً عشق و محبت سے وابستہ ضرور ہوتی ہے مگر ان کا اصول مشربی کلیتہً عشق سے ماخوذ نہیں۔ اور یہ کلیہ ہے کہ جز کو کل پر فضل نہیں ہوتا۔ اس لئے باعتبار ان کے اصول کلی کے ان کو خطابات ملتے ہیں۔ اور یہ کاظان محبت جو مشرب کا ایک جزو ہے عاشق کا خطاب نہیں ملتا۔

اس مختصر تصریح سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ عاشقان کامل کی تعریف انہیں ممتاز عاشقین پر صادق آتی ہے جن کے معاملات مشربی کلیتہً عشق سے ماخوذ ہوں۔ اور خیالات سبب و اسباب کے تکررات سے پاک۔ اور کائنات میں صرف ایک ذات سے ایسا گہرا تعلق ہو جس میں نہ دوئی کی گنجائش ہو۔ اور نہ خودی کا وجود رہے۔

عشق تعلیم خلق سے بے نیاز ہے اب قابل کاظان یہ امر ہے کہ جس مشرب کو نہ کسی ضابطہ کی قید نہ قاعدہ سے واسطہ نہ تعلیم و تعلم سے سروکار نہ ترتیب و تنظیم سے تعلق۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی مسلمہ ہے کہ اس کی ہدایت و اشاعت کا اختیار رب العزت کے دست قدرت میں ہے۔ تو اس مشرب کے علمبردار کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنانے کی کیا ضرورت ہے۔

قطع نظر اس کے حقیقت عشق کی نسبت صوفیائے متقدمین نے بالاتفاق فرمایا ہے کہ عشق اسرار الہی میں سے ایک مخصوص راز ہے جس کی حقیقت کا علم۔ عالم علم ما کان دما یکنان کے علم میں محفوظ اور مستتر ہے۔ بفقوائے لا یعلم الا هو۔ بقول مولانا علیہ الرحمۃ عشق صراط الہی اسرار خداست

پس جب کہ عشق کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے میں ہمارا فہم و ادراک قاصر رہے بلکہ عشق کی صحیح تعریف بھی ہم نہیں کر سکتے۔ بقول۔

ورنہ گنجد عشق در گنت و شنید عشق در ریاست قعرش ناپدید
 تو با وجودیکہ ہماری عقل مجبور اور علم مجہول ہے۔ مگر یہ جسارت کہ دوسروں کو عشق کی تعلیم دیں۔ اور
 مشرب عشق کا دستور اعلیٰ بنائیں۔ اور اپنے بعد کے واسطے اس کا انتظام کریں کہ عشق کا نصاب
 قائم۔ اور تعلیم جاری رہے۔ قطعاً عقل و انصاف سے بعید معلوم ہوتا ہے

کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ عشق کی تعلیم و تربیت پروردگار عالم نے بندوں کے سپرد نہیں
 فرمائی ہے۔ بلکہ عشق کا عطا کنندہ۔ اور عشق کا معلم حقیقی۔ خود عشق کا خالق مطلق ہے۔ اسی
 خیال سے عاشقان صادق نے خلافت اور سجادگی کو منافی مشرب عشق گردانا ہے۔ اور
 اسی کلیہ کے اعتبار سے ہمارے حضور قبلہ عالم نے مترشدین سے متواتر فرمایا بلکہ اعلان
 کر دیا کہ ”ہماری منزل عشق ہے۔ جو کوئی دعویٰ جانشینی کا کرے وہ باطل ہے۔ ہمارے یہاں
 کوئی ہو۔ چار سو یا خاکروب۔ جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے۔“

خلاصہ یہ کہ عشق بہت بڑا مرتبہ ہے۔ چنانچہ اصطلاح صوفیہ میں عشق اس مقام کو کہتے ہیں جو
 غایت رفعت عارفین۔ اور نہایت قرب مقربین ہے۔ بقول۔

عجب راہبیت راہ عشق بیات کہ چرخ ہفتش ہفتم زمین است

اور یہ مرتبہ علیاً ہمیشہ مخصوص مقبولین حق کو بجانب حق تفویض ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم نے
 بھی اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں فرمایا ہے کہ ”عاشق کم اور شاخ زیادہ ہوتے ہیں۔
 اور باوجودیکہ آپ کے مزاج کی نشست یہ تھی کہ ذاتی فضل و کمال کا اظہار نہیں فرماتے تھے مگر یہ
 بار بار ارشاد ہوا ہے کہ ”ہماری منزل عشق ہے“ جو آپ کے حالات و واقعات سے بخوبی
 ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کا قلب منور عشق حقیقی کے جذبات سے معمور تھا۔ اور آپ کا چہرہ ^{۸۶}سایہ
 طرز معاشرت زبان حال سے باوازل بند کہہ رہا ہے کہ دنیا میں صدیوں کے بعد ایسے حامل
 رضا و تسلیم عاشق کا ظہور ہوتا ہے۔ اور اسی مناسبت سے آپ نے امتناع سجادگی کا قطعی
 حکم صادر فرمایا۔ جو یہ لحاظ مشرب بالکل صحیح اور درست ہے۔

علاوہ اس کے حصول عشق درس و تدریس تعلیم و تربیت پر موقوف نہیں کیونکہ یہ باطنی کیفیت اور قلبی واردات ہے جو بجانب اللہ نصیب ہوتی ہے جیسا کہ سرکار عالم پناہ نے متواتر فرمایا ہے کہ ”عشق وہی ہے جو کسب سے نہیں حاصل ہوتا“ اور یہ مسئلہ جملہ حضرات صوفیہ کا تسلیم کردہ ہے کہ عشق موہبت محض ہے اور سب نے لکھا ہے کہ ”انما ہی من مواہب الحق وفضلہ“ چنانچہ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

گرچہ آں عاشق بخارامیرود نہ بدرس و نئے بہ اوستامیرود
عاشقاں راستہ مدرس حسن دوست دفتر و درس سبق شاں روئے اوست
آں طرف کہ عشق می افزود درد بو حنیفہ شافعی در سے نکرود
پس حقیقت یہ ہے کہ عشق عنایت وہی ہے اور جدوجہد کوشش اور کسب

سے حاصل نہیں ہوتا۔ بقول حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ

می خور کہ عاشقی نہ بہ کسب است و اختیار این موہبت رسید زیوان قسمتم
اور اسی وجہ سے حصول عشق کے لئے ظاہری تعلیم نہیں اور جب ظاہری تعلیم نہیں ہے تو پھر نہ خلافت کی ضرورت ہے نہ سجادگی کی حاجت۔ اسی واسطے حضور قبائے عالم نے علی الاعلان فرمایا کہ ”ہماری منزل عشق ہے جو کوئی دعویٰ جانشینی کا کرے وہ باطل ہے“
قطع نظر اس کے صحیح معنی میں خلافت یا سجادگی تعلیم و تربیت کے انتظام کا نام ہے کہ حضرات صوفیہ آئندہ نسلوں کو فیض پہنچانے کی غرض سے یہ انصرام فرماتے ہیں کہ جانشین یعنی اپنے سلسلہ کا منتظم تعلیم اس کو کرتے ہیں جو ان کے علم مسلک کا عالم اور فارغ التحصیل ہوتا ہے۔ لیکن ”ملت عشق از ہمہ دینہا جداست“ عشق میں انتظام نہیں اور نہ کوئی علم وصول عشق میں معین ہوتا ہے کیونکہ علم کو عقل سے سروکار ہے اور حضرت عشق کی تشریف آوری سے پہلے عقل مغرور ہو جاتی ہے جیسا کہ منقولات قدیمہ سے ثابت ہے۔ اور خود حضور قبائے عالم نے بھی فرمایا ہے کہ ”جہاں حضرت عشق آئے پھر وہاں علم و عقل کا دخل نہیں“ اور مولانا علیہ الرحمۃ

فرماتے ہیں۔

عشق آمد عقل او آوارہ شد صبح آمد شمع او بیچارہ شد

عشق سایہ حق بود حق آفتاب سایہ را با آفتاب او چہ تاب

جب کہ ثابت ہے کہ عشق کی عملداری میں عقل و علم کا دخل نہیں۔ اور انتظام عقل کا فعل ہے۔ جس سے عاشق کو تعلق نہیں۔ تو پھر عاشق صادق اس کا نظم کیونکر کر سکتا ہے کہ کہ آئندہ کے لئے اپنا جانشین بنائے جو اقتضائے عشق کے صریح خلاف ہے۔ اسوجہ سے وہ عاشقان جا نیاز۔ جن کا سرمایہ فخر و ناز صرف عشق تھا۔ اور بجز نظارہ جمال شاہد حقیقی جمیع مرادات سے دست بردار تھے۔ ان کا اس مشرب خاص میں کوئی جانشین نہیں ہوا۔

مثلاً صاحب تصدیق و یقین مخدوم حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر تارک کامل قدس سرہ العزیز جو پروانہ وار شمع جمال ایزدی پر شیفۃ۔ اور سطوت جلال فردانیت خداوندی پر شیفۃ۔ مجموعت تجلیات النوار۔ ماسوا ع بار۔ تمام عالم سے بے سرو کار تھے جن کے فیض و تصرف سے زمانہ واقف ہے۔ لیکن مدوح الصفات کا مشرب قلندری۔ یعنی تعلیم عشق حقیقی کے لئے کوئی جانشین نہیں ہوا جس کا سبب یہی ہے کہ طریق عشق میں نہ تعلیم و تربیت کی حاجت۔ نہ انتظام و انصرام کی ضرورت۔ نہ عبادت و اشارت سے حقیقت عشق کا اظہار ہو سکتا ہے۔ اور نہ حصول عشق کے لئے جدوجہد درکار ہے۔ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ

قلم را آں زباں بنود کہ سیر عشق گوید باز درائے حد تقریر است شرح آرزو مندی

دل اندر زلف یلے بندو کار عشق مجنون کن کہ عاشق رازیاں دار و مقالات خرد مندی

بلکہ یہ واروات قلبی۔ خاص و ولایت الہی۔ اور عین عنایت وہی ہے۔ جو نہ تعلیم و تربیت پر موقوف۔ نہ واسطہ اور وسیلہ کی محتاج ہے۔ فیضان عشق و محبت۔ عاشقان کامل کی توجہ باطنی پر منحصر ہے۔ اور ان کے جوش قلبی کی صحیح نسبت۔ طالبین کے دلوں کو گداز۔ اور مائل بہ محبت کرتی ہے۔ اور ان کا فیض و تصرف۔ اپنے وابستہ کو۔ اس کی حالت اور استعداد کے لحاظ

سے بغیر کسی ظاہری تعلیم کے مستفیض کرتا ہے۔ اور اسی افاضہ کو اصطلاح صوفیہ میں نفخہ روحی بھی کہتے ہیں۔ اور یہ تصرف مثل عہد ظاہری کے۔ ان کے وصال کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ جس کی دوسری مثال یہ ہے کہ تاج الموحدين۔ سلطان العاشقین۔ حضرت بایزید بطنامی علیہ الرحمۃ جن کا نام نامی طبقہ عشاق میں خصوصیت کے ساتھ مشہور ہے۔ آپ نے بھی طریق عشق میں تعلیم ظاہری کے لئے کسی کو اپنا جانشین نہیں تجویز فرمایا۔ بلکہ جس طرح آپ کے زمانہ میں۔ آپ کے فیضان باطنی سے مسترشیدین کو افاضہ حاصل ہوا۔ اسی طرح آپ کے مزار پر انوار سے طالبان صادق مستفیض اور فائز المرام ہوئے۔

جیسا کہ صاحب فرات الاسرار۔ اور مصنف تذکرۃ اولیاء نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمۃ آپ کے وصال کے ایک صدی بعد پیدا ہوئے اور آپ کے فیضان باطنی سے مستفیض ہوئے۔

بلکہ یہ قصہ دیگر حضرات صوفیہ نے بھی اپنی تصنیفات میں بصراحت نقل کیا ہے۔ لیکن نظر احتیاط اس واقعہ کو اس مستند کتاب سے نقل کرتا ہوں۔ جس کی صحت کے واسطے حضرت ملا جامی علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کافی ہے کہ ”ہست قرآن در زبان پہلوی“ اور ارباب طریقت کے ساتھ علمائے شریعت نے بھی بالاتفاق اقرار کیا ہے۔ یعنی حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ اس واقعہ کو دفتر چہارم میں تسطیر فرماتے ہیں۔

از پس آن سالها آمد پدید	بواکسن بعد از وفات بایزید
ہمچنان آمد کہ افسر بودہ بود	بواکسن از مردمان آرا شنود
کہ حسن باشد مرید و اُتم	در س گروہ صبح از ترہتم
ہر صبا ہی آید و خواند سبق	بر سر خاک و شود پر بختی
ہر صبح نیز رفتے بے فتور	بر سر گورش نشستی با حضور
ہر صبح رو بہادی سوی گور	ایستادہ تا صبحی اندر حضور

تا مثال شیخ پیشش آدے تاکہ بے گفتن شکا لش حل شدے

علی ہذا حسین بن منصور جلال علیہ الرحمۃ جن کے پراسرار کلام۔ ابوالقاسم نصر آبادی نے نقل کئے ہیں۔ اور محقق اور صاحب حال کہا ہے۔ اور ابوالعباس بن عطار محمد بن حنیف کا قول ہے کہ حسین بن منصور ربانی عالم تھے اور یہ تو معروف عام ہے کہ اس عارف حق نے پروا دار شمع جلال حضرت احدث پر جان فدا کر کے عشق کی آخری منزل طے فرمائی۔ مگر اس برگزیدہ خدا کے طریق خاص کی تعلیم و تربیت کے لئے کوئی جانشین نہیں ہوا۔ اور یہ بھی مسلمہ ہے کہ جس طرح آپ کی حیات ظاہری میں آپ کے برکات اور تصرفات سے مخلوق الہی مستفیض ہوئی۔ اسی طرح بعد وصال شاہد حقیقی بھی آپ کے فیضان باطنی کا چشمہ جاری رہا۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ۔ عہد منصور سے اسیکو پچاس سال بعد پیدا ہوئے اور آپ کی روحانیت سے ان کو افاضہ حاصل ہوا۔

اس سے زیادہ عجیب اور صدقہ دور رسالت کے عاشق صادق حضرت اویس قرظ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ہے جن کے عشق کامل کے لئے کسی صراحت کی ضرورت نہیں زمانہ جانتا ہے کہ آپ نے جذبات عشق کے جوش میں اپنی ہستی اور لوازمات ہستی کو الٹا فراموش کیا۔ کہ بجز خیال یا کسی سے سروکار نہ رہا۔ مگر طریق عشق کی تعلیم ظاہری کے لئے آپ کا بھی کوئی جانشین نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ نہ آپ کی ارادت کے واسطے آج تک کوئی ظاہری انشا ہوا۔ اور نہ ان کے مشرب کے لئے کسی زبانی تعلیم و تلقین کی ضرورت جس طرح نادیدہ محبوب ذوالجلال پر وہ شیفتہ ہوئے۔ اسی طرح بے دیکھے ان کے فیضان باطنی سے طالب خدا مستفیض ہوتے ہیں۔ تیرہ سو برس سے آپ کا یہ تصرف جاری ہے۔ اور انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ جس کا سبب یہی ہے کہ بقول سرکار عالم پناہ "عشق پرانہ نہیں" اور چونکہ کارساز مطلق تعلیم کنندہ ہے۔ اس لئے جو ہو رہا ہے وہ ہوتا رہے۔ الغرض انہیں چند تمثیلات سے یہ بخوبی ظاہر ہو گیا کہ نہایت حلیل القدر اور

ممتاز عاشقین نے جن کی رفعت و عظمت - تبحر و تقدس کا زمانہ معترف ہے۔ مشرب عشق کی تعلیم و تربیت کے واسطے کسی ظاہری تنظیم کی ضرورت متصور نہیں فرمائی۔ بلکہ جس عنوان سے عنایت وہی نے ان کو اختصاص تقرب تقویض فرمایا تھا۔ اسی صورت سے۔ بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے ان کے فیضان باطنی سے طالب خدا مستفیض ہوئے۔ اور ہوتے ہیں۔ اور ہوں گے۔ اور چونکہ مشرب عشق انتظام ظاہری سے قطعاً معرا ہے اس واسطے بہ لحاظ تمام حجت۔ ہمارے جناب حضرت نے متواتر فرمایا۔ اور کہاں اہتمام اعلان کر دیا کہ "ہمارا مشرب عشق ہے جو کوئی دعویٰ جانشینی کا کرے وہ باطل ہے۔"

اور بفرضِ مجال۔ اگر کسی وقت میں کوئی عاشق جمال ایزدی۔ بہ نظر افادہ۔ اپنی مسترشدی کے حق میں۔ زیادہ نہیں چندی قواعد۔ وہ بھی حصول عشق کے لئے نہیں۔ بلکہ شائستگی عادات اور زہرہ کی گفت و شنید کے واسطے۔ بطور دستور عمل۔ یہی ایک مضمون قلمبند فرماتا کہ۔ آداب عشق و عاشقی یہ ہیں۔ اور شاید بے نیاز کی جناب میں۔ اس انداز سے استدعا کرنی چاہیے کہ الفاظ بالمعنی بھی عجز آمیز۔ اور بظاہر شتمل بہ انکسار۔ اور نہ آداب حضرت احدیت کے خلاف ہوں۔ تو قرینہ یہ کہتا ہے کہ وہ اجتہادی فرمان نفاذ کے ساتھ ہی بے ضرورت اور بیکار ثابت ہوتا۔

کیونکہ عشاق سے بمقتضائے اثرات عشق۔ کسی ایک مستقل نظام کی پابندی محالات سے ہے۔ اس واسطے کہ اصولاً عاشق کی سیم اللہ ایسے اسباب سے ہوتی ہے۔ جو تغیرات کے جامع اور تبدلات کے مجموعہ ہیں

چنانچہ ایک سبب بٹجلہ ان اسباب کے یہ بھی ہے کہ حقیقت عشق کی نسبت تصانیف ارباب طریقت میں ہی منقول ہے کہ مصطلحات صوفیہ میں عاشق کی اس کیفیت کو عشق اور محبت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جو مطالعہ جمال یار کے واسطے قلب کو مضطرب اور ہتھار کر دے۔

اور اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ عشاق کی اس وہی حالت اور قلبی کیفیت کا وجود مشاہدہ انوار حضرت احدیت کے اثرات سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی مسلمہ ہے کہ تجلی انوار رب العزت کی شان ہر ساعت اور ہر آن جداگانہ ہوتی ہے۔ بمصداق

اور چونکہ تجلی انوار شاہد حقیقی کی شان ہر مرتبہ شکل جدید ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے برکات بھی مختلف ہوتے ہیں اور اثرات بھی جداگانہ اور ان اثرات سے متاثر ہو کر قلب عاشق کی حالت اور کیفیت بھی یکساں نہیں رہتی۔ بلکہ حسب مناسبت واردات قلبی۔ کبھی سلوک۔ کبھی سکوت۔ کبھی جمعیت۔ کبھی انتشار۔ کبھی آداب محبوب کا پورا خیال۔ کبھی بے خود اور مغلوب الحال۔ غرض گاہے جنہیں گاہے چناں کا مضمون ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر حالت کا جو اقتضا ہوتا ہے۔ اس کے آثار عاشق کے حرکات و سکنات سے ظاہر ہوا کرتے ہیں۔

پس جب کہ قلبی کیفیات میں ہر وقت غیر معمولی تغیرات ہوا کرتے ہیں، تو اس انقلابی حالت میں کسی مستقل قاعدہ کی یکساں تعلیم کیوں کر ہو سکتی ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ عشاق کی واردات قلبی میں بھی بقدر استعداد تفریق ہو۔ لہذا گویا معنی جملہ عاشقین کے خیالات کا مال ایک ہی کیوں نہ ہو۔ مگر بظاہر رفتار۔ گفتار۔ طرز۔ طریقہ۔ افعال۔ اقوال ایسے متضاد ہوتے ہیں کہ بعض کے اکثر عادات۔ ارشادات۔ حدود و آداب معینہ سے باہر نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ اختلاف چونکہ ان کے انتشار و اضطراب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان کی ظاہری تقریر کو خطا و تقصیر سے منسوب کرنا ہماری صریح نادانی ہے۔ بقول۔ حافظ

گفتگوئے عاشقان در کارِ رب جوشش عشق است نے ترکِ ادب
چو بشنوی سخن اہل دل گو کہ خطا است سخن شناس نہ دلبرِ اخطا اینجا است

اسی لحاظ سے شاہد حقیقی جو عالم غیب اور ناظر حال ہے ہمیشہ اپنے عشاق کے حرکات و سکنات کی ان کے ذوق و شوق۔ حالات و کیفیت کے اعتبار سے۔ ان کو ایسی گراں قدر جزا دیتا ہے۔ بظاہر جس کے وہ سزاوار نہیں معلوم ہوتے۔

چنانچہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے شائستہ خیال اور خستہ خصال عشاق جن کے عادات نہایت مہذب اور خیالات غایت مودب تھے جس امتیاز کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں۔ اختصاص تقرب سے وہ سرفراز ہوئے۔ اسی شان سے وہ ادارہ کوئے محبت۔ جو سراپا وارستہ اور از خود رفتہ تھے۔ اور جن کی شوق آمیز تقریر گو نیاز مندانه لہجہ میں سہی۔ مگر حدود آداب سے یقیناً تجاوز تھی۔ لیکن مبدار فیاض کی عنایت سے ان کا بھی مقربین میں شمار ہوا۔ اس کا سبب خاص یہی ہو سکتا ہے کہ اس بندہ نواز نے دردندان محبت کا اجر وصلہ ان کے صفائے باطنی پر موقوف فرمایا ہے۔

اور اگر اس غیر معمولی انعام و عنایت خداوندی کا صحیح مطالعہ اور صریح معائنہ کرنا منظور ہو۔ تو یہ بھی دشوار نہیں۔ ایک طرف ولادہ شاہد مدنی حضرت اویس قرنی کی ممتاز شخصیت کو کتب سیر کی وساطت سے بہ نگاہ تامل دیکھا جائے۔ تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس برگزیدہ الہی کی مقدس ہستی جامع صفات اور مجموعہ کمالات تھی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جس استقلال سے اس سیاح و ادنی عشق نے وصال شاہد بے نیاز کے شوق میں صبر و ثبات سے کام لیا۔ اسی اہتمام سے اس حق پرست و حق شناس نے اپنے فرائض منصبی کی نگاہداشت الیٰ اور جس طرح آپ کے ذات اقدس عابدوں میں فرو۔ اور زاہدوں میں یگانہ تھی۔ اسی طرح آپ کے خیالات جمید شائستہ۔ اور آداب عشق و عاشقی سے کما حقہ وابستہ تھے۔ اور یہ بھی کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ انہیں صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کی جہت سے آپ کو نہایت نہایات اور غایت عنایات تقرب الہی کا مرتبہ تفویض ہوا۔

اور دوسری جانب اگر عہد موسوی کے اس آشفٹہ حال۔ وارستہ خیال۔ مشتاق دیدار پارہ مجموعہ اضطراب و اضطراب کے دفر شوق و افراط ذوق سے معمور تقریر کو جو سراپا عجز و نیاز کی تصویر ہے۔ نگاہ غور سے دیکھتے ہیں تو بظاہر اس مرد میدان عشق و عاشقی کی منطق جداگانہ۔ فلسفہ کچھ اور نظر آتا ہے۔ جس کا ذکر مولانا علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی ثنوی میں کمال صراحت کیا ہے۔ حالانکہ یہ قصہ

زبان زوخلائق ہے۔ لیکن اختصار کے ساتھ اگر میں بھی اس پروردگہانی کا اعادہ کروں تو کچھ زیادہ بے محل نہ ہوگا۔

چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ جنگل میں ایک آوارہ دشت محبت۔ رنجور و روالفت کسی گہرے خیال میں مصروف بیٹھا ہے۔ مگر اشتیاق و دید میں یہ استغراق ہے کہ نہ تن کی فکر نہ جان کا ہوش۔ یاد دلداری سے ہم آغوش۔ صدمات و زفت سے بیقرار۔ شوق وصال میں اشکبار۔ محو نظارہ جمال۔ و فوراً اشتیاق میں یہ حال ہے کہ زندگی سے ہزار مرے پر تیار۔ بارہستی سے سبکدوش۔ باوہ فنا سے مدہوش۔ نہ بیوفائی کا گلہ۔ نہ کج ادائیگی کی شکایت۔ نہ اپنا قصہ۔ نہ اپنی حکایت۔ بقضائے محبت۔ اطاعت الہی کا دم بھرتا ہے۔ اور ہزار عجز و انکسار۔ اپنی راحت و عافیت کے اسباب۔ بحضور شاہد غیور ایتار کر رہا ہے۔ اور زبان حال سے عرض گزار ہے جیسا کہ ممدوح الصفات حضرت مولانا لکھتے ہیں۔

دید موسیٰ یک شبانے را براہ
تو کجائی تا شوم من چا کرت
اے خدائے من فدایت جان من
جامہ ات دوزم سپہایت کشم
در ترا بیاری آید بہ پیش
و شکت بوسم بسالم پائیکت
گر بہ بنیم خانہ ات را من دوام
ہم پیرو ناہسائے رو عنیں

کو بھی گفت اے خداؤ اے آلہ
چارقت دوزم کنم شانہ سرت
جملہ فرزنداں و خان و مان من
شیر پیشیت آوردم اے محتشم
من ترا غمخوار باشم بچو خویش
وقت خواب آمد برویم جانگت
روغن و شیرت بیارم صبح و شام
خمر ہا جغرا تھا اے نازنین

حضرت کلیم اللہ نے اس مغلوب احوال کی حقیقت پر خیال نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کی ظاہر قیل و قال کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور چونکہ حامل علم رسالت۔ اور ناظم نظم ہدایت۔ اس واسطے فوراً آداب عبد و معبود سے خبردار کیا۔ اور اس دیوانہ کوئے محبت کو راہ فرزا

دکھائی۔ یعنی صفات و حدائیت کی تبلیغ فرمائی۔

خود مسلمان نامشردہ کا فرشتی
پنہ اندر دہاں خود فشار
آفتابے را چنہا کے سزاست
آتشی آید بسوزد خلق را
ژاژ و گستاخی ترا چوں باورست
چارق او پوشد کہ او محتاج پاست
در حق پاکی حق آلاش است
والد و مولود را او فائق است

گفت موسیٰ ہائے خیرہ سرشدی
ایں چہ ترا ژست و چہ کفرائے با بکار
چارق و پاتا بہ لائق مر تراست
گر نہ بندی زین سخن تو خلق را
گر ہمیں دانی کہ یزداں و اورست
شیر او نوشد کہ در نشو و نماست
دست و پا در حق ما آسائش است
لم یلد لم یولد اورا لائق است

موسیٰ علیہ السلام نے اس عاشق حضرت احدیت۔ و پروانہ شمع ربوبیت کو سخت
اور درشت الفاظ کے ساتھ جو تنبیہ فرمائی۔ تو آپ کی نصیحت سے اس و نگار کو دینی
اذیت ہوئی۔ پیغمبر الوعزم کو دیکھ کر خاموش تو ہوا۔ مگر صحرائے پرخطر میں یہ کہہ کر روپوش ہو گیا۔
گفت اے موسیٰ دہانم دوختی
وز پیشیانی تو حبانم سوختی
جامہ را بدرید و آہے کردت
سر نہاد اندر بیاباں و برفت
او ہر پختہ جاں۔ نادوم و پشیمان ہوا۔ اور اس کی نیاز آمیز اور محبت خیز تقریر موقوف
ہوئی او ہر شاہد حقیقی نے اپنے عاشق جانناز کی یہ دلداری فرمائی۔

بندہ مارا ز من کردی حُدا
یا برائے فضل کردن آمدی
ابغض الاشیا عندی الطلاق
ہر کسے را اصطلاح دادہ ام
در حق او مشہد در حق تو سم

وحی آمد سوائے موسیٰ از خدا
تو برائے وصل کردن آمدی
تا تو انی پامنہ اندر فراق
ہر کسے را سیرتے بہادہ ام
در حق او مدح در حق تو ذم

درحق او نور درحق تو نار
 درحق او نیک درحق تو بد
 ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ
 من نہ کردم خلق تا سودے کنم
 ہندیوں را اصطلاح ہند مدح
 ما بروں را سنگریم و قال را
 آتشے از عشق و رجاں بر فروز
 موسیٰ آداب و امان دیکرند
 عاشقان را ہر نفس سوزید نیست
 گر خطا گوید و را خاطری مگو
 خون شہیدان را از آب اولیٰ ترست
 ملت عشق از ہمہ وینہا جداست

درحق او درو درحق تو خار
 درحق او خوب درحق تو رو
 وز گراں جانی و چالاکی ہمہ
 بلکہ تا بر بندگاں جو دے کنم
 ہندیوں را اصطلاح ہند مدح
 ما درون را سنگریم و حال را
 سر بسر فکر و عبارت را بسوز
 سوختہ جان و رواناں دیکرند
 برودہ ویران خراج و عشر نیست
 گر شود پر خون شہید او را مشو
 دین خطا از صد ثواب اولیٰ ترست
 عاشقان را مذہب و ملت خداست

الغرض عاشق کامل حضرت اویس قرنی کے ثنائتہ خیال اور پاکیزہ احوال کا تقابل
 اس شبان صحرائین کی بے محل اور غیر مربوط گفتگو سے کرتے ہیں تو زمین و آسمان کا فرق نظر
 آتا ہے۔ اور بظاہر اس خارج الاہب تقریر کی وہی تعذیر مناسب معلوم ہوتی ہے جو حضرت
 موسیٰ علیہ السلام نے تجویز فرمائی تھی کہ "خود مسلمان ناشدہ کا فرشتہ"۔

مگر اس فرق رسیدہ کی چونکہ نسبت صحیح اور بچہ خیال تھا۔ اس کا طے سے شاہد بے نیاز
 نے جو عنایت اپنے مودب دل گرفتہ کی خجستہ حالت پر فرمائی۔ اسی شفقت سے اپنے شعور
 سوز۔ اور جو اس باختہ جاں نثار کا معاون و مددگار ہو کر حضرت کلیم اللہ سے فرمایا "بندہ ما
 راز من کردی جدا"

احکم الحاکمین کے اس کریمانہ فیصلہ سے صاف ظاہر ہو گیا کہ شاہد غیبی کی ذات تفصیل

تقلیل۔ اشارات و عبارات سے پاک و مُعرا ہے۔ اس اعتبار سے عشق و محبت کی شکایت و حکایت میں مودب اور غیر مودب عشاق کا فرق و امتیاز نہیں۔ بلکہ ان کے جوش و خروش، ذوق و شوق، صدق و خلوص کا اعزاز و احترام ان کے حسن باطن پر موقوف ہے۔ جس کی قدر و قیمت کا اندازہ۔ وہ دانائے راز فرماتا ہے جس کے ارشاد کا مفہوم مولانا نے روم نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ۔

ماہروں رانسگریم و قال را ما درون رانسگریم و حال را
 خلاصہ یہ کہ دو رسالتِ موسوی کے اس عاشق جانناز کا یہ تذکرہ جو سرِ پاشتل بہ عجز و نیاز
 ہے اس لحاظ سے تشبیلاً نقل کیا کہ عشق و محبت کے ظاہری رموز و نکات سے بھی اگر کوئی آگاہی
 ہو جائے تو اس کا تصفیہ آسانی ہو سکتا ہے کہ بخلاف سنت مشائخین جلیل القدر اور کبیر الشان
 حضرات عاشقین نے حسب صورت مروجہ خلیفہ اور جانشین بنانے سے کیوں قطعاً احتراز فرمایا۔
 چنانچہ احمد اللہ علی احسانہ۔ اس کا اظہار نہایت مستند اور سخن عنوان سے ہو گیا۔ اور اس
 کے اسباب نظر آنے لگے۔ جیسا کہ ایک سبب منجملہ دیگر اسباب کے یہ بھی ہے کہ واردات قلبی
 کے متعدد اشکال کے مختلف اثرات سے چونکہ عاشقین کی حالت و کیفیت میں کافی تفریق ہوتی
 ہے۔ اور ان کا متحد الحال نہ ہونا اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض عشاق باوجود عداوت خرافی اور
 دُور شوقی۔ ہمیشہ ساکت اور خاموش رہتے ہیں۔ اور بعض سرست عہدالست۔ عالمِ وجد اور
 حالتِ جوش میں ایسے الفاظ بہ تکرار فرماتے ہیں۔ جن کا ظاہری مضمون و مقصود کلیتہً حدودِ آداب
 بعد و معبود سے باہر نظر آتا ہے۔

اب قابلِ غور یہ امر ہے کہ طبقہ عشاق کے افراد جب کہ مسلمہ طور پر نہ حال میں متحد۔ نہ خیال
 میں مساوی۔ نہ ذوق و شوق میں ہم پایہ۔ نہ دید و یافت میں یکساں ہوتے ہیں۔ بلکہ طریقِ طلب بھی
 ان کا تفریق سے خالی نہیں۔ پس ایسے غیر منتظم گروہ کے واسطے کوئی دستور تنظیمی کیونکر مفید اور بکار
 آد ہو سکتا ہے۔ اور اس مختلف الحال جماعت کا ایک مستقر پر بالاستقلال قائم رہنا عقلاً بھی محال

نظر آتا ہے۔ اور نقلاً بھی دشوار۔ کیونکہ حضرات صوفیہ کے اقوال شاہد ہیں کہ عشق میں انتظام نہیں اس حکایت سے یہ بھی یقین کامل ہو گیا کہ عاشقان جانناز خلق کی تعلیم لفظی۔ اور تربیت شخصی

سے قطعی بے نیاز ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلیم کنندہ واہب العطا ہے۔ اس لئے کہ مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ

ارشاد پیش نظر ہے کہ حضرت کلیم اللہ نے جو خدا کے مقرب اور برگزیدہ رسول اور خلق کے

اولوالعزم ہادی تھے ایک چرواہے کو کہاں وضاحت آداب حضرت احدیت کی ہدایت فرمائی

اور بظاہر وہ تعلیم یقیناً قابل تسلیم بھی تھی مگر غیر مفید اس وجہ سے ثابت ہوئی کہ وہ شبان صحرائی

گر ویدہ النوار جمال الہی تھا۔ ملہم غیب نے عدم کامیابی کے سبب سے بھی اپنے کلیم کو آگاہ کر دیا

کہ ”موسیٰ آداب دانان و یکراند“ اے موسیٰ یہ متاق دید اپنی خواہشات اور مرادات کو فنا اور

معلومات و معقولات کو ہماری یاد میں فراموش کر چکا ہے۔ تم ارباب عقل و ہوش کے رہنا ضرور

ہو مگر اس دیونہ کوئے محبت کی تربیت تم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کے معلم حقیقی ہم ہیں۔

پس درناخالیکہ ایسے ممتاز اور رفیع المرتبت اور صاحب کتاب پیغمبر جو ”و کلم اللہ

موسیٰ تکلم یمما“ کے معزز خطاب سے سرفراز تھے۔ ان کا روحانی علم۔ اور ان کی وسیع معلومات

ایک دیوانہ کوئے محبت کی ہدایت کے واسطے مفید نہ ثابت ہوئی۔ تو خرمین علم رسالت کے

خوشہ چین۔ اور درخوشہ چین کی تادیب و تربیت سے پرستاران بارگاہ عشق کب متاثر

ہو سکتے ہیں۔ اسی واسطے عاشقین نے اپنے سلسلہ کے مترشدین کی تعلیم کے لئے کسی کو اپنا

جانشین نہیں بنایا۔ اور اسی وجہ سے ہمارے حضور قبلہ عالم نے متواتر فرمایا کہ ”مشرّب عشق

میں خلافت اور جانشینی نہیں ہے“

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی اس مسطورہ حکایت کے مطالعہ سے وہ حضرات بھی سبق آموز

ہونا چاہئیں تو ہو سکتے ہیں جن کو سجادگی کے ساتھ گہرا انہماک ہے۔ اور جانشینی کی حمایت میں

بے ساختہ فرماتے ہیں کہ خلافت اور سجادگی اسلام کا ایک رکن اعظم ہے حتیٰ کہ بعض حضرات

اس دلیل سے خلافت مشائخین کو سنت الہی سے تعبیر کرتے ہیں کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام

خليفة الله تھے۔ اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً۔

اور یہ تو مشائخین عظام کے وابستگان کا عام خیال ہے کہ سلاسل صوفیائے متقدمین میں جب کہ لازماً سے ہے کہ ہر عہد میں سب کے جانشین ہوتے، اور ہوتے ہیں، تو کیا سبب ہے کہ مشرب عشق کے ارباب حل و عقد نے اس کی تقلید نہیں کی۔ اور خلاف دستور جمہوریہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنے سلسلے میں باب خلافت و سجادگی مسدود کر دیا۔

بس یہ تخیلات اگرچہ بمنزلہ اوہام و وساوس ہی کیوں نہ ہوں، مگر ان کے ابتدائی حصوں کی صحت کا اقرار بھی کر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے، جیسا کہ ہم کو اس کا اعتراف ہے کہ سلاسل مشائخین عظام بجائے خود للہیت و حقانیت سے معمور ہیں تو بھی یہ اصرار کہ عاشقان جانناز حضرات صوفیائے ذی اعزاز کی مساجدگی میں تقلید کیوں نہیں کرتے۔ نظر غائر سے دیکھا جائے تو صریح بے محل ہے، اس لئے کہ دنیا میں کوئی مشرب ایسا نظر نہیں آتا۔ جو دیگر مذاہب کے خیالات سے کلیتہً متحد ہو، حتیٰ کہ خود سلاسل مشائخین کے قواعد مسلک میں باہم مکمل اتحاد نہیں بلکہ بعض مسائل میں تو ایسا گہرا اختلاف ہے جس کا عقائد و اعمال پر بدناما اثر پڑتا ہے۔

حالانکہ یہ مثال بھی مشرب کے مکمل گرویدہ کے مقابلہ میں زیادہ موزوں نہیں ہے۔ کیونکہ جملہ سلاسل کے مذاق مسلک میں گو کافی تفریق ہے، مگر پھر بھی یہ مناسبت ہے کہ ایک سلسلہ کا حلقہ گبوش دوسرے خانوادہ کا ارادتمند ہو کر دونوں سلسلوں کے مختلف المفہوم ضوابط کی ساتھ ساتھ تعمیل کر سکتا ہے۔

لیکن مشرب عشق میں اس کی بھی گنجائش نہیں جس کو مولانا علیہ الرحمۃ نے صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ ”ملت عشق از ہمہ وینہا جداست“۔ اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ اس مشرب خاص کا اصول یہ ہے کہ ”عاشقان را مذہب و ملت خداست“ پس جو مشرب جملہ مل و ادیان و اپنی شان اور خصوصیت میں جدا ہو، اور جس کے تبعین کا مذہب صرف خدا ہو، وہ ظاہری تعلیم و تربیت سے کیونکر نہ بے نیاز ہو، اور جب کہ ظاہری تعلیم کی حاجت نہیں، تو ظاہری

تعلیم کنندہ کی بھی ضرورت نہیں۔ اسی جہت سے مشرب عشق میں خلافت اور جانشینی بھی نہیں۔
مختصر یہ کہ اس حکایت کی بریت آخر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح عاشقوں کا معلم حقیقی عالم
علم مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ ہے۔ اسی طرح ان طالبان الہی کا دین و مذہب بھی صرف وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ ہے۔ اس لحاظ سے اگر مشرب عشق کو اپنی شان اور نوعیت میں فرد اور یگانہ
کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

بعض اخوان ملت | اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کروں گا کہ اکثر اخوان ملت نے سجادگی کی حیات
کے خیالات بھی فرمائی ہے۔ مگر ان کا کیا خیال تھا۔ اور کس نیت سے انہوں نے

خلاف مشرب یہ طریقہ اختیار کیا۔ اس کی حقیقت کو خدا بہتر جانتا ہے۔ لیکن بظاہر اس اختلاف
کے یہی چند اسباب ہو سکتے ہیں کہ یا تو ان برادران طریقت کو حضور قبلہ عالم کے اس حکم عام اور
قطعی کا علم نہیں ہوا کہ ”منزل عشق میں جانشینی نہیں ہوتی“ یا ہوا بھی ہو تو اس کی اہمیت سے بے خبر
تھے۔ کہ سرکار عالم پناہ نے یہ فرمان بکمال اہتمام نافذ فرمایا ہے۔ یا ان غلامان وارثی کو یہ حسرت
معلوم نہ تھی کہ بڑے بڑے عاشقان ماسلف نے بھی خلافت اور سجادگی کو غیر ضروری تصور
فرمایا ہے۔ یا شاید یہ لحاظ عدم واقفیت یہ مغالطہ ہوا ہو کہ اس ارشاد وارثی کو خبر واحد سمجھ کر
متاثر نہیں ہوتے اور جمہور صوفیائے کرام کی سنت جاریہ کو ترجیح دی۔ یا بعض ہستیاں ایسی
بھی ہوں گی کہ انہوں نے کسی اثر سے مرعوب ہو کر اس حکم کی تعلیم میں دانستہ کوتاہی کی۔ یا اکثر
عوام الناس کے محدود خیالات۔ اپنی قلت معلومات کی وجہ سے مشرب عشق کی اس ممتاز
اور غیر معمولی خصوصیت پر غور نہ کر سکے۔ یا بعض خود غرضوں نے حصول مقصد کے لئے سجادہ
پرستی کو مفید سمجھا۔ چنانچہ یہ خیال اس لئے بھی قریں قیاس ہے کہ اکثر حضرات کا یہ طریقہ دیکھا کہ
چند روزہ اتباع سجادگی کے بعد۔ علانیہ حکم امتناع سجادگی پر عمل پیرا ہو گئے۔

پہر کیف کسی وجہ سے کیوں نہ ہو۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ پیشوائے برحق کے وصال کے
بعد ایک گروہ نے سید محمد ابراہیم صاحب کو آستانہ اقدس کا منتظم بنایا۔ مابعد بصورت

ان کی اتباع اس عنوان سے کی جو سجادہ نشین کے شایان شان ہے جن میں بعض حضرات کی گردیدگی دائرہ عقل کے اندریوں تھی کہ انہوں نے صرف نسبت خاندانی کا لحاظ کیا جس کو ایک طور پر اقتضائے ارادت بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور بعض اشخاص ایسے سنجیدہ خیال تھے کہ ان کے عادات و معاملات مصلحت سے خالی نہ تھے۔ کہ انہوں نے ارادت مرشد کو یوں قائم رکھا کہ اپنے قدیم خدمات کا آستانہ اقدس کے ضروریات سے اسحاق کر دیا اور ضمناً سجادگی کی بھی رسمی تعظیم کو جائز رکھا۔

مولف جلوہ وارث کے لیکن ہمارے خواجہ تاش حکیم صفدر علی صاحب نے جن کو بارگاہ خیالات کی تنقید | وارثی کی قدیم بلکہ خاندانی غلامی کا شرف حاصل ہے۔ اور سرکار عالم پناہ کے فرمان جانشینی سے بھی خبردار ہونے کا آپ کو پورا اقرار ہے مگر سجادہ پرستی کے جوش میں مرشد برحق کے اس حکم عام اور قطعی کو ایسے غیر مربوط تاویلات کی بنا پر ناقابل تعمیل ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ بلکہ اس بحث میں ایک مستقل کتاب موسومہ بہ جلوہ وارث تالیف فرما کر شائع کرادی۔

آپ کا یہ رسالہ جس میں صدق ارادت کا بھی اظہار کیا ہے۔ ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے کا غذا چھا۔ کتابت بڑی نہیں۔ طباعت بھی دیدہ زیب ہے۔ لیکن مطالعہ کرنے سے بہ لحاظ سیاق تحریر، اور ترتیب مضامین اور تنظیم واقعات۔ اور آپ کے برجستہ کلام منظوم کو دیکھنے سے یہی انکشاف ہوتا ہے کہ مولف موصوف کے ذخیرہ تالیفات میں یہ کتاب نقش اول کی صفت رکھتی ہے

اور مولف موصوف کی اس تالیف میں یا اعتبار کثرت مضامین یہ خاص صفت ہے کہ اگر ازبائے بسم اللہ تائے تمت بغور و تامل بھی پڑھا جائے۔ تو بھی اس کا تصفیہ کرنا دشوار ہے کہ اس کتاب کا موضوع کیا ہے۔

لیکن بجا بلکہ دیگر مضامین کے زیادہ واضح۔ اور بصراحت خلافت اور جانشینی کا

کا ذکر ہے جس کو لائق مؤلف نے بہ استدلال ثابت کرنے میں بلیغ کوشش فرمائی ہے۔ اس اعتبار سے میرا بھی یہ خیال ہے کہ اس کتاب کی اور اور خوبیوں کا تذکرہ نہ کروں۔ بلکہ صرف سجادگی کی بحث میں موصوف نے جو خامہ فرسائی کی ہے اس کو بے نقاب کر دوں۔ تاکہ ظاہر ہو جائے کہ مدوح نے حمایت سجادگی کے انہماک میں اپنے رہنمائے کامل کے حکم قطعی کی تاویل و تردید میں کہاں تک ایمان اور انصاف سے کام لیا ہے۔

چنانچہ مؤلف موصوف نے بصورت مناظر۔ استدلال کے ساتھ۔ وجود خلافت کا قدیم۔ اور سخن ہونا۔ بحوالہ تاریخ۔ اور بہ تطبیق آیات قرآنی۔ ثابت کرنے میں جو سبب تقرر فرمائی ہے اور وہی دلائل جن کا ذکر پہلے کیا ہے۔ ہر دس میں صفحات کے بعد پھر انہیں کا اعادہ فرمایا ہے اس لئے ایک ہی مضمون سے قریب قریب کتاب کا بڑا حصہ معمور ہے۔ مگر درحقیقت جملہ استدلال کا مفہوم واحد ہے۔ اور کم سے کم کتاب کی ایک ثلث عبارت کا خلاصہ اسی قدر ہے۔ کہ خلافت ایسی لازمی اور ضروری چیز ہے۔ جس کا سنگ بنیاد پہلے احکم الحاکمین نے اپنے دست قدرت سے نصب فرمایا۔ اور ابوالبشر آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا۔ بقولے
 ”إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“

اور اسی سنت الہی کی تقلید میں آدم علیہ السلام نے شیث علیہ السلام کو اپنا خلیفہ کیا۔ اور علی ہذا یہ سخن طریقہ اسی صورت سے ہر عہد اور قرن میں جاری رہا۔ اور دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے اپنے اپنے وقت میں اس کی تعمیل فرمائی اور اس حلیل القدر عہدہ کے لائق جس کو مناسب تصور فرمایا۔ اس کو اپنا قائم مقام کیا۔

اور چونکہ اس طریقہ کو سنت الہی۔ اور سنت انبیاء ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس واسطے حضرات صوفیائے کرام نے بھی خلافت اور جانشینی کو لازمی گردانا جس کا آج تک سلاسل مشائخین میں عمل درآمد بدستور ہوتا ہے۔

بالآخر لائق مؤلف نے۔ اپنے اس مطول بحث کا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ یہ طریقہ چونکہ صحابہ

اور صادقین کا ہے اور اس کی ابتداء حضرت احدیت نے فرمائی ہے۔ اس لئے جناب حاجی صاحب قبلہ کا یہ ارشاد کہ ”منزل عشق میں خلافت اور جانشینی نہیں ہوتی“ قابلِ تعمیل نہیں۔ کیونکہ خلافت منشا آلہی اور سنت صاحبین ہے۔

لیکن لائق مولف کی یہ طولانی بحث، موصوف کے مفید مطلب ثابت ہو یا نہ ہو۔ اس کا فیصلہ تو بعد کو ہوگا۔ مگر بالفعل اس کی مستحق ضرور ہے کہ واقعہ نگاران عالم، دنیا کے عجیب و غریب کارناموں کے سلسلہ میں، مولف کی اس ہمت کا ذکر، جو اپنی نوعیت میں فرد ہے، بطور یادگار قلمبند کریں۔ اور جلی قلم سے ”فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ“ لکھ کر اس کے تحت میں یہ چودہویں صدی کا واقعہ نگارش فرمائیں۔ کہ ایک دیرینہ اور بظاہر خوش عقیدت مرید کا یہ عدیم المثل ایثار بھی اپنی جدت کے اعتبار سے قابلِ عبرت ہے کہ سجادگی کی حمایت میں ارادت کو بالائے طاق رکھ کر اپنے رہنمائے کامل کے حکم امتناع جانشینی کو، بجائے تعمیل کرنے کے، اصول مذہب کے خلاف ثابت کرنے میں، تقریباً سو صفحات سیاہ کر ڈالے اور ایسے استدلال کا حوالہ دے کر جس کو اس بحث سے کوئی تعلق نہیں، سمجھ لیا کہ خلافت و سجادگی کا سنت آلہی ہونا ثابت ہو گیا۔

لیکن مولف موصوف کا یہ سمجھنا ان تخیلات اور توہمات سے کم نہیں۔ جن کا وجود نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ نظر تنقید دیکھتے ہیں تو قابلِ مولف کی اس مطول بحث کو موصوف کے مقصد و مراد سے کوئی سروکار نہیں۔ اس لئے کہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ خالق عالم نے چونکہ آدم کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اور آدم نے شیث کو اپنا جانشین کیا۔ علیٰ ہذا دیگر انبیاء و مرسلین نے بھی اسی کی تقلید کی۔ اور خود بھی کسی بنی کے خلیفہ ہوئے۔ اور کسی بنی کو اپنا خلیفہ ضرور بنایا۔ اسی اعتبار سے حضرات صوفیہ نے بھی اس طریقہ کو اختیار کیا۔ تاکہ سنت آلہی اور سنت انبیاء کی تقلید کا شرف حاصل ہو۔ اب اس جمہوری نظریہ سے اختلاف کرنا، سنت خدا اور افعال انبیاء سے روگردانی کرنا ہے۔

حالانکہ یہ تمہید مولف کے دعویٰ کے لئے کسی پہلو سے دلیل نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے کہ اول تو جس طرح اس بحث کا ابتدائی یہ جملہ بالکل صحیح ہے کہ خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ کیا اسی طرح یہ قطعاً خلاف واقعہ ہے کہ جملہ انبیاء علیہ السلام نے اس کی تقلید فرمائی کہ خود بھی کسی بنی کے خلیفہ ہوئے۔ اور کسی بنی کو اپنا خلیفہ ضرور بنایا۔

بلکہ یہ صریح اہتمام ہے۔ اور عقائد اسلام میں۔ انبیاء کو مشہم کرنا۔ کفر ہے۔ مگر افسوس۔ مولف مدوح نے اس کا بھی خیال نہیں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کو اس بے بنیاد و احاطہ تقلید میں محصور کرنا نقص ایمان کی عین دلیل ہے۔ کیونکہ ایسے فعل کا ان کو مکلف قرار دیا جس کے لئے بجانب اللہ وہ مامور تھے۔ نہ بطور خود ان مقربین بارگاہِ صمدیت نے کبھی اس تقلید کا راہِ ظاہر کیا۔ اور جب کہ اس تقلید کے لئے وہ مجبور نہ تھے۔ تو لازمی ہے کہ اس کا ترک بھی وقوع پذیر ہو۔ اور ہوا جس کی وجہ سے حسب ارشادِ مولف۔ وہ معصوم ایک ثقیل جرم کے مرتکب ہوئے کہ خلافت کی قطعیت کا لحاظ نہیں کیا۔ اور اگر خلیفہ نہ ہوتے۔ اور خلیفہ نہ کرنے کے بے بھی دو معصوم سمجھے گئے۔ تو خلافت اور جانشینی کا قطعی ہونا کالعدم ہو گیا۔

الغرض مولف موصوف کا یہ پہلا حملہ تھا۔ جو آپ کی ذہانت کا معرفت ہونے کے ساتھ آپ کی قادر اندازی کا بھی زبان حال سے شاہد ہے۔ کہ آپ کے تیر چہرے نے نشانہ غلط ہونے کی وجہ سے بجائے ان گم کردہ راہ کے جو خلافت اور سجادگی کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی خدا واد معصومیت کو بغیر کسی قصور کے کم سے کم بخر و ح ضرور کر دیا۔

دوم یہ کہ حضرت ربا لغت کا آدم کے حق میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ذٰلِکَ مَا صَحَّحَ ہے۔ مگر یہ فعلِ خداوندی بندوں کے واسطے بصورتِ امر قطعیت کا حکم نہیں رکھتا اسی واسطے بخر و ح سے چند انبیاء کے زیادہ تعداد انہیں انبیاء مرسلین کی ہے جنہوں نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں کیا۔ مثلاً حضرت عزیر حضرت شعیب حضرت یوسف حضرت صالح حضرت یحییٰ حضرت یسوع حتیٰ کہ صاحب کتاب حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ جن کا کوئی خلیفہ نہ تھا۔ لہذا اگر خلیفہ بنانا امرِ قطعی ہوتا۔ تو یہ مقربین بارگاہِ احدیت اپنا خلیفہ ضرور بناتے۔

اور اگر چند انبیاء نے ضرورت کے لحاظ سے یا یہ مصلحت یا حسب منشاء الہی کسی کو خلیفہ کیا بھی ہے تو اس فہرست میں ایسے بھی جلیل القدر رہنماؤں کے نام نامی ہیں جو خود کسی کے خلیفہ نہ تھے۔ جیسے حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت نوح علیہم السلام۔ پس اگر خلیفہ ہونا بھی لازماً سے ہوتا۔ تو یہ رسالت کے علمبردار بھی جو مولف موصوف سے۔ عقل و فہم علم و عمل۔ حق پرستی خدا شناسی۔ ایمان و ایقان۔ حقانیت و روحانیت میں بہت زیادہ افضل۔ اور بہتر تھے۔ خلیفہ ہونے کی جستجو کرتے۔ مگر جب کہ مستحق طور ثابت ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ تو خلافت و سجادگی کا غیر قطعی ہونا صاف ظاہر ہو گیا۔

قطع نظر ان تصریحات کے۔ ہمارے آقائے نامدار۔ سیدالابرار۔ اشرف انبیاء حبیب خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس اور عظیم النظیر سیرت کے مطالعہ سے نمایاں ہوتا ہے کہ نہ آپ کسی کے خلیفہ تھے۔ اور نہ اپنی جانشینی کے واسطے کسی کو نامزد فرمایا۔ چنانچہ جملہ مورخین متفق ہیں کہ بعد وصال مہاجرین اور انصار کی اتفاق رائے سے حضرت ابو بکر صدیقؓ آرائے خلافت راشدہ ہوئے۔

اور یہ بھی مسلمہ ہے کہ تاجدارِ مدینہ کی ذات بابرکات رموز و اسرار سے خبردار۔ بلکہ تمام عالم کی اصل و حقیقت۔ اور جملہ موجودات کی نوعیت اور ماہیت سے آگاہ تھی۔ اور علاوہ اس فضل کے باعتبار عبدیت احکام خداوندی کی بجا آوری جس خوبی اور مستعدی سے آپ نے کی اس کا قرآن شاہد ہے۔ کہ فرائض و واجبات کا کیا ذکر و تجربات تک کی رضائے الہی کے واسطے خود بھی تعمیل کی۔ اور اطاعت رب العزت کی اہمیت سے اپنی امت کو اس وضاحت سے ہدایت فرمائی کہ اہمیت تک کسی ہادی کی ہم کو ضرورت نہ رہی۔

اس واسطے کہ علاوہ عقائد اور اعمال کے۔ فروعاً میں کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کی تصریح و تشریح آپ کے اقوال و افعال سے کافی طور پر نہ ہوتی ہو۔ بجز اس کے کہ خلیفہ ہونا۔ اور خلیفہ کرنا۔ جو بقول مولف موصوف شرط لازمی ہے۔ اس کا علم شاید معاذ اللہ

آپ کو نہ تھا۔ ورنہ امت کو خلیفہ ہونے اور خلیفہ کرنے کی بالتصریح ہدایت آپ فرماتے اور خود بھی خلیفہ ہونے کی جستجو کرتے اور اپنی جانشینی کے واسطے کسی کو نامزد ضرور فرماتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ کتب عقائد و اعمال میں اس کا ذکر ہے نہ سیرت رسالت میں اس کا تذکرہ ہے۔

اب مولفوں موصوفوں سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ حضرت سید السادات سرور کائنات بہترین عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس فرودگذاشت کی نسبت آپ کا کیا ارادہ ہے مگر یہ بھی پیش نظر ہے کہ اس تیرہ سو برس کے دوران میں ہزاروں جلیل القدر علماء اور متعدد مقدس اور کبیرا نشان صوفی ایسے گزرے ہیں جن کے مہجر اور تقدس کا نقارہ آج تک دنیا میں بج رہا ہے۔ انہوں نے اپنے نبی کی پاک اور مہرستی کو جملہ عیوب سے معر فرمایا ہے۔ اس لئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ اس موقع پر آپ بھی کوئی اجتہادی خیال ظاہر کرنے میں عجلت نہ فرمائیں۔ کیونکہ محبوب خدا کا معاملہ ہے۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ یہ کہہ کر اس قضیہ کو رفع کر دیا جائے کہ لفظوائے ”أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“ یہ اقتضائے بشریت۔ آپ خلیفہ ہونا اور خلیفہ کرنا بھول گئے۔ کیونکہ انسان کی خلقت خطا و نسیان سے مرکب ہے۔ **الْإِنْسَانُ مَرْكَبٌ مِّنَ الْخَطَا وَالنِّسْيَانِ** اور اگر ایسا نہ کیا۔ اور آپ نے کوئی جملہ قلم برداشتہ سنانی شان حضرت رسالت لکھ دیا تو وہ نقصان اٹھانا ہوگا۔ جس کی تلافی ناممکن ہے اور جس طرح مرشد برحق کے حکم قطعی پر اعتراض کر کے اپنی ارادت کے شفاف دامن کو بدنام داغ لگا کر بیکار کر دیا۔ اسی طرح رحمتہ للعالمین کا دامن چھوٹا۔ تو بیڑا پار ہونا مشکل ہوگا۔

مگر واضح رہے کہ یہ مشورہ آپ کے حسب حال اور آپ کے خیال کے مطابق ہے۔ ورنہ میں تو باوا از بند ہی کہوں گا کہ ہمارے امی لقب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم صاحب لوائے انا مدینۃ العلم ہیں۔ اور قرآن شاہد ہے کہ آپ کے اقوال۔ احکام۔ الہی کے مطابق۔ اور افعال۔ منشا ایزدی کے موافق ہیں۔ اس لئے آپ کا جانشینی کے واسطے کسی کو نامزد نہ کرنا۔ اس کی عین دلیل ہے کہ خلیفہ ہونا۔ اور خلیفہ کرنا۔ نہ مذکور

شرط لازمی ہے۔ اور نہ جناب باری جل جلالہ کا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً فرمانا۔
بندوں کے واسطے بمنزلہ امر حکم قطعی ہے

علیٰ ہذا لائق مولف کا یہ طبع زاد مضمون بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے قابل دید ہے
کہ خلیفۃ اللہ اور خلیفۃ المشائخ جو صدہا سال سے مختلف احوال سمجھے جاتے تھے۔ ان
کو موصوف کی فطرتی ذہانت نے ایک صف میں اور ایک حیثیت سے کھڑا کر دیا۔ اور
بغیر کسی پس و پیش کے لکھ دیا کہ خلفاء شریعت اور خلفاء طریقت کے صفات ایک ہیں۔

مولف موصوف نے ہر دو خلافت کے رُخ سے۔ فرق و امتیاز کا حقیقی پردہ اس واسطے
اٹھا دیا۔ اور محققین ماسلف کی قائم کردہ لفظی اور معنوی تفریق کو متحد کرنے سے یہ فائدہ
حاصل کرنا چاہا تھا کہ خلافت مشائخین بھی کسی طرح اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً
کے تحت میں آجائے۔ تاکہ خلافت انبیاء کو جس طرح شرط لازمی کہہ چکا ہوں۔ اسی طرح
خلافت صوفیہ کو بھی قطعی کہنے کا موقع مل جائے۔

یا مولف موصوف کو اپنی سادہ مزاجی کے لحاظ سے یہ معاملہ ہوا کہ ہر دو جماعت
کے نام نامی کے ساتھ لفظ خلیفہ کو یکساں متعمل ہوتے دیکھا۔ تو شاید یہ خیال ہوا ہو کہ
جس طرح دونوں کا خطاب ایک ہے۔ اسی طرح بالمعنی بھی حیثیت دونوں کو یکساں ہوگی
اس لئے آپ کی چشم وحدت میں نے دوئی کا حجاب اٹھا دیا۔ اور دونوں خلافتوں کو بمفہوم
واحد حضرت احدیت جل جلالہ کا خلیفہ سمجھنے کی ترغیب فرمائی۔

اس اعتبار سے تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بڑی خیریت ہوئی کہ مولف مدوح نے حکمران بنی
عباسیہ کے خطاب حکومت کی جانب توجہ نہیں فرمائی۔ ورنہ ان کے ناموں کے ساتھ لفظ خلافت
کو ضم دیکھتے۔ تو بےید نہ تھا کہ اس کو تیسری خلافت سمجھ کر۔ پہلی دونوں خلافتوں میں شریک کر دیتے
اور فرماتے کہ ہر سہ خلافت کی ایک شان ہے۔ تو قدیم مقولہ التَّوْحِيدُ فِي التَّلْبِيَةِ وَ التَّلْبِيَةُ فِي التَّوْحِيدِ
کا مضمون ہو جاتا۔

علاوہ اس کے ہندوستان میں بعض پیشہ وروں کو عرف عام میں خلیفہ کہتے ہیں لیکن مولف موصوف کو مضمون آرائی کے وقت اگر اس عرفیت کا خیال آجاتا۔ تو قرینہ یہ کہتا ہے کہ ان اقوام اہل حرفہ کو بھی آپ کسی بنی یا ولی کا جانشین ضرور فرماتے۔ اور دلیل یہ پیش کرتے کہ اگر خلافت اور سجادگی لازمی نہ ہوتی تو ان فرقوں میں نسلاً بعد نسل باپ کے بعد۔ بیٹا خلیفہ کے خطاب پر نامزد نہ ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ لفظ خلیفہ کی مشارکت سے۔ مولف نے مقرہین بارگاہ احدیت کی ہر درجات کے مدارج و مراتب کو متحد اور مساوی سمجھا۔ اور حمایت سجادگی کے انہماک میں خلیفۃ اللہ اور خلیفۃ المشائخ کی واضح اور بین تفاوت کو حقیقت کی عینک سے نہیں دیکھا۔ اور آنکھ بند کر کے لکھ دیا کہ دونوں خلافتوں کی ایک شان ہے

حالانکہ طبقہ اسلام میں شریعت اور طریقت کا نام ایسا مشہور اور زبان زد ہے جس کے فرق امتیازی سے عام مسلمان واقف ہیں۔ اور معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ خلافت آدم علیہ السلام کے درجات و مقامات اور ہیں۔ اور خلفائے مشائخین رحمہم اللہ کے صفات اور خدمات اور ہیں۔ وہ خلافت ضمیمہ رسالت ہے اور یہ خلافت شعبہ ولایت ہے وہ انبیاء کے جانشین۔ اور یہ اصفیاء کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ اور دونوں جماعتوں کے پدایات اور تعلیمات میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

چنانچہ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا اتفاق ہے کہ خلیفۃ اللہ۔ شریعت کی احکام ظاہری کا مبلغ ہوتا ہے۔ اور خلیفۃ المشائخ۔ اخلاق باطنی کا معلم ہوتا ہے۔ خلیفۃ اللہ کی تعلیم سے اقوال و افعال شائستہ ہوتے ہیں۔ اور خلیفۃ المشائخ کی تربیت سے خیال نچتہ اور احوال صحیح ہوتے ہیں۔ خلفائے شریعت کی تعلیم کا فائدہ متعلم کی ذہانت اور حافظہ پر منحصر ہے۔ اور متعلمین طریقت کی کامیابی مرشد کامل کی توجہ اور تصرف پر موقوف ہے۔ خلیفۃ اللہ کی تعلیم زبانی ہوتی ہے۔ اور خلیفۃ المشائخ کی تفہیم روحانی ہوتی ہے۔ وہ تعلیم کتابی ہے۔ ج

صفات ظاہری کو درست کرتی ہے۔ اور یہ تربیت قلبی ہے۔ جس سے روحانیت میں اضافہ اور محبت الہی میں روز افزوں ترنی ہوتی ہے۔

اسی طرح دونوں کی تعلیم و تربیت کے اثرات بھی جداگانہ ہوتے ہیں۔ اس کا معلم حقائق دین کی معلومات کے ساتھ دینی معاملات اور ضروریات کا بھی انصرام کرتا ہے اور اس کا معلم خیال یا دین و دنیا سے دست بردار ہو کر زبان حال سے کہتا ہے۔

ماقیماں کوئے ولد ارم رُخ بدنیسا و دیں نئی آرم
علم شریعت کا اہل فارغ التحصیل۔ حور و قصور کا مستحق ہوتا ہے۔ اور طریقت کا کامل یقین سا
تجلی انوار شاہد مطلق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور حیات ابدی پاتا ہے۔ بقول

ہرگز نیر و آنکہ دلش زندہ شد عشق ثبت است بر جریدہ عالم و و ام ما
علی ہذا۔ ہادی شریعت اور رہنمائے طریقت کے طرز ہدایات میں بھی کافی تفریق ہے۔

خلیفۃ اللہ خاص و عام کی تبلیغ کے واسطے مامور ہوتے ہیں۔ اور خلفائے صوفیہ صرف طالبان

حق کی رہنمائی کرتے ہیں۔ خلیفۃ اللہ۔ چونکہ ہدایت عام کا علم بردار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا

منصب یہ ہے کہ منکرین کے گھروں پر۔ ان کی عبادت گاہوں میں۔ ان کے مذہبی جلسوں

میں جا کر وحدانیت کی تبلیغ کرتا ہے۔ اور خلیفۃ المشائخ اپنی خانقاہ کے گوشہ عزت میں

بیٹھ کر ان مخصوص۔ اہل صدق و خلوص کی تربیت فرماتا ہے۔ جو طلب الہی میں اپنے گھروں

کی راحت و عافیت چھوڑ کر آتے ہیں۔ اور زائد انہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

غرض انہیں چند تمثیلوں سے خلیفۃ اللہ اور خلیفۃ المشائخ کے درجات و خدمات

میں جو نمایاں طور پر فصل اور تفرقہ دکھایا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ جس طرح خلفائے

شریعت اور خلفائے طریقت کی نسبت میں صریح تفریق ہے۔ اسی طرح دونوں کی تعلیم و

تربیت بھی جداگانہ ہے۔ اور مولف موصوف کا وہ طولانی استدلال جس سے وہ دونوں

کی ایک شان اور ایک تعریف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ نقش بر آب سے زیادہ وقت

نہیں رکھتا۔ بجز اس مناسبت کے کہ عہدِ خلافت انبیاء غیر قطعی ہے۔ ویسی خلافت مشائخین بھی لازمی نہیں ہے۔

اسی کے ساتھ مولف موصوف نے اپنے استدلال کو دقیق اور مدلل کرنے کے واسطے بعض اہل سلسلہ حضرات صوفیہ کے سطحی حالات لکھ کر شجرہ قادریہ و چشتیہ۔ شاید اس خیال سے نقل فرمایا ہے کہ خلافت اور جانشینی کو علی تسلسل دیکھ کر محدود النظر قارئین کو یہ شبہ ہو کہ ایسے ایسے مشاہیر صوفیہ جب کہ خود بھی خلیفہ تھے۔ اور انہوں نے اپنا خلیفہ اور جانشین بھی کیا ہے۔ تو خلافت لازمی ہوتی ہے۔

لیکن اوپر نگارش کر چکا ہوں کہ خلافت حضرات مشائخین نہایت مستحسن ہے۔ اور سلاسل صوفیہ بجائے خود بہت صحیح ہیں۔ اور اس کا بھی اعتراف ہے کہ وہ خدادیدہ بزرگ اپنے رہنمائے کامل کے خلیفہ تھے۔ اور ان کے جو خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ وہ بھی برسرِ حق تھے۔ مگر خلافت اور جانشینی کا لازمی اور قطعی ہونا۔ نہ تصانیف حضرات صوفیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ نہ آپس کے اس مطول استدلال سے۔ کیونکہ اس کا بھی حوالہ دے چکا ہوں کہ بعض ایسے جلیل القدر اولیائے عظام گزرے ہیں جن کی عظمت و جلالت کا ارباب شریعت اور اصحاب طریقت کو اعتراف ہے۔ مگر انہوں نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں کیا۔ بلکہ اپنے مسلک میں شرب کے اعتبار سے خلافت اور جانشینی کو غیر ضروری تصور فرمایا۔ پس اگر خلیفہ اور جانشین کرنا لازماً اور واجبات سے ہوتا۔ تو وہ بزرگ زیدہ حق ایسا نہ کرتے۔

بلکہ خلیفہ کرنا اگر قطعی ہوتا۔ اور ان حضرات سے عہد انہیں۔ سہواً بھی اگر اس کا ترک وقوع پذیر ہوتا تو ضرور تھا کہ ان کے ہم عصر مشائخین ان کی اس فروگزاشت کا کم سے کم اسے تعجب ہی کے بوجہ میں ذکر کرتے۔ مگر ایسا بھی نہیں ہوا۔

بلکہ برخلاف اس کے بڑے بڑے ذی مرتبت۔ ارباب طریقت نے۔ انہیں تا کہین خلافت کو اپنا مرشد اور رہنما سمجھا۔ اور ان کے تقدس کا کمال ارادت ذکر کیا۔ اور کرتے ہیں

اور ان کی روحانیت سے مستفیض ہوتے۔ اور ہوتے ہیں۔ اور فخر و مباہات کے ساتھ فرمایا اور فرماتے ہیں کہ ہم بطریق اولیہ مستفید اور داخل سلسلہ ہوئے۔

قطع نظر اس کے۔ میں تو یہ عرض کروں گا کہ ان مشہور تارکینِ خلافت کے علاوہ جن کے نام نامی کتب سیر میں جلی قلم سے مسطور ہیں۔ اگر بہ نگاہ تامل دیکھا جائے تو مشائخینِ عظام کے ان مخصوص سلسلوں میں جو خلافت اور جانشینی کے مدد و معاون ہیں۔ ایسے حضرات کے اسمائے گرامی بکثرت نظر آتے ہیں۔ جن کو اپنا خلیفہ اور جانشین کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ پس اگر خلیفہ کرنا لازماً سے ہوتا۔ تو نہ ان حضرات سے یہ فروگزاشت ہوتی۔ اور اگر ہوتی۔ تو ان کے اخوانِ ملت۔ ضرور معترض ہوتے۔ مگر ایسا بھی نہیں ہوا۔ ورنہ قصصِ صوفیہ میں اس کا ذکر ہوتا۔ مگر برخلاف اس کے دیکھتے یہ ہیں کہ ان تارکینِ خلافت کا ہنوز وہی وقار و اقتدار قائم ہے۔ جو ایک برگزیدہ خدا صوفی کا ہونا چاہیے کہ حامیانِ خلافت ان کے اقوال و افعال سے استنباط کرتے ہیں۔

یہ واقعات عین دلیل ہیں کہ طبقاتِ صوفیہ میں خلیفہ کرنا لازمی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر خلافت قطعاً سمجھی جاتی۔ تو یہ حق پرست گروہ کبھی۔ اور کسی حالت میں۔ تارکین اور نفعینِ خلافت کی اتباع نہ کرتا۔ اور ان کو برسرِ حق نہ سمجھتا۔

مگر خلیفہ کرنے۔ اور نہ کرنے کا بظاہر یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ حضراتِ صوفیائے کرام کا مسلک۔ ان کے احوال کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اور ان کے خیالات و معاملات اسی نسبت سے ہوتے ہیں جو مسلک کا اقتضار ہوتا ہے۔ اور اقسامِ احوال۔ لائقین ہیں۔ اس لئے ان کے مشربی۔ مگر فروعی۔ معاملات میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن اس بیرونی اختلاف سے۔ ان کے اندرونی اتحاد و وحدت نہیں پہنچتا۔ گوروش جداگانہ ضرور ہوتی ہے۔ لیکن ان کے خیالات کا نتیجہ آخر چونکہ ایک ہوتا ہے۔ اس واسطے حقیقی اتحاد کی مستحکم بنیاد۔ فروعیات کے تغیرات سے متزلزل نہیں ہوتی۔

مثلاً طریقہ بیعت کو دیکھا جائے۔ تو چودہ خانوادوں کے خیالات متحد ہونا تو محالات سے ہے۔ صرف دو خانوادوں میں بھی۔ بشرتی رسومات ایک صورت سے رائج ہوں نظر نہیں آتا۔ کیونکہ ایک سلسلہ میں بیعت کے وقت اگر کلاہ پوشی کا دستور ہے۔ تو دوسرے سلسلہ میں اس کا ذکر بھی نہیں۔ بلکہ دیگر مشائخین اس کو غیر ضروری جانتے ہیں۔

کسی سلسلہ میں پہنگام بیعت جامِ نوشی کا طریقہ لازماً سے گردانا ہے۔ مگر دوسرے خاندان کے رہنماؤں نے اس کو بے ضرورت متصور فرمایا ہے۔ لیکن بجائے جامِ نوشی کے اس گروہ میں کوئی دوسرا رسم ایسا مروج ہے جو پہلے سلسلہ میں نہیں ہے۔

حتیٰ کہ بعض مراسم مروجہ ایسے بھی ہیں جن کا ادا کرنا اگر ایک سلسلہ میں مستحسن قرار دیا گیا۔ تو دوسرا گروہ ان کو مکروہ یا ممنوع جانتا ہے۔ جیسا کہ ایک سلسلہ میں بیعت کی وقت چہار ابرو کی موتراشی بکمال اہتمام کی جاتی ہے۔ مگر دوسرے سلسلہ میں اس کا وجود بھی نہیں۔ بلکہ بعض مشائخین نے اس کا ذکر بالاکراہ کیا ہے۔ اور بعض طبقات میں یہ فعل صریح ممنوع ہے۔

اسی طرح برغبت۔ سماعت سماع کا مسئلہ ہے کہ ایک مقدس اور ممتاز گروہ اس کو غذائے روحی۔ اور بمنزلہ عبادت کے جانتا ہے۔ اور دوسری خدا پرست جماعت۔ حرمت سماع کی قائل ہے۔ بقول صحیح بہین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

یہی تفرقہ خیالات۔ لباس۔ اور لباس کے رنگ میں ہے۔ یہی صورت طرز معاشرت میں دکھائی دیتی ہے کہ بعض نے ترویج کو بہتر جانتا ہے۔ بعض نے تجرید کو افضل فرمایا ہے۔ بعض بمصداق "دل یہ یار دست بکار" زندگی بسر کرتے ہیں۔ بعض تعلقات موجودات سے انقطاع قطعی کو مفید سمجھتے ہیں۔

لیکن باوجود ایسے ایسے قوی اور متضاد اختلاف کے۔ عمل ہر دو فریق کا یہ ہے کہ ایک دوسرے کے تصرفات سے استفادہ کرتا ہے۔ چنانچہ دیکھتے ہیں کہ اکثر بزرگان

نقشبند۔ خواجگان چشت کے فیضان باطنی سے مستفیض ہوئے۔ جیسے کہ شاہ سید ابوالعلا صاحب نقشبندی۔ اکبر آبادی۔ علیہ الرحمۃ حضرت غریب نواز۔ خواجہ اجیری قدس سرہ العزیز کے فیضان باطنی سے مستفیض ہوئے۔

علیٰ ہذا ایسی مثالیں متعدد ہیں۔ کہ باوجود ظاہری اختلاف کے۔ صوفیائے کرام میں کامل مساوات ہے۔ اور بجائے افتراق کے۔ باہمی اتحاد اور اتفاق ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ اصول جملہ حضرات کا ایک ہے۔ اور چونکہ رسوم خاص اور مسائل فرعیہ کی حیثیت ہمیشہ عارضی اور شخصی ہوا کرتی ہے۔ اس واسطے وہ داخل اصول نہیں سمجھتے جاتے۔ اسی وجہ سے ان کی تفریق پر کوئی فریق خیال نہیں کرتا۔ اور جو رسوم جس سلسلہ میں مقرر اور معین ہیں۔ ان کے جواز۔ اور عدم جواز پر دوسرے سلسلہ کے شیوخ بھی اس اہمیت کے لحاظ سے اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ وہ قائم کردہ ان عدیم النظیر سنیوں کے ہیں۔ جن کے تبحر اور تقدس کا جملہ حضرات صوفیہ کو اعتراف ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان رسوم کا تعین بنجیال حقانیت ہوا ہے۔ نہ بچہت نفسانیت۔

اسی قبیل سے خلافت اور جانشینی کا مسئلہ ہے۔ کہ رفیع المرتبت ارباب طریقت نے بقائے سلسلہ اور ہدایت عامہ کے واسطے خلیفہ اور قائم مقام بنانا اختیار کیا۔ اور اپنے وسیع علم کا خلاصہ ایسے آسان اور عام فہم الفاظ میں کیا۔ جو منازل سیر سلوک طے کرنے میں۔ طالبین راہ حق کے واسطے کافی توشہ ہے۔

اور چونکہ یہ طریقہ اظہار حق۔ اور مفاد خلق سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے مشائخین نے اس کو سخن سمجھا۔ اور اس پر عمل بھی کیا۔ اور بوساطت خلفاء مختلف مقامات پر ان کے علم کی تعلیم و تربیت بھی ہونے لگی۔

لیکن حضرات عاشقین نے اسوجہ سے خلافت کو غیر ضروری تصور فرمایا۔ کہ ان کا خدا واد علم بندوں کی تعلیم سے قطعاً بے نیاز تھا۔ کیونکہ جملہ حضرات صوفیہ کا اتفاق ہے کہ

عشق اکتساب سے معرا اور عنایت وہی پر موقوف ہے۔ اور ان کے اس خیال کو دیگر صوفیائے کرام نے اعتراض کی نظر سے اس لئے نہیں دیکھا کہ خلافت اور جانشینی بمنزلہ وجوب اور فرضیت کے نہ تھی۔ ہمیشہ سے اس کی حیثیت غیر قطعی رہی۔ کہ حضرت رب العزت نے آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ کا خطاب ضرور مرحمت فرمایا۔ مگر بنی آدم کو اس کی تقلید کرنے کا مور نہیں فرمایا۔

اسی طرح انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے عہد میں بھی خلافت کی یہی صورت رہی کہ بعض نے یہ نظر فہم غلط اپنے اس بیٹے کو جو خود بنی تھا۔ یا بعد ان کے بنی ہونے والا تھا۔ اپنا قائم مقام کیا۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام نے شیث علیہ السلام کو ہدایت خلق کے واسطے اپنا جانشین کیا۔

اور بعض نے اپنی ضرورت کے وقت عارضی طور پر استخلاف کیا جس کو قطعیت ہی کوئی واسطہ نہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام جب ایک مدت معینہ کے واسطے کوہ طور پر جانے لگے۔ تو امت کی نگرانی کے لئے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی عدم موجودگی تک کے واسطے اپنا قائم مقام بنایا۔

اور زیادہ تعداد ان انبیاء و مرسلین کی ہے۔ جنہوں نے ضرورت کے وقت بھی اپنا خلیفہ اور جانشین کسی کو نہیں بنایا۔ یہ جملہ واقعات عدم وجوب خلافت کے شاہد صادق ہیں۔ علیؑ ہذا۔ عہد حضرت ختم الرسالت کے بعد جب بجز ارباب ولایت کے خلق کا کوئی ہادی نہ رہا۔ تو ایک طرف علمائے کرام نے احادیث نبوی سے استنباط فرما کر خلق کی ہدایت کے واسطے دستور العمل بنایا۔ اور دوسری طرف اصحاب طریقت نے قدیم طریقہ پر خلافت کی بنیاد قائم فرمائی۔ اور چونکہ خلافت شریعت خود غیر قطعی تھی۔ اس وجہ سے خلافت طریقت کی حیثیت غیر قطعی رہی۔ جس مقدارے خلق نے مفید سمجھا۔ اس نے اپنا خلیفہ بھی کیا اور جانشین بھی۔ اور جس کو غیر ضروری ثابت ہوئی۔ اس کا نہ کوئی خلیفہ ہوا نہ جانشین۔ اور ہر دو جماعت میں

کوئی کسی کے فعل پر معترض بھی نہیں ہوا۔ اسی اعتبار سے ہمارے حضور قبلہ عالم نے اپنے اراد مندوں کو سجدایا کہ چونکہ ہمارا شرب عین عشق ہے۔ اسی لئے ہمارا کوئی خلیفہ ہے نہ جانشین۔ لیکن مولف موصوف کے طبع زاد اجتہاد کا یہ کارنامہ۔ اس بازگیر کے تماشے سے کم تعجب خیر نہیں ہے۔ جو برس عام اپنی تیز دستی سے کبھی ایک روپیہ کے دو روپیہ۔ اور کبھی دو کا ایک روپیہ بنا کر لڑکوں کو متحر کرتا ہے۔

حالانکہ اصل اس شعبہ کی صرف اس کے ہاتھوں کی صفائی ہوتی ہے۔ اور فی الحقیقت وہ چالاک دست نہ ایک روپیہ کے دو بناتا ہے۔ اور نہ دو کا ایک بنا ہوتا ہے۔ وہی مضمون مولف کی بے بنیاد معلومات کا ہے۔ کہ کبھی تو نص قرآن کے حوالہ سے جو خوب خلافت کو خود ساختہ اور غیر مربوط استدلال سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور کبھی متضاد حیثیت کی دو خلافتوں کو۔ ایک نو ایجاد سانچے میں ڈھال کر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں۔ درحقیقت ایک ہیں۔ اس واسطے یہ کہنا ہے محل نہ ہوگا کہ آپ کی ذہانت کا یہ کرشمہ، بازگیر کی چالاک دستی کی طرح نقش بر آب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ لائق مولف کا وہ فلسفہ بھی قابل دید ہے۔ جو رہنمائے کامل کے حکم امتناع سجادگی کی تقید اور تردید سے تعلق رکھتا ہے۔ خصوصاً اس کی انشا پر داری کا مطالعہ تو دلچسپی سے غالی ہو ہی نہیں سکتا۔

چنانچہ مولف مدوح نے پہلے باوجود اس گہرے اختلاف کے۔ بہمال فصاحت بعقیدہ منداہم میں اس کی شہادت دی ہے کہ حضور قبلہ عالم کا حکم امتناع جانشینی صا ورفرمانا صحیح ہے۔ اور اپنی کتاب میں چند مقامات پر۔ اس فرمان و ارثی کا۔ نہایت کشادہ پیشانی سے ذکر بھی کیا۔ بلکہ باب ارشادات صفحہ ۸۹ میں سرکار عالم پناہ کا یہ ملفوظ حرف بحرف نقل کیا کہ ”منزل عشق میں خلافت نہیں۔ اسی لئے ہمارا کوئی خلیفہ نہیں ہے۔“

بلکہ فاضل مولف کی تحریر سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے والد بزرگوار نے بھی یہ

زمان قطعی سرکار عالم پناہ کی زبان مبارک سے سنا تھا۔ چنانچہ مولف نے صفحہ ۶۳ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ظہور اشرف صاحب ساکن امیٹھی ضلع لکھنؤ نے شہرت کی کہ ہم کو حضرت سلطان اولیاء نے اپنا خلیفہ بنایا۔ اور حکم دیا کہ تم ہمارے خلیفہ ہو۔ شدہ شدہ یہ خبر موضع گدیہ ضلع بارہ بنکی میں پہنچی۔ اس وقت والد ماجد مولف اور محمد امین الدین صاحب رئیس گدیہ واسطے دریافت کرنے اس خبر کے حضرت "سلطان الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت صاحب سے کہا کہ حضور نے ظہور اشرف صاحب کو "خلیفہ بنایا۔ یہ سن کر ہم لوگ آئے ہیں کہ حضور سے دریافت کریں حضرت نے فرمایا کہ ہمارے یہاں عشق ہے "خلافت نہیں ہے۔ کیا تم پیر زادے ہیں۔"

لائق مولف نے اپنے والد مرحوم کی یہ شہادت قلمبند فرما کر حضور قبلہ عالم کے حکم قطعی کی صحت و صداقت کا خود بھی اقرار کیا۔ اور اس واقعہ کے تحت میں لکھ دیا کہ آپ فرمانا صحیح ہے۔ اور مولف کو اس امر کی کناحقہ تصدیق ہے۔

لہذا حضور قبلہ عالم کا مسترشدین کے حق میں یہ حکم صادر فرمانے کا علم مولف اور مولف کے پدربزرگوار کو ہونا۔ جب کہ ثابت ہو گیا۔ تو بظاہر اب کسی بحث کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جس طرح لائق مولف کو اس ملفوظ قطعی کا علم تھا۔ اسی طرح بارگاہ مبارک فیاض سے توفیق نہایت مرحمت ہوئی تھی۔ اور یہ مسلمہ ہے کہ علم بے عمل فائدہ سے خالی اور نقصان سے معمور ہوتا ہے جیسا کہ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

علم چوں بر دل زندیا سے بود علم چوں بر تن زندمارے بود

اس لئے اقرار کامل کے بعد مولف موصوف کو پھر سجادہ پرستی کا جوش ہوا اور پیشوایہ برحق کے حکم امتناع سجادگی کے با محاورہ الفاظ کی۔ بعنوان تردید۔ ایسی بے محل تاویل کی۔ جس نے خراب اثر مرید کے ایمان و ایقان کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ اور اس کی تلافی بہت دشوار ہو۔ یعنی مولف نے کسی مصلحت سے اقرار تو کر لیا تھا کہ آپ کا فرمانا صحیح ہے۔ اور مولف

لو اس امر کی کما حقہ تصدیق ہے۔ لیکن آپ کی یہ تصدیق بالقلب نہ تھی۔ بلکہ بظاہر باللسان! اور درحقیقت عارضی اور وقتی تھی۔ کیونکہ جس سطر میں یہ مصنوعی اور مشکوک تصدیق مسطور ہے اسی سطر میں بلکہ لفظ تصدیق کے بعد ہی آپ لکھتے ہیں: مگر یہ الفاظ خلافت اور جانشینی کے جو زبان مبارک سے حضرت سلطان الاولیا کے برآمد ہوئے۔ خالی از اسرار نہ تھے۔“

لفظ اسرار کی تصریح | لہذا موصوف کے منززل خیال میں چونکہ یقین کی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے آپ کے خدشات قلب کی ترجمانی۔ آپ کی زبان نے کی۔ اور حضور قبلہ عالم کے حکم امتناع سجادگی کو پر اسرار کہدیا جس کو دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ لفظ اسرار کے پردہ میں اس ارشاد کی تعمیل سے آپ نے صریح انکار فرمایا۔

اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس کی صراحت کروں کہ دنیا کے علم میں لفظ اسرار کی تعریف کیا ہے۔ پھر یہ نظر تامل یہ دیکھا جائے کہ جس سلیس عبارت کو لائق مولف نے اسرار سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی کسی لفظ یا حرف یا معنی یا مفہوم پر اسرار کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ کتب لغات شاہد ہیں کہ لفظ اسرار جمع سر کے معنی راز اور استتار کے ہیں۔ اور آج تک عرب اور عجم اور ہندوستان کے۔ بلحا۔ فصحا۔ شعرا نے اپنی تحریروں میں۔ خواہ وہ نظم ہوں خواہ نثر۔ لفظ اسرار کے معنی راز مخفی اور مستتر کے اختیار کئے ہیں۔ بلکہ اصطلاحاً بھی کسی نے۔ اسرار کو بجز رموز و اخفا کے دوسرے معنوں میں نہیں استعمال کیا ہے۔ اور میرے خیال میں لفظ اسرار کی۔ شاید اس سے زیادہ تشریح و تصریح کی ضرورت اس واسطے بھی نہیں معلوم ہوتی کہ اسرار کو عربی زبان کی ایک لفظ ہے۔ مگر اس قدر مشہور خلق کہ ہر ایک اردو داں بھی یہ جانتا ہے کہ اسرار کے معنی بھیدا اور پوشیدہ رکھنے والی بات کے ہیں علیٰ ہذا خصوصیات اسرار میں سے ایک مشہور اور مخصوص اسرار کا خاصہ یہ ہے کہ اسرار کا محل اظہار عموماً خلوت میں ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے اسرار ہمیشہ ان مخصوص جلسوں یا ہم مذاق اور ہم مشربوں سے بیان کیا جاتا ہے جن کو مخلص اور محب اور امین سمجھتے ہیں۔ اور اظہار

اسرار میں اس کی بھی احتیاط کی جاتی ہے کہ اغیار کے گوش گزار نہ ہو۔

خصوصاً ارباب طریقت تو اپنے مشربی اسرار کا اس قدر اخفا اور استتار فرماتے ہیں کہ مسترشدین سے ان کی یافت اور استعداد کے مطابق گوشہ تہائی میں بیان کرتے ہیں۔ اس واسطے اس فرمودہ مرشد کو علم سینہ کہتے ہیں یعنی مخفی اور پوشیدہ رکھنے والی بات۔ جس کو سفینہ سے تعلق نہیں ہوتا۔

اب انصاف کی عینک سے یہ دیکھا جائے کہ ”اسرار“ کے ان صفات اور تعریفات کو حضور قبلہ عالم کے الفاظ حکم امتناع سجادگی سے کیا مناسبت ہے۔ اور آپ کے اس فرمان قطعی کے کسی حرف پر بھی اسرار کا شبہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس واسطے کہ اسرار کا اظہار عموماً خلوت میں ہوتا ہے۔ اور سرکار عالم پناہ نے یار و اغیار، مریدین وغیر مریدین کے سامنے بلا تکلف اور بغیر کسی احتیاط کے متواتر فرمایا کہ ”ہمارا مشرب عشق ہے۔ اس لئے کوئی ہمارا اخلیہ نہیں۔ جو محبت کرے وہ ہمارا ہے۔“

علی ہذا یہ بھی مسلمہ ہے کہ رازان مخصوص لوگوں سے بیان کیا جاتا ہے۔ جو اس کی سماعت کے اہل ہوتے ہیں۔ اور حضور قبلہ عالم نے بغیر تخصیص حیثیت و استعداد۔ اور بلا قید قوم اور ملت۔ بلکہ عوام اور خواص کے مجمع میں عام طور پر۔ علی الاعلان فرمایا کہ ”مشرب عشق ہیں جانشین نہیں ہے۔“

حتیٰ کہ حکیم صفدر علی صاحب ایسے مرید کے سامنے بھی۔ جو آج اسی فرمان کی تردید کے واسطے کمر بستہ کھڑے ہوئے ہیں۔ حضور نے بے تکلف فرمایا کہ ”ہمارا مشرب عشق ہے۔ کوئی ہمارا جانشین نہیں۔“

غرض اسرار کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کسی عنوان سے حضور قبلہ عالم کے حکم امتناع سجادگی پر صادق نہیں آتی۔ اور نہ اس با محاورہ عبارت کے کسی حرف کو مقطعات سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

بلکہ اس مشہور کلیہ سے کہ اسرارِ درجِ سفینہ نہیں ہوتا حضور کے حکمِ قطعی کی شان بالکل جداگانہ ہے۔ کیونکہ آپ کا فرمان امتناع سجادگی تو پہلے حسب ارشادِ سرکارِ عالم پناہ ضبط تحریر میں آیا۔ پھر مصنفین نے اپنی تصنیفات میں لکھا۔ اور وہ چھپر شائع ہوا۔ بعدہ مولفین سیرت وارفی نے لہجہ صراحت تحریر کیا۔ یہاں تک کہ ہمارے مخاطب مولفِ جلوہ وارث نے اپنی اسی کتاب میں چند مقامات پر نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا ”ہمارے یہاں عشق ہے خلافت نہیں ہے“ اور آخر میں اس فرمانِ قطعی کو صاحبِ جوڈیشل کمشنر بہادر لکھنؤ نے اپنے فیصلہ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۱۷ء میں لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ”اس ولی کا خاص اصول عشقِ آلہی کی ہدایت تھی۔ اور یہ محبت ایسی خاص اور پاک ترین قسم کی تھی۔ کہ یہ محبت انسان کو خدا سے متحد کر دیتی تھی۔ حاجی صاحب نے فرمایا ہے کہ جو کوئی محبت کرے وہ ہمارا ہے۔ خواہ وہ چار سو یا خاکروب۔۔۔۔۔ عدالت کے نزدیک یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ حاجی صاحب نے اپنی حیات میں اکثر موقعوں پر۔ زور کے ساتھ اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ ان کے بعد۔ ان کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

الحاصل خصوصیات اسرار کو بھی حضور کے حکمِ قطعی سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ لائقِ مولف کی ارادت و عقیدت پر حمایت سجادگی کا اثر ایسا غالب تھا کہ موصوف نے دیانت اور انصاف کے خلاف یہ لکھ دیا کہ خلافت و جانشینی کے الفاظ خالی از اسرار نہ تھے۔ اور اس سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ مولف موصوف نے تعمیل حکمِ امتناعی سے روگردانی کرنے میں حضور قبلہ عالم کے حکمِ قطعی کے الفاظِ سلیس کو صرف پر اسرار ہی کہنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اپنی اس غیر مربوط تاویل کی تائید میں ایک فاضلانہ دلیل پیش فرمائی ہے جس سے رہنمائے کامل کی اس ہدایت کو غلط اور خلاف مذہب و مشرب ثابت کرنا آپ کو مقصود ہے۔

چنانچہ اسی سلسلہ میں آپ لکھتے ہیں کہ ”اگر یہ الفاظ خالی از اسرار ہوتے تو ہرگز اللہ تعالیٰ منزلِ عشق اور درجہ خلافت کو اپنی ذاتِ خاص پر مقدم نہ کرتا۔ اور عالمِ ناسوت میں اس کا

اظہار نہ کرتا۔ اور اس منزل عشق و خلافت کا ذکر اپنے کلام پاک میں نہ فرماتا۔ اور اپنے حبیب
محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی محبت کا اظہار اسی کلام میں نہ فرماتا۔ اور دیگر انبیاء مرسلین سے بھی
اس کا ذکر نہ فرماتا۔ اور یہ عشق و خلافت بزرگان دین کے خاندانوں میں جاری و قائم نہ ہوتا۔
پس معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ خلافت قائم کردہ حضرت رب العزت بل شانہ و عزیز ہائے ہے۔ جس
پر خود کلام پاک شاہد ہے۔ لہذا یہ طریقہ قیامت تک جاری رہے گا۔

لائق مؤلف کا یہ عجیب و غریب فلسفہ بھی اپنی نظر آپ ہے۔ حالانکہ ارباب علم کلام کے
بحث اکثر نے اور دیکھا بھی کہ وہ حضرات مسئلہ زیر بحث کی وضاحت اس خوبی سے فرماتے
ہیں کہ اس کی صحت اور عدم صحت مشکف ہو جاتی ہے۔ مگر موصوف کی اس خانہ ساز منطق کے
دلائل اس قدر دقیق اور پیچیدہ ہیں۔ جن کا مفہوم سمجھنا اور مقصود سے واقف ہونا۔ بجز مؤلف
کے دوسرے شخص کو بہت دشوار ہے۔ اس لئے میرا یہ خیال ہے کہ نہایت مناسب اور
عانت موزوں ہوتا۔ اگر مدوح الشان اپنی اس وسیع المعنی اور مغلق عبارت کی صفت میں یہ
فرماتے کہ اس استدلال کے یہ بلیغ جملے خالی از اسرار نہیں ہیں۔ تو پہلا شخص جو اس کا اعتراف
کرتا۔ وہ میں ہوتا۔

بہر کیف۔ عالی خیال مؤلف کے پیش کردہ استدلال کی عدیم النظیر انشا پر داری پر اس
اعتبار سے تبصرہ نہ کروں گا کہ یہ تنقید مسئلہ زیر گفتگو سے بے تعلق ہوگی اور ذکر خارج عن
طوالت وہی میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن اس قدر ضرور عرض کروں گا کہ اس بے محل منطق نے
جناب کے تبحر کی حیثیت۔ اور تقدس کی حقیقت کا انشس فی نصف النہار۔ ہویدا اور آشکارا کر دیا۔
کیونکہ تبحر و تحقیق کا شیرازہ تو اس وجہ سے منتشر ہو گیا کہ حضور قبلہ عالم کی ہدایت عام کے
باجاورہ الفاظ کو پہلے مؤلف نے یہ فرمایا کہ ”یہ خالی از اسرار نہ تھے“ پھر اس کی دلیل میں یہ ججس
پیش کی کہ ”اگر (وہ الفاظ) خالی از اسرار ہوتے۔ تو ہرگز اللہ تعالیٰ منزل عشق اور درجہ خلافت
کو اپنی ذات خاص پر مقدم نہ کرتا۔ اور اس منزل عشق کا ذکر اپنے کلام پاک میں نہ کرتا۔ او

اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اظہار اسی کلام پاک میں فرماتا
 اس پوری عبارت کو بار بار پڑھنے کے بعد بھی یہ سمجھیں نہیں آیا کہ ان جملوں کا مفہوم
 کیا ہے اور اس غیر مربوط استدلال سے موصوف کو فائدہ کیا ہوا۔ اور یہ بھی دریافت کرنا چاہتا
 ہوں کہ اس چھ سات سطروں کی عبارت میں وہ قابل قدر جملہ کون ہے جس نے ملفوظ وارثی
 کی عبارت قطعی کو پراسرار ثابت کر دیا۔

بلکہ انداز بحث سے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ”من چہ می سرایم۔ و ظنورہ من چہ می سراید“
 کا مضمون ہے کہ مولف کے پیش کردہ دلائل کو مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ اور
 بفرض محال ان جملوں کے معنی اور مفہوم کو اگر بالکل صحیح مان لیا جائے۔ تو بھی یہ بحث بدستور
 قائم رہتی ہے۔ اس واسطے کہ مولف نے اپنے اس دعویٰ کی تائید میں کہ حضور کا ملفوظ پراسرار
 ہے۔ یہ حجت پیش کی ہے کہ ”اگر وہ الفاظ خالی از اسرار ہوتے۔ تو ہرگز اللہ تعالیٰ سرکار
 مدینہ کی محبت کا اظہار اسی کلام پاک میں نہ فرماتا۔ اور یہ عشق و خلافت بزرگان دین کے خاندانو
 میں جاری و قائم نہ ہوتا“

اب قارئین۔ مولف کے دعویٰ اور دلیل کو۔ انصاف کی نظر سے دیکھیں۔ اور فرمائیں کہ
 اس حجت سے موصوف کا دعویٰ یعنی ہدایت و ارثی کی عبارت سلیس کا پراسرار ہونا۔ کہا شک
 ثابت ہوتا ہے۔ یا موصوف کے دعویٰ کا مضمون کچھ اور ہے۔ اور حجت کا کچھ اور۔ یا دونوں
 مختلف المعنی۔ اور جداگانہ حیثیت کے دو مضمون ہیں۔ کہ نہ دعویٰ کو دلیل سے کوئی سروکار
 ہے۔ نہ دلیل کو دعویٰ سے کوئی تعلق۔

میرے خیال میں مولف کے استدلال کی بلیغ عبارت۔ اور دقیق مفہوم کا اپنے دعویٰ
 اور دلیل سے دست و گریباں ہونے کی سچی تعریف میں اگر کسی ظریف الطبع شخص کا یہ شعر پڑھ
 دیا جائے۔ تو بہ کاظ مناسب مذاق بہت زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔

چہ خوش گفت است سعدی در زینجا الایا ایھا الساقی ادر کاسا و ناولھا

قطع نظر اس کے اگر اس پریشان تقریر کی تنقید لازمی متصور ہو۔ تو بہتر یہ ہے کہ مولف مدوح چونکہ حکیم بھی ہیں۔ اور حکیم بھی دیرینہ۔ اور اس وقت کے حکیم ہیں۔ جب نصاب طب عموماً عربی میں تھا۔ اور شاؤ و ناؤ متعلم فارسی خواں ہوتے تھے اس لحاظ سے آپ کا شمار ارباب علم میں ہے۔ کیونکہ ایک فن کے آپ ضرور عالم ہوں گے۔ اور مسئلہ زیر بحث بھی علمی اور مشربی تھا۔ لیکن موصوف کی عنایت نے اس فروعیات کی بحث میں اصولی اور مذہبی گفتگو بھی شامل کر دی ہے۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ اس مسئلہ میں بہار انصب العین وہ ہو۔ جو سلف صحابین کا مذہب اور مجتہدین کا عقیدہ ہے۔

ہذا پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ مولف کے اس استدلال کی شق اول یہ ہے کہ ”اگر دیہ الفاظ خالی از اسرار ہوتے۔ تو ہرگز خدائے تعالیٰ منزل عشق اور درجہ خلافت کو اپنی ذات خاص پر مقدم نہ کرتا“ اور تیسری شق میں ہے کہ ”اور اس منزل عشق و خلافت کا ذکر اپنے کلام نہ فرماتا“

چنانچہ یہ شق سویم تو سراپا اس وجہ سے بے بنیاد ہے۔ بلکہ صحت اور عدم صحت کا کیا ذکر اس کا وجود ہی منقود ہے۔ کیونکہ فرقان حمید کے موجودہ تیس پاروں میں تو لفظ عشق کا نام بھی نہیں ہے۔

شاید لائق مولف نے جس طرح اپنی کتاب میں غیر وقوع واقعات اکثر نقل کئے ہیں اسی طرح لفظ عشق کو جزو قرآن اس واسطے کہہ دیا کہ تھوڑی دیر کے لئے غلامان و ارثی مشتبہ تو ہو ہی جائیں گے۔

اور شق اول کے مضامین سے بجائے مفاد کے مولف مدوح کو ایسا ناقابل ذکر نقصان پہنچ گیا ہے جس سے دشمن کو بھی خدا محفوظ رکھے۔ کیونکہ الفاظ اسکا دو ارتداد سے معمور ہیں

اس واسطے کہ عشق کے وہ اثرات۔ جن کا وقوع زیر ہونا لازماً سے ہے۔ اور

جن کی بہت سے عاشق کے حالات و عادات و حرکات و سکنات میں غیر معمولی تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ اور جن کا ذکر بعض ارباب طریقت نے اپنی کتابوں میں کمال شرح و بسط نقل فرمایا ہے اور بلاجمال تو اکثر حضرات نے لکھا ہے۔ جیسا کہ حضرت حافظ شیراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

روئے زرد است و آہ درد آلود عاشقان را گواہ رنجوری

اور عارف باللہ حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر بانی پٹی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

عاشقان را شش نشان است اے پسر آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر ترا پر سندسہ و یگر کدام کم خورد۔ کم گفتن و خفتن حرام

۴ الغرض ان اثرات سے عقلاً و نقلاً ذات حضرت احدیت جل جلالہ پاک اور منزه ہے۔ اور یہ صفات رنجوری و مجوری وغیرہ جس طرح عاشق مزاج بندوں کے حق میں اکثر استعمال کرتے ہیں۔ اور ایک حد تک ان کو ممتاز خطابات میں شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح ان اثرات کا ذاتِ قادر مطلق سے منسوب کرنا اس کی شانِ جلالت۔ اور صولت جبروتی کے

صریح منافی ہے۔

چنانچہ علمائے شریعت کا اتفاق ہے کہ حسب تعلیم قرآن مجید۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو محب کہہ سکتے ہیں۔ اور عاشق کہنا از روئے عقائد کفر ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے شبان صحرائی کے الفاظ غیر مودب کو کفر فرمایا تھا۔ جس کا ذکر مولانا علیہ الرحمۃ نے اپنی فتویٰ نے بصراحت کیا ہے کہ

گفت موسیٰ ہائے خیرہ سرشدی تو مسلمان ناشدہ کافر شدی

الغرض ہمارے مخاطب حکیم صاحب کی یہ ذاتی تجویز جس کو بصورت استدلال و صوف نے پیش کیا تھا اُس کے اثر نے یہ کرشمہ دکھایا کہ بجائے ہدایت و ارثی کو پراسرار ثابت کرنے کے۔ اپنے ہی موجد اور مجوز کے تہجرت و تقدس کا ایسا تصفیہ کیا کہ حکیم صاحب کی صداقت کے ساتھ موصوف کی ارادت بھی کایا پلٹ ہو گئی بقول میر دہلوی ع الٹی ہو گئیں سب

مدبریں کچھ نہ دوانے کام کیا۔

لیکن سیاق تحریر کو دیکھتے ہیں۔ تو مولف کے اس استدلال کے طرز مضامین سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف نے ہدایت داری کے الفاظ کو پراسرار ثابت کرنے میں تو خاموشی اختیار فرمائی۔ اور یہ شکل تجاہل عارفانہ۔ وہی دلیل جس کا ذکر بوضاحت اُپر ہو چکا ہے۔ دوبارہ حمایت سجادگی میں پیش کر دی۔ اور مکرر لکھ دیا کہ خلافت چونکہ قائم کردہ حضرت احدیت ہے۔ اس لئے جانشینی سے احتراز کرنا۔ منشاء الہی سے انحراف کرنا ہے۔ اور اشارہ یہ ہے کہ حضور قبلہ عالم نے باقتضائے مشرب جو خلافت کی امتناع فرمائی۔ تو درحقیقت فعل خداوندی کی تقلید سے انکار کیا۔ جو مذہباً جرم ثقیل ہے۔

حالانکہ بوضاحت لکھ چکا ہوں کہ جملہ افعال خداوندی کی تقلید بندوں پر واجب نہیں ہے۔ بجز اس فعل کے جس کی اتباع کا حکم جلی ہو۔ ورنہ افعال حضرت رب العزت متعدی کے ہیں جو بندے نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔

لہذا خدا نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ ضرور کیا۔ مگر اس کی تقلید کے واسطے بندوں کو مکلف نہیں فرمایا۔ اور ایسا ہوتا۔ تو ہر بندے پر واجب ہوتا کہ اپنا خلیفہ ضرور بنائے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جملہ نبی آدم خلیفہ بھی ہوتے اور خلیفہ گر بھی۔

خلاصہ یہ کہ خلافت جس طرح صوفیائے متقدمین کی سخن یا دگار ہے۔ اسی طرح منجانب اللہ قطعی اور ضروری بھی نہیں ہے۔ اسی واسطے وہ خدا رسیدہ ہستیاں جن کو اپنے مسلک کے اعتبار سے خلافت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے اس کو جاری رکھا۔ اور جن کا مشرب محتاج خلافت نہ تھا۔ انہوں نے خلافت کو اپنے واسطے غیر ضروری متصور فرمایا۔

لیکن خلافت کا قطعی۔ اور غیر قطعی ہونا تو ایک طرف۔ خلافت کی بحث میں۔ دوسرے مضامین نے جس طرح مولف موصوف کے تاجر کا پر وہ فاش کر دیا۔ اسی طرح اس غیر موڈب گفتگو نے آپ کے نہال تقدس کے بیخ و بن کو ایسا صدمہ پہنچایا۔ جو بے برگ و بار ہو کر

آئندہ کی نشوونما سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا۔

ارادت کی تعریف اس لئے کہ تقدس صرف ظاہری اعزاز نہیں بلکہ باطنی گراں بہا امتیاز ہے جس کا تعلق صفائی قلب سے ہے اور حقیقی صفائی قلب مرید کے خلوص و ارادت اور پیر کی شفقت و عنایت پر موقوف ہے۔ مگر ہمارے مولف موصوف کو بہ لحاظ سقم ارادت اب اس کا استحقاق نہیں رہا کہ مرشد کی روحانیت سے مستفید اور بہرہ مند ہوں۔ اس واسطے کہ پیر کے حکم قطعی سے ایسا صریح انحراف۔ اور ایسے غیر موڈب الفاظ میں کیا جس نے ارادت کو قطعاً تباہ و برباد کر دیا۔

عالانکہ حضرات صوفیائے کرام نے اپنے اپنے عہد میں کمال وضاحت و مسترشدین کو اگر کوئی ہدایت متواتر اور بالاصرار فرمائی ہے تو وہ ارادت کی نگاہداشت ہے۔ کیونکہ مرید کی ارادت جس قدر استوار اور صدق و خلوص سے معمور ہوتی ہے۔ اسی قدر پیر کی عنایت مندوب ہوتی ہے۔ اور اپنی اخلاق سے مرید کو آراستہ۔ اور اپنی تادیب سے اس کو موڈب بناتا ہے اور اپنے اشراق سے اس کے باطن کو روشن کرتا ہے۔

اور محققین ارباب طریقت نے ارادت کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ مرید کو پیر کے جمیع احوال میں بجز تسلیم و تصدیق کے انحراف اور اختلاف کا خیال بھی نہ آئے۔ اور احکام پیر کے آگے معلومات و منقولات فنا۔ اور اختیارات و احساسات ایسے معدوم ہو جائیں کہ اس قدیم تمثیل كَالْمَيِّتِ بِيَدِ الْغَسَّالِ کا مضمون صادق آئے۔

چنانچہ سیدنا ابراہیم و سوتی القرشی علیہ الرحمۃ جو صاحب کرامات ظاہرہ اور مقامات فاخرہ تھے۔ اور جن کا سنة ۶۷۴ ہجری میں وصال ہوا ان کا قول ہے ”رَأْسُ قَالِ الْمُرِيدِ الْمَحَبَّةُ وَ التَّسْلِيمُ وَ الْقَاءُ عَصَا الْمُعَانِدَةِ وَ الْمُخَالَفَةُ وَ السُّكُونُ تَحْتَ مُرَادِ شَيْخِهِ وَ أَمْرُهُ“ (ترجمہ) مرید کا اس انجیل محبت اور تسلیم پیر ہے۔ اور معاندت اور مخالفت کی سپرد ال دنیا ہے اور اپنے پیر کی مراد اور حکم کے تحت میں آرام لینا ہے۔ (طبقات الکبریٰ)

اسی ارشاد سے اگر استنباط کیا جائے۔ تو مولف موصوف کی ارادت کا عدم۔ اور اختلاف ثابت ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ بجائے مخالفت کی سپر ڈال دینے کے۔ آپ اعتراض کی تلوار سے گریز کے مقابلے کے لئے میدان انکار میں بغرض پیکار کھڑے ہیں۔ لہذا یہ مسلمہ ہے کہ جس قلب کو معاندت اور مخالفت سے سروکار ہے۔ اس کو ارادت اور محبت سے کیا تعلق۔ (اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا)

علیٰ بن ابی سہل بن عبداللہ تسمیٰ علیہ الرحمۃ جن کا وصال ۲۸۲ھ ہجری میں ہوا۔ ان کا قول ہے۔ "الْمَحَبَّةُ مُعَانَقَةُ الطَّاعَاتِ وَمُبَايِنَةُ الْمُخَالَفَاتِ" (ترجمہ) محبت کی تعریف یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت کو گلے سے لگائے اور مخالفت سے احتراز کرے۔ (طبقات الکبریٰ) اور طبقات الکبریٰ میں یہ بھی منقول ہے کہ حقیقت آگاہ ابو محمد روم بغدادی علیہ الرحمۃ سے جن کا وصال ۳۳۳ھ ہجری میں ہوا سائل نے محبت کی تعریف دریافت کی۔ آپ نے فرمایا "الْمُؤَافَقَةُ فِي جَمِيعِ الْأَحْوَالِ" یعنی جملہ احوال میں محبوب کی موافقت کا نام محبت ہے۔ اور احیاء العلوم میں ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ جو ۹۸۸ھ ہجری میں راہی ملک بقر ہوئے۔ مریدین سے فرماتے تھے "الْمَحَبَّةُ الْعَمَلُ بِطَاعَةِ الْمَحْبُوبِ" کہ محبت صادق کی علامت محبوب کی فرمان برداری ہے۔

یہ ارشادات بالمعنی مراد ہیں۔ کہ پیر کی اطاعت اور موافقت کو عرف صوفیہ میں ارادت اور محبت کہتے ہیں۔ اور چونکہ پیر کے فیضان باطنی سے مستفیض ہونے کا بہت بڑا ذریعہ ارادت ہے۔ اس لحاظ سے صوفیائے کرام نے ہمیشہ طالبان حق کو ارادت پیر کی تباکید ہدایت فرمائی ہے۔ لیکن مولف موصوف اولیائے ذی صفات کے ان ہدایات کے اثرات سے بالصد متاثر ہوئے کہ بجائے اتحاد کے انحراف کو پسند کیا۔ اور موافقت پیر کی جگہ۔ مخالفت شیخ کو اچھا سمجھا۔ اور اس خیال میں یہ غیر معمولی ترقی کی کہ پیر کے حکم قطعی کے خلاف ایک مستقل کتاب تالیف فرما کر شائع کر دی۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھ دیا کہ آپ کا فعل آپ کے قول کے خلاف ہوتا ہے چنانچہ صفحہ ۱۵۸ میں آپ لکھتے ہیں کہ ”آپ نے فرمایا کہ ہماری منزل عشق ہے۔ اس میں خلافت نہیں۔“ لیکن اس ارشاد گرامی کا دوسرا پہلو ملاحظہ کیجئے۔ تو بہت ہی واضح طور پر اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ آپ نے اپنے قول مبارک کے خلاف ”خود نظریں پیش فرمائیں۔ اس سلسلہ کی سب سے زیادہ کھلی ہوئی یہ دلیل ہے کہ آپ نے ایام وصال“ کے قریب خود سید محمد ابراہیم صاحب کو..... رام پور سے طلب فرمایا۔ اور آپ کی طرف سے کچھ اس قسم کے ”اشاکے“ و نیز وصال کے بعد جو خاص تصرفات علم روحانی سید ابراہیم صاحب کے شریک حال ہوئے، وہی اس امر کے گواہ ہیں کہ حضرت سلطان الاولیاء نے اپنی حیات ہی میں حضرت سید محمد ابراہیم کو اپنا جانشین اور خلیفہ تجویز فرمایا تھا“

مؤلف موصوف کی اس عبارت کا حصہ آخر خلاف واقعہ اور متعل بہ عدم صحت ہے۔ جس کی صراحت آئندہ کروں گا۔ اس وقت صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ پیر کی معاندت اور مخالفت کی بحث بھی اس جملے کے آگے گرو ہو گئی۔ اور تعجب معلوم ہوتا ہے کہ ایک پڑھے لکھے حلقہ بگوش نے بغیر کسی پس و پیش کے قلم برداشتہ یہ غیر موڈ بانہ جملہ کیونکر لکھ دیا کہ ”آپ نے اپنے قول کے خلاف خود نظریں پیش فرمائیں۔“

مہذب حضرات تو یہ الفاظ اپنے ہم مرتبہ شخص کی نسبت بھی لکھنا دستور آداب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور مشرب ارباب طریقت میں تو پیر کے غلام کے حق میں بھی اس مذموم صفت کا خیال کرنا نقص ایمان کی دلیل ہے۔

مگر یہ لحاظ۔ اُن اہل ارادت کے صدق و خلوص کا اقتضا ہے جن کو سرکار مبارک فیاض سے یہ توفیق تفویض ہوتی ہے۔ کہ وہ حلقہ بگوش۔ پیر طریقت کو خدا کی مجسم رحمت سمجھتے ہیں اور اس کی ذات ذی صفات کو برگزیدہ حق و بہترین خلق جانتے ہیں۔ اور لائق مؤلف سے یہ امید رکھنا۔ گویا۔ آگ سے پانی کا کام لینا ہے۔ خصوصاً یہ دیکھ کر کہ موصوف قیادات

سے آزادی۔ اور طوق مودت سے گلو خلاصی حاصل کر چکے ہیں۔ ان سے یہ شکایت کہ پیر کو پیر کی حقیقی حیثیت سے نہیں دیکھتے۔ بالکل بے محل فرمائش ہے۔ بلکہ جملہ غلامان و ارثی کو موصوف کے اس احسان عظیم اور الطاف عمیم کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ منہوز پیر کے نام نامی کے ساتھ وہ لفظ سلطان الاولیا لکھتے ہیں۔

حالانکہ مولف مدوح نے اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۶ میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ ”مرید کو چاہئے کہ پیر کی زبان سے جو سُنے اس پر ہوش کے ساتھ کان دہرے۔“ یعنی کمال خلوص اس کی تعمیل کرے۔ لیکن باوجود اس علم کے۔ موصوف کا عمل یہ ہے کہ پیر کا حکم قطعی۔ پیر کی زبان سے سُن کے۔ نہایت بیباکی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ”آپ نے اپنے قول کے خلاف خود نظریں پیش فرمائیں۔“ اس اختلاف کی بنیاد۔ حمایت سجادگی کا غلو ہے۔ جس نے بجائے ارادت و مودت

کے۔ مخالفت بلکہ محاصمت کی بلند عمارت قائم کر دی۔ کہ ایسے غیر مودب الفاظ جو عقلاً و نقلاً۔ پیر کی شان میں استعمال کرنا ممنوع ہیں۔ ان کو اپنے قلم سے اپنے کارنامہ عمل میں لکھ کر اپنی آزادی کا اظہار کر دیا۔ **فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ**۔

اب سجادہ نواز مولف کی خدمت میں۔ بطور اتمام حجت و اختتام بحث ایک التماس اور کروں گا۔ جو صحیفہ فسخ ارادت اور مجموعہ النقطاع مودت کا آخر ورق ہے۔ کہ بفرض مجال حضور قبلہ عالم کے حکم امتناع سجادگی کو۔ بقول مولف موصوف۔ دستور شاہنشاہ عظام کے خلاف۔ تھوڑے عرصہ کے واسطے مان بھی لیا جائے۔ تو اس صورت میں بھی مرید صادق کو باقتضائے سُن عقیدت۔ اور بلحاظ مشرب ارباب طریقت۔ اس حکم پر عمل کی بھی موافقت کرنا۔ اس وجہ سے ضروری اور لازماً ہے کہ حضرات صوفیائے کرام نے ارادت خاص کی حقیقی تعریف میں یہ فرمایا ہے کہ اگر پیر کا کوئی قول یا فعل مشتمل بہ مکروہات بلکہ داخل ممنوعات معلوم ہو۔ تو بھی مرید صادق کو بایں الفاظ اس کی اطاعت

سے اعراض نہ کرنا چاہیے کہ اگرچہ فرمان صورتاً صریح معیوب اور قبیح ہی کیوں نہ ہو مگر فی الحقیقت وہ مستحسن اور صحیح ضرور ہوتا ہے اس واسطے کہ احکم الحاکمین کے اس برگزیدہ لشکر کی زبان سے جو آواز نکلتی ہے۔ وہ صغیر غیبی کی صحیح ترجمان ہوتی ہے۔ بقول حافظ شیراز علیہ الرحمۃ

در پس آئینہ طوطی صغتم داشتہ اند
 او نچہ استاد ازل گفت ہماں میگیم

چنانچہ کتب سیر کی ورق گردانی کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سالک راہ حق سفر سیر و سلوک میں اگر اپنے درجات و مقامات کی شان و رفعت کو سہواً بھی فخر و مباہات کی نظر سے دیکھتا ہے تو ماورائے السداد ترقی۔ پہلے اس کو وہ عقبات پیش آتے ہیں جن کے اثرات اور خصوصیات میں ہے کہ عوارض لاحقہ کا تصفیہ۔ اور تخیل فاسدہ کا تزکیہ۔ ملامت خلق کے پردہ میں ہو جائے۔ تب جو منزل مقصود کے نشانات اور حدود رونما ہوتے ہیں۔ اس لئے ان مقدس ہستیوں کے اخلاق حمیدہ کچھ عرصہ کے واسطے تبدیل بہ صفات قبیحہ نظر آتے ہیں۔

لیکن ان کے یہ احوال صعوبت خیز اور قباحت انگیز دیکھ کر جو حلقہ بگوش خوش عقیدت اور حق نیش ہوتے ہیں۔ اور اپنی ارادت کو مستقل اور استوار کہتے ہیں۔ وہ پیر کا غیر معمولی افادت سے مستفید بھی ضرور ہوتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت شیخ صنعان کا مشہور واقعہ ہے۔ کہ دوران سفر حج میں ایسی قبیح صورت پیش آئی جو بظاہر آپ کے تقدس کے منافی تھی۔ مگر حضرت فرید الدین عطار علیہ الرحمۃ نے اس بدناما حالت کی بھی بہ لحاظ ارادت پوری موافقت کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک ان کا بولے حقانیت سے مشام اہل حق مستفیض ہوتے ہیں۔

اس واسطے ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ مرید صادق کی ارادت واثق کا کمال یہ ہے کہ پیر کی حقانیت و للہیت کا ایسا یقین ہو کہ پیر کے اقوال و احوال کی نسبت ممنوع وغیر مشروع ہونے کا خیال بھی معدوم اور فنا ہو جائے۔ اور بجز تسلیم اور تصدیق کے

اعراض و اختراز کا دوسوا بھی نہ آئے۔ جیسا کہ حافظ شیراز علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

بے سجادہ رنگین کن گرت پر مغاں گوید کہ سالک بے خبر بود ز راہ و رسم منزلہا

اس شعر میں حافظ صاحب نے اتباع احکام پیر کی وضاحت اس خوبی سے کی اور استدلال میں وہ بلیغ اہتمام فرمایا۔ جس کے سامنے مریدین کے احساسات اور اختیارات کا عدم اور لاشی ہو گئے۔ خصوصاً تمثیل میں شراب اور سجادہ کے ذکر نے ایسی اہمیت پیدا کر دی۔ کہ اب کسی توجیہ اور تصریح کی گنجائش نہیں رہی۔ اس واسطے کہ شراب جس کی نجاست شرعی اور حرمت قطعی نص صریح سے ثابت ہے۔

اور سجادہ نماز جس کی طہارت کلی کا اعتبار اور وثوق۔ تیرہ فرائض نماز میں سے ایک فرض قطعی ہے جس کے بغیر نماز ناقص ہوتی ہے۔

ان دونوں کی متضاد حیثیت کو بالمقابل اور بالتفصیل حوالہ دینے سے یہ مضمون ہو گیا کہ پیر طریقت کا کوئی حکم۔ گو بعید اقل اور سانی نقل ہی کیوں نہ ہو۔ مگر مرید کو بجز اطاعت کے کسی اعتراض و مخالفت کا حق ہی نہیں ہے۔

حتیٰ کہ رہنمائے کامل شراب سے جائے نماز رنگین کرنے کا کسی موقع کے لحاظ حکم صادر فرمائے جو صورتاً از روئے مذہب و مشرب صریح ممنوع۔ اور قطعی مذہب و فعل معلوم ہوتا ہے۔ تو بھی اس فرمان کی اطاعت و موافقت اس واسطے لازم ہے کہ یہ حق شناس کر وہ۔ طریق الی اللہ کے منازل و مراحل کے رسم و نظم نشیب و فراز سے کما حقہ خبردار ہوتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں عام دستور ہے کہ وادی ناویدہ کا رہ لورہ۔ اپنے رفیق طریق کی اتباع کرتا ہے۔ تب منزل مقصود تک باسانی پہنچتا ہے۔

الغرض مفتی شیراز کے اس فتویٰ سے کہ ”بے سجادہ رنگین کن گرت پر مغاں گو اطاعت احکام شیخ کا وسیع میدان ظاہر ہو گیا اور اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور قبلہ عالم کا حکم امتناع سجادگی تو محدود حکم ہے کہ بجائے فرض اور سنت کے واجب بلکہ

مستحب کے ترک سے بھی اس کو تعلق نہیں۔ اور جس کو نہ منافی مذہب نہ خلل انداز مشرب کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ جس کی نسبت باوجود اس معاندت اور مخالفت کے مولف موصوف نے بھی اسی قدر عذر کیا کہ یہ ہدایت حضرات مشائخین کی سنت جاریہ کے خلاف ہے۔ اور فی الواقعہ یہ بجائے خود ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ کہ ایک گروہ نے تبلیغ خدا شناسی کے واسطے اس کو وسیلہ گردانا ہے۔ اور دوسری جماعت نے اس کو غیر ضروری سمجھا ہے۔ یہ کسی نے نہیں کہا اور نہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ارشاد اعمال کے خلاف اور عقائد کے منافی ہے جس کے ازکاب سے کسی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کے سزاوار ہو جائیں گے۔

اس لئے صاف ظاہر ہے کہ ”بے سجادہ رنگیں کون“ کی اہمیت کے مقابلہ میں یہ ہدایت کہ ہماری منزل عشق ہے اس واسطے ہمارا کوئی جانشین نہیں“ بہت معمولی حکم ہے جس کی تعمیل ہر خاص و عام کر سکتا ہے اور کسی ملت اور کسی مشرب کے علمائے اس کو ناجائز اور ممنوع نہیں فرمایا ہے۔ لیکن مولف موصوف نے اس معمولی فرمان کی اتباع سے روگردانی کرنے میں یہ نقصان اٹھایا کہ اپنے ارادت کی قدیم اور قیمتی عمارت کو اپنے ہاتھوں سے مسمار کر دیا۔

بعض واقعات کی تصحیح اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی سلسلہ میں اس کی بھی تصحیح ہو جائے کہ حضور قبلہ عالم نے سید محمد ابراہیم صاحب کو رام پور سے بلایا۔ اور لائق مولف نے جن الفاظ میں اس مضمون کو ادا کیا ہے۔ اس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ چنانچہ سابق الوصف صفحہ ۱۸۶ میں کمال فصاحت نقل فرماتے ہیں ”اور منزل عشق کی خلافت نبوت جس کو خلافت کبریٰ کہتے ہیں اور خلافت راشدہ بھی کہتے ہیں“ اگر خلافت نبوت کا خیال آپ کو قائم ہوتا اور خلافت ولایت جو خاتم الاولیاء پر ختم ہوگی خیال نہ آتا۔ تو ”ہرگز ہرگز سید محمد ابراہیم صاحب جو کہ حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی نواسہ اور حضرت ”سلطان الاولیاء کے حقیقی بھانجی کے صاحبزادے تھے، قاضی بخش علی صاحب زمیندار گدیہ ضلع بارہ بنکی و لونگ“ شاہ صاحب واری رحمۃ اللہ علیہ

وسماۃ میزائیراثن ساکن جگہ ضلع لکھنؤ و سبئی حجام ساکن دیوبند شریف کو رام پور بھیج کر حافظ سید محمد ابراہیم کو نہ بول
 قرینہ ہے کہ اس عبارت کی ترتیب لفظی اور ترکیب نحوی۔ طرز بلاغت اور حسن فصاحت کو
 دیکھ کر قارئین بھی میرے ساتھ اس کا اعتراف فرمائیں گے کہ ہمارے عالی خیال مولف کا یہ
 خاص حصہ ہے کہ اپنی مغلوق تحریر کے بلند معنی جملوں میں اس مختصر مضمون کو کس خوبی سے بیان کیا ہے
 کہ سرکار عالم پناہ نے چار معتمد اشخاص کا وفد جس میں ایک میراثن اور ایک حجام بھی تھا، بھیج کر رام
 سے سید محمد ابراہیم صاحب کو بلایا۔

اور مزید براں نتیجہ کس قدر صحیح نکالا کہ اس واقعہ کو موصوف الصدور نے حضور قبلہ عالم کے
 حکم امتناع سجادگی کی تردید میں اس بحث کے ساتھ حجت گردانا ہے۔ کہ اگر آپ کو اپنا خلیفہ
 اور جانشین کرنا نہ ہوتا تو اپنی حقیقی ہمیشہ صاحبہ کے نواسہ کو اس اہتمام مبلغ سے نہ بلاتے۔
 لیکن اس واقعہ کی صحت اور عدم صحت کی تصریح سے پہلے یہ عرض پھر کروں گا کہ دورانہ
 مولف نے بہ اعتبار حفظ ماتقدم، بطور اعلان صفحہ ۶۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ ”یہ واضح رہے کہ
 ان حالات کو جو دیگر حضرات تحریر میں لایا ہے۔ مگر تحریر کرنا مناسب نہ سمجھ کر صرف وہ واقعہ
 ضروری اور صدقہ قلب بند کیے جاتے ہیں جن سے لوگ لاعلم ہیں۔“

چنانچہ آپ کی اس پیش بندی کا اظہار اس واقعہ سے بخوبی ہو گیا۔ اور اس اعلان کی صورت
 میں کوئی شک اور شبہ نہیں رہا۔ اس لئے کہ صادق البیان مولف نے یہ قصہ ایسا اچھوتا نقل
 کیا ہے جس سے بجز مولف کے تقریباً جملہ غلامان دارائی بے خبر اور لاعلم ہیں۔ اور نہ ہی
 جانتے کہ اس وفد کے نمبر ان کب اور کیونکر منتخب ہوئے۔ اور یہ وفد کس کی قیادت
 میں روانہ ہوا۔ اور کیا کیا تحائف اس کے ساتھ بھیجے گئے۔

لائق مولف نے یہ اپنا صدقہ واقعہ چونکہ بغیر کسی حوالہ کے ایسا پیش کیا ہے جو
 از روئے قواعد علم کلام قابل استدلال نہ تھا۔ لیکن با ایں ہمہ اقتضائے اخلاق یہ ہے کہ مولف
 کی ہر ایک صحیح و غیر صحیح دلیل کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔

چنانچہ موصوف کا یہ جملہ آخر کہ اپنا خلیفہ اور جانشین کرنا منظور نہ ہوتا۔ تو سید محمد ابراہیم صاحب کو اس اہتمام سے نہ بلائے اس کی زیادہ صراحت کی ضرورت یہاں اس لئے نہیں معلوم ہوتی کہ امتناع خلافت کا تذکرہ بوضاحت ہو چکا ہے۔ اور آئندہ بھی بعض واقعات میں اس کا ذکر آئے گا۔ مگر سید صاحب کی ذاتی شخصیت میں نہ کسی کو عذر ہے نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کی نسبت خاندانی۔ اور شرف قرابت۔ آپ کے اعزاز و عظمت کی ایسی کافی اور نمایاں دلیل ہے جس سے روگردانی کرنا۔ انصاف اور دیانت کا خون کرنا ہے۔

لیکن قابل مؤلف نے جس عنوان سے اس واقعہ کو ضروری اور مصدقہ فرما کر اثبات و وجوب سجادگی کی بحث میں بحیثیت دلیل قطعی بیان کیا ہے۔ اس اعتبار سے اس کے وقوع اور غیر وقوع کا اظہار اور اس کی حقیقت و صداقت کا صاف لطفوں میں انکشاف ہو جانا بھی لازمی معلوم ہوتا ہے۔

اور یہ گفتگو چونکہ اس واقعہ کے وقوع سے وابستہ ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ تحقیقات بھی چشم دید شہادت سے ہوتی۔ لیکن مؤلف نے کسی شاہد کا حوالہ نہیں دیا۔ ورنہ اس واقعہ کو بحیثیت روایت دیکھتے اور راویوں کی ثقاہت کے اعتبار سے اس کی صحت اور عدم صحت کا اندازہ کیا جاتا۔

درآئحالیکہ مؤلف نے اس واقعہ کو نہ دیدہ بیان کیا ہے نہ شنیدہ۔ تو ایسی حالت میں یہ مسلمہ ہے کہ حسب قاعدہ تنقید ایسی مہول خبر جو نہ دیدہ ہو نہ شنیدہ۔ لائق استدلال نہیں ہوتی۔ اور نہ قابل سماعت سمجھی جاتی ہے۔

لیکن باوجود ان جملہ نقائص کے۔ موصوف نے اس واقعہ کو حکم امتناع سجادگی کے خلاف میں پیش کیا ہے۔ اس واسطے خیال ہوتا ہے کہ اس بے اصول استدلال کی بھی تنقید ضروری کی جائے جو کم از کم دو مفاد سے خالی نہ ہوگی۔ اول یہ کہ واقعہ کی صداقت اور عدم صداقت کے ساتھ اس کا بھی اظہار ہو جائے گا کہ موصوف کی اصطلاح خاص میں

مصدقہ کس کو کہتے ہیں۔ دویم یہ کہ قارئین کو اس واقعہ کے وقوع اور غیر وقوع سے مطلع ہو جانے کے بعد مولف کے نقل کردہ دیگر واقعات کی وقعت اور حقیقت کا اندازہ کرنے میں بہت زیادہ آسانی ہو جائے گی۔

اس واسطے گو یہ خبر واحد ہے مگر اس کی صحت اور عدم صحت کا معیار مولف کے اسی نقل کردہ بیان کو قرار دیا جائے۔ اور انہیں کے الفاظ سے۔ ان کے اس مصدقہ واقعہ کی تصدیق و تکذیب کا فیصلہ از روئے روایت کیا جائے۔

لہذا پہلے ان خدائشناس اخوان ملت سے جن کو رہنمائے کامل کی مزاج دانی کا شرف حاصل ہے یہ التماس کروں گا کہ کمال عورتوں کا محال محاکمہ فرمائیں کہ اس واقعہ کو حضور قبلہ عالم کی افواہ طبیعت سے کوئی مناسبت ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ جس مرد میدان تفرید کا عین تعلقات عالم سے انقطاع قطعی ہو۔ اور بہ اقتضا کے زہد کامل جس نے تمام عمر کسی عزیز قریب سے خط و کتابت کرنے کا قصد بھی نہ فرمایا ہو۔ اس مستغنی المزاج کا وفد بھیج کر کسی کو بلا کرین قیاس ہو سکتا ہے۔ یقین ہے کہ قدیم اراوتندوں کی صف سے آواز نفی میں نیگی بلکہ اس غیر معمولی عظمت و جلالت کے علاوہ سرکار عالم پناہ کی حیثیت۔ باعتبار رشتہ قرابت بھی بزرگانہ کئی۔ اس لحاظ سے۔ بقول مولف۔ اگر سید محمد ابراہیم صاحب کو بلا نامہ تھا۔ تو اس کے واسطے آپ کا صرف حکم دینا کافی تھا۔ نہ یہ کہ بہن کے نواسے کو بلانے کے لئے کمال اہتمام و فد بھیجا گیا۔ اس لئے روانگی وفد کا ذکر صریح غیر مربوط۔ بلکہ خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔

قطع نظر اس کے وفد عموماً بوقرآن احتجاج حکام اعلیٰ یا بہت ممتاز اشخاص کی خدمت میں اس وقت بھیجا جاتا ہے۔ جب کوئی اہم ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لئے وفد کے اصطلاح معنی مجبوراً۔ مگر امتیازی شکل میں عرضداشت پیش کرنا ہے۔ لیکن خوش عقیدت مولف نے اپنے اس غیور مزاج رہنما کا مستدعی ہونا نقل کیا ہے جس نے تمام عمر اپنے غلاموں کو تباکید

ہدایت فرمائی ہے کہ "سات فاقوں کے بعد بھی خدا سے طلب خواہشات کی استدعا نہ کرنا چاہئے" اور وہ بھی کس سے مستدعی ہونا نقل کیا ہے۔ بہن کے نواسے سے۔ اور کس واسطے استدعا کی۔ کہ ہمارے خلیفہ اور جانشین بن جاؤ۔ لہذا کوئی دانشمند اس کو نہیں تسلیم کرے گا کہ ایسا غیور نانا۔ نواسے سے مستدعی ہوا۔

الغرض حضور قبلہ عالم کے مزاج بہایوں کا فطرتاً انداز۔ اور اپنے مشرب خاص کی ہمہ وقت کامل نگہداشت کا ہرگز یہ اقتضا ہو نہیں سکتا ہے کہ کسی حالت میں آپ کسی سے اشارت بھی استدعا فرماتے۔ اس واسطے وفد کا تذکرہ۔ عقلاً فرضی اور موضوع معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ اسی کے ارکان وفد کے اسمائے گرامی کی فہرست کو اگر تعمق کی نظر سے دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی ہوشیار اور کہنہ مشق مضمون نگار کا طبع زاوہر شہ ہے کہ بظاہر سب کے نام بقید سکونت بکمال وضاحت نگارش کئے ہیں۔ مگر درحقیقت جس طرح یہ وفد صریح بے بنیاد ہے۔ اسی طرح ممبران وفد کے اسمائے گرامی فرضی اور قطعاً نام نہاد ہیں۔

جیسا کہ قاضی بخش علی صاحب وارثی جن کو خادم بارگاہ وارثی بھی کہہ سکتے ہیں ورنہ آپ کا شمار مستقل حاضر باشون کے زمرہ میں ضرور تھا۔ اور چونکہ موصوف میرے ہمصر تھے۔ اس واسطے مجھ سے بھی بہت زیادہ ارتباط تھا۔ اگر قاضی صاحب کو اس وفد کی شرکت کا اعزاز حاصل ہوتا تو کبھی تذکرہ ضرور کرتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

بلکہ برخلاف اسی کے یہ واقعہ پیش آیا کہ ایام میلہ کاتک میں۔ آستانہ اقدس پر جسٹس سید شرف الدین کی تعمیر کردہ عمارت کے پائین ایک کمرہ میں مولوی محمد یحییٰ صاحب وکیل و رئیس عظیم آباد مقیم تھے۔ اور اسی کمرے میں میرا بھی بستر تھا۔ اور اسی کے آگے چوٹی سہورہ کے والان میں۔ سید محمد ابراہیم صاحب نے جب اول مرتبہ رام پور سے آئے۔ تو قیام فرمایا۔ اور چونکہ میرا بستر بہت قریب تھا۔ اس لئے دوسرا وہ شخص جس سے جناب مدوح

نے معانقہ کیا۔ وہ میں تھا۔ اور اس روز اکثر غلامان و ارثی کو میں نے موصوف سے ملایا۔
اسی دوران میں برادر دم قاضی بخش علی صاحب آئے۔ اور مجھ سے کہا کہ مجھے سید صاحب
سے ملا دو۔ چنانچہ میں نے قاضی صاحب کا تعارف کرایا۔ سید صاحب نے بہت اخلاق سے
معانقہ کیا اور فرمایا کہ مجھے بھی آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔

اس گفتگو سے قاضی صاحب کا وفد کے ساتھ جانا۔ اور رام پور سے سید محمد ابراہیم
صاحب کو دیوبند شریف لانا۔ خلاف واقعہ ثابت ہو گیا۔ کیونکہ سید صاحب دیوبند شریف
آنے کے بعد قاضی صاحب سے روشناس ہوئے۔ اور مصنف وفد نے آپ کا نام
رضی لکھا ہے۔

اسی قبیل سے یہ واقعہ بھی زبان حال سے شاہد ہے کہ ارکان وفد کے نام خود ساختہ
ہیں۔ کیونکہ دوسرے روز صبح کو حسب دستور خدام کو ناشتا تقسیم ہوا۔ تو حاجی فیضو شاہ صاحب
خادم خاص نے۔ حاجی بسی حجام کے ہاتھ سید صاحب کو ناشتا بھیجا۔ اور رحیم شاہ صاحب نے
سید صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ سید واڑہ کے قدیم نانی ہیں۔ سید صاحب نے خوش ہو کر
ایک اونٹنی چاوریان کو انعام میں دی۔ اور فرمایا کہ الحمد للہ۔ آج سید واڑہ کے حجام کو دیکھ لیا۔
اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حاجی بسی۔ اگر وفد کے ہمراہ رام پور گئے ہوتے تو
سید صاحب یہ نہ فرماتے کہ سید واڑہ کے حجام کو آج دیکھ لیا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ واقعہ
جس نے بھی تصنیف کیا ہو۔ اس نے شرکائے وفد کے نام ایسے تجویز کئے جو نہایت موزوں ہیں
علاوہ اس کے مولف موصوف نے ترتیب وفد کی اس غلطی کو بھی نہیں دیکھا کہ مضمون نگار
نے شاید بلحاظ زینت ارکان وفد میں مسامہ میرن میرا شن ساکن جگور کا نام بھی لکھ دیا ہے۔ حالانکہ
مناسبت کے اعتبار سے یہ نام بھی ناموزوں یوں نہ تھا کہ روسائے قصبات کا دستور
ہے کہ ایسے گفت و شنید کے موقع پر اکثر میرا شن بھی ہمراہ جاتا ہے۔

مگر مصنف کی عدم معلومات نے اس کا روائی کا پردہ فاش کر دیا۔ اور ظاہر ہو گیا کہ اس

وفد کی تنظیم قطعی خیالی ہے۔ اس واسطے کہ جس طرح میراثی کا ہمراہ جانا عام دستوڑیں داخل ہر اسی طرح یہ شرط بھی لازمی ہے کہ وہی میراثی جاتا ہے۔ جو اس گھر کے خدمات بر بنائے میراث انجام دیتا ہے۔

چنانچہ سید واڑہ کے میراثی میاں حیدر تھے۔ اور حضور قبلہ عالم کے عہد ظاہری میں میاں حیدر نے ہمیشہ خدمات میراث انجام دیئے۔ اور جلد غلامان وارثی جانتے ہیں۔ کہ آستانہ اقدس کے میراثی حیدر تھے۔ اور آج تک ان کی اولاد کمال پابندی اپنے فرائض انجام دیتی ہے۔

برخلاف اسی کے مولف موصوف نے لکھ دیا کہ مین میراثن ساکن چگور۔ وفد کے ساتھ رام پور گئی۔ حالانکہ مین کو آستانہ وارثی کی میراث سے کوئی تعلق نہ کبھی تھا ہے۔ بلکہ مین کا نام بھی بارگاہ وارثی کے کسی وابستہ نے نہیں سنا۔

ہذا یہ وفد اگر حضور قبلہ عالم کے حکم سے جاتا۔ تو میاں حیدر یا ان کے خاندان کا کوئی شخص بر بنائے میراث ہمراہ جاتا۔ لیکن بجائے اس کے بی مین کا جانا بیان کیا جاتا ہے۔ یہ عین دلیل ہے کہ یہ نام فرضی ہے۔ اور جس طرح دیگر شرکائے وفد کے نام فرضی ہیں اسی طرح یہ وفد مجسم خیالی ہے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مولف موصوف نے باوجود اپنی محدود معلومات کے جس کا اندازہ قارئین کو عنقریب ہو جائے گا اس واقعہ کا ذکر اپنے رسالہ میں چند مقامات پر کیا ہے۔ لیکن دیگر مولفین سیرت وارثی جن کی واقفیت اس وجہ سے وسیع تھی کہ انہوں نے حضور کے حالات و واقعات دریافت کرنے میں پوری جدوجہد اور کافی کوشش فرمائی۔ مگر اس اہم ترین واقعہ کی خبر ان کو نہیں ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ واقعہ وقوع پذیر ہوتا۔ تو ضرور تھا کہ وہ مولفین بھی آگاہ ہوتے۔ اور اپنی اپنی تالیفات میں۔ اس غیر معمولی واقعہ کو ضرور نقل کرتے۔

علیٰ ہذا اگر وفد مذکور دیوبند شریف سے روانہ ہوتا۔ تو لازماً اس سے تھا کہ قصبہ کے ان مخصوص حضرات کو اس کے وجوہات اور انتظامات کا علم ہوتا۔ جو سرکار عالم پناہ کے قدیم خدمتگزار اور جان نثار تھے۔ اور ہمیشہ آستانہ اقدس کے معاملات میں تھوڑا یا بہت۔ ان کے خدمات کو دخل ہوتا تھا۔ مگر وہ مقبولان بارگاہ وارثی بھی۔ مولف کے اس مقدمہ و قلم سے اس قدر لاعلم تھے کہ اشارہ بھی اس کا ذکر کبھی نہیں کیا۔

اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ اس نوا ایجاد وفد کی حقیقت کو۔ اس کہانی سے بالعمنی بہت زیادہ مناسبت ہے جو بچوں کو۔ سلاسنے کے وقت ان کی کہلائی کہتی ہے۔

اس سے بھی زیادہ حیرت خیز یہ امر ہے کہ وہ ارادتمند جو اپنے گھروں کو چھوڑ کر مستقل طور پر ہمہ وقت حاضر باش۔ اور شبانہ روز۔ پیشوا کے برحق کے خدمات میں مصروف رہتے تھے۔ مگر وفد کی روانگی کا ایسا گہرا راز تھا جس کی سماعت سے۔ ان کے بھی کان آشنا نہیں ہوئے۔ اور نہ یہ دیکھا کہ کب۔ اور کس دروازہ سے ہر سہ اشخاص بی میزن کو لے کر رام پور چلے گئے۔

حتیٰ کہ فیضو شاہ صاحب۔ جو اس زمانہ میں حضور قبلہ عالم کے خادم خاص تھے۔ ان کا بھی اس واقعہ کا علم نہیں ہوا۔ اور یہ ان کی لاعلمی۔ اس واقعہ کے غیر وقوع ہونے کا اس لئے بہت بڑا ثبوت ہے کہ اگر سرکار عالم پناہ کے حکم سے یہ لوگ رام پور جاتے۔ تو لازماً سے تھا کہ ان کے زاد سفر کا انتظام فیضو شاہ کرتے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

بلکہ برادر م سید محروق شاہ صاحب وارثی متوطن عظیم آباد سے جو عرصہ سے منجانب ٹرسٹ خدمت آستانہ اقدس کے لئے مامور ہیں۔ بنجیال عزیز احتیاط میں نے عرض کیا کہ آپ بھی اس واقعہ کی حقیقت فیضو شاہ صاحب سے دریافت کیجئے۔ چنانچہ موصوف نے چند فقراے تہند پوش۔ اور بعض زائرین کے رد برو فیضو شاہ صاحب سے اس واقعہ کے بارے میں اور عدم صحت کا استفسار کیا۔

فیضو شاہ صاحب نے برجستہ فرمایا کہ یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ اور حکیم صفدر کی کتاب پڑھنے کے لائق نہیں۔ اور اسی سلسلہ میں بعض دیگر واقعات ایسے بیان کئے جن کا اعادہ اس موقع پر بے محل ہے۔ اگر ضرورت ہوگی تو آئندہ نگارش کروں گا۔

الغرض توجیہات مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ لائق مؤلف کا نقل کردہ یہ واقعہ وجہ عدم صحت قابل تسلیم نہیں ہے۔ کیونکہ نہ دیگر مؤلفین سیرت وارفی نے لکھا۔ نہ روسائے قصبہ شاہد ہیں۔ نہ خدام آستانہ کو خبر ہے۔ نہ خادم خاص کو علم ہوا۔ صرف مؤلف موصوف کا بیان ہے۔ وہ بھی بغیر کسی حوالے۔ لہذا ایسی خبر واحد۔ اور ایسے اہم مسئلہ کے واسطے جس کو شریعی عقائد سے خاص تعلق ہے۔ کیونکہ قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔

لیکن یہ معما کہ جملہ وابستگان بارگاہ وارفی کا اس اہم ترین واقعہ سے خبر دار نہ ہونا اور بارہ میل کے فاصلہ پر مؤلف موصوف کا وفد کی روانگی سے مطلع ہونا۔ گو بظاہر عقل کے صحیح خلاف ہے۔ مگر ہم اپنے راستباز مؤلف کی شہادت کو بے بنیاد بھی نہیں کہہ سکتے۔ اس واسطے تطابق یوں ہو سکتا ہے کہ شاید مؤلف نے یہ واقعہ عالم رویا میں دیکھا ہوگا۔ اس لئے آپ کا مصدقہ فرمانا بھی بجا کے خود درست ہے۔ اور جملہ غلامان وارفی کا لاعلم ہونا بھی صحیح ہے۔ لہذا اس مختصر تنقید سے مؤلف موصوف کے مصدقہ وفد کی حقیقت کا جب کہ بخوبی انکشاف ہو گیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی سلسلہ میں اس کا بھی ذکر کر دیا جائے کہ سید محمد ابراہیم صنا کا پہلی مرتبہ رام پور سے کب اور کس تقریب سے آنا ہوا۔ اس واسطے کہ شاید مدوح کو اس کے قبل دیوبند شریف آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ بلکہ بعض اسباب قدرتا ایسے لاحق ہو گئے تھے کہ خاندانی رسم و راہ کا سلسلہ عرصہ دراز تک موقوف رہا۔ چنانچہ منجملہ دیگر اسباب کے یہ دو سبب زیادہ نمایاں معلوم ہوتے ہیں۔

اول وہ قریب کا رشتہ۔ جو آمد و رفت کا خاص اور بہت بڑا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ وہ حضور قلم عالم کی ذات بابرکات کے ساتھ تھا۔ لیکن وہ اس لحاظ سے بیکار ہو گیا کہ جناب حضرت کو

عنفوان شباب بہ اقتضائے زہد کامل اور باعتبار قیود و مشرب۔ دنیا و مافیہا سے سروکار نہ رہا۔ ایسی حالت میں خاندانی ارتباط کیونکر قائم رہ سکتا تھا۔ اگر کلیتہً اور بجا تمام۔ آپ تعلقات عالم سے انقطاع قطعی نہ فرماتے۔ تو اقربا کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی منقطع نہ ہوتا۔

علاوہ اس کے سید صاحب موصوف کی آمد و رفت میں۔ مدت مدید تک رکاوٹ قائم رہنے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ محمود الصفات حضرت حاجی سید خادم علی شاہ صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ جب وطن مالوف سے کنارہ کش ہو کر لکھنؤ میں ہمیشہ کے لئے قیام فرما ہوئے۔ تو اس مستقل مہاجرت کا اثر یہی ہونا لازم تھا کہ اس ارتباط یگانگت میں ضرور کچھ کمی ہو جائے جو دوش بدوش رہنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور مزید براں۔ بعد وصال حضرت سیدنا قدس سرہ۔ آپ کی اہلیہ صاحبزادیوں کا عقد نکاح فرما کر حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئیں۔ اور لکھنؤ میں کوئی نہ رہا۔ تو یہ انقلاب عظیم ایسا پیش آیا کہ رفتہ رفتہ ارباب برادری اس قدر غیر مانوس ہو گئے کہ اس نصف صدی میں۔ قرینہ ہے کہ شادی اور غمی کے متعدد واقعات اور حادثات رونما ہوئے ہوں گے۔ مگر طرفین کے دلوں سے اعزائی یا دایسی فراموش ہو گئی تھی کہ تنہیت و تعزیت کا خطاب بھی ایک نے دوسرے کو نہیں لکھا۔ باوجودیکہ اہل برادری کو بخوبی معلوم تھا کہ سیدنا حاجی سید خادم علی شاہ صاحب کی بڑی صاحبزادی سیدہ بی بی مقبول النساء صاحبہ رام پور میں اپنے بیٹے سید محمد ابراہیم صاحب کے ساتھ رہتی ہیں۔ جو ریاست کے وکیل بھی ہیں۔ لیکن اس تفرقہ کے بعد جامع المتفرقین نے برسوں کی دور افتادہ ہستیوں کو جب ملا دینا منظور فرمایا تو خلاف امید یہ صورت پیش آئی کہ قصبہ کے مشہور رئیس۔ مولوی فخر الدین احمد صاحب نے اپنے بڑے صاحبزادے مولوی فرید الدین احمد صاحب کی شادی میں بکمال اولوالعزمی یہ انتظام کیا کہ ماسوائے ارباب برادری کے قرب و جوار کے مقتدر اور ممتاز حضرات کو بھی مدعو کیا۔ بلکہ یہ اہتمام بھی فرمایا کہ وہ اہل قرابت جو عرصہ بعید سے وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر دوسرے شہروں میں بالاستقلال آباد ہو گئے تھے۔ اور کسی وجہ سے

برادرانہ رسم و راہ کی پابندی موقوف ہو چکی تھی۔ ان کو بھی بہ اصرار مبلغ بلایا۔ اور مدت کے پڑمردہ شدہ اس نخل یگانگت کو از سر نو تازہ کیا۔

از آنجملہ سید صاحب موصوف کی والدہ مکرمہ کو بھی اسی عز و وقار کے ساتھ مدعو کیا۔ جو خاندانی حیثیت سے ممدوحہ کے شایان شان تھا۔ اور برادرانہ برتاؤ کے لحاظ سے موصوفہ بھی معہ اپنے صاحبزادے سید محمد ابراہیم صاحب کے تشریف لائیں۔ اور شادی کے جملہ مراسم میں اسی طرح شرکت فرمائی۔ جو ایک عزیز قریب کا فرض ہوتا ہے مگر سید صاحب گو شادی کے مخصوص مراسم میں شریک ہوتے رہے۔ لیکن قیام آستانہ پر فرمایا۔ حالانکہ میلہ کاتک کی وجہ سے زائرین کا اثر دہام تھا۔ اور کافی آرام نہیں ملا۔ مگر آپ نے اس تکلیف کو بھی بخوشی گوارا کیا۔ اور تقریباً دو ہفتہ کے بعد والدہ معظمہ کے ہمراہ رام پور واپس گئے اس وقت سے آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

الحاصل کسی وجہ سے کیوں نہ ہو مگر غیر مستند راویوں نے اس واقعہ کی اصلی صورت کو سراپا بدل دیا۔ اور مولف جلوہ وارث نے بھی یہ اس واقعہ کی حقیقت دریافت فرمائی۔ اور نہ وراثت کی تکلیف گوارا کی اور اسی غیر مربوط عنوان سے اس واقعہ کو نقل کر دیا۔ جو پیشوائے برحق کے مسلک و مشرب کے صریح منافی تھا۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ اسی ایک واقعہ پر موقوف نہیں ہے۔ لائق مولف کے نقل کردہ واقعات میں عموماً یہ نقائص ہیں کہ بعض بوجہ عدم دلائل کے ایسے مچول ہیں جن پر موضوع ہونے کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بعض غیر معروف اس قدر ہیں کہ ان کی تصحیح ناممکن ہے۔ بعض خارج الانسائے ایسے ہیں کہ جن کی صحت پر ارباب ہوش و ذکا صادمہ کریں گے۔

اور یہ نقص تو قریب قریب ہر واقعہ میں نظر آتا ہے کہ ان کے سطحی دلائل۔ اور ناتمام مضامین کی ضعیف اور گری ہوئی حالت کی ایسی معمولی اور کمزور حیثیت دکھائی دیتی ہے جسے عوام الناس سنی سنائی باتیں آپس میں کرتے ہیں۔ حالانکہ ان واقعات کے بعض حصص اگر

صحیح بھی ہوتے ہیں۔ تو بھی محققانہ شان نہ ہونے سے کم از کم مؤلف کی عدم واقفیت اور محدود معلومات کا صاف اظہار ہوتا ہے۔

مثلاً مؤلف نے صفحہ ۹۵ میں حضور قبلہ عالم کے خدام خاص کی تفصیل میں دائم علی شاہ صاحب رحیم شاہ صاحب۔ بدنام شاہ صاحب۔ نور محمد شاہ صاحب۔ فیضو شاہ صاحب۔ اڑاڑو شاہ صاحب کے نام نامی بکمال وضاحت تسطیر فرمائے ہیں۔ اور درحقیقت خدام واریٹی کے اسمائے گرامی صحیح بھی ہیں صرف اڑاڑو شاہ کا نام اس زمرہ میں بالکل غلط ہے۔ یہ حضور قبلہ عالم کے فقیر تہ بند پوش ضرورتی۔ مگر خدام خاص کے عہدہ پر کبھی مامور نہیں ہوئے۔ لہذا مؤلف موصوف کی غیر محققانہ معلومات کا یہ اقتضا ہے کہ خلاف واقعہ اڑاڑو شاہ صاحب کا نام خدام خاص کی فہرست میں لکھ دیا۔

قطع نظر اس کے خدام خاص کے عہد خدمات کی یہ معکوس اصلاح فرمائی ہے کہ جو مقدم تھے ان کو موخر اور جو موخر تھے ان کو مقدم کر دیا ہے۔ اور اس کا تو صراحتاً بھی ذکر نہیں کیا کہ خواہ اس منصب جلیلہ پر کب اور کیونکر سرفراز ہوئے۔ اور کون اس عہدہ خاص پر کتنے عرصہ تک مامور رہا۔

اس واقعہ سے بھی مؤلف کی عدم واقفیت کا کافی اظہار ہوتا ہے۔ اور آپ کی یہ تحریر زبان حال سے شاید ہے کہ عوام الناس کی زبانی سنی ہوئی خبروں کو آپ مصدقہ واقعات سے تعبیر فرماتے ہیں۔

علیٰ ہذا صفحہ ۱۰۱ میں مؤلف نے باریوں کا ذکر کیا ہے۔ اور حضور قبلہ عالم کے قدیم خدمت گزاروں کے نام نامی اور لجدہ چچہ تعلقداروں کے اسمائے گرامی جو نقل فرمائے ہیں۔ وہ کلیتہً صحیح ہیں لیکن سرسری نظر سے بھی اگر دیکھا جائے تو باعتبار حقیقت حال مؤلف کی محدود معلومات کا نایاباں طرز پر انکشاف ہوتا ہے۔

اس واسطے کہ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت سلطان الاولیاء شیخ غلام علی صاحب سے ناراض

ہو گئے۔ اور باری بند کرا دی۔ یہ بیان خلاف واقعہ اس وجہ سے ہے کہ شیخ غلام علی صاحب عرف گھیسٹے میاں کا انتقال ۱۸۹۲ء میں ہوا۔ اور ان کے بعد مرحوم کی دختر نیک اختر نے اس خدمت کو عرصہ تک انجام دیا۔

پھر موصوف نے لکھا ہے کہ ”چچہ تعلقداروں نے صدق دل سے اپنے اپنے اخراجات سے دو دو ماہ کی باریاں مقرر کر دیں۔“ یہ قصہ گوی صحیح ہے۔ مگر جس عنوان سے لکھا ہے۔ وہ صراحت کا محتاج ہے۔ کیونکہ یہ باریاں بوجہ، اور مختلف اوقات میں مقرر ہوئی ہیں۔ نہ کہ بہ یکجا وقت۔ پہلے صرف بادشاہ حسین خان صاحب وارثی۔ عرصہ تک خدمت گزار رہے۔

بعدہ عباس حسین خاں صاحب وارثی اور چودہری لطافت حسین خاں صاحب وارثی بھی شریک ہوئے۔ اور ہر سہ حضرات کو چار چار ماہ کی خدمت تفویض ہوئی اور ہر ایک سال کے بعد راجہ دوست محمد خاں صاحب وارثی بھی مستدعی ہوئے اور چاروں حضرات کو تین تین ماہ کی خدمت مل گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد راجہ شیر محمد خاں صاحب وارثی اور تین سال کے بعد راجہ اودت نرائن سنگھ صاحب وارثی بھی شریک ہوئے۔ اور اس وقت سے دو دو ماہ کی خدمت تقسیم ہو گئی۔

یاد یوں شریف میں حضور قبلہ عالم کے قیام کے واسطے جو مکان مخصوص تھا۔ اس کا نقشہ بیان کرنے میں پر روز لہجہ کے ساتھ صفحہ ۹۸ میں مولف موصوف نے لکھا ہے کہ ”پورب جانب کی صحیحی میں پختہ قدمچہ بنا تھا۔ اس سے موصوف کی ضعیف معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ عوام سے سُنی ہوئی بات ہے جس کو مصدقہ کہہ کر لکھ دیا ہے۔ اور حقیقت حال سے واقفیت نہیں ہے۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ اس صحیحی میں چھوٹی سی ایک چوکی استنجے کے واسطے رکھ دی تھی۔“

اسی حاصل لائق مولف نے اکثر واقعات کا ذکر اسی طریقہ سے کیا ہے۔ جن کے مطالعہ سے آپ کی محدود واقفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ سُنی سنی باتوں

کو موصوف نے قلمبند کیا ہے۔ حالانکہ ان سٹی واقعات کا مشرب پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اس سٹی
میں نے تمثیلاً ذکر کیا ہے۔ کہ ناظرین واقف ہو جائیں کہ مدوح نے کیسے کیسے واقعات کو
مصدقہ فرمایا ہے۔

چنانچہ جس طرح مولف موصوف کی اس تالیف منیف کا کوئی واقعہ مجہول یا غیر معروف
اور کوئی تشنہ اور ناتمام نظر آتا ہے۔ اسی طرح آپ کی انشا پر دازی کی بھی انوکھی شان ہے جو
سلاست و فصاحت کے حدود و قیود سے سر اُپا بے نیا رہے۔ بلکہ آپ کی مقفی اور مسیح
عبارت کا یہ انداز بھی اپنی نظیر آپ ہے۔ کہ اکثر جملوں کا مفہوم سمجھنا دشواری سے خالی
نہیں ہوتا۔

تنقید کلام منظوم اور اس بے عدیل صفت سے۔ آپ کی عبارت نثر ہی پر موقوف نہیں ہے۔
بلکہ آپ کا کلام منظوم بھی اس خوبی سے معمور ہے۔ کیونکہ ماشار اللہ آپ شاعر بھی ہیں۔ اور
صفاً تخلص کرتے ہیں اور اپنا منتخب اور مایہ ناز کلام اپنی کتاب میں بطور نمائش اکثر مقام
پر ارقام فرمایا ہے۔

ابن امثال کی صورت سے۔ مولف موصوف کے بعض رجسہ اشعار نقل کرتا ہوں چنانچہ
حصور قبلہ عالم کی تقریب دستار بندی کے ذکر میں بطور تہنیت یہ رباعی جس کو آپ کی طبع موزوں
کا معرکتہ الآرا کار نامہ کہنا بے محل نہ ہوگا۔ صفحہ ۶۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”مبارک ہو یہ دستار مبارک شاہ وارث پر یہ ہیں وارث علی شاہ ولایت شاہ وارث پر“
”یہی تو سردستان محمد اور علی کے ہیں حسین و فاطمہ کے جلوہ آرا شاہ وارث پر“

یہ عدیم النظر قطعہ چونکہ مدحت میں ہے۔ اور دستور ہے کہ مدحت کسی زبان۔ اور کسی
عنوان سے ہو اس کا صلہ مداح کی صداقت بیانی۔ اور مدوح کی عنایت و مہربانی پر موقوف
ہوتا ہے۔ اور یہ بھی مسلمہ ہے کہ اگر مدحت مشتمل بہ خلوص و ارادت ہو تو مداح اس کی جزا کا
ضرور مستحق ہوتا ہے۔

لیکن اس باب میں میرا نقطہ نظر نفس مضامین کی تنقید پر گز نہیں ہے۔ بلکہ صرف انہیں قواعد علمی سے بحث کرنا مقصود ہے جن کی پابندی کا لحاظ رکھنا حضرات ناظمین کے واسطے اور باب علم عروض نے لازمی گردانا ہے۔

چنانچہ دیکھتے ہیں کہ وہ شعرائے متقدمین جنہوں نے ضوابط عروض کی پوری تعمیل اور کامل اتباع کی ہے۔ ان کا کلام اس قدر مستند اور قابل اعتبار مانا جاتا ہے کہ اہل ادب ان کے اقوال بحث اور استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

لیکن مولف موصوف کی اس بے عدیل رباعی کی چوحدی کو سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو بجائے ان قواعد عروض کی پابندیوں کے۔ خود موصوف ہی کے اجتہادی اصول سے مملو نظر آتی ہے۔ اور نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سنہ ہجری کی اس چودھویں صدی کا آفتاب جب قریب نصف النہار پہنچا اور اہل ہند کے مضمحل شدہ طبائع میں قدرتاً یہ ہیجان پیدا ہوا کہ ہر فرد کو شخصیت کے جوش نے ایسا مرد میدان بنا دیا۔ کہ قید اطاعت کو بیزار ہو کر۔ اپنی فطرتی میراث۔ یعنی کامل آزادی کا طلبگار ہوا۔

اسی طرح عالی خیال مولف کی جدت پسند طبیعت نے۔ عروض کے بوسیدہ اوراق کی تقلید کے طوق گراں سے اپنی گردن کو سبکبار کیا۔ بلکہ استعارات و تشبیہات سے جن کو آوروں سے واسطہ اور تکلفات سے سروکار ہے۔ دست بردار ہو کر۔ بالکل سادہ۔ مگر خود ساختہ اور انوکھا رنگ اختیار کیا۔ حتیٰ کہ نشست الفاظ کی قید بھی۔ آپ کے مطلق العنان خیال کو ایسی ناگوار ہوئی۔ اور صحت معنی کا دوسوہ بیکار نظر آیا۔ اس لئے تنظیم اشعار میں یہ بے تکلف اور آزاوانہ طریقہ پسند فرمایا کہ بغیر کسی غور اور فکر کے جس لفظ کو جہاں چاہا قلم برداشتہ لکھ دیا۔ اور جو حرف اس کا زائد نظر آیا۔ اس کو محذوف سمجھا اور چند کاداک جملوں کے مجموعہ کو شعر بلکہ شیرینیاں جانا چنانچہ اہمیں صفات سے یہ رباعی سراپا موصوف ہے۔ اس واسطے اگر اس کو موصوف کی طبع موزوں کا اجتہاد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

غرض ایسی مرصع رباعی سے۔ جو سراپا آزادی کے قیمتی زیورات سے آراستہ ہے۔
 روشناس ہو جانے کے بعد اس کی ضرورت نہ تھی کہ حضرت صفا کے دیگر اشعار مثلاً نگارش
 کرتا مگر شاید میری طرح ناظرین کو بھی سیری نہ ہوئی ہوگی۔ اس خیال سے موصوف کی دوسری
 نعتیہ غزل جو صفحہ ۳۱ میں مسطور ہے۔ اس کے دو شعر نگارش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہوں۔

شکرانہ میں دوں گا جو کچھ ہے میری ملک میں یہ خدا کہدے تو پھر احمد مصطفیٰ
 جاں تجھ کو دوں ایمان دوں جو کچھ تو مانگے تجھ کو دوں ایک بار پیارے پھر تو کہہ احمد مصطفیٰ

یہ دونوں شعر بھی موصوف کی اسی خانہ ساز صنعت سے معمور ہیں کہ تمامی قیود سے آزاد
 اور جملہ تکلفات سے معرا۔ خدا نخواستہ نہ قافیہ کی پابندی۔ نہ غبار صحت سے الفاظ کا شفا
 زامن آلودہ ہے اور فی الحقیقت یہ اشعار بھی۔ باعتبار صفات شاعری ایسا بلند پایہ رکھتے
 ہیں۔ جن کا کسی شاعر کے کلام سے موازنہ کرنا۔ میرے خیال میں گناہ کبیرہ سے۔ دو انچہ بڑا
 جرم ہوگا۔ کیونکہ یہ ذہنیت نہ غالب کو نصیب ہوئی۔ نہ یہ صفت میر کے کلام میں پائی
 جاتی ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو ایسے اچھوتے رنگ میں۔ اور ایسے سلیس اور مرصع اشعار لکھنا
 ہمارے باصفا مؤلف ہی کا کام ہے۔

بلکہ غور سے دیکھتے ہیں تو صفحات تاریخ زبان حال سے شاید ہیں۔ کہ میدان شاعری کا
 پہلا سیاح۔ اور علم عروض کا موجد اور مدون۔ خلیل بن احمد کی ہے۔ جس کو ناز تھا کہ میں نے
 اپنے الہامی علم سے پندرہ بحیریں ایسی مستخرج کی ہیں جو ایوان شاعری کے بام بلند کا استوا
 زینہ ہے۔

علی ہذا جب سرزمین ایران میں علامہ ابوالحسن انفش پیدا ہوا۔ جو علم عروض کا مکمل عالم تھا۔ تو
 تو اس کے اجتہاد کا یہ بہت بڑا کارنامہ شمار کیا جاتا تھا۔ کہ اس نے سوہویں بحر متدارک ایجاد کی
 اور کچھ عرصہ کے بعد چند شعرا کے عجم نے۔ جو فن شاعری کے بہترین ماہر تھے۔ جب یہ
 تین بحریں جدید قریب و مشاغل مستخرج فرمائیں۔ تو وہ دنیا کے عروض کے حکمراں مشہور ہو گئے۔

اور مورخین نے ان کا نام مجتہدین کی فہرست میں لکھا۔
 غرض انہیں انیس بحروں پر شاعری کی بنیاد قائم ہوئی۔ اور اسی مستحکم بنیاد پر شعرا کے تقدیر
 نے ہزاروں خوشنما اور عالی شان عمارتیں بنائیں۔ اور آج تک انہیں بحروں کی استعانت سے
 ناظمین جب اپنے تخیلات کا اظہار کرتے ہیں۔ تو ان کے جذبات کی وہ صحیح تصویر ہوتی ہے۔
 اور انہیں انیس بحروں کو کسی شاعر نے منظوم دائرہ میں محدود کر دیا ہے۔ وہ ہوندا۔
 رجز خفیف و رمل منسرح و گر محبت بسیط و وافر و کامل ہزج طویل و جدید
 مشکل و متقارب سرنح و مقضب ست مضارع و متدارک قریب و نیز مدید
 لیکن تعجب اس کا تھا کہ زمانہ کا یہ دور ترقی کہ ہر گوشہ سے روزانہ ایجاد و اختراع کی
 خوشگوار آوازیں آتی ہیں۔ مگر مدت مدید سے فن شاعری کے نصاب و اصول میں کوئی تجدید
 نہیں ہوتی۔

اور یہ خبر نہ تھی کہ قدرت نے ایک شخص کو پیدا کیا ہے۔ جو شاعری کے بوسیدہ اصول
 کو از سر نو تازہ کرے گا۔ اور اس کے محدود قواعد کو۔ اور اس تمام و اختتام سے بالا اور بلند کرے گا۔
 چنانچہ وہی صورت پیش آئی کہ لائق مولف۔ موجودہ اور محدود عروض کے دام تقلید سے
 قطعاً آزاد ہیں۔ اور آپ کی شاعری کا انہیں مذکورہ چند بحروں پر انحصار نہیں ہے۔ حالانکہ مدوح
 الصفات ایک گاؤں کے باشندہ۔ اور غیر معروف شاعر ہیں۔ مگر آپ کی جدت پسند طبیعت کا یہ
 عجیب کرشمہ ہے کہ نہایت خاموشی کے ساتھ شاعری کے اس تنگ اور تاریک راستہ کو غائب
 وسیع اور کشادہ کر دیا۔ اور متعدد بحریں ایسی صاف و شفاف ایجاد فرمائیں۔ جن کا نہ خواجہ نصیر الدین
 طوسی کے رسالہ معیار الاشعار میں ذکر ہے نہ ملا محمد بن نقیس مصنف حدائق العجم کا ذہن رسا
 ان کو دریافت کر سکا۔

اور لائق مولف۔ آنکھ بند کر کے۔ اپنی خانہ ساز بحروں میں۔ جن کا نام بھی کسی اہل عروض
 کو معلوم نہیں ایسے ایسے برجستہ۔ مگر مغلط شعریں کہتے ہیں۔ جن کے معنی اور مطالب سمجھنے میں موجودہ

شاعر قاصر ہیں۔

قطع نظر اس کے شعر گوئی کا یہ طریقہ بھی شاید آپ ہی کا ایجاد کردہ ہے۔ جو بہت آسان بھی ہے اور اپنی نوعیت اور خصوصیت میں فرد بھی ہے کہ پوری غزل کے اشعار اگر بجائے ایک بحر کے چند بحروں میں لکھے جائیں۔ تو وہ غزل اپنی اس صنعت کے اعتبار سے لا جواب غزل سمجھی جائے۔

بلکہ غزل کا ہر مصرع۔ اگر جدا گانہ بحر میں ہو۔ تو شاعر کی معلومات گونا گوں کی عین دلیل ہے چنانچہ شاید اسی وجہ سے مولف کے ہر دو اشعار مذکورہ کا ہر مصرع۔ اپنے ساتھ کے دوسرے مصرع سے وزن میں بھی ہلکایا بھاری اور عرض و طول میں بھی لمبایا چوڑا نظر آتا ہے۔
علیٰ ہذا لائق مولف صفحہ ۱۹ میں پھر لکھتے ہیں۔

”سب کے مولا سب کے آقا۔ پیائے اللہ کے حبیب فیض و رحمت کے وہ دریا اس جگہ آنے کو ہیں
عشق سب کو کیوں نہ ہو۔ محبوب خالق ہیں وہی آج پردہ غیب سے جلوہ نما آنے کو ہیں
یہ دو شعر بہ نظر اختصار نقل کئے ہیں۔ ورنہ یہ غزل چھ شعروں کی ہے۔ اور مولف کے
اس مخصوص صفت سے سراپا موصوف ہے۔ جو آپ کی ایجاد کردہ ہے یعنی نہ صحت لفظی کی
مرہون۔ نہ حلیہ عافی کی شرمندہ احسان۔

قرینہ ہے کہ لائق مولف نے یہ صفت اپنے اشعار میں اس مناسبت سے رکھی ہے
لفظ شعر اور شیر میں باوجود یکہ تجنیس خطی نہیں ہے۔ مگر کثرت استعمال سے آواز دونوں کی
چونکہ یکساں معلوم ہوتی ہے اس کا ظ سے آپ کا ہر شعر بمنزلہ شیر کے ہوتا ہے۔ اور عموماً
شیر ایک جگہ میں باہم نہیں رہتے۔ وہی رعایت ہے کہ آپ کی غزل کے دو شعر بھی ایک دوسرے
سے دست و گریباں نہیں بلکہ آپ کے اشعار کا ہر مصرع اسی نسبت سے مختلف حیثیت رکھتا ہے۔
کہ شیر کے بچوں میں بھی۔ شیر کے عادات اور خواص ہوتے ہیں۔

یہ صفت اس اعتبار سے ایجاد کی گئی ہو کہ جس طرح مولف نے قافیہ کی شرط کو لانا

نہیں گردانا۔ اسی طرح بحر کی پابندی بھی اس وجہ سے اٹھادی کہ ٹھوڑی دشواری سے
خالی نہ تھی اور اس دروسری کو یوں آسان کر دیا کہ جو مصرع جس بحر میں ہاتھ آیا۔ اس کو لکھ لیا
اور جب دس میں مصرع جمع ہو گئے تو اس ذخیرہ کا نام غزل رکھ لیا اور لفظی و معنوی رعایت
کے جھگڑوں سے تو جناب کا ہر شعر بالکل پاک و صاف نظر آتا ہے۔

مگر حکیم صفا صاحب کی خدمت میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ غزل کی اس ترتیب کو ممکن
ہے کہ طبی محاورہ میں بمعجون طرفہ بھی کہتے ہوں۔ لیکن ارباب ظرافت کی اصطلاح میں اس طریقہ کو
دیوانی بانڈی۔ یا چوں چوں کا مرہ کہتے ہیں۔

اور ایک مرصع غزل مولف موصوف نے حضور قبلہ عالم کی تاریخ وصال کی مدحت میں فرمائی
ہے۔ چنانچہ صفحہ ۸، ۲ میں آپ لکھتے ہیں۔

نظارہ کرتا رہتا ہوں ہر ایک تاریخ پہلی کا
مرے شاہنشاہ والا کی آمد ہوتی ہے اس دن
مرے آقا ہوئے واصل خدا سے چاند جب نکلا
ہا جن ہوں میں آقا کا۔ غلام آزاد ہوں انکا
بنایا ہے مکان کہتے جسے منزل ہر وارث کا
سبھی یاں اصفیا و اتقیا تشریف لاتے ہیں
محمد مصطفیٰ اور اہلبیت اصحاب سب ان کے
شناخوانی کو عالم اور سب قوال آتے ہیں
شناخوانی کے بعد اطعام کی تقسیم ہوتی ہے
ہو افضل خدا مجھ پر مرا ایمان رہا قائم
ہزاروں عید کو قربان کروں میں اس پہ ہر لحظہ

شناخواں میں ہمیشہ رہتا ہوں تاریخ پہلی کا
کہ جس دن چاند ہوتا ہے مری تاریخ پہلی کا
صفر تھا دن جمعہ کا تھا سفر تاریخ پہلی کا
بنایا ہستم مجھ کو اسی تاریخ پہلی کا
بچھا فرشتے مٹھا منتظر تاریخ پہلی کا
ہوں خادم پیشواؤں کا اسی تاریخ پہلی کا
قدم رنجہ ہیں فرماتے جو دن تاریخ پہلی کا
شناخواں میں بھی ہو جاتا ہوں اسی تاریخ پہلی کا
محبت کا یہ ثمرہ ہے اسی تاریخ پہلی کا
کہ میری روح میں ہے تذکرہ تاریخ پہلی کا
سما جو دل میں میرے آگیا تاریخ پہلی کا

صفا تو جان و دل کر دے فدا تاریخ پہلی پر

کہ تیرے پیر کا ہے وصل اس تاریخ پہلی کا

لائق مؤلف نے یہ مرصع غزل اپنی کتاب کے صفحہ آخر میں تسطیر فرمائی ہے۔ اس مناسبت سے یہ زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے کہ میں بھی موصوف کے صفات شاعری کی تنقید کو اسی بحث پر معذرت کے ساتھ ختم کر دوں۔

اور اس غزل کے مضامین سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مؤلف ممدوح، بقید تاریخ وصال رہنے والے برحق کا ماہانہ قلم پزیر کلف طریقہ پر کرتے ہیں۔ خدائے برتر۔ آپ کی اس سخن خدمت کو قبول کرے اور جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

لیکن اس غزل سے بھی آپ کے ایجاد کردہ صفات شاعری کا کافی اظہار ہوتا ہے۔ کیونکہ اول تو ممدوح کی یہ مایہ ناز صنعت کہ غزل کے ہر شعر کا قافیہ جدید ہو۔ اس ممتاز صفت سے یہ غزل از مطلع تا مقطع سہرا یا موصوف ہے۔ کہ اس غزل کے بارہ شعر ہیں۔ اور ہر شعر کا قافیہ جدا ہے۔ یہی وہ اجتہاد ہے جس کی نسبت اگر یہ کہا جائے کہ فن شاعری نے نیا جنم لیا ہے تو بیجا نہوگا۔ دوسری نمایاں صنعت یہ ہے کہ مؤلف ممدوح نے ایسا مکمل انتظام فرمایا ہے کہ پوری غزل کا ہر ایک قافیہ ایسا الگ تہلگ رہتا ہے۔ کہ روین سے دست و گریباں ہونا کیسا معمولی طور پر چار آنکھیں بھی نہیں کرتا۔

تیسری قابل قدر صنعت یہ ہے کہ جملہ الفاظ اپنے مفہوم و مقصود کے محافظ اور پردہ دار ایسے ہیں۔ کہ غور و فکر سے بھی مطلب کا انکشاف نہیں ہوتا۔ شاید اسی صنعت کو "المعنی فی بطن الشاعر" کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ عالی خیال مؤلف کی فنون سازجہت نے صدہا سال کے بوڑھے عروض کی ایسی کایا پلٹ کی۔ اور اس کے محدود احاطہ کو ایسا وسیع میدان بنا دیا کہ جس میں اب شاعروں کی بلا تکلف گھوڑ دوڑ ہو سکتی ہے۔

الغرض قبل اس کے جس طرح تھوڑی صراحت سے مؤلف موصوف کے نقل کردہ واقعات مصدقہ کا چہرہ ایسا بے نقاب ہو گیا کہ ہر شخص ان کی حقیقت اور ماہیت کا اندازہ بخوبی کر سکتا ہے

اسی طرح مدوح کے شاعرانہ مذاق اور قابلاً نہ طرزِ تحریر کی فصاحت اور بلاغت کا بھی اس مختصر
تصریح سے اظہار ہو گیا۔ اور اب قارئین اس کا تصفیہ بھی نہایت آسانی سے کر سکتے ہیں کہ جس ہفت
نے غیر واقع واقعات نقل کئے ہوں۔ اور بحیثیت شاعر اسی پریشان نظمیں مباحث کے ساتھ
درج کی ہوں اس کے استدلال کہاں تک مستند اور قابلِ سماعت ہو سکتے ہیں۔

وکر شعرائے وارثی | اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کروں گا کہ علاوہ دیگر خصائص و کیفیات کے غلامان
بارگاہ وارثی کے چوٹ کھائے ہوئے دل کا عموماً میلان کلام منظوم کی جانب بھی زیادہ ہوتا ہے
اور طبیعت کا مذاق شاعری سے غیر معمولی طور پر مناسبت ہوتی ہے۔

جس کا سبب یہ لحاظ مشرب یہی ہو سکتا ہے کہ بعض صوفیائے کرام نے علاماتِ محبت کو
ذکر میں ایک مخصوص علامت یہ بھی نقل فرمائی ہے کہ "الشَّوْقُ ثَمَرَةُ الْمَحَبَّةِ" یعنی شوق نتیجہ
ہے محبت کا۔ اور چونکہ طغیانِ شوق کا اظہار بلا اعلان کرنا منافی شانِ محبت ہے۔ اس واسطے
محب اپنے اپنے مذاق کے اعتبار سے۔ ایک ایسا پیرا یہ اختیار کرتے ہیں۔ جس کے پردہ
میں محبوب سے عرضِ حال کر سکیں۔

مگر ماہرینِ فنونِ لطیفہ کی متفقہ رائے ہے کہ جذباتی شوق کی صحیح تصویر استعارات کے
باریک پردوں پر تشبیہات کے نازک اور ہلکے رنگوں میں۔ نمایاں طور پر دکھانا۔ اس مصور کا
مخصوص حصہ ہے۔ جسکو عرف عام میں شاعر کہتے ہیں۔

اسی لحاظ سے اربابِ شوق۔ حالتِ اضطراب میں۔ شعرائے متقدمین کے انہیں اشعار
کی جن کو عاشقانہ مضامین سے۔ کلیتہً سروکار ہوتا ہے۔ بسکین خاطر کے واسطے مکرر سہ کر فرماتے
ہیں اور ان کی اس دلچسپ مزاولت کا اکثر نتیجہ آخر یہ ہوتا ہے۔ کہ اثراتِ عشق۔ اور غمراں
شوق سے وہ غم رسیدہ۔ موزوں طبع۔ بلکہ بعض۔ واقعہ نگاری میں نام آور شاعر ہو جاتے ہیں۔
اور سرکارِ عالم پناہ کا یہ فیض عام تو زبانِ زو و خلاق ہے۔ کہ آپ کا کوئی حلقہ بگوش
ایسا نہیں جس کے دل میں۔ بقدر استعدادِ محبت کا بگوش نہ ہو۔ اس واسطے اگر یہ کہا جائے

تو ناموزوں نہ ہوگا کہ عنایت وارثی نے اپنے ارادتمندوں کو ان کے حسب حال جو مذاق محبت و ولایت فرمایا ہے۔ اس کے خصوصیات کا یہ بھی ایک غیر معمولی تصرف ہے کہ وہ عقیدت شعار اکثر باطنی ناظم ہوتے ہیں۔

لیکن اس باطنی توجیہ کے علاوہ۔ جو نکات اور اشارات پر مشتمل ہے۔ ہمارے اخوان ملت کو سخن سنجی اور سخن دانی سے گہری مناسبت ہونے کا۔ ظاہری۔ اور بہت نمایاں ایک سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حسب معمول۔ دربار وارثی میں ہر ادنیٰ داعی کو بار بار یہ ضرور حاصل ہوتی تھی۔ اسی طرح بجز ان مخصوص حضرات کے۔ جن کو مزاج دانی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ عموماً زائرین کو دو چار منٹ سے زیادہ حضوری نصیب نہیں ہوتی تھی۔ اور یہ قلیل وقت مشاہدہ جمال وارثی میں گزر جاتا تھا۔ عرض حال کرنے سے وہ قاصر رہتے تھے اور ان کی یہ محویت بے وجہ بھی نہیں تھی۔ کیونکہ الفت۔ جو اس راہ میں بہت چھوٹا درجہ۔ اور مراتب محبت کے ایوان بلند کا پہلا زینہ ہے۔ اس کی تعریف ارباب طریقت نے یہ فرمائی ہے کہ ”وہی مبدان القلب۔ الی الماکوف“ یعنی الفت کی علامت یہ ہے کہ قلب کو مالوف ہی سے سروکار ہو۔ اور قطع نظر اس کے اگر اتفاق سے حاضرین کو اظہار حال کا موقع کبھی مل بھی جاتا تھا۔ اور زعم وارثی کو اختیار سے عالی بھی دیکھتے تھے۔ تو وہ حق نبوش۔ اکثر بہت آداب طریقت خاموش رہتے تھے۔ کیونکہ جذبات قلبی کے واسطے ضبط و تحمل لازماً سے ہے۔ چنانچہ عارف حق خواجہ شبلی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ ”المحبۃ کتمان الوجود“ یعنی محبت کی تعریف یہ ہے کہ احوال پوشیدہ رکھے۔

غرض اس کشمکش میں کہ دل کی یہ خواہش کہ عرض حال کرو اور اقتضائے مشرب یہ کہ ساکت رہو۔ پرستاران صادق نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنے جذبات کو نظم کے پردہ میں اظہار کرنے لگے جن کی ابتداء تو قصیدہ نما۔ یا بصورت ثنوی ہوتی تھی۔ مگر آگے درپردہ طلب محبت۔ یا کسی فرضی پیرایہ میں اپنے واردات و کیفیات کا مجملہ ذکرہ۔ یا مثلاً عنایت و پرورش کی استدعا پر اسکو ختم کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ وہ نظم صورتاً تو مضمون آرائی کا طوبار ہوتی تھی۔ مگر بالعمنی شرح عرضداشت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اور خوش قسمتی سے وہ ارادتمند اپنی اس کوشش میں اس لئے امید سے زیادہ کامیاب بھی ہوئے کہ خود حضور قبلہ عالم کو کلام منظوم پسندیدہ تھا۔ اس واسطے جناب حضرت اس کو بہ رغبت سماعت فرماتے تھے۔ اور اسی طرح نکات شاعرانہ اور محاورات کی بندش کی داو دیتے تھے کہ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ بہت بڑے نقاد و سخن اور فن شاعری ہیں بدطوئے رکھتے ہیں۔

الغرض یہ طریقہ جو بیک کرشمہ دوکار کا مصداق تھا۔ شاقین جمال دارنی کو اس قدر مفید معلوم ہوا کہ اکثر برادران طریقت نے مدحت سرائی شروع کر دی۔ اور تھوڑے عرصہ میں یہ کیفیت ہو گئی کہ دس دس انتظامیں روزانہ پیش ہونے لگیں۔ اور حضور قبلہ عالم کی یہ شان بندہ نوازی بھی مستقل ہو گئی کہ عربی فارسی، اردو، ہندی کے قصائد اور غزلیات، ہیکال دھپسی آپ سننے اور سرور ہوتے۔ رفتہ رفتہ یہ طرز استدعا ایسا ترقی پذیر ہوا کہ آستانہ اقدس پر دو چار ناظم ہر وقت نظر آنے لگے۔ چنانچہ میری حاضری کی قلیل مدت میں جس قدر مداح دارنی گزرے ہیں۔ اگر ان کا ذکر معمولی صراحت کے ساتھ لگارش کروں۔ تو وہ فہرست بجائے خود ایک حجم رسالہ ہو جائے لہذا بہ نظر اختصار چند حضرات کے نام۔ اور ان کے بعض اشعار تشبیہاً لکھتا ہوں۔ جن کے مطالعہ سے ناظرین کو ان کے جوش قلبی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

چنانچہ پہلے غشی خدائش صاحب دارنی متخلص بہ شائق۔ وریا آبادی کا ذکر اس لحاظ سے کرتا ہوں کہ موصوف سرکار عالم پناہ کے قدیم مداح اور نہایت پر جوش حلقہ بگوش تھے۔ اور آپ ہی کی مبلغ کوشش کا یہ زرین کارنامہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کے ابتدائی حالات و واقعات ضبط تحریر میں آئے۔ اور تحفۃ الاصفیا کے نام سے وہ رسالہ شائع ہوا اور اسی مجموعہ سے جملہ مؤلفین سیرت دارنی نے ایام رضاعت۔ اور ملک حجاز کی مسلسل سیاحت کے مضامین اخذ کئے ہیں۔

اور آپ کی اسی ارادت صادقہ کا انہماک آپ کے کلام منظوم سے ہوتا ہے کہ استعارات

کی نزاکت اور تشبیہات کی بندش کے ساتھ کوئی شعر فلسفہ تصوف سے خالی نہیں چنانچہ آپ نے ایک غزل خواجہ حافظ کی غزل پر لکھی ہے جس کے دو شعر یہ ہیں۔

زفر طربد گمانہا کہ می دارم بہ دل پنہاں
گرفت اطراف عالم را محیط امر وز لے شائق
اور یہ شعر بھی آپ کی ایک غزل کا ہے۔
زابد بہ زلف و خال و خطت کرد تا نظر
اور ایک غزل کے تین شعر یہ ہیں۔

کر دم در راہ حور و ملک
داد دلدار درو اگر مارا
او کہ صدا مرا ہم آورد
بلکہ فارسی میں ایک مثنوی بھی آپ نے لکھی ہے جس کی تمہید میں ایک فرضی زاہد کی محبت کا دلگذاز قصہ ہے اور اسی پردہ میں اپنی حالت کا اظہار ایسے خوش عنوان طریقہ سے کیا ہے کہ بقول مولانا۔

خوشتر آن باشد کہ سر و لبر آن

گفتہ آید در حدیث دیگر آن

علی ہذا مولانا عقل و ارثی لکھنوی کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ آپ مذہباً اثنا عشری راہ نبأ سید اور خاندان اجتہاد سے تھے۔ مگر حضور قبلہ عالم کار و سوتے حق نہاد بیکو کر زبان صدق۔
أَوْلَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ کہا۔ اور ظل حایت و ارثی میں پناہ گزیں ہوئے۔ اور تا حیات مد سرائی کی چنانچہ آپ کی تصنیفات میں سے بہتر شعر کا ایک قصیدہ جو قصیدہ اتحادیہ۔

نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعض شعر یہ ہیں۔

عشاق محو او بند۔ ہر جاشس جملہ جو بند
در کوی او پویند گم کردہ دست و پا
ایں اہل باطن اند۔ ایں لب کائناتند
ماموں و آمانند۔ اسرار انیا

از ساکنان واصل مشہود مصطفیٰ را
 حُسنِ حُسنِ میسر۔ آن خیر صفا را
 بر لوحِ صاف باطن۔ مرضی مرتضیٰ را
 خیر القرون قرنی۔ سلطان انبیاء را
 بودند اہل باطن۔ تارک زر و طلا را
 این جملہ عارفانند۔ اسرار اوصیا را
 ہم منظرِ خدایند۔ افراد ماسوئی را
 مہدی دین محمد۔ سلطان اولیاء را

اس سید تمہید کے بعد مدحت مدوح کی جانب آپ نے گریز فرمائی اور لکھتے ہیں۔

وارث علی چونوح ست۔ کشتی اتقیا را
 ساقی آب حواں۔ اسکندر و گدارا
 فرمود چون سلیمان۔ تسخیر این سبب را
 مثل خلیل دریافت۔ ادباغ مدعا را
 اوسینہ کرد سینا۔ معراج اتقیا را
 تا کرد نام روشن۔ یحییٰ و زکریا را
 در عشق حق بسر کرد۔ شب و شب و صبارا
 این خبر و ارثاں شد آئینہ اولیاء را
 انسان عین اوہت۔ اخبان انبیاء را
 ارشاد لائسبوا۔ پندست از کبارا
 شیرست در شجاعت ہر بیشہ و غارا
 دادہ شکست فاشے۔ حرص و طمع ہوارا

چوں آن کیلِ کامل۔ با معرفت موصل
 ہمام سبطِ اکبر۔ مشتق ز حُسنِ مصدر
 سلمانِ فارسی بود۔ آن نقش بند معنی
 یک بود اویس قرنی۔ دانائے رمازینی
 مقدار و ہم ابو ذر۔ دال راز دالِ حذیفہ
 ہم بایزید و کرخی۔ شیری۔ جنید و شبلی
 کاین غوث و قطب و ابدال۔ آیات کبریا بند
 ظلِ آلہ اوحد۔ قائم مقام احمد

اس سید تمہید کے بعد مدحت مدوح کی جانب آپ نے گریز فرمائی اور لکھتے ہیں۔
 احوال قطب دوران۔ غوث زمان حاضر
 الیاس بحر عرفاں۔ اوریس خلد رضواں
 لقمان حکمت ست اور۔ داؤد شوکت ست اور
 از لہب آتش عشق۔ تا سوخت ہر گہ پے
 پھر کلیم سینا۔ خلوت گد وصال ست
 یوسف بصورت ست اور یعقوب سیرت ست اور
 علی صفت تر مہد ست اور پیر اولیاء
 آخر ز بیت طاہر۔ یعنی بنی آخر
 نے نے غلط نوشتہم۔ آئینہ چیت بحس
 کتابے نظیر ست۔ فرداست و ہر پیر ست
 فردست و رقناعت۔ بکناست در ضاعت
 مثل جنید دارو۔ تجنید شکر صبر

اطوار او چو سیری - روزانہ و شبہا را
ذکرش بود فسانہ - اسعاف مدعا را
آن مطلع الشمس ست - و الشمس والضحیٰ را
چوں احمد و علی را ہست اتحاد آرا
باشد حدیث صادق - سردار انبیاء
ہم جسمک و جسمی ہم لکم و ہم دما را
ہم نطفی ست حرفے تاکے کنم ثنا را
ارباب علم دانند - این رمز آشکارا

اسرار او چو سیری اشغال او چو شبلی
بسطامی زمانہ - معروف را یگانہ
آن اکرم النفوس ست آن عظیم الروس ست
وارث - ولی مرادف - معنی ارث دارند
لفظ علی ستمنی ہم با آنک و مینہ
ہم روحک و روحی ہم نفسک و نفسی
ہرگونہ اتحادے قلبی و معنوی است
گر قلب و او خوانند پس و او را بخوانند

اسی طرح سرکار عالم پناہ کے قدیم خرقہ پوش فقیر رحیم شاہ صاحب نے جو عرصہ تک
مادوم خاص کے متاز عہدہ پر موری ہے۔ قبلہ عالم کی مدحت سرائی کے پردہ میں ہمیشہ اپنے
جذبات قلبی کا اظہار زبان بجا کائیں کیا حتیٰ کہ حضور کی اجازت سے اپنا تخلص بھی نام رکھا اور
آپ کی تصانیف کا مجموعہ ۳۱۵ جہریں چھپ بھی گیا جو یادگار ناموں کے نام سے مشہور ہے۔
اور اس کی ابتداء اس جہن سے ہے۔

پر بھو ہم دیکھی تھاری پر بھو تائی

بنا ٹیک لے گنگن پھرا یو یک چھن تہر زہائی
چار یو کالے پنڈ بنا یو - تہہ پنج گئیو سمائی
سنتن کے نت سنگ رہت ہوانت کوڈنہن پائی
زکھٹ موہ گئیو من نام - نینن صورت سمائی

جل کے او پر بھم بچھائیو پر بھتی دیہو بسای
پانی - پول - اگن اور کھیا - دینہو ایک مائی
جوگی بن کے جوگ کیو ہے تپسی بن تپ لائی
گہٹ جب پر گہٹ ہوئے وارث دینہو دریں دکھائی
پھرا یک ٹہری میں آپ لکھتے ہیں۔

بھولی بھولی صورت پر واری
جہم جہم چال چلت متواری

لاگے مین کا وارث چہب پیاری
گوئے گوئے بدن پر تہند سوئے

سندروپ سلونے نینا
کتنو دہائے گرت چرن پر
نا دم جیا تر سے بن درشن
ایک ٹہری کے دو شعر یہ ہیں۔

جہہ چتوت تہہ مارت کٹاری
کتنو آئے کے کرت جوہاری
کب درشن دیہیں موہن مراری

وارث موری نیا کے تہیں رکھوار

اگم اتھاہ پیہم کی ندیا جو رہت ہے دھا
لکھ لکھ لہرا پار سمندر کی ڈر لاگے ادھکار
اور حکیم سید عبدالآدشاہ صاحب خرقہ پوش بارگاہ وارثی متخلص بہ تبحر متوطن مضافات
گیا جو بہت عالی خیال اور صاحب تصانیف تھے۔ اور ہمیشہ اپنے حالات و واردات کا ذکر نظم
عرضداشت میں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی ایک مرصع نظم کے چند اشعار یہ ہیں۔

بر در آمد بندہ فرمان تو
اللہ اللہ باکہ گویم حال زار
اللہ اللہ از کہ باشم چارہ جو
اللہ اللہ ایں چہ رختہ برفاد
اللہ اللہ ایں چہ عالم کردہ
رحم کن اکنوں خدا را دلبرا
رحم کن بر حالت اندوہ گین
اور آپ کی ایک غزل کے دو شعر یہ ہیں۔

خانان او ہمہ قربان تو
نیست اکنوں جبارہ صبر و قرار
خاک بر سر میدوم ہر چار سو
ہر کے از خویش ماندہ نامراد
نیز بے پردہ شدی در پردہ
از قیود شرک مخفی کن رہا
انت ربی انت خیر الوارثین

بیرون زحد و دایں صفاتم
سیراب ز چشمہ حیاتم

من مست شراب عشق ذاتم
تالذت دروہا چشیدم
ایک غزل میں آپ فرماتے ہیں۔

ہر زماں شکل و گہر پیدا کئی
سن ترانی گہر گہوئی از غرور
از تحیر نوشس جام وارنی
جان عالم بیشتر شیدا کئی
گہر بجلی بر سر سینا کئی
تا کجا فکرہ انشا کئی
ایک غزل کے دو شعر یہ ہیں۔

چند جوئی واروئے ورد جگر اسے چارہ سا
ماند انم جز حدیث عشق دیگر آیتے
معہذا مولوی لطافت حسین صاحب وارنی متوطن شیخپورہ ضلع مونگیر جو عربی کے

مستند ادیب اور معقولات کے مکمل عالم تھے۔ ان کا عجیب واقعہ ہے کہ ربیع الاول
۱۳۰۵ھ ہجری میں حضور قبلہ عالم کا نام نامی سن کر نا دیدہ مشتاق زیارت ہوئے اور اس
گرویدگی کا یہ اثر ہوا کہ دفعتاً عادات روزمرہ کے ساتھ خیالات میں بھی عظیم انقلابات رونما
ہونے لگے۔ چنانچہ پیش ازیں ان کی طبیعت کو شاعری سے کوئی خاص مناسبت نہ تھی مگر
اس شینفگی کے اضطرار میں چوبیس اشعار کا ایک قصیدہ لکھا جس میں شوق قدمبوی کے
سلسلہ میں اپنے جوش ارادت کا بھی اظہار کیا جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اے قبلہ ایمان من گاہے نظر بر من فگن
اے پانچ ارمان من۔ اے محبت بران من
تصدیق تو ایمان بود۔ منکر تو شیطان بود
سے مومنم نے کافر۔ از ہر دو فارغ خاطر
جائے بدہ ستم کند تائیت از ہستم کند
نایدہ دیدار شما۔ چوں وئیں باشم بتلا
غرض کچھ روز تک ہی قصیدہ شب و روز کا وظیفہ رہا۔ لیکن مجیب الدعوات نے
ان صدق و خلوص کا یہ ثمرہ مرحمت فرمایا کہ شروع شعبان میں داخل سلسلہ ہو کر ظل حیات

دارتی ہیں پناہ گزیں ہو گئے اور دوسرا قصیدہ جو پیش کیا۔ اس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

ضرب مروانہ بزن سینہ صد چاک شوم
دل چو بشکستہ شود عرش مشہر پاک شوم
سر کبک حله خونین کفن ان زیب بدن
بامیدیکہ شہید بت سفاک شوم
نوش خرامم چو برہنہ کف پامی آید
جان بگوید کہ بر اہش خس و خاشاک شوم
خاک بر عیش و نشاطیکہ بداریں دہند
در و عشق تو بدل گیر دو غمناک شوم
شہسوارم چو کند عزم شکار دل من
نقد ہا سوختہ ام۔ نفس عدولیک نہوت
نیم جان صید نگہ ہدیہ فتراک شوم
آتشے زن کہ ز خاک آمدہ ام خاک شوم

مداح کے معنوی مرادات اور خواہشات کو مدوح نے کہا تک پورا کیا۔ اس کی
توجیہ نہیں۔ مگر بظاہر یہ ضرور دیکھا کہ حضور قبلہ عالم نے مخاطب ہو کر اس منظوم عرضداشت
کی سماعت فرمائی۔ اور مسرور ہوئے۔ بہر کیف کسی وجہ سے کیوں نہ ہو۔ لیکن مصنف موصوف
کا یہ دستور ہو گیا کہ جب حاضر خدمت ہوئے۔ قصیدہ ضرور پیش کیا۔ چنانچہ اسی دوران
میں ایک نظم جو سراپا جذبات محبت سے معمور۔ اور خواجہ امیر خسرو کی طرح پر لکھی تھی پیش
کی جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

من قبلہ راست کردم بر سمت خوش لقائے
عریاں سرے چو ماہے شوخے برہنہ پائے
از چشم و ابرو دانش غارت گر جہانے
صدفتہ و رنگاہے صد عشوہ در ادائے
مخمورے پرستے ظالم دراز دستے
زنار ہچومتے ہشیار دبر بائے
مہتاب بے حجابے خورشید بے تقابے
عیار بیوفاتے فناں کج ادائے
دزیدہ کن نگاہے از دل کشم من آہے
باشم قنیل چشم و یک غمزہ خون بہائے

از انجملہ موصوف نے ایک اور قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

اسے قہر تو بلند ز پرواز فکر من
میدان فراخ تر ز تگ تو سخن سخن
اس معرکتہ الآرا قصیدے کی تمہید سچاں اشعار میں ایسے خوش عنوان اور دلگداز

پیرایہ میں لکھی ہے جس نے نفس مضامین کو اور زیادہ پراثر کر دیا۔ چنانچہ اس قصیدہ کے مطلع ثانی کے ساتھ چند اشعار مثیلاً نقل کرتا ہوں۔ جن سے مصنف کے واردات و کیفیات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

مطرب بیا بہ پردہ دیگر سرود زن
آب حیات دہ بن مردہ قدیم
جائے بدہ کہ دیدہ جان را بصر دید
در ہجر تار تا بجز رنج و غم کشم
شونے ہر آن گشتہ بصد شان جلوہ گر
کافر تے کہ دین سلمان بر د بزور
تارے بصد بہانہ کند صید عاشقان
پھر قریب اختتام مدوح سے استعا کرتے ہیں۔

دردیکہ بعد مرگ بود حزر جان و تن
دردے کز وز دار سفر جان مبتلا
دردیکہ بعد مرگ برد در دیار تو
نا کردہ کس نماز برد نے دعار خیر
گفتم ہر آنچه گفت دل پر ہوس مگر

بلکہ ایک قصیدے کی تمہید میں مولد و ارثی (دیوبند شریف) کی مدحت۔ شاعرانہ پیرایہ میں اس خوبی سے کی ہے کہ آداب ارادت کے ساتھ نازک استعارات میں اپنے تخیلات کا اظہار بھی کر دیا۔ اور عاشقانہ مذاق کی بلند خیالی بھی قائم رہی چنانچہ آپ لکھتے ہیں

مطلع خورشید ایمان ست زراں سیمان من
پسح میدانی چہ دیوا۔ منظر رحسانی ست

دردیکہ بعد مرگ بود حزر جان و تن
رقصاں رود بشوق سوئے اولین وطن
بے غسل لاشہ من و بے گور بے کفن
باشد غذائے زارع دیار تو و زغن
ترسم کہ در نواح تو سپید کند عفن

نور پیشانی ست خاک کوچہ دیوائے من
مرسخائے عالمین و ما من و ملجائے من

خود چہ دیو اے نماز گاہ شوقِ عاشقان
 خود چہ دیو عاشقان را کعبہ ایمان و دین
 موطن محبوب یزداں منزل سلماے من
 مقصد صحرا نوردان محل لیلای من
 من غلام حضرت وارث شدم دیو پرست
 بود در طفلی ہمیں باز گیکہ آقائے من
 اہل فیضانِ وارثی کا یہ بھی ایک یادگار کوشش ہے کہ مولوی لطافت حسین صاحب
 جو درحقیقت اپنی فروتنی کے لحاظ سے فن شاعری کو صرف نمود و شہرت کا ذریعہ سمجھتے تھے، مگر
 جوشِ محبت نے ان کی اس متانت کو اضطراری حالت سے ایسا تبدیل کر دیا کہ اسی سادہ
 مزاج مولوی کی طبع موزوں نے تقریباً چالیس قصائد میں بربستہ وہ مضامین لکھے جو کہ نہ
 مشق اور عالی خیال شعرا کے کلام سے کسی طرح کم نہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ طبیعت کی
 فطرتی افتاد کہ شاعری سے عدم رغبت۔ وہ بھی قائم رہی۔ کہ تخلص جو اس فن کا خاص تمنہ
 ہے۔ اس کو آپ نے قطعاً ناپسند کیا۔ بلکہ مذکورہ بالا تصدیقہ کے ایک شعر میں اپنے اس خیال
 کو صاف لفظوں میں لکھ دیا کہ۔

شاعرانِ راضعتِ ناراستِ عربانی ہوس
 اے جنوں! میں جامہ راکنِ چستِ بربالائے من
 یہی صورتِ شیخِ امین الدین صاحبِ وارثی سینے پوری نے اختیار کی تھی۔ جو قبلہ عالم کے
 قدیم حلقہ بگوش اور نہایت پر جوش ارادتمند تھے کہ جب حاضر خدمت ہوتے زبان بھاکا میں
 اپنا نو تصنیف بچن یا کبست یا کوئی چوپائی ضرور پیش کرتے۔ اور اگر حکم ہوتا تو نہایت پرورد لہجہ
 سنا تے تھے۔ جس کا مضمون عموماً پیشوائے برحق کی مدحت۔ اور آخر میں محبت کی استدعا ہوتی تھی۔
 چونکہ موصوف کو اودہ کی قدیم زبان کے محاورات اور شعرائے ہند کے استعارات
 سے کما حقہ واقفیت تھی۔ اور طبیعت بھی فطرتاً موزوں اور رنگین پائی تھی۔ اس لحاظ سے
 آپ کا کلام منظوم شاعرانہ تشبیہات سے مملو۔ اور عاشقانہ تخیلات سے معمور ہوتا تھا چنانچہ
 آپ نے سلسلہ وارثیہ کے شجرہ قادریہ زرقیہ و حشتیہ نظامیہ بھی پداوت کے طرز پر کمال
 وضاحت نظم کئے تھے۔ مگر افسوس اس کا کوئی نسخہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔ ورنہ

تمثیلاً ضرور نقل کرتا۔

اور موصوف کے ہم عصر دوسرے شاعر۔ ماہر زبان بھاکا شیخ حسین علی صاحب دارٹی تخلص بہ نواب متوطن وزمیندار سادہ موصول بارہ نکلی بھی اپنے زمانہ کے مستند اور پرگو کبیشتر تھے۔ جن کا بارگاہ دارٹی میں قدیم اور مخصوص ارادتمندوں میں شمار ہے۔ ان کا بھی یہی طریقہ تھا کہ جب بہ اشتیاق زیارت حاضر خدمت ہوتے تھے۔ تو آپ کا یہ دستو تھا کہ اگر دن میں چار مرتبہ قدمبوس ہوتے۔ تو ہر مرتبہ اپنی تازہ تصنیف ضرور سناتے تھے۔ اور چونکہ مضمون حسب حال ہوتا تھا۔ اس لئے آپ کا کلام پر اثر زیادہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کا تو تصنیف کبیت جو آپ نے برجستہ لکھا تھا۔ سن کے حضور قبلہ عالم فرمایا کہ "حسین علی تم اپنے وقت کے کبگنگ ہو۔"

بلکہ زبان بھاکا میں آپ ایسے قاور الکلام شاعر تھے کہ حسب ایمائے سرکار عالم آپ نے پورا واقعہ کہ بلا نظم کیا تھا۔ جو تاریخی واقعات اور مستند روایات کی حیثیت سے شان میں یگانہ مرثیہ۔ اور کتاب سرالشہاد میں کا صحیح ترجمہ تھا۔

عرض اخوان ملت کون شاعری سے غیر معمولی مناسبت ہونے کا سبب بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عرض حال کے واسطے یہ بہترین طریقہ اختیار کیا تھا۔ چنانچہ حاجی اوگھا شاہ صاحب دارٹی بچھراوینی جو حضور قبلہ عالم کے قدیم خرقہ پوش فقیر ہیں۔ ان کا بھی نصب العین یہی دیکھا کہ اپنے قیام کے زمانہ میں اکثر تہائی کے وقت صوفیائے کرام کے چیدہ چیدہ وہ اشعار جن کے مضامین اپنے حسب حال ہوتے تھے۔ پر سوز لہجہ میں سرکار عالم بنا دینا سناتے تھے۔ اور جب یہ عمل مفید ثابت ہوا۔ اور شوق کی تحریک ہوئی۔ تو رفتہ رفتہ طبیعت موزوں ہو گئی۔ اور اپنے تخیلات کا نظم کے پردہ میں اظہار کرنے لگے۔ چنانچہ آپ کی ایک غزل کا مطلع اور حسن مطلع یہ ہے۔

آہلی جسم لبوں پہ دم ہو زبان ہو صرف شائے دار
کہ دل میں شوق وصال ارث ہو آنکھ محوی نقائے دار

مگر نہ دیکھی یہ شان و خوبی۔ جدا ہے سب ادارے وارث
 میں اپنی نظر گزرے ہزاروں خوش حودین لکھوں
 ہندی زبان میں غزل لکھی ہے جس کے دو شعر یہ ہیں۔

جنم کے راجہ بندر چھپلا۔ مورگو شائیں شام بہاری
 سانولی صورتین ریلے ترچھی چتون چہل بل نیاری
 ساج و جج۔ ٹھاٹھ انوکھے چال بھی چنل پری تباں
 پ کی تصیفات میں مجموعہ تسلیم نچگانہ کی تسلیم چارم کے چندا شعارجین میں جذبات قلبی کا اظہار
 باہے یہ ہیں۔

سراپا حسن محبوبی و شان مصطفیٰ اداری
 دریں کثرت پے حیلہ گرفتی صورت آدم
 مگر چوں صورتے داری نشان نشان ہستی
 دو بالادرزمان خویش نام صیدری داری
 مگر نظارہ روئے ترا سے جان جاں خواہم
 ہمیں درد ملنا سے ہمیں برب صد اوارو
 مراد یوانہ خود کن۔ بہ ہر رنگے کہ میدانی
 لام اللہ مولائے۔ کہ روئے حق نما داری
 لام اللہ اے تو حقیقت زینت عالم
 دیم آشکارا منظر ذات ہسان ہستی
 لام اللہ اے خضر ہیاں چوں رہبری کردی
 باغ خلد میخو اہم۔ نہ حوران جباں خواہم
 رائے کوئے تو او گھٹ۔ لباس بے نو اوارو
 دارم ذوق رندی۔ نے خیال پاک امانی
 در زبان بھاکا میں جو دو ہے لکھے ہیں۔ ان میں سے چند وہ ہے یہ ہیں۔

سوئے جگتے دھیان ہے۔ گرو کو رکھے پاس
 جو پکڑے اس چور کو۔ وہ جوگی بہر چور
 من موہن کے دھیان میں۔ اوگھٹ تجو پران
 نس دن پتیا پڑے گوشائیں۔ اپنا درشن دیو
 گیان رہے اور دھیان رکھے اور سانس نہ خالی جا۔
 اسی طرح بیدم شاہ صاحب وارثی۔ متوطن اٹما وہ۔ جو حضور قبلہ عالم کے تہ بند پوش حلقہ
 گوش تھے۔ اور جن کا نام اس قدر مشہور ہے۔ جو تعارف و تعریف کا محتاج نہیں۔ اور اس کا

بھی علم سب کو ہے کہ موصوف کو فن شاعری سے گہری مناسبت تھی۔ اور تقریباً چالیس سال کے اس انہماک کا نتیجہ آخر یہ ہوا کہ شعرائے حال کی فہرست میں آپ کا نام علی قلم سے لکھا گیا اور مخصوص شعرا کی صف میں آپ کو جگہ ملی۔

اور جس طرح آپ کا کلام پسندیدہ خاص و عام تھا۔ اسی طرح آپ قادر الکلام بھی ایسے تھے کہ بجائے ایک دیوان کے عموماً جو شاعر کی تمام عمر کا سرمایہ ہوتا ہے۔ آپ کے چند دیوان چھپے۔ اور موصوف کو صاحب دو این کامرتبہ حاصل ہوا۔ کیونکہ احباب کے اسرار سے۔ ہر دوسرے تیسرے سال آپ کا تو تصنیف کلام شائع ہوتا رہا بلکہ اس کثرت کو دیکھ کر آپ کے منتخب کلام کو تمثیلاً نگارش کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

لیکن یہ سوال اگر پیدا ہو کہ موصوف کا کلام اس قدر مقبول اور ہر و عزیز کیوں ہے تو بظاہر اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ سرکار عالم پناہ کا یہ مخصوص تصرف کہ جملہ اہل ارادت کو بقدر حیثیت۔ دردمجبت ضرور مرحمت ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے موصوف کا قلب بھی اس فیض وارفی سے یقینی مستفیض ہوگا۔ تو اس کا تعجب نہیں ہے۔ کہ آپ کے پروردگار کی جگر سوز آواز۔ دوسروں کے دل کو متاثر کرتی تھی۔ اور ہرچہ از دل خیزد۔ بر دل ریزد۔ کا مضمون تھا۔

علاوہ اس خوبی کے۔ آپ کے کلام منظوم کو نظر تامل سے دیکھتے ہیں۔ تو یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس شاعری سے آپ کا اصل مقصد وہی تھا کہ اس پر ایہ میں رہنمائے کمال سے استدعائے عنایت کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی کوئی غزل ایسی نہیں پاتے جس میں مجیب الدعویٰ سے مراد روحانی کے واسطے طلب امداد نہ ہو۔ یا مبدار فیاض کے کسی گرانقدر احسان بفرموائے ”اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“ شکر نہ ادا کیا ہو۔

بظاہر یہی مذاق شاہ شاکر صاحب حامل خرقہ وارفی کا نظر آتا ہے کہ باوجود کہ ایسے ممتاز عہدہ پر مامور ہیں کہ بہ لحاظ شرف قدامت آج بھی بجانب ٹرسٹ کمیٹی آئے۔

کا آستانہ اقدس کے مخصوص خدام میں شمار ہے اور ہمہ وقت کی حاضر باشی کا ایسا شرف ہے کہ بے حجاب عرض حال کر سکتے ہیں۔ لیکن محبت کا وہ خاصہ جس سے عموماً محب متاثر ہوتے ہیں کہ طبیعت کلام منظوم سے مانوس ہو جاتی ہے۔ وہ کلیتہً موجود ہے۔

حالانکہ افتاد مزاج یہ ہے کہ آپ شعر و شاعری کا تذکرہ بھی کبھی نہیں کرتے۔ مگر خاموشی کے ساتھ ہمیشہ جذبات قلبی کا اظہار اپنے بندہ نواز و شکر سے نظم کے پردہ میں کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے کہنا پڑتا ہے کہ غلامانِ بارگاہِ وارثی کی طبیعت کم یا زیادہ موزوں ضرور ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا حضور قبلہ عالم کے عہد ظاہری کا دور آخر تھا کہ مولوی سیّد غنی حیدر صاحب وارثی وکیل ریس گیا شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور فیضانِ وارثی نے آپ کو ایسا گہرا تعلق مرحمت فرمایا کہ موصوف نے اپنی با فروغ و کالت سے دست بردار ہو کر دیوبندی شریفین میں زیادہ قیام کرنا اختیار کیا۔ اور آستانہ اقدس کے ایسے گرانقدر خدمات کئے۔ جن سے آپ کے صدق و خلوص کا کافی اظہار ہوتا ہے۔

مگر تعجب یہ ہے کہ آپ کے خیالات پر گو شریعت کا اثر اعتدال سے زیادہ غالب تھا۔ جس کے سبب سے اگر ادائے فرائض اور تلاوت قرآن اور کثرت و طائف سے فرصت بھی ہوتی تھی۔ تو کتب بینی کرتے تھے۔ لیکن مذاق شاعری سے آپ کو قطعاً مناسبت نہ تھی۔

لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد مخصوص تصرف وارثی یعنی محبت کی اس لازمی علامت کا بھی اظہار ہوا کہ آپ کی طبیعت موزوں اور پر جوش ہو گئی۔ اور آپ نظم کے پیرایہ میں اپنے حالات اور کیفیات عرض کرنے لگے۔ اور یہ طریقہ ایسا مفید معلوم ہوا کہ قریب قریب ہر مہینے میں ایک منظوم عرضداشت پیش کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی نظموں کا بڑا مجموعہ ”عرائض منظومہ“ کے نام سے چھپ گیا۔ لیکن یہ نظر اختصار میں آپ کے ایک مطول قصیدے کے چند اشعار مثلاً نقل کرتا ہوں۔ جن کے مضامین سے مصنف کے خیالات کا اندازہ بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ وہ ہوا۔

ای سر سر ہر جہاں۔ دے وارث کون دمکال ہستی عیاں در ہر نشاں گشتی مگر از من نہاں

از خوشنیتن بگریختہ۔ خود را بتو آ وینختہ
 تاکہ بمانم در قفس۔ در بند صد حرص و ہوس
 ذکرت چہ باشد۔ زندگی فکر ت چہ باشد بندگی
 صد صد ہزاران قدسیاں۔ گویند در وصف چنان
 یک کنز مخفی بودی و پناہاں بخود از نور خود
 مہر و محبت عاشقی۔ از نفع انس و ارنی
 در سیر آفاق جہاں۔ گشتی بہر سو رہی روان
 آن حکہ باغ ارم۔ یعنی کہ احرام حرم
 آخر عنان عزم را بر تافتی سوئے وطن

با درد و غم آمیختہ۔ فارغ شدم از این دہاں
 خواہم کہ باشم ہر نفس۔ در ذکر تو رطب اللسان
 سکت بود آزادگی۔ از بند افکار جہاں
 عالی نسب حاجی لقب۔ وارث علی شاہ زماں
 آخر بشوق دید خود۔ بانور خود۔ گشتی عیاں
 جا کرد بہر رہبری۔ اندر مشام روح و جاں
 ہم بہر حج عاشقاں۔ بگزاشتی ہند و ستار
 عشاق را خوش بیریہن۔ دائم گرفتہ شاد مار
 فرقت کشاں را عید شد۔ ہر خانہ شد صد گلستاں

مختصر یہ کہ بخوف طوالت میں نے چند برادران طریقت کی جووت طبع کا ذکر تمثیلاً کیا۔ ورنہ
 حقیقت یہ ہے کہ غلامان بارگاہ وارتی کامیلان طبیعت کسی وجہ سے کیوں نہ ہو۔ مگر عموماً
 کلام منظوم کی جانب زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اس قدر تفریق ضرور دیکھی ہے کہ بعض ارادتمند
 نے گاہ بگاہ منظوم عرضداشت پیش کی اور کسی نے متواتر قصائد لکھے۔ اور کوئی کثرت مزاولت
 کے باعث۔ شاعر اور اس فن کا ماہر ہو گیا۔

ہدایات مذہبی اور اسی کے ساتھ یہ بھی لازماًت سے تھا کہ مدد صین کو۔ ان کی طلب مراد
 اور یافت و استعداد کے اعتبار سے۔ ایسے ایسے انعامات بھی مرحمت ہوتے تھے۔
 بظاہر بھی ممتاز۔ اور درحقیقت معنوی برکات سے مملو ہوتے تھے۔ مثلاً مداح کو پہلا استفادہ
 یہ ہوتا تھا کہ ایک خاص وقت تک وہ فیضان صحبت وارتی سے مستفیض ہوتا تھا۔ اور
 ایسا بے بہا انعام۔ اور اگر انقدر منفعت ہے جس کی مولانا روم علیہ الرحمۃ نے یہ صراحت
 فرمائی ہے۔ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا۔

دویم یہ کہ حضور قبلہ عالم کا مخاطب میسر ہوتا تھا۔ اور اس مخاطبت سے جو تصنیف

اور تزکیہ روح ہوتا تھا۔ وہ ایسا پراسرار فائدہ تھا جس کی حقیقت کا اظہار معروف الفاظ میں ہو نہیں سکتا۔ بلکہ اس معنوی یافت کو اگر اشارہ گونگے کے خواب سے تعبیر کریں تو حسب حال ہوگا۔ چنانچہ اسی کیفیت کو حافظ شیراز علیہ الرحمۃ نے استعارہ کے طور پر فرمایا:

زمرغ صبح ندانم کہ سوسن آزاد چہ گوش کرد کہ بادہ زبان خموش آمد
سویم یہ کہ سرکار عالم پناہ کو چونکہ کلام منظوم زیادہ پسند تھا۔ اس لئے مداحین کی رنگین بیانی۔ اور مضمون آرائی سے آپ بہت مسرور ہوتے تھے۔ اور ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ اپنے رہنمائے کامل کو خوش کرنا اس کی عین دلیل ہے کہ مرید مقبول اور کامیاب ہوتا ہے جس کی تشبیل کے واسطے حضرت خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے مشہور واقعات کافی ہیں

یہ کسی مداح کو حضور قبلہ عالم اپنا ملبوس خاص مرحمت فرماتے تھے جس کو اصطلاح صوفیہ میں خرقہ تبرک کہتے ہیں۔ اور مرید صادق کے فخر و مباہات کے لئے وہ بہترین سرمایہ ہوتا ہے۔ یا کسی مداح کے حق میں کوئی امتیازی جملہ آپ ایسا فرماتے تھے جو اس کے اعزاز اور اختصاص کے واسطے کافی ہوتا تھا۔ مثلاً کسی کی نسبت تبسم لبوں سے یہ فرمایا کہ تم اپنے وقت کے امیر خسرو ہو۔ کسی سے فرمایا کہ تمہارا یہ قصیدہ تمہاری محبت کا شاہد ہے۔“

ایک مرتبہ مولوی لطافت حسین صاحب دارنی متوطن شیخپورہ ضلع مونگیر نے ایک سرکتہ الآرا قصیدہ پیش کیا۔ اس کو سن کے آپ بہت محفوظ ہوئے۔ اور ارشاد ہوا کہ ”لطافت جو پیر کے صفات کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کو آخر میں ذات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔“
یادہ مضمون سن کے جس میں مداح کوئی استدعا کرتا تھا۔ سرکار عالم پناہ۔ اس کو کوئی ایسی ہدایت فرماتے تھے جو اس کی کامیابی کے واسطے مجرب عمل ہوتا تھا۔ جیسا کہ ایک صاحب نے عید کے روز۔ التماس کے نام سے ایک نظم پیش کی جس کے آخر میں اشارہ اپنی پریشانی کا بھی ذکر کیا تھا۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ ”جو شخص سورہ فلق بکثرت پڑھتا ہے اس کی روزی میں برکت ہوتی ہے۔ تم بھی پڑھا کرو۔“

ایک عقیدت شعار نے نظم کے پردہ میں اپنی خرابی صحت کا اظہار ایسے خوشنما طریقہ سے کیا تھا کہ حاضرین متاثر ہو گئے تھے۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا ”ہم نے سنا ہے کہ جو اہتمام کے ساتھ سوتے وقت آیت الکرسی پڑھ لیتا ہے۔ اس کی جسمانی تکلیف رفع ہو جاتی ہے۔“

میرا اولاد علی صاحب وارثی۔ رامپوری کو ایک قصیدہ کے صلہ میں حضور قبلہ عالم نے یہ ہدایت فرمائی کہ ”نماز عشاء کے بعد تسبیح فاطمہ پڑھا کرو۔ با امان مرو گے۔“

ایک مرتبہ ریاض خان صاحب وارثی متخلص بہ فروغ درمیں شاہجہانپور نے ایک مسئلہ پیش کیا جس کا اختتام طلب محبت پر ہوا تھا۔ سرکار عالم پناہ نے تبسم لبوں سے کمال شفقت فرمایا ”خان صاحب تم نماز کی پابندی کرو۔ اگر کبھی کوئی عذر قوی ہو۔ تو اشارہ سے ادا کرنا۔ مگر قضا نہ ہو۔ اور ہر نماز کے بعد چار سو اسی مرتبہ اسم ذات پڑھ لیا کرو۔ جس کے اول و آخر درود بھی ہو۔ یہ فرما کر رخصت کر دیا۔“

خان صاحب کے جانے کے بعد قاضی بخش علی صاحب نے جو بہت شوخ مزاج مشہور تھے۔ دست بستہ عرض کیا کہ حضور اس میں کیا راز ہے کہ خان صاحب کو چار سو اسی مرتبہ پڑھنے کا حکم ہوا۔ اگر میں مرتبہ اور پڑھا دیا جاتا۔ تو ان کے پانچ سو کے شمار کرنے میں زیادہ آسانی ہوتی۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ ”اس امت پر خدا کی مخصوص رحمت یہ ہے کہ ایک نیکی کرو۔ تو دس نیکیوں کا ثواب پاؤ۔ اس لحاظ سے یہ ہر نماز کے بعد چار سو اسی مرتبہ پڑھیں گے تو روزانہ کی تعداد دو ہزار چار سو ہوگی اور اس تعداد کو دس میں ضرب دو گے۔ تو کل چوبیس ہزار ہوں گے۔ اور صوفیہ کی یہ تہفہ راستے ہے کہ تندرست انسان شب و روز جو ہیں ہزار دفعہ سانس لیتا ہے۔ اس اعتبار سے خان صاحب کا شمار ان ذاکرین میں ہو سکتا ہے کہ جو ہر سانس میں ذکر اسم ذات کرتے ہیں۔ اور جس کی کوئی سانس ذکر الہی سے خالی نہیں جاتی وہ انوارِ حدیث کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ مگر یہ مسلمہ ہے کہ اہل دنیا کی آسانی کے واسطے کیا جاتا ہے۔ ورنہ فقیر جب اسم

ذات کا زبانی ذکر کرتا ہے تو اس کو ہر روز چوبیس ہزار ہی مرتبہ پڑھنا پڑتا ہے۔ تب بقدر
حیثیت اسرار حضرت احدیت سے خبردار ہوتا ہے۔

نماز کی ہدایت بلکہ اسلام میں جس طرح باعتبار دیگر فرائض کے۔ نماز کو خاص اہمیت حاصل
ہے۔ اسی طرح انخوان ملت کی مستند روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور قبلہ عالم نے
نماز کی ہدایت میں ہمیشہ مزید تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ چودہری خدا بخش صاحب وارثی بتوطن
اٹا وہ۔ جو بہت قدیم۔ اور نہایت صادق العقیدت حلقہ بگوش تھے۔ وہ ناقل تھے کہ ایک
سال امساک بارش کی وجہ سے عموماً لوگ پریشان تھے۔ اسی دوران میں سرکار عالم پناہ
آگرہ سے شکوہ آباد میں تشریف لائے۔ تو سب نے حالت اضطراب میں عرض کیا کہ حضور بانی
نہیں برستا۔ ہمارے کھیت سوکے جاتے ہیں اگر دو چار روز ٹہری یہی حالت رہی تو ہم خانماں
برباد ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ”خدا کو عجز بہت پسند ہے۔ توبہ کرو۔ اور پابندی
کے ساتھ نماز پڑھا کرو۔ کیونکہ نماز سرِ ابا عجز کی تصویر اور عبدیت کی نشانی ہے۔ وہ
رحم کرے گا۔ یہ سن کے سب نے توبہ کی۔ اور نماز کی پابندی کا عہد کیا۔ دوسرے روز
پانی برسا اور پیداوار بہت ہوئی۔

علی ہذا منشی تفضل حسین صاحب وارثی۔ وکیل اوناؤ۔ جن کے صدق ارادت کا یہ خاص
نمرہ تھا کہ جب حضور قبلہ عالم اس راستہ سے گذرتے تھے تو ان کے ضرور مہمان ہوتے تھے۔
وہ ناقل تھے کہ ایک مرتبہ موسم گرما میں سرکار عالم پناہ پنجشنبہ کے روز کا پنور سے تشریف لائے
مجھے معلوم تھا کہ آپ جمعہ کی نماز کے واسطے ہمیشہ پاپیادہ جاتے ہیں۔ اس خیال سے میں نے
محلہ کی مسجد میں انتظام کیا۔ کہ دوپہر کے وقت دوڑ جانے میں تکلیف زیادہ ہوگی۔ جب
لوگ جمع ہو گئے۔ تو میں حضور کو لے گیا۔ آپ نے مسجد کے درود یوار کو مرمت طلب دیکھ کر
فرمایا ”تفضل حسین۔ کیا محلہ کے مسلمان اس مسجد کی خدمت نہیں کرتے؟“ میں نے
عرض کیا کہ اس محلہ میں کوئی نمازی ہی نہیں۔ تھوڑے تامل کے بعد ارشاد ہوا کہ ”تم اس

مسجد کی مرمت کراؤ اور سب سے کہہ دو کہ جو نماز نہ پڑھے گا وہ ہمارے حلقہ بیعت سے خارج ہے۔“

اس فرمان وارثی کا ایسا گہرا اثر ہوا کہ ہر شخص نے نماز کی پابندی کا عہد کیا۔ اور میں نے اسی روز مرمت کرانا شروع کر دی اور ایک موزن بھی مقرر کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب سرکار عالم پناہ پھر تشریف لائے اور اسی مسجد کو مرتب اور آباد دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ ”حشر کے روز یہ مسجد تمہارے سجدوں کی گواہی دے گی۔“

اسی مضمون کی بہت مشہور اور نہایت مستند دوسری روایت یہ ہے کہ جناب شاہ فضل حسین صاحب وارثی۔ نبردار دیوبند شریف و مسند آرائے حضرت شاہ ولایت محمد عبدالمنعم قادری کنز المعرف علیہ الرحمۃ نے۔ اکثر کمال صراحت بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری کا مشورہ سن کر ہم لوگ بستی کے باہر شاہ اولیوں کے باغ میں بغرض حصول قدمبوسی حاضر تھے۔ جب سرکار عالم پناہ کی سواری قریب آئی اور آپ نے اہل قصبہ کو مجتمع دیکھا۔ تو پانکی سے اتر کر۔ پہلا جملہ جو ارشاد فرمایا وہ یہ تھا۔ ”

”فضل حسین سب سے کہہ دو کہ جو نماز نہ پڑھے گا۔ وہ ہمارے حلقہ بیعت سے خارج ہے۔“ ایک روز حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے حضور قبلہ عالم کو مخاطب پا کر عرض کیا کہ حضور اکثر لوگ نماز نہیں پڑھتے ارشاد ہوا کہ ”نماز ضرور پڑھنا چاہیے۔ یہ نظام عالم ہے اگر یہ چھوڑ دی جائے گی تو نظام عالم میں خرابی آجائے گی۔“

مولوی علی احمد صاحب وارثی۔ وکیل ور میں آگرہ۔ جو نہایت تقہ اور متشرع شخص تھے ان کا بیان ہے کہ میں ہنوز داخل سلسلہ نہیں ہوا تھا صرف قدمبوسی کی غرض سے حاضر خدمت ہوا تو حضور قبلہ عالم نے بوجہ فرمایا کہ ”مولوی صاحب ہر شخص کو شریعت کی پابندی اور سنت کی اتباع لازمی ہے۔“

قاضی منیر عالم صاحب وارثی۔ مخار۔ جو زیادہ پابند اوقات نہ تھے۔ درہنگہ میں

ان کے مکان پر حضور قبلہ عالم تشریف لے گئے اور بعد تہ بند پوشی کے بطریق ہدایت ارشاد ہوا: "منیر عالم نماز سے عبد و معبود کا امتیاز ہوتا ہے جس کی ہیئت مجموعی عبدیت کی عین تصویر ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو سرنگوں ہے وہ بندہ ہے۔ اور جس کے آگے یہ ناک رگڑتا ہے۔ وہ خدا ہے۔ اس لئے بندہ کو بندگی لازم ہے۔"

منیر عالم نے دست بستہ عرض کیا انشاء اللہ اس ارشاد کی پوری تعمیل آج سے کروں گا۔ اور اس ہدایت کو آبِ زر سے لکھ کر اپنے خاندان میں چھوڑ جاؤں گا۔ جو حضور کی تشریف آوری کی یادگار رہے گی۔ لیکن بندہ نواز اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ نختین پاک کے صدقے میں اس کے عمل کی توفیق بھی مرحمت ہو۔ فرمایا: "اللہ مالک ہے۔"

اس روز سے منیر عالم نماز کے ایسے دلدادہ ہوئے کہ ماسوائے فرائض نچگانہ کے چاشت و اشراق کے بھی پابند ہو گئے۔ حتیٰ کہ ظہر کی نماز کے بعد وظیفہ پڑھنے میں قلب کی حرکت بند ہونے سے دفعتاً انتقال ہوا۔

الغرض ایسے واقعات بکثرت ہیں جن سے نماز کے ساتھ حضور قبلہ عالم کی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ جب نماز کی اہمیت کا آپ ذکر فرماتے تھے۔ تو اس سلسلہ میں بعض مسائل نماز بھی بکمال وضاحت ارشاد ہوتے تھے۔ چنانچہ منشی نادر حسین صاحب وارثی نگر امی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نگرام میں میرے غریب خانہ پر قیام پذیر تھے۔ جمعہ کے روز بعد زوال کے آپ نے وضو کیا۔ اور چار رکعتیں بستر کے قریب پڑھیں اور ارشاد ہوا کہ "نادر حسین تم کو تو معلوم ہو گا کہ سنتیں مکان پر پڑھ کر جمعہ کی نماز کے واسطے جانا مسنون ہے۔"

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم شاہجا پور میں حکیم کلن خان صاحب وارثی کے مہمان تھے جمعہ کے روز باوجود ضعف پیرانہ سالی کے پایادہ مسجد تک جانے کا قصد فرمایا۔ حکیم صاحب نے عرض کیا کہ تمازتِ آفتاب سے زمین بہت گرم ہے۔ حضور پا لگی پر تشریف

لے جائیں۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ ”صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مسافت مسجد کو پیدل طے کرنے سے ہر قدم پر ایک ثواب ملتا ہے“

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم بانگی پور میں خان بہادر مولوی سید فضل امام صاحب کے مہمان تھے۔ آپ نے جمعہ کے روز مسجد میں جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ خان بہادر نے ملازمین کو حکم دیا کہ پانکی تیار رہے۔ خدام حضرت نے سمجھا دیا کہ سواری کا اہتمام نہ کرو۔ جناب کا دستور ہے کہ نماز جمعہ کے واسطے پایادہ جاتے ہیں۔ خان بہادر نے بہت قریب ایک مسجد تھی اس میں نماز کا انتظام کیا۔ اور اس مسجد میں سب لوگ آپ کے ہمراہ پارہ گئے۔ بعد نماز کے جب آپ جائے قیام پر واپس تشریف لائے تو فرمایا: ”فضل امام تم نے تو اپنی محبت کا حق ادا کیا۔ کہ ہم کو دور نہیں جانے دیا۔ مگر یہ نقصان ہوا آج کی مزدوری کم ہو گئی“

مولوی سید عبدالغنی صاحب وارثی بہاری۔ مترجم طبقات الکبریٰ ناقل تھے کہ کئی کے دوران قیام میں آپ نے جمعہ کے روز غسل فرمایا۔ اور ارادتمندوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ ”علمائے گروہ میں یہ مسئلہ ہنوز تصفیہ طلب ہے کہ ہندوستان کو دارالحرب سمجھا جائے یا دارالاسلام۔ اس وجہ سے نماز جمعہ کے وجود میں بھی اختلاف ہے۔ اور اکثر اشخاص بعد نماز جمعہ کے چار رکعتیں ظہر کی پڑھ لیا کرتے ہیں۔ مگر یہ صریح شک ہے اور عبادت میں شک کی گنجائش نہیں۔ بیک سوئی ہونا چاہیے“

اکثر حضور قبلہ عالم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”نماز وقت پر ادا کرنا افضل اور فرمانِ خدا کی نشانی ہے“ یہی ارشاد ہوا ہے کہ ”نماز میں عمداً دیر کرنا کاہلی کی دلیل ہے۔ اور مالک کے حکم میں کاہلی عبدیت کے منافی ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جو شخص بائو رہتا ہے۔ قیامت کے روز وہ پر سبز کاروں کی صف میں کھڑا ہوگا۔ اور یہ بھی“

کہ ”اعضائے وضو قیامت کے روز نورانی ہوں گے۔“

یہ ارشادات اور مثل ان کے اور متعدد ہدایات ایسے ہیں جن کا مفہوم باوی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور قبلہ عالم نے بصورت ہدایت عامہ حقائق طریقت کے ساتھ فرض شریعت کی بھی بکمال تاکید تبلیغ فرمائی ہے۔ اور چونکہ نماز کو اپنی اہمیت کے لحاظ سے وہ تخصیص حاصل ہے جو دیگر فرض میں نہیں پائی جاتی اس واسطے جملہ مریدین سے مخاطب ہو کر آپ نے اس کی پابندی کا بہ اصرار حکم دیا۔ اور اس فرض عام اور قطعی کی ہدایت میں یہ خاص اہتمام فرمایا کہ ترغیب کے ساتھ بغیر کسی تخصیص و تفریق کے بطور ترہیب یہ ارشاد ہوا کہ جو نماز نہ پڑھے گا وہ ہمارے حلقہ معیت سے خارج ہے۔“

جسکو دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سرکار عالم پناہ کو مذہب اور مشرب کی پابندی چونکہ نہایت پسند اور غانت مرغوب تھی۔ اس لئے منظور ہوا کہ اس فرض لازمی کی خاص و عام کامل نگاہداشت کریں۔ تاکہ ہمارے جملہ مریدین صورتاً و سیرتاً مہذب و مؤدب ہو جائیں۔

لیکن بعض ملفوظات جن میں نماز کی فرضیت کا ذکر اور اس کی پابندی کا حکم قطعی کو اسی طرح صادر ہوا ہے۔ مگر ان میں ضمناً کوئی ایسی لفظ زاہد بھی ہے جس کے سیاق عبارت کو غور و تامل سے دیکھتے ہیں۔ تو اس ہدایت کی دوسری شان یہ نظر آتی ہے کہ حضور قبلہ عالم نے جس عنوان سے مسترشدین کو ان کے جذبات و کیفیات کے اعتبار سے طریقت کی تعلیم بالترتیب اور ان کے حسب حال و استعداد فرمائی ہے۔ اسی طریقہ سے اپنے ارادوں و احکام شریعت سے بھی بالتفصیل خبردار کیا ہے۔ اور مذہبی عبادت کی تبلیغ اور ترغیب بھی اسی صورت سے فرمائی ہے جس کے وہ اہل اور سزاوار تھے۔

چنانچہ یہ مستند ملفوظات جن کو دیگر مؤلفین سیرت و ارثی نے بھی نقل کیا ہے کہ در بھنگہ کے دوران قیام میں ایک روز مولوی عبدالکریم صاحب و ارثی متوطن شیخپورہ ضلع مونگیر

نے نماز کی خصوصیت دریافت کی حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ مولوی صاحب نماز وہی ہے جو حضور قلب کے ساتھ ہو۔

اگر نظر تامل سے دیکھا جائے تو اس ارشاد کا مفہوم۔ ہدایات مذکورہ بالا سے ایک حد تک ممتاز اور بلند معلوم ہوتا ہے۔ اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار عالم پناہ نے اس فرض قطعی کی تعلیم میں بھی مسترشدین کی حالت اور کیفیت کا لحاظ فرمایا ہے۔ کیونکہ پہلے ارشادات کا چونکہ عام مریدین سے مخاطب تھا۔ اس لئے صرف اطاعت جسمانی سے مکلف کیا تھا اور اس ملفوظ میں کسی قدر روحانیت کو بھی دخل ہے۔ کیونکہ حضور قلب سے انہیں اراداً تمذیب کی نماز مشروط ہو سکتی ہے۔ جن کے قلوب اثرات محبت سے گو نہ متاثر اور گداز۔ اور مذاق تصوف سے یقیناً حشیت مانوس ہو چکے تھے۔

اور اسی مضمون کو آپ نے دوسرے الفاظ میں یوں فرمایا ہے کہ نماز میں خشوع اور خشوع لازمی ہے۔ جن سے نماز۔ واقعی نماز ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ نماز مومنوں کی معراج ہے۔ کیونکہ ایک قسم کی حضوری نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کا خیال جس قدر سچہ ہوگا۔ اسی قدر اس کو حضوری کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ نماز روح کی غذا ہے۔

یہ ارشادات زبان حال سے شاہد ہیں کہ ان ہدایات کا روئے سخن۔ متمیز اور شائستہ خیال مریدین کی جانب ہے۔ اس واسطے جسمانی عبادت کے ساتھ۔ قدرے اور مختصر روحانی جدوجہد بھی شامل ہے۔

اور اسی مناسبت سے ایک مرتبہ۔ اگرہ کے قیام میں۔ حافظ خدا بخش صاحب جو فرائض پنجگانہ کے ساتھ سنن و نوافل کے بھی پابند تھے۔ اور جن کو آخر میں احمد شاہ کا ممتاز خطاب تفویض ہوا۔ اور بعد انتقال کے بھی جو صحن آستانہ اقدس میں دفن ہوئے۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا۔ حافظ جی جس طرح چاشت اور اشراق کے پابند ہو۔ اسی طرح

شب کو نماز معکوس بھی پڑھا کرو۔“

ایک مرتبہ مولوی سید محمد یوسف صاحب وارثی - مختار وریش - مضافات بہار نے دست بستہ اور آیدیدہ ہو کر عرض کیا کہ سرکار - مجھ ایسے یہ کار کے دل میں بھی طلب الہی کی صلاحیت آسکتی ہے ارشاد ہوا - ”جس کو لعین ہوتا ہے کہ حالت نماز میں - خدا مجھ کو دیکھتا ہے - اس کو ضرور مشاہدہ انوار الہی کا شوق ہو جاتا ہے اور جس کا شوق کامل اور طلب پنجتہ ہوتی ہے - اس کو ہر ذرہ میں محبوب کا جلوہ نظر آتا ہے۔“

ایک ارادتمند نے عرض کیا - بندہ نواز نفس بدکیش کی سرکشی کم نہیں ہوتی - فرمایا - تم نماز تہجد کی نگہداشت میں ہوشیار نیند سویا کرو - نفس مغلوب ہو جائے گا - کیونکہ نفس ہمیشہ عقلمندی کی نیند پسند کرتا ہے۔“

ایک طالب خدا حلقہ بگوش نے عرض کیا کہ مجھ کو لباس فقر و محنت ہو - ارشاد ہوا کہ ایک سال تک دن کو روزہ رکھو - اور شب کو نماز غوثیہ پڑھا کرو - اس کے بعد آنا تہجد بھی مل جائے گا۔“

عبدالصمد وارثی - متوطن مسولی - ضلع بارہ نکی نے عرض کیا کہ حسب معمول نفی و اثبات کا ذکر کرتا ہوں - مگر وہ جوش نہیں پیدا ہوتا کہ گھر میں آگ لگا دوں - ارشاد ہوا کہ ”آخر شب میں صلوات العشق پڑھا کرو - بقدر ظرف جوش پیدا ہو جائے گا۔“

عرض ارشادات متذکرہ صدر کے نمایاں طور پر و مذاق اور دو مدارج نظر آتے ہیں پہلی ہدایتوں کا مخاطب - نوآموز ارادتمندوں کی جانب معلوم ہوتا ہے اور دوسرے ارشادات کا روئے سخن ان طالبین کے احوال سے مناسبت رکھتا ہے جو سفر سلوک کی پہلی منزل میں خیمہ زن ہیں۔

لہذا یہ مسلمہ ہے کہ رہروان و ادنیٰ محبت کی طلب صادق ہیں - مبدار فیاض جس قدر سختگی تفویض فرماتا ہے - اسی قدر ان کے عادات و معاملات - صدق و خلوص سے

موؤب - اور شائستہ اور عبادت و ریاضات حقانیت و روحانیت سے مہذب و آراستہ ہو جاتے ہیں اور اسی مناسبت سے رہبر کامل ان کا نصاب تربیت وہی تجویز کرتا ہے جس کو معنوی برکات و خصوصیات سے زیادہ سروکار ہوتا ہے۔

صلوٰۃ العاشقین | چونکہ صفات ناسوتی کا ازالہ رفتہ رفتہ ہوتا ہے۔ اور اسی لحاظ سے اخلاق ملکوتی بھی جستہ جستہ مرحمت ہوتے ہیں۔ اس واسطے سالک کے جسمانی عبادات میں روحانی ریاضات کا اشتراک بدرجہ کیا جاتا ہے۔ آخر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انہیں طالبین نوآموز کی وہی نماز جو ارکان ظاہری پر ختم ہوتی تھی۔ ان کے صفائے باطن اور افراط یافتگی کے اعتبار سے امتیاز قرب و معیت سے موسوم اور اعزاز و وصف خصوصیت سے موصوف ہو جاتی ہے۔

چنانچہ وہ بلند خیال۔ گرویدہ جمال حضرت ذوالجلال۔ مرد میدان تجرید۔ آشنائے بحر توحید۔ جو بعد القطار تعلقات موجودات۔ جملہ خواہشات و مرادات کو دست کش اور معلومات و معقولات سے فارغ ہو کر جوش تسلیم میں سرکھن۔ ہمہ وقت تجلیات انوار شاہدے نیاز کے مشاہدہ میں محو و مصروف رہتے ہیں۔ ان کی نماز۔ باوجودیکہ بظاہر نماز مروجہ کی ہم صورت ہی کیوں نہ ہو۔ مگر فی الحقیقت صدق و خلوص سے مملو۔ اور عجز و نیاز سے ایسی معمور ہوتی ہے۔ جس کے شرف و اختصاص کا انحصار مشکل اور دشوار ہے۔ اور واقعی ان سراپا نیاز۔ نماز گزاروں کی ممتاز نماز کی حقیقت اور ماہیت سے آگاہ

اور خبردار ہونے کے۔ ہم سیاہ کار۔ اپنی عدم اہلیت کے اعتبار سے۔ ہرگز مستحق اور سزاوار نہ تھے مگر ہمارے آقائے نامدار نے محض اپنی عنایت سے اس گرانقدر نماز کے بھی۔ بعض فروعی نکات اور سطحی صفات کا مخصوص اوقات میں مجملاً ذکر تو اکثر فرمایا۔ لیکن ایک مرتبہ یہ پیمبراں حاضر خدمت تھا کہ حضور قبلہ نے عارفین با تمکین کی نماز پنجگانہ کے صفات اس وجہ سے کسی قدر وضاحت کے ساتھ عام فہم الفاظ میں ارشاد فرمائے کہ

مخاطب ثنائت خیال اور ذی ہوش۔ بارگاہ وارثی کا حلقہ بگوش تھا۔ جس کے تبحر بلکہ تقدس کا بھی یار و غیار اعتراف و اقرار کرتے تھے۔

لیکن بد قسمتی سے۔ سرکار عالم پناہ کا وہ مشرح اور سبیط ملفوظ۔ بقید الفاظ اور اسی عنوان سے تسلسل صفات۔ میرے حلقہ میں محفوظ نہیں رہا۔ گو بطور اذکار شنیدہ مفہوم پیش نظر ہے۔ اور ما حصل اس کا ضرور یاد ہے مگر یہ بے وقعت یادداشت بھی اسوجہ سے اس فراموشی سے زیادہ بیکار معلوم ہوتی ہے کہ اس مضمون کو اگر اپنی زبان میں قلمبند کرتا ہوں تو یہ نقص ہے کہ حضور قبلہ عالم کا مخصوص ارشاد بجائے باللفظ ہونے کے بالمعنی ضبط تحریر میں آتا ہے۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ بعض صفات چھوٹ جائیں اور تسلسل تو یقینی منقطع ہو جائے گا۔

تاہم اس ملفوظ کا مفہوم و مطلب۔ جس قدر بھی مجھ کو یاد ہے۔ صرف اس خیال سے نقل کرتا ہوں کہ باوجود ان جملہ نقائص کے غلامانِ بارگاہ وارثی کو میری اس ناتمام اور بے ربط عبارت کے مطالعہ سے بھی اس قدر واقفیت ضرور ہو جائے گی کہ عاشقانِ جانباز کی نماز کبھی ظاہری قیود و شروط کے ساتھ۔ اور کبھی باطنی عجز و نیاز سے معمور ہوتی ہے۔ اور اربابِ طریقت نے ان کے اس سوز و گداز کو عین نماز فرمایا ہے۔

چنانچہ شاید ۱۳۱۳ھ ہجری کا واقعہ ہے کہ حضور قبلہ عالم لکھنؤ میں قیام فرماتے تھے۔ اور اہل دل بھی۔ اور باعتبار شہرت عام آج بھی جن کا نام نامی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ بغرض حصول شرف قد مبوسی۔ حاضر خدمت اقدس ہوئے اور پہلے اپنے بعض شکوک کا ذکر کیا۔ بعدہ بہ استیلائے ادب عرض کیا کہ قبلہ ما۔ عاشقانِ صادق کی نماز پنجگانہ کے حقیقی صفات اور واقعی تعریف کیا ہے۔

سرکار عالم پناہ نے ارشاد فرمایا۔ مولوی صاحب۔ عاشقوں کا خیال درحقیقت ایک

اور مقصود واحد ہوتا ہے۔ لیکن واردات قلبی کی وجہ سے۔ ان کے جذبات کبھی مختلف بھی نظر آتے ہیں۔ اور وہ جاننا اکثر باقتضائے احوال نماز ادا کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی نماز کی وہ تعریف جو بطور کلیہ کے ہو۔ و شوار ہے۔

لیکن بہ کاظ مدارج عاشقانِ آلہی کے دو گروہ زیادہ مشہور ہیں۔ کیونکہ دونوں کے خیال اور مذاق میں بھی کچھ تفاوت ہے اور دونوں کی نماز میں بھی بظاہر گونہ تفریق ہے۔ چنانچہ ان خدا پرستوں میں ایک گروہ وہ ہے جس کے جملہ افراد شوق و دیدارِ یار میں تعلقات موجودات سے دست بردار بھی ہوتے ہیں اور ہر حال میں کمال استقلال تسلیم شاہِ غیبی کے پابند اور رضائے مطلوب حقیقی کے آگے سرنگوں بھی رہتے ہیں۔ مگر چونکہ تفریح میں قطعی تکلہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قدر گنجائش رہتی ہے کہ مجبوراً یا ضرورتاً یا اور کسی ذاتی خیال سے۔ یا بہ نظر تعمیل ہدایتِ مرشد۔ یا مشربی خدمات کے باعث۔ یا اشاعتِ دین کی غرض سے کسی ایک تعلق سے ان کو ضمناً سروکار رہتا ہے۔ اسی مناسبت سے ان کے معاملات میں سے کسی معاملہ میں تنظیم کا شعبہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ حق تیوش۔ باوجودیکہ جوشِ عشق میں سراپا مدہوش ہی کیوں نہ ہوں مگر ان کی نماز میں یہ نظم ہے کہ بظاہر ارکان مقررہ کے مطابق اور باطن مشترک بہ خلوص اور مشتمل بہ نیاز ہوتی ہے۔ بقول۔

مرا غرض ز نماز آن بود کہ یک ساعت

و گرنہ این چہ نمازے بود کہ من بے تو

غم خزاں ترا با تو را ز بگزارم

نشستہ روئے بجز اب دل بہ بازارم

مختصر یہ کہ ہمیشہ وہ صاحبِ احتیاط قیود و ظاہری کے ساتھ شروط معنوی کی بھی تعمیل کرتے ہیں۔

مثلاً وہ رضا جو۔ قیود معینہ کی تعمیل کے علاوہ۔ وضو کرنے میں شرائط حقیقی کی بھی

سجداتِ تمام پابندی کرتے ہیں کہ بہرارا ہتمام۔ اپنا ظاہر میل ہوا و حرص سے صاف۔ اور

باطن۔ و سواس خودی اور خطراتِ دُوی سے پاک کر کے۔ احکام معبود مطلق کی بجا آوری

کے واسطے ہمہ تن مستعد رہتے ہیں۔ بقول۔

پس وضو چست۔ فکر کردن دل صافی دل۔ جدا شدن ز اغیار
معہذا۔ ان کی نمازیں یہ بھی غیر معمولی اہمیت ہوتی ہے کہ ارکان ظاہری کی تعمیل
میں اعضائے جسمانی کے ساتھ ان کے قوائے روحانی بھی اطاعت آلہی میں منہمک و
مصروف ہو جاتے ہیں۔ یعنی قیام و قعود۔ رکوع و سجود میں وہ جانناز بصد عجز و نیاز اور
بکمال شوق و دید۔ دنیا و مافیہا کے خیال سے۔ فارغ البال ہو کر شہود و الوار حضرت
واحب الوجود میں ایسے محو اور مستغرق ہو جاتے ہیں کہ شہداء آلام کا بھی ان کو احساس
نہیں ہوتا جو صدق کی عین تعریف ہے۔

چنانچہ حضرات رابعہ بصری کا یہ مشہور قول ہے کہ "لَيْسَ بِصَادِقٍ فِي دَعْوَاهُ
مَنْ لَمْ يَكُنْ كَمِ الضَّرْبِ فِي مُشَاهَدَةِ مَوْلَاهُ"۔ یعنی وہ اپنے دعویٰ میں سچا نہیں
ہے جو خدا کی دی ہوئی تکلیف کو بھول نہ جائے مشاہدہ مطلوب میں۔

شاید اسی نماز کو علمائے عظام نے "معراج المؤمنین" فرمایا ہے۔ لیکن حضرات صوفیاء
کرام کی خاص اصطلاح میں ایسی نماز کو "صلوۃ الشہود" اور "صلوۃ الوصال بن الفراق" کہتے
ہیں اور اس نماز کی تعلیم بھی بارگاہ حضرت رضوی سے ہوئی ہے اور ہوتی ہے۔ مگر یہ باطن
اور مخصوص متاقلین کو۔

کیونکہ محققین ارباب طریقت کو حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ سے معلوم ہوا ہے کہ
جب سمر حلقہ عشاق اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ التحیۃ والثناء کے مجروح پانچ
مبارک سے جراح نے تیر سو پستہ نکالا اور آپ بدستور نماز میں مصروف رہے۔
اور خلافت فطرت بشری اس دے نخر اش تکلیف کی خبر نہ ہوئی۔ تو بعض خدام متعجب مستفسر حال
ہوئے تو شہنشاہ ولایت نے ان کو صلوۃ الشہود تعلیم فرمائی اور کہاں شفقت ارشاد ہوا
کہ ہمارے اکثر متوسلین اس فیض سے ہمیشہ بطریق اولیہ مستفیض ہوا کریں گے۔

اور عاشقان صادق کا دوسرا طبقہ جس کے رکن رکین۔ ایسے عارفین و مقربین اور حلیل القلوب کبیر الشان ارباب تجرید و اصحاب تفرید ہوتے ہیں جن کے معنوی واردات۔ اور دایمی کیفیات سے اکثر عجیب و غریب برکات و تصرفات کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر بایں ہمہ وہ آزاد منش اپنی زندانہ روش کی وجہ سے جو بھیت اخفا اور استار پسند اور اختیار فرماتے ہیں۔ دنیا میں۔ غوث و قطب کے ممتاز خطابت سے مشہور نہیں ہوتے۔ حالانکہ حضرات صوفیائے کرام۔ اپنا پیش رو اور امام جانتے ہیں۔ کیونکہ یہ مسلمہ ہے کہ درحقیقت ان کی کیفیت اختیاری و اکتسابی نہیں۔ بلکہ ازلی اور وہی ہوتی ہے۔

چنانچہ ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ جن خدا پرستوں کی مقدس رو میں بہ ہنگام عہد الست۔ افراط مشاہدہ انوار شادہ حقیقی سے زیادہ سرشار و مست ہو چکی ہیں۔ ان کو سکر و سرور عالم امکان میں بھی بدستور رہتا ہے اور وہ دائمی گرفتار محبت اپنی ازلی کیفیت کے باعث دنیا میں بے تعلق اور آزاد۔ خودی سے بے خود۔ دوی سے دور۔ نام و نمود۔ سود و بہبود سے ہمیشہ محترز و متنفر رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بجز سوز و گداز۔ ان عزت نشینوں کا کوئی جلس و مساز بھی نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ دلفکار۔ کبھی حالت اضطراب میں اپنے اصل مذہب اور طریق مشرب کا اظہار کرتے ہیں۔ تو بے ساختہ زبان حال سے کہتے ہیں۔ بقول

فانش میگویم و از گفتمہ خود و شادوم بندہ عشقم و از ہر دو جہاں آزادوم

اور اسی مناسبت سے ان کی طاعت اعراض و اغراض سے خالی۔ اور عبادت

قلبی و حالی ہوتی ہے۔ یار و اغیار کو یکساں رنج و راحت کو مساوی جانتے ہیں بجز حاکم عشق و ذکر محبت۔ نہ کسی کے عقائد سے بحث نہ ملت سے گفتگو۔ نہ مذہب شیخ سے

انکار نہ مشرب برہمن سے تکرار کرتے ہیں۔ بقول۔

عاشق ہم از اسلام خرابست و ہم از کفر پروانہ چراغ حرم و دیرندانہ

نہ ان کو خلق سے واسطہ نہ مخلوق سے سروکار۔ ماسوائے یار تمام عالم سے دست

یادِ محبوب و تصورِ مطلوب میں۔ کمالِ محویت و استقلالِ استغراقِ مہر۔ اور اسی عالم میں جینا۔ اور
اسی خیال میں رہنے جو زمانہ کے مشرب میں تھکتے "صَلُّوا عَلَیْهِمْ ذُرِّیَّتِهِمْ" جتنی ذریرہ تھکتے
بقول مولانا علیہ الرحمہ مصرعہ "ذُرِّیَّتِهِمْ ذُرِّیَّتِهِمْ" ترک و جو دست

چونکہ یہ پروردگار شمعِ حیات عالمِ سکرو حیاتِ کیفیت میں۔ بغیر شب و ستر سیدہ اور بلحاظ
مورد و پروردگاری محبت میں۔ یعنی محبوب و محب کے سامنے۔ اپنے مشور و خود کو نیست در پرورد
کہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ دو آن در حقیقت یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ وقت ایک ذات سے سرور کا رہتا
ہے۔ اسی حالت کو حضرت صوفیائے کرام کی اصطلاح میں "فنا فی اللہ" کہتے ہیں۔

لہذا ان کی اغراض بے خودی۔ اور کام بے شعوری کے اعتبار سے۔ ان محموران
باذات کی نسبت باطن شناس اربابِ حقائق کا یہ خیال ہے۔ بقول۔

در کوئے خرابات کے را کہ نیاز است بیاری و ستیش ہمہ عین نیاز است۔
فلا مدد یہ کہ بہ مناسبت احوال۔ اور بقضائے جوش نیاز مندی۔ یاد خدا و ندی میں
ہمہ وقت و ہمہ حال مشغول و مشغول رہنے کو۔ اطاعت اور عبادت سے تعبیر کیا جائے
تو حسب اشارہ اہل طریقت عقلاً و نقلاً خلاف نہیں ہے ورنہ "فَلَمَّا فَصَلَ الْكَافِرُونَ"۔ "کہو نگر
صادق آتا ہے۔

صفات روزہ | علیٰ ہذا روزہ جو اسلام کا فرضِ عظیم۔ اور ایمان کا مہتمم بالشانِ رکن ہے جس
کا احترام حضورِ قبلہ عالم اس اہتمام سے فرماتے تھے کہ قبل رویت ماہِ صیام مسجد میں چونہ گردانی
ہوتی تھی۔ کرنال شریف سے حافظ عبدالقیوم صاحب دارنی۔ جن کا مشہور حفاظ میں شمار تھا۔ ختم
قرآن کے لئے آئے تھے۔ شرکتِ تراویح کے واسطے ارادتمندوں کو تاکید حکم ہوتا تھا۔ روزانہ
انطاری ہر خاص و عام کو تقسیم ہوتی تھی۔ کم از کم تین مجلد اور قیمتی قرآن مجید لکھنؤ سے منگا کر نادار
قرآن خوانوں کو عطا ہوتے تھے۔ خدام خاص کے خدمات میں آسانیاں کی جاتی تھیں۔ مقررہ خیرات
جو روزانہ آستانہ پر تقسیم ہوتی تھی۔ اس میں کافی اضافہ ہوتا تھا۔ قصبہ کے بعض شرفائے حاجت مند

کے گھروں پر کھانا بھیجنے کا فرمان صادر ہوتا تھا۔ آخر عشرہ میں غربا کو حسب حیثیت کپڑا تقسیم ہوتا تھا عید کے روز علی الصباح دودھ اور سویاں بصورت لنگر تقسیم ہوتی تھیں۔ اکثر مساکین کو نقد بھی دیا جاتا تھا۔ اہل خدمت کو انعام ملتا تھا۔ مختصر یہ کہ رمضان مبارک کا یہ خیر مقدم زبان حال سے شاہد ہے کہ حضور قبلہ عالم کو روزے سے خاص دلچسپی تھی۔

اور جس اولوالعزمی سے سرکار عالم پناہ نے روزہ رکھا ہے، اس کا ذکر بعض مؤلفین بہت وارثی بصراحت کر چکے ہیں۔ اور اکثر وہ قدیم انخوان ملت بھی ہنوز موجود ہیں جنہوں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ پہلے آپ سات روز کے بعد خاصہ تناول فرماتے تھے۔ اس لئے مکرر اعادہ باعث طوالت ہوگا۔ مگر اس قدر عرض کرنا شاید بے محل نہ ہوگا۔ کہ ہمارے رہنمائے کامل کا روزہ بھی۔ صبر و ثبات کے لحاظ سے غیر معمولی روزہ ہے جس سے آپ کے عشق صادق کی شان نظر آتی ہے۔ کیونکہ محققین حضرات صوفیہ نے محبت صادق کی یہ علامت بطور کلیہ کے بیان فرمائی ہے کہ "الْحُبُّ مَعَانِقَةُ الطَّاعَاتِ وَمُبَايِنَةُ الْمُخَالَفَاتِ" یعنی افراط محبت کی صحیح اور لازمی نشانی یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت کو گلے سے لگائے اور مخالفت سے احتراز کرے۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم کے مخصوص اعمال و اشغال کے ماوراجین سے ہم آگاہ ہیں نہ ہو سکتے ہیں روزمرہ کی طاعات و عبادات میں سے صرف روزہ ہی کو اگر گہری نظر سے دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس عنوان سے آپ نے حضرت احدیت جل جلالہ کے اس فرمان "اَتَمُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّيْلِ" کی تمہیل فرمائی ہے۔ وہ آپ کے جذبات عشق کی بن دلیل ہے کیونکہ مطلوب حقیقی کے اس حکم قطعی کے مطابق۔ گو آپ نے ہزار صدق و خلوص۔ ماہ صیام کے روزے حسب قیود و شرائط رکھے۔ لیکن بدیہات سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس دن تک۔ از صبح تا شام۔ احتراز آب و طعام کے بعد بھی آپ کے قلبی شوق و ذوق کو سکون نہیں ہوا۔ اور بہ اقتضای جوش عشق حکم شاہدے نیاز کی تمہیل میں "مُعَانِقَةُ الطَّاعَاتِ" کی تشریح و تصریح کو اس قدر وسیع کیا کہ بجائے بارہ گھنٹہ۔ امساک خورد و نوش کے جناب حضرت ذوالکلیسوار۔

گھنٹے کے بعد اکل و شرب فرمایا۔ اور اٹھارہ سال تک آپ کا مسلسل یہی دستور رہا کہ سات روز کے بعد نہایت سادی اور قلیل غذا سے افطار کرتے تھے۔

اور بعض معمر ارادتمندوں کا مقولہ ہے کہ بجائے تیس دن کے۔ چوبیس سال تک اسی عنوان سے آپ صائم الدہر رہے۔ اور یکمال سبر و استقلال۔ حضرت رب العزت کے اس حکم کی ایسے پر جوش طریقے سے تعمیل فرمائی کہ اس طاعت کو۔ ریاضت شاقہ کی حد تک پہنچا دیا۔ اور آپ کا روزہ بھی بمنزلہ مخصوص مجاہدہ کے ہو گیا۔

لہذا اگر ہم غلامان بارگاہ دارنی۔ جوش عقیدت کے لہجہ میں یہ عرض کریں۔ تو بالکل صحیح ہو گا کہ ہمارے عالی خیال اور بلند حوصلہ۔ آقائے نامدار کو جس طرح و اہمب العطیات نے بلا واسطہ عشق صادق و ودیعت فرمایا۔ اسی طرح عشق کامل کے جملہ مراحل و منازل سے طے کرنے میں۔ حضور قبلہ عالم نے رضائے سبحانی کی یہ شان دکھادی کہ خداوند عالم کا کوئی حکم طاعت و عبادت ایسا نہیں ہے جس کی تعمیل و تکمیل سرکار عالم پناہ نے کما حقہ اور اہمیت کے ساتھ نہ کی ہو۔

اور چونکہ یہ مسلمہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کو روزے سے نہایت رغبت اور رغبت و محبت تھی۔ تو اسی رغبت کا یہ اقتضا تھا کہ یکمال شفقت اپنے مسترشدین کو بھی روزہ رکھنے کی ہدایت متواتر اور بتا کید فرمائی۔ بلکہ ترغیب کے پیرایہ میں صوم رمضان کے صفات و برکات سے بھی آگاہ کیا۔ چنانچہ اکثر ارشاد ہوا ہے کہ ”روزہ ایسی گرانقدر عبادت ہے کہ روزہ دار بندے کو خدا اپنے دوستوں میں شمار کرتا ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”انسان حالت روزہ میں صفات ملکوتی سے موصوف ہو جاتا ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا کی عین رحمت ہے کہ فاقہ جو اس کے نعمت خانہ میں محبوب غذا تھی۔ وہ ہر سال اپنے بندوں کو تیس روز تک رحمت فرماتا ہے اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ روزہ گناہوں کو مٹاتا ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”روزہ رکھنے سے نفس مغلوب ہوتا ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ

روزہ روح کی غذا ہے۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”شوق سے روزہ رکھنا عاشقوں کی سنت ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”روزہ رکھنے سے خدا کی محبت بڑھتی ہے“

اور شاید طالبان الہی کے واسطے صائم الدہر رہنا زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ اکثر حضور قبلہ عالم نے اسی حلقہ بگوش کو دائم الصوم رہنے کا حکم دیا ہے۔ جو خرقہ پوش۔ یا بظاہر اہل دنیا مگر فی الحقیقت صاحب دل اور حق کوش تھا۔ اور جب کوئی دوامی روزہ دار حاضر خدمت ہوتا تھا۔ تو سرکار عالم پناہ اس کو بہ نظر شفقت دیکھتے تھے اور خادم خاص کو اس کی افطار کے واسطے تاکید ہوتی تھی۔ اور اکثر بطور ہمت افزائی یہ بھی فرماتے تھے کہ ”ہم نے بھی برسوں روزہ رکھا ہے۔ روزمرہ پانی سے افطار کرتے تھے۔ اور ساتویں روز کھانا کھاتے تھے“

حالانکہ ایسے اخوان ملت کی تعداد بھی بکثرت ہے جنہوں نے حسب احکم ہمیشہ دن کو آب و طعام سے احتراز کیا۔ یا جن سے عرصہ دراز تک روزہ رکھوایا گیا۔ لیکن طوالت کا خوف ہے۔ اس لئے بہ لحاظ سلسلہ چند حضرات کے نام نامی تمثیلاً نگارش کرتا ہوں چنانچہ رومی شاہ صاحب وارثی۔ جو ترکی النسل۔ اور پہلے اپنے ملک میں افسر فوج تھے۔ ان کو حضور قبلہ عالم نے لباس فقر بایں حکم مرحمت فرمایا تھا کہ دائم الصوم اور قائم اللیل رہنا۔ اور بعد افطار بھی صرف نمک سے نان جویں کھانا۔

اور ولایتی شاہ صاحب وارثی افغانی۔ جن کے دیکھنے والے آج بھی موجود ہیں کہ حسب احکم اجیر شریف ہیں جہاں رہے سے مشکیزہ بہر کر خلق اللہ کو پانی پلاتے تھے۔ ان کو سرکار عالم نے صوم داؤدی کا حکم دیا تھا۔ کہ ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے روز بے طلب جوہم پیونچے بعد ظہر کے کھا لیا کرو۔ اور جس روز روزہ سے ہو۔ آستانہ اقدار پر جا رو بکشتی کرو۔ اور جس روز کھانا کھاؤ اس روز پانی پلاؤ۔

اور بین وارشہ معروف بہ اللہ والی جو آج تک اجیر شریف میں صاحب باطن مشہور ہیں۔ اور قبہ النور کے مشرقی سمت ان کا مزار ہے وہ جس روز سے داخل سلسلہ ہوئیں تاحیات روزہ دار رہیں۔

اور مسکین شاہ صاحب وارثی جو نواح الہ آباد کے رئیس تھے۔ اور ضلع بانڈہ میں جن کا مزار زیارت گاہ خلایق ہے۔ دائم الصوم اور قائم اللیل تھے۔

مسماۃ نصیبین وارشہ ہمیشہ روزہ دار رہیں اور کھانا تیسرے دن کھایا۔ وہ اس طرح کہ چرخہ کات کر جبدر پیسے جمع ہوتے تھے۔ ان میں سے نصف پہلے خیرات کرتی تھیں۔ اور نصف اپنے صوم سے روزہ کے افطار کرنے میں صرف کرتی تھیں۔

اور مخدوم شاہ صاحب وارثی متوطن مواسینی متصل دریا بادر بارگاہ وارثی کے قدیم حلقہ بگوش تھے وہ ایسے روزے کے دلدادہ تھے کہ حالت صوم میں جاں بحق تسلیم ہو کر اور رمضان شاہ صاحب وارثی فچپوری۔ وہ ایسے اسم باسمنی روزہ دار تھے کہ روزہ افطار کرنے میں دارالقرار کا سفر کیا۔

اور حاجی مکی شاہ صاحب وارثی۔ ان کا بھی یہ دستور تھا کہ تیسرے روز غذا کھانے تھے۔ اسی عنوان سے تاحیات روزہ رکھا۔

اور مسماۃ سکینہ وارشہ اکبر آبادی نے اکیس سال تک دن کو روزہ رکھا۔ اور رات کو تلو رکعت نفل پڑھتی تھیں اور اسی حالت میں اس عابدہ کو مالک حقیقی نے دوسرے عالم میں بلا لیا۔

اور حاجی فیضو شاہ صاحب نے چوبیس سال تک بقید ترک حیوانات روزہ رکھا جب خادم خاص کے عہدہ پر مہمور ہوئے۔ تو حکم سرکار عالم پناہ قضا کیا۔

اور ابوالحسن شاہ صاحب وارثی متوطن اٹا وہ۔ جب لباس فقر کے خواستگار ہوئے تو حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ پہلے بارہ سال تک روزہ رکھو۔ موصوف نے حسب احکم

تادمت مقررہ کمال احتیاط روزہ رکھا اور اس دوران میں اکثر تیسرے روز بھی افطار کیا۔
 اور بابو کنہیا لال صاحب عرف غلام وارث۔ وکیل علی گڑھ۔ عرصہ دراز تک اس عنوان
 سے روزہ دار رہے کہ ہمیشہ وکالت کا کام بھی نہایت خوبی سے انجام دیا۔

غرض غلامانِ بارگاہِ وارثی کے اس کثیر التعداد کردہ میں جس طرح بکثرت ہیں
 اسی طرح ایسے روزہ دار بھی متعدد ہیں جو تاحیات دائمِ انصوم رہے۔ یا جنہوں نے مدت
 تک روزہ رکھا۔ اور یہ خصوصیت صرف ہندوستان ہی کے باشندگان کے واسطے موقوف
 نہیں ہے۔ بلکہ دیگر ممالک میں بھی اگر تلاش کیا جائے تو حضورِ قبلہ عالم کے ایسے حلقہ بگوش
 بھی اکثر ملیں گے۔ جنہوں نے خدا کی محبت میں اپنے خواہشات کو فنا کر دیا۔ اور تمام عمر
 روزہ دار رہے۔

خصوصاً حجاز و عراق میں جہاں پرستارانِ وارثی کا شمار کرنا دشوار ہے۔ وہاں تو
 ایسے عبادت گزار متعدد گزرے ہیں کہ وہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ کیونکہ اکثر اقوام
 ملت نے جو حج و زیارت کے شرف و اختصاص سے فائز تھے۔ بیان کیا ہے کہ دورانِ
 سفر میں سرکارِ عالم پناہ کے بعض دست گرفتہ ایسے نظر آئے ہیں جو علاوہ دیگر صفات سے
 موصوف ہونے کے مستقل روزہ دار بھی تھے۔

چنانچہ حاجی مکی شاہ صاحب وارثی بیان کرتے تھے کہ بیروت میں تاکہ یہاں سید ابوالصالح
 محدث شامی ایسے صاحب نسبت بزرگ رہتے ہیں جن کا احترام اس دیار و امصار کے
 خاص و عام کرتے ہیں۔ گو بہت عرصہ سے وہ عزت نشین صائم الدہر ہیں۔ مگر پہلے سال
 حج بیت اللہ کے لئے پایادہ جاتے تھے۔ اب کبرسنی کی وجہ سے اونٹ پر سفر کرتے ہیں
 مگر حد و مکہ معظمہ کے اندر۔ پا برہنہ رہتے ہیں۔

یہ سن کے مجھے بھی ملاقات کا شوق ہوا حتیٰ کہ دوسرے روز وہیں کے ایک تاجر
 کے ہمراہ گیا۔ سلام کیا۔ تو موصوف کی پہلی صفت کریمانہ یہ دیکھی کہ کھڑے ہو کر جواب دیا

اور معاف کیا۔ اور مزاج پرسی کے بعد مستفسر حالات ہوئے۔ میں نے دوران گفتگو میں یہ بھی عرض کیا کہ مولانا آپ دائم الصوم کب سے ہیں۔ مدوح نے ایک آہ سرد بھر کر یہ کہا یا خنی۔ جب سے تمہارے مقتدائے اعظم نے مجھ گہنگار کا ہاتھ پکڑا۔ انہیں کی عنایت سے بہت زمانہ گزر گیا۔ اور انہیں کی امداد و حمایت پر بھر و سا ہے کہ بقیہ زندگی اسی حالت میں گزر جائے گی۔ ورنہ "بارگراں کجا و من ناتواں کجا"

اور مولوی مظفر حسین صاحب وارثی رئیس ایٹھی۔ وکیل بھوپال ناقل تھے کہ مکہ معظمہ میں ایک جنازہ کی نماز میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ چونکہ مجمع بہت زیادہ تھا۔ اور اکثر لوگ عقیدت مندانہ صورت سے مضطرب احوال نظر آئے۔ تو میں نے اپنے معلم سے دریافت کیا کہ یہ جنازہ کس بزرگ کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حسن بدوی ان کا نام ہے۔ لیکن صائم الدہر تھے۔ اس وجہ سے شیخ صومی لقب ہو گیا تھا۔ حاجی وارث علی شاہ صاحب کے مرید تھے۔ اور کوہ صفا کے قریب ایک عریضہ میں رہتے تھے۔ اور ایسی زاہدانہ زندگی بسر کی کہ بے طلب جو کچھ آجاتا تھا۔ اسی دن اس کو تقسیم کر دیتے تھے۔ اور اس عمر میں بھی طواف کرنے پا پیادہ آتے تھے۔

غرض ہر دو روایت کا ماحصل یہ ہے کہ بلاد عرب میں حضور قبلہ عالم کے وہ ارادتمند جن کی طلب صادق اور خیال بختہ تھا۔ ان میں اکثر دائم الصوم بھی تھے۔ بلکہ مجھے بھی یہ شرف نصیب ہوا ہے کہ اس دیار میں ایسے اہل ریاضت اخوان ملت سے نیاز حاصل ہوا جو رہنمائے کامل کے حکم خاص سے دوامی روزہ دار تھے۔ چنانچہ ۱۸۹۲ء کا یہ واقعہ ہے کہ مشہد مقدس (خراسان) میں مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ آغا عبدالعلی اثنا عشری۔ جو پہلے بہاؤ کے ناظم تو شک خانہ تھے۔ اور اب بوجہ پیری خانہ نشین ہیں۔ وہ سرکار عالم پناہ کے مخصوص حلقہ گبوش ہیں یہ سن کے شوق ہوا کہ ان سے ملاقات ضرور کرنا چاہیے مگر جامع المتفرقین نے یہ سامان کر دیا کہ اسی روز اور اسی خادم آستانہ اقدس نے۔ جن سے صبح کو ان کا

ذکر کیا تھا عصر کے بعد یہ خبر دی کہ اس وقت آغا ناظم روضۃ النوار پر حاضر ہوئے ہیں میں فوراً گیا۔ اور موصوف سے ملا۔ اور انہوں نے سلام کا جواب بھی بہ خندہ پیشانی دیا۔ مگر غیر مانوس صورت دیکھی تو چہرہ پر کچھ آثارِ تحیر نظر آتے ہیں نے خود اپنا تعارف ان الفاظ میں کیا کہ باوجودیکہ نا آشنا ضرور ہوں۔ مگر اس خصوصیت کی وجہ سے ملنے آیا کہ میں بھی اسی بارگاہ عالی کا ادنیٰ غلام ہوں۔ جس کے قدیم ارادتمندوں میں آپ کا شمار ہے۔ موصوف نے بکمال محبت معانقہ کیا اور نام و نشان سن کے فرمایا کہ یہاں سیری نہ ہوگی۔ اگر تکلیف نہ ہو تو مکان پر چلے۔ میں نے عذر کیا کہ میری حاضری کا وقت قریب ہے۔ کل حاضر ہوں گا کہا اچھا۔ مگر چائے وہیں پینا ہوگی۔

دوسرے روز نہیں گیا۔ تو ان کو منتظر پایا۔ بہ شفقت معانقہ کیا اور ایران میں سرکار عالم پناہ کی تشریف آوری کا ذکر کرنے لگے۔ اسی اثنا کے میں خادم چائے اور ناشا لایا ممدوح نے اپنے ہاتھ سے بنا کر ایک فنجان مجھ کو دیا۔ اور خود اسی مذاکرہ میں مصروف ہے یہ دیکھ کر میں نے کہا کہ آپ چائے سے دست کش کیوں ہیں۔ فرمایا۔ معذور ہوں۔ میں نے سبب معذوری پوچھا تو کہا۔ عرض کرتا ہوں۔ وہ سبب یہ ہے کہ دیگر واردات قلبی کے بعد جب داخل سلسلہ ہو چکا۔ تو مجھے چار وقت کھانے دیکھ کر۔ ایک روز حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ تم کثیر الغذا کب سے ہو۔ عرض کیا کہ اب وہو کے اثر سے یہاں ہر شخص زیادہ کھاتا ہے۔ اور ہضم ہوتا ہے۔ فرمایا۔ شکم سیری سے جس طرح تندرستی میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح طالب خدا کی روحانی ترقی کے واسطے سیراہ ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے گرش مفید اور معین احوال ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور مقولہ ہے کہ "الْجَوْعُ يُصْفِي الْفُؤَادَ وَيُكْمِلُ الْهُوَاءَ وَيُورِثُ الْعِلْمَ" کہ بھوک قلب کو صاف اور ہوا و حرص کو زائل اور علم پیدا کرتی ہے۔

میں نے عرض کیا جو حکم ہو۔ فرمایا کچھ عرصہ تک تم مسلسل روزہ رکھو۔ آئندہ خدا

بہت سے لوگ اس وقت تک نہیں جانتے کہ روزے کی کیا حکمت ہے اور اس کی کیا افادیت ہے۔
روزہ ایک ایسا عبادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قربت حاصل ہوتی ہے۔
اس وقت کے لوگ تو بس روزے کی شکل دیکھتے ہیں اور اس کے اندر کی بات سمجھتے ہی نہیں۔
روزہ تو دل کی بات ہے، اس لیے اس کی افادیت دل سے ہی آتی ہے۔
روزے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی رضا مندی کرنے کی تلقین دے۔
اس وقت کے لوگ تو بس روزے کی شکل دیکھتے ہیں اور اس کے اندر کی بات سمجھتے ہی نہیں۔
روزہ تو دل کی بات ہے، اس لیے اس کی افادیت دل سے ہی آتی ہے۔
روزے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی رضا مندی کرنے کی تلقین دے۔

روزے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی رضا مندی کرنے کی تلقین دے۔
روزے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی رضا مندی کرنے کی تلقین دے۔
روزے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی رضا مندی کرنے کی تلقین دے۔
روزے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی رضا مندی کرنے کی تلقین دے۔
روزے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی رضا مندی کرنے کی تلقین دے۔
روزے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی رضا مندی کرنے کی تلقین دے۔
روزے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی رضا مندی کرنے کی تلقین دے۔
روزے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی رضا مندی کرنے کی تلقین دے۔

سے محفوظ رکھنے کے لئے قدرتاً مامور ہوتے ہیں۔

اور جب روزہ دار کے مدارج باطنی ترقی پذیر ہوتے ہیں تو ان کے اثرات سے متاثر ہو کر حیات جسمانی اور کیفیات صوری بھی تدریجاً صفات معنوی کے ہم رنگ اور مشابہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جس حالت اضطرابی کو پہلے بھوک اور پیاس کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اُس کیفیت نفسانی کو بھی معیت شوق میں جب تجلیات الوار الہی کا مشاہدہ ہوتا ہے جو انسانِ کامل کی حقیقی غذا ہے تو وصال شاہد مطلق کے جوش میں خواہشات معدوم ہو جاتے ہیں اور ماکولات و مشروبات سے وہ بے نیاز ہو جاتی ہے۔

اسی مناسبت سے روزہ دار کے ثباتِ کامل اور صومِ حقیقی کی تعریف میں بلند منزلت اربابِ طریقت کے اکثر ارشادات ایسے منقول ہیں جو کلیتہً روحانی ہیں۔ چنانچہ بعض صوفیاء کرام نے ارشاد فرمایا ہے کہ سالکینِ راہِ حق۔ ماسوائے آب و طعام۔ و سواس و اوہام سے بھی احتیاط فرماتے ہیں۔ بعض اہل تفرید کا خیال ہے کہ روزے کے واسطے جمعیتِ فاطمہ بھی شرط لازمی ہے۔ ورنہ خطراتِ خودی۔ اور خدشاتِ دونی سے حسبِ ملت عشق کفارہ لازم آتا ہے۔ اور ابو بکر شبلی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ اہل محبت کا روزہ اغراض سے پاک ہوتا ہے۔ اور مخدوم شیخ شہاب الدین بن محمد سروروی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ روزہ دار کو موجوداتِ عالم سے عدم التفات بھی ضروری ہے۔

اسی عنوان سے ہمارے حضور قبلہ عالم نے روزہ کے انتہائی کمال کو اکثر بصر آفرمایا ہے۔ مگر ایک مرتبہ نواح بہار میں شیخ محمد اسمعیل صاحب وارثی رئیس بلچی کے آپ یہاں تھے۔ اور اتفاق سے صفاتِ صومِ حقیقی کا ذکر آگیا جس کی تائید میں مولوی عبدالکریم صاحب وارثی نے اربابِ لطائف کے وہ اقوال بیان کئے جو روزے کے باطنی رموز و اسرار سے معمور تھے۔ سرکارِ عالم پناہ نے فرمایا کہ ”مولوی صاحب۔ مشربِ عشق پیرِ روزے کی حقیقی صفت یہ ہے کہ ترکِ غذا کے ساتھ خواہشاتِ غذا کے وسواس

اور لذات غذا کا تمیز و احساس بھی فنا ہو جائے۔“

صفات حجِ اخلاصہ یہ کہ روزے کی تبلیغ میں بھی حضور قبلہ عالم کی وہی شانِ ہدایت نظر آتی ہے کہ شفقتِ ارنی نے مریدین کی جسمانی و روحانی حیثیت اور استعداد کا لحاظ اس قدر فرمایا کہ جو ستر شدین مبتدی اور سادہ خیال تھے ان روزہ داؤن کے واسطے معروف ارکانِ شرعیہ کی تعمیل کافی متصور فرمائی اور جن کو کم و بیش روحانیت سے بھی تعلق و سروکار تھا ان کو رہنمائے کامل نے انہیں قیود معنوی کے ساتھ اس فرضِ قطعی کی بجائے آوری کا حکم دیا۔ جس کے وہ اہل اور سزاوار تھے۔

خصوصاً یہ احکام مذکورہ بالا۔ انہیں اہل باطن۔ خدا پرستوں کے حق میں صادر ہوئے جن کے قلوب اثراتِ محبت سے متاثر۔ اور تسلیم۔ رضائے خداوندی کے لئے آمادہ ہو چکے تھے۔ ورنہ اہل ہند کی تو انائی اور سندھ کی ہرگز اس قابل نہ تھی کہ جس اطمینان اور استقلال سے ایرانی اور افغانی حلقہ بگوش بارگاہ و ارثی دائم الصوم رہے اس صبر و شہادت سے ہمارے ہم وطن اخوان ملت۔ جو سراپا ضعف و کمزوری کے مجسمہ تھے۔ اس حکم کی تعمیل میں تاحیات تشنہ و گرسنہ رہنا برداشت کر سکتے۔ بلکہ یہ اور زیادہ دشوار معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی کینیزان و ارثی۔ اگر عنایتِ مرشد شامل حال نہ ہوتی تو یہ صنف نازک نہ روزانہ کے خورد و نوش کو اس طرح فراموش کر سکتیں۔ اور نہ میدانِ صبر میں مردانِ صائم الدہر کے دوش بدوش کھڑے ہونے کی جرأت کرتیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرکارِ عالم پناہ کے فیضانِ باطن سے مستفیض دونوں تھے جس طرح ایرانی اور افغانی صاحبِ حال تھے۔ اسی طرح ہندوستانی حلقہ بگوش اہل جوش اور پختہ خیال تھے۔ اور دونوں کو اپنے رہنمائے کامل کے حکمِ ناطق کی بجائے آوری میں بہ اقتضائے روحانیت خاص محویت تھی۔ اسی لئے قوی الجبہ اور ضعیف القوی کا فرق و امتیاز نہ رہا اور دونوں اپنی اپنی حیثیت و اہلیت کے اعتبار سے کامیاب اور فائز المرام ہوئے۔ اسی عنوان سے حضور قبلہ عالم نے اپنے غلاموں کو کعبۃ اللہ کے شرف و اختصاص سے

ذکر کیا تھا عصر کے بعد یہ خبر دی کہ اس وقت آغا ناظم روضۃ النوار پر حاضر ہوئے ہیں میں فوراً گیا اور موصوف سے ملا۔ اور انہوں نے سلام کا جواب بھی بہ خندہ پیشانی دیا۔ مگر غیر مانوس صورت دیکھی تو چہرہ پر کچھ آثارِ تحیر نظر آئے۔ میں نے خود اپنا تعارف ان الفاظ میں کیا کہ باوجودیکہ نا آشنا ضرور ہوں۔ مگر اس خصوصیت کی وجہ سے ملنے آیا کہ میں بھی اسی بارگاہ عالی کا ادنیٰ غلام ہوں۔ جس کے قدیم اراد مندوں میں آپ کا شمار ہے۔ موصوف نے بکمال محبت معانقہ کیا اور نام و نشان سن کے فرمایا کہ یہاں سیری نہ ہوگی۔ اگر تکلیف نہ ہو تو مکان پر چلے۔ میں نے عذر کیا کہ میری حاضری کا وقت قریب ہے۔ کل حاضر ہوں گا کہا اچھا۔ مگر چائے وہیں پینا ہوگی۔

دوسرے روز میں گیا۔ تو ان کو منتظر پایا۔ بہ شفقت معانقہ کیا اور ایران میں سرکار عالم پناہ کی تشریف آوری کا ذکر کرنے لگے۔ اسی اثنائے میں خادم چائے اور ناشا لایا۔ مدوح نے اپنے ہاتھ سے بنا کر ایک فنجان مجھ کو دیا۔ اور خود اسی مذاکرہ میں مصروف ہے یہ دیکھ کر میں نے کہا کہ آپ چائے سے دست کش کیوں ہیں۔ فرمایا۔ معذور ہوں۔ میں نے سبب معذوری پوچھا تو کہا۔ عرض کرتا ہوں۔ وہ سبب یہ ہے کہ دیگر واردات قلبی کے بعد جب داخل سلسلہ ہو چکا۔ تو مجھے چار وقت کھانے دیکھ کر۔ ایک روز حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ تم کثیر الغذا کب سے ہو۔ عرض کیا کہ اب وہو کے اثر سے یہاں ہر شخص زیادہ کھاتا ہے۔ اور ہضم ہوتا ہے۔ فرمایا۔ شکم سیری سے جس طرح تندرستی میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح طالب خدا کی روحانی ترقی کے واسطے سیراہ ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے گرسنگی مفید اور معین احوال ہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور مقولہ ہے کہ "الْجُوعُ يُصَفِّي الْفُؤَادَ وَيُكْمِلُهُ الْهُوَاءُ وَيُورِثُ الْعِلْمَ" کہ بھوک قلب کو صاف اور ہوا اور حرص کو زائل اور علم کو پیدا کرتی ہے۔

میں نے عرض کیا جو حکم ہو۔ فرمایا کچھ عرصہ تک تم مسلسل روزہ رکھو۔ آئندہ خدا

جو منظور ہوگا وہ کرنا۔ مگر گھبرانا نہیں۔

اس روز سے میں روزہ رکھنے لگا۔ تین سال کے بعد جب ایران کو پھر آپ کی تشریف آوری سے عزت حاصل ہوئی۔ تو مجھ کو صائم دیکھ کر فرمایا کہ عبدالعلی۔ روزہ رکھنے کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ عرض کیا تکلیف کسی افطار کے بعد تفریح ہوتی ہے۔ یہ سن کے مجھے قریب بلایا اور شغل سلطان الاذکار تعلیم فرما کر ارشاد ہوا کہ تم دائم الصوم ہو جاؤ۔

اس روز سے دونوں کام کرتا ہوں۔ اور حضور کی عنایت سے۔ آج تک کوئی روزہ بھی نہیں قضا ہوا۔ اور شغل سلطان الاذکار بھی جاری ہے۔ اور اسی جہت سے روضہ النور کی اس ممتاز خدمت سے مستعفی ہو گیا ہوں کہ ہمہ وقت انتظام اور انصرام کی مصروفیت میں تفریح خاطر ہونا دشوار بلکہ محال معلوم ہوا۔

الحاصل روایات مذکورہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ حضور قبلہ عالم کے اکثر حجاری اور عراقی ارادتمند بھی دائم الصوم تھے اور ان کے حالات و واقعات اس کے بھی شاہد ہیں کہ روزہ جو بظاہر بہت آسان اور جسمانی ریاضت کی شکل میں نظر آتا ہے کہ بارہ گھنٹہ کے اساک آب و طعام کو روزہ کہتے ہیں۔ یہ ہماری عدم واقفیت کا اقتضا ہے۔ ورنہ فی الحقیقت اس بے مثل عبادت الہی کا زیادہ حصہ روحانیت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ اصل روزہ روحانی سرکار کا نام ہے۔

غاشقوں کا روزہ | چنانچہ روزہ داروں کے۔ ابتدائی مدارج کے قیود و شرائط میں جس اہتمام سے اشیائے خورد و نوش کا استعمال ممنوع گردانا ہے۔ اس سے بہت زیادہ مادی مشغل بنا کید وہ احکام ہیں۔ جو روحانی اشغال و احوال کو درست اور شائستہ بناتے ہیں اور جن کی تعمیل و تکمیل کا انحصار۔ روزہ دار کی معنوی یافت و استعداد پر موقوف ہے۔ یعنی جس طرح ہم ایسے عوام الناس۔ اپنے روزے کے فرائض ظاہری کی نگاہداشت کے واسطے منجانب اللہ مکلف ہیں۔ اسی طرح خواص بھی باعتبار مدارج اپنے روزے کو روحانی فرد گزاشت

آگاہ فرمایا۔ اور چونکہ حج دو نوع پر منقسم ہے۔ حج عام۔ اور حج خاص۔ اس لئے رہنمائے کامل نے ہدایت بھی اسی تفصیل سے فرمائی۔ کہ عام مریدین کو انہیں معروف صفات کعبہ اور برکات حج سے خبردار کیا۔ جو ان کے فہم و خیال کے حسب حال تھا۔ اور خاص مسترشدین کے واسطے مناسک حج کی بجا آوری۔ مشروطہ بہ ریاضت و مجاہدت گردانی۔ جو مشرب عشق کا عین اصول ہے۔

چنانچہ اکثر آپ نے بطور ترغیب نو آموز ارادتمندوں سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا ہے کہ جس نے صدق و خلوص سے حج کیا۔ اس کا ایمان کامل ہے۔“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ حج۔ چند امتحانات کا مجموعہ ہے۔ جو اس میں ثابت قدم رہا۔ اس کا خدا کے دوستوں میں شمار ہوا۔“ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ جس نے خدا کے بھروسے پر حج کا ارادہ کیا۔ اس کی امداد عیب سے ہوتی ہے۔“

اور جب کوئی عام مریدین سے حج بیت اللہ کے لئے اجازت طلب ہوتا تھا۔ تو سرکار عالم پناہ فرماتے تھے ”جاؤ۔ یہ کام بھی ضروری ہے۔“ اور کسی سے یہ فرمایا ”جاؤ۔ اگر محبت ہے تو ہزاروں پر ہم تمہارے ساتھ ہیں۔“ اور کبھی یہ فرماتے تھے ”جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔ خدا اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔“ اور کسی سے یہ فرماتے تھے کہ ”محبت کا تقاضا یہ ہے کہ مطلوب کی راہ میں اگر تکلیف بھی پیش آئے تو اس کو راحت سمجھے۔“ کسی سے بصورت تاکید یہ حکم ہوتا تھا کہ ”طائف بھی جاؤ گے۔“ اور کسی سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے کہ ”حجاج عمرہ لانے میں بہت کوشش کرتے ہیں۔“ کسی سے یہ فرمایا کہ ”میزاب رحمت کا پانی گناہوں کو دھو دیتا ہے۔“ اگر بارش ہوتی ہے تو حجاج اس کے نیچے کھڑے ہو کر نہاتے ہیں۔“

اور جب وہی حلقہ بگوش بعد مراجعت سفر حج حاضر خدمت ہوتے تھے۔ تو اکثر آپ نے ان سے معاف کیا ہے۔ اور وہاں کے حالات متوجہ ہو کر سیاحت فرمائے

ہیں۔ اور کبھی کسی سے یہ بھی دریافت کیا ہے کہ ”ذخلی ہوئی تھی“ جس کا عموماً لوگ اقرار کرتے تھے تو آپ تبسم لبوں سے ارشاد فرماتے تھے کہ ”بتاؤ۔ کعبہ کے اندر کے ستون ہیں“ اور کسی سے یہ فرماتے تھے کہ ”بتاؤ۔ وہ ستون کس لکٹری کے ہیں“ اور کسی سے بطور مزاح یہ فرماتے تھے ”بتاؤ کعبہ کے اندر کیا دیکھا“

اور جو ایسے صاحب حال اور نچتہ خیال حلقہ بگوش تھے جن کو فیضان وارفی سے اطاعت رب العزت کا شوق، اور محبت شاہد مطلق کا جوش تفلویض ہوا تھا۔ وہ حق آگاہ جب حج بیت اللہ کے لئے اجازت خواہ ہوتے تھے یا خود سرکار عالم پناہ ان کو ارض حجاز کی سیاحت کا اشارہ فرماتے تھے تو ان کی حالت و کیفیت کی مناسبت سے ان کو وہی حکم ہوتا تھا جس کے واقفی وہ اہل اور سزاوار تھے۔ مثلاً کسی اہل نیاز دست گرفتہ کو حضور قبلہ عالم نے خالق مطلق کے اس دربار سالانہ میں پاپا وہ حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ کسی کو پیشوا کے حق نے۔ سنا سک حج ادا کرنے کی اجازت بائیں شرط مرحمت فرمائی ہے کہ تا اختتام سفر باقاعدہ احرام میں رہنا۔ اور بعض ارادتمندوں کو عرفات کے فیوض و برکات سے بار بار مستفیض ہونے کا حکم ہوا۔ اور بعض اہل تمکین نے اپنے رفیع المرتبت مرشد کو حکم سے کہ معظمت میں مدت التمر قیام کیا۔ اور وہیں کی خاک میں مل کر گناہوں سے پاک ہونے اور بعض کو حکم ہوا کہ وادی طیبہ کو مستقر بناؤ اور گنبد خضر پر تجلیات انوار الہی کا مشاہدہ کرو۔ بعض نچتہ خیال زاہدانہ صورت سے۔ عرب کے خشک اور غیر آباد پہاڑوں پر تاحیات عزت نشین رہے۔ اور بعض مضطرب اس حال غلاموں کو آقائے نامدار نے اس مقدس دیار کی سیر و سیاحت میں زندگی بھر مصروف رکھا۔

حضور قبلہ عالم کے یہ مختلف الصفات احکام۔ گو ایک ہی اطاعت خداوندی کے لئے صادر ہوئے۔ لیکن متعدد قیود و شرائط کے ساتھ مسترشدین کو ہدایت ہونے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخاطبین کے ذوق و شوق میں کافی تفریق تھی جس کا اقتضایہ تھا کہ سفر

دیار مطلوب کے حقیقی مراحل و منازل طے کرنے میں ان کو جداگانہ طریق اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے سرکار عالم پناہ نے مختلف انجیال ارادتمندوں کو علیحدہ علیحدہ ایک مجاہدہ ایسا تعلیم فرمایا جس کی نوعیت بظاہر شخصی و انفرادی ضرورت تھی مگر فی الحقیقت جملہ احکام آپ کے اس خیال سے متحد المعنی تھے کہ مال ایک تھا۔

اور چونکہ حج بیت اللہ ایسی مخصوص روحانی عبادت ہے جس کے ارکان صوری بھی خصوصاً معنوی سے خالی نہیں۔ اس واسطے ہماری ہادی برحق نے صفات حج اکثر انہیں الفاظ میں ارشاد فرمائے۔ جن کو باطنی ریاضات اور قلبی مجاہدات سے گہرا تعلق ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا ہے کہ ”حاجی وہ ہے جس پر حقیقت حج منکشف ہو جائے“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”خانہ خدا کی زیارت کا شوق تو سب کو ہے۔ مگر صاحب خانہ کا متلاشی ہزار میں ایک ہوتا ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”کعبہ مقصد زوار ہے۔ اور دل مہیظ الوار ہے“ بقول

کعبہ بنگاہ خلیل آزرست دل گزر گاہ خلیل اکبرست

صفت زکوٰۃ علی ہذا زکوٰۃ جو اسلام کا چوتھا رکن۔ اور بموجب آئیہ دانی ہدایہ ”وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ“ مثل دیگر فرائض کے نہایت مہتمم باشند فرض قطعی ہے۔ مگر باوجود ایسے ممتاز خصوصیات کے بظاہر اس فرمان ایزدی کی بجا آوری بہت آسان معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ عبادت مالی ہے اور وہ بھی اس قدر سہل کہ ہر سال اپنے مال کا چھوٹا حصہ مساکین پر تقسیم کر دینے سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے

اور فرضیت زکوٰۃ کا سبب بجز اس نظر یہ کے اور کوئی نہیں معلوم ہوتا۔ کہ انسان کو اپنا مال اس واسطے زیادہ عزیز ہوتا ہے کہ عیش و آسائش کے جملہ اسباب کی فراہمی خالق موجودات نے مال و زر پر موقوف فرمائی ہے۔ پس دنیا کے قیام میں دین کے موہوم آرام کے واسطے مال صرف کرنا۔ یا اس کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ

خدا کی اطاعت میں اپنی مالوں میں چیز کو ہر سال مختصر کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس کا طے زکوٰۃ کو امتحان مال کے نام سے تعبیر کرنا۔ ناموزوں نہیں معلوم ہوتا۔

لہذا خالق حقیقی نے بندوں کے اس ناقص اور بے محل اُنس کو رفتہ رفتہ زائل اور معدوم کرنے کے لئے اپنے مکمل اور مستقل قانون میں جملہ متعین اسلام کے حق میں یہ حکم صادر فرمایا کہ ”وَآتُوا الزَّكَاةَ“ کہ تمہارے پس ماندہ سرمایہ پر جب پورا سال گزر جائے تو اس مال کا چالیسواں حصہ خیرات کر دیا کرو۔ جس کا تیرہ سو برس سے بالاتفاق عمل درآمد ہے کہ اپنے اپنے وقت میں علمائے شریعت نے یہی تاکید کی اور یہی ہدایت ارباب طریقت نے اپنے ان طالبین کو فرمائی۔ جن کے دل حقانیت کی جانب مائل ہو رہے تھے

چنانچہ ہمارے سرکار عالم پناہ کے دربار میں جب کبھی فرضیت زکوٰۃ کا ذکر آیا۔ تو اکثر آپ نے عام مریدین سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ ”بڑا بخیل وہ ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتا“ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”جس مال کی صدق دل سے زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ خدا اس مال کا محافظ ہو جاتا ہے“ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”زکوٰۃ کی فرضیت سر انکار کرنا کفر ہے“ اور کبھی تبسم لبوں سے یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ ”زکوٰۃ بڑے نفع کی تجارت ہے کہ ایک روپیہ کے عوض میں خدا دس روپیہ اور بعض مواقع پر ستر روپیہ دیتا ہے“

لیکن حقیقت زکوٰۃ کو نظر غائر سے دیکھتے ہیں۔ تو ظاہر ہوتا ہے کہ مقربین بارگاہ احدیت کے واسطے یہ مسئلہ بھی اہمیت سے خالی نہیں ہے۔ اور یہ امتحان مال جس کو ہم آسان خیال کرتے ہیں۔ بہت دشوار ہے کہ خدا کے جبار نے اس امتحان مال کو۔ اُن جان گذارانِ بتلا کے خمہ میں شریک فرمایا ہے۔ جن میں مخصوص اور اولوالعزم عاشقانِ جانناز آزمائش کے وقت مبتلا کئے جاتے ہیں اور ان کے مراتب خاص کا اختتام اور مدارج علیا کا اتمام انہیں امتحانات کے مصائب اور شدائد کو صبر و ثبات سے برداشت کرنے پر موقوف فرمایا ہے۔

ہاں اس قدر تفریق امتیازی ضرور ہے کہ اظہار صفات ابتلائے خمسہ میں خدا کو ذوالجلال نے وَلْتَبْلُو نَكَوٰتِكُمْ سے اپنی صولت جبروتی کا اظہار فرمایا ہے کہ ہم تمہاری استقامت صبر اور اور صداقت ثبات کا خوف ہیں۔ بھوک ہیں۔ نقصان مال میں۔ اتلاف جان میں۔ بربادی ثمرات میں امتحان لیں گے۔

اور مسئلہ زیر بحث میں بجائے ”نَقِصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ“ کے بندہ نوازی کی شان میں ”اَتُوْا الَّذِیْنَ كُوْنُوْا“ فرمایا۔ کہ ہمیں نے تم کو جو مالی ثروت اپنی عنایت سے مرحمت فرمائی ہے اس کا ایک قلیل اور مختصر حصہ ہمارے محتاج بندوں کی رفع احتیاج کے واسطے ہر سال دیا کرو۔

لیکن دیکھتے یہ ہیں کہ جس اہتمام سے احکم الحاکمین نے قرآن پاک میں۔ زکوٰۃ یعنی انقطاع اُنس مال کا حکم متواتر صادر فرمایا۔ اسی عنوان سے اس کے مقبول خاص۔ اور مقرب بارگاہ بندوں نے اس فرمان خداوندی کی تعمیل صوری و معنوی کے سامنے ایسا تسلیم خم کیا۔ جو عبودیت کی مجسم تصویر ہے کہ شوق ایثار میں اپنی راحت و عافیت کلیتہً شاہ کر دی۔ کہ زکوٰۃ کے قیود حدود میں آنا۔ یعنی مال جمع کرنا۔ پھر اس کا ایک حصہ عند اللہ تقسیم کرنے کے بجائے۔ مال دنیا سے قطعاً احتراز کیا۔ اور دولت دنیا کو چھوٹا بھی حرام سمجھا۔ حتیٰ کہ مال و زر کا خیال بھی مشروباً مکروہ اور ممنوع گردانا۔ اور اپنے گنجینہ صدر کو۔ زہد کی گراں قدر دولت اور فقر کے بیش بہا جو اہر سے ملور رکھا۔

جس کا ثمرہ شاہد بے نیازی کی سرکار سے یہ ملا۔ کہ بقول مولانا علیہ الرحمۃ ”برودہ ویران خراج و عشر نیست“ کہ اُن جاں نثارانِ احدیت کا اس مکمل ایثار عافیت کی جہت سے معافی و امداد متکذروں میں شمار ہو گیا۔

چنانچہ ایک عید الفطر کے روز۔ بعض ارادتمندوں کو در دولت پر غلہ بطور فطرہ حضور قبلہ عالم کی جانب سے مساکین پر تقسیم کرنے دیکھ کر ایک مقتدر پرستار بارگاہ ولہرنی

نے ارادہ کیا میں کچھ روپیہ زکوٰۃ کے نام سے منجانب سرکار عالم پناہ خیرات کروں۔ جب آپ نے یہ سنا تو اس مخیر غلام سے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ زکوٰۃ صاحب نصاب اس مال یا روپیہ کی دیتا ہے۔ جو سال بھر سے اس کے ملک میں ہو اور جو کسی چیز کا مالک نہ ہو اور جس نے روپیہ کو چھونا حرام سمجھا ہو۔ وہ زکوٰۃ کس چیز کی دے گا۔

اسی سلسلہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ”مشرّب عشق میں زکوٰۃ کی تعریف یہ ہے کہ جو چیز حلق سے فرو ہو جائے وہ اپنی تھی۔ اور جو باقی رہے وہ سب زکوٰۃ ہے۔“ اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ ”بعض مشائخین نے بقدر ضرورت اسباب معیشت اپنے صرف میں رکھا ہے۔ مگر عشاق کا طریقہ یہ ہے کہ فتوحات کو فوراً تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ رات کو وہ خالی ہاتھ ہوں۔ اور کسی چیز کے مالک نہ رہیں۔“

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کے ارتفاع احوال و مقامات کا تمثیل بھی ذکر کرنا اس لئے ہماری خام خیالی ہے کہ آپ کے زہد اتم اور فقر کامل کے یہی صفات کہ اغراض دنیا سے اغراض کلی اور متاع دنیا سے انقطاع قطعی۔ ایسے غیر معمولی مجاہدات ہیں۔ جن کے مفہوم و مطلب تک ہم ایسے عوام کے وسواس و اوہام کی بھی رسائی نہاں اور محالات سے ہے۔ بلکہ حضور نے اپنے بعض غلاموں کو ایسے مکمل زہد کی ہدایت فرمائی ہے جس کی مثال پیش کرنا فی الحال مشکل ہے۔

حتیٰ کہ علاوہ فقرائے خرقہ پوش کے ایک ایسے حلقہ بگوش بارگاہ وارثی کا واقعہ نگارش کرتا ہوں۔ جو بظاہر ایسے گراں بار کے اٹھانے کا کسی طرح سزاوار نہ تھا۔ مگر سرکار عالم پناہ کے تصرفات باطنی کا یہ کرشمہ ہے کہ ایسا ثبات و استقلال تفویض ہوا کہ وہ فرمان بردار باوجود عیال دار ہونے کے مال دنیا سے متنفر اور بیزار ہو گیا۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم منشی تفضل حسین صاحب وارثی وکیل اوناؤ کے یہاں تھے عصر کے بعد وکیل صاحب موصوف کے ہمراہ ایک مقتدر شخص حاضر خدمت ہوئے

قد مہوسی کے بعد وکیل صاحب نے عرض کیا کہ حضور یہ میرے تو دوست ہیں۔ مگر خدا کے بڑے
دیا نثار بندے ہیں کہ باوجود اس خوش حالی کے نہ کھاتے ہیں نہ کھلاتے ہیں۔ خدا کی دی
ہوئی دولت کی شب و روز نگرانی کرتے ہیں۔

سرکار عالم پناہ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم سو تو نہیں کھاتے۔ اور زکوٰۃ
دیتے ہو۔ انہوں نے دست بستہ عرض کیا کہ آپ کی عنایت سے میں سو کو حرام جانتا ہوں
اور زکوٰۃ بالالتزام نہیں دیتا ہوں۔ مگر مساکین سے مسلوک ہوتا ہوں۔

ارشاد ہوا کہ شریعت میں انتظام لازمی ہے۔ حساب کر کے زکوٰۃ دیا کرو اور سوتے

وقت سوچا جس مرتبہ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین پڑھ لیا کرو
وکیل صاحب نے ہنس کر عرض کیا کہ حضور وہ مثل صادق آئی کہ نماز چھڑانے لگے تھے۔ روزہ
گلے پڑا۔ آپ نے فرمایا کہ ہنستے کیا ہو۔ تم بھی تو باقاعدہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ وکیل صاحب نے
سرنگوں ہو کر عرض کیا کہ واقعی قصور وار ہوں۔ لیکن آپ دریافت فرمائیں۔ کہ میں عرصہ سے
دس بیس روز تک کے واسطے بھی چالیس روپیہ کا مالک کامل نہیں ہوا۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا۔ تم ایسے محتاج ہو۔ عرض کیا۔ آپ کے کرم سے محتاج نہیں ہوں
آج بھی چار پانچ سو روپیہ ماہوار کا خرچ ہے۔ لیکن پانچ سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہوا کہ اسٹیشن پر
آپ نے میرے بے تکے اخراجات دیکھ کر سرسری طور پر فرمایا تھا کہ تفضل۔ کفن کو بھی کوڑی نہ
رکھیں گے۔ جب سے حضور کے اس ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں۔ کہ روز کی آمدنی روز صرف ہو جاتی
ہے۔ اتفاق سے کبھی روپیہ اگر زیادہ آجاتا ہے تو کچھ دنوں اس کا تخویلدار رہتا ہوں
اسلئے زکوٰۃ دینے کی نہ کبھی حیثیت ہوتی۔ اور آپ کا کرم شامل حال ہے تو انشا اللہ
کبھی نہ ہوگی۔

حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ تفضل اب کسی دن اگر زیادہ بھی روپیہ آجائے۔ تو وہ بھی
باقی نہ رہے۔ اسے بھی صرف کر دیا کرو۔ رکھنے سے ہاتھ کا لے ہوتے ہیں جس طرح دُنیا

میں خالی ہاتھ آئے تھے اسی طرح خالی ہاتھ رات کو سویا کرو۔ جس کو خدا سے محبت ہوتی ہے وہ مال و دولت سے نفرت کرتا ہے۔“

دکیل صاحب نے قدمبوس ہو کر کہاں ادب عرض کیا کہ آپ نے توفیق مرحمت فرمائی تو آج سے یہی کروں گا۔ لیکن ایک جھگڑا اور ہے کہ میرے پاس ہمیشہ سے تین لکس ہیں جن میں روزانہ معینہ رقم ڈالتا ہوں۔ اس کو بھی چھوڑ دوں؟

آپ نے فرمایا۔ وہ کیسے اور کس کام کے واسطے ہیں۔ عرض کیا ایک لکس کاروبار میں ۱۲ ربیع الاول کو خرچ ہوتا ہے اور ایک لکس کا عشرہ محرم میں صرف کیا جاتا ہے۔ اور ایک لکس حضور کی تشریف آوری کے موقع پر کھولا جاتا ہے۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا۔ ”وہ دونوں لکس تو بدستور ہیں۔ لیکن جو لکس ہماری مہانداری کے واسطے رکھا ہے اس کو اٹھا دو۔ اگر تم کو روٹی نصیب ہوگی تو کھلانا۔ ورنہ تمہارے ساتھ ہم بھی فاقہ کریں گے۔“

اسی طرح حاجی عباس علی شاہ صاحب وارثی جو حضور قبلہ عالم کے قدیم تہ بند پوش اور بہت خوش اوقات شخص تھے۔ فتحپور میں حاضر خدمت ہوئے اور منجملہ اور گز ارشوں کے یہ بھی عرض کیا کہ گزشتہ جمعہ کو مولوی صاحب نے زکوٰۃ کے ایسے صفات بیان کئے کہ میرے آنسو اس خیال سے نکل آئے کہ اگر میرے پاس روپیہ ہوتا تو میں بھی زکوٰۃ دیتا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری بسراوقات کیونکر ہوتی ہے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ حسب الحکم پینٹے پور کی مسجد میں رہتا ہوں۔ اہل محلہ روٹی دے جاتے ہیں۔ وہی کھا لیتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ روٹی اگر ضرورت سے زیادہ آجاتی ہے۔ تو اس کو کیا کرتے ہو۔ عرض کیا دوسرے روز دن کو کھا لیتا ہوں۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ آج سے اس کی پابندی کرو کہ مغرب تک جو روٹی آئے وہ کھا لیا کرو۔ اور جو بچ جائے یا جو بعد مغرب کے آئے وہ اسی وقت خیرات کر دیا کرو۔

اسی کو زکوٰۃ سمجھو۔

ایک مرتبہ لکھنؤ کے قیام میں حضور قبلہ عالم کی قدمبوسی کو ایک ایسے غیر معروف تہند پوش حاضر ہوئے جن کو پہلے نہیں دیکھا تھا اور آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ میرے حجرہ کا قفل توڑ کر کوئی سب سامان لے گیا۔ ارشاد ہوا تم نے سامان رکھا کیوں۔ آج سے بجز ایک تہندا اور ایک کمل کے۔ اسباب دنیا میں سے کوئی چیز نہ رکھنا۔ چور بھی نہ آئے گا۔ اور خادم کو حکم دیا کہ ایک تہندا اور ہمارا کمل لے آؤ۔ فوراً خادم نے حاضر کیا۔ آپ نے وہ تہندا اور کمل شاہ صاحب کو دے کر رخصت کر دیا۔

باہر آ کر شاہ صاحب نے وہ تہندا باندھ لیا۔ اور اپنا تہندا کھول کر ایک محتاج کو دیدیا اور ایک گٹھری میں کچھ چیزیں تھیں وہ بھی تقسیم کر دیں۔ صرف سرکار عالم پناہ کا دیا ہوا کمل لے کر روانہ ہو گئے۔

عقائد مذہبی و اخلاق مشربی | علی ہذا شفقت و ارثی نے ہم کو بعض ضروری عقائد مذہبی و اخلاق مشربی سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔ چنانچہ علی گڑھ کے اسٹیشن پر ایک طالب اہل حق نے دست بستہ عرض کیا کہ آپ خضر زمانہ ہیں۔ خدا کے واسطے مجھ کو سبیل نجات بتا دیجئے۔ ارشاد ہوا کہ تم مسلمان ہو۔ تمہاری نجات تو اسی میں ہے کہ صدق دل سے کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ کیونکہ صحیح حدیث ہے کہ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَدْ خَلَّ الْجَنَّةَ بِرِصْقٍ ہے تو کلمہ طیبہ کا ورد تم کو جنت کا مستحق کر دے گا۔

ایک مرتبہ پنڈت غلام رسول شاہ صاحب دارفی نے خدمت با برکت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور کے فیضان تصرف نے۔ اس گنہگار کو مشرک سے موحد تو بنا دیا۔ لیکن توحید کی حقیقت سے ہنوز نا بلد ہوں۔ تمنا یہ ہے کہ قبلہ عالم کی زبان مبارک سے توحید کی تعریف بھی سن لوں۔ شاید مجھ تا اہل کی سمجھ میں بھی کچھ آجائے۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا۔ کہ پنڈت جی توحید کے ظاہری اور مشہور معنی تو یہ ہیں کہ

خدا کو ایک کہو۔ اور ایک سمجھو۔ جو ایمان کے لئے شرط ہیں ”إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهًا وَاحِدًا“ اور جب اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ اس وقت توحید کے دوسرے معنی کہ خدا کو ایک دیکھو یہ عارفین کا مقام ہے۔ اس لئے یہ معنی منجانب اللہ موحد کے قلب پر القا ہو جاتے ہیں اور موحد اپنی چشم بصیرت سے ہر چیز میں خدا کا جلوہ دیکھتا ہے۔

پنڈت جی موصوف نے عرض کیا کہ مجھ تازہ مسافر کو اس راہ میں کیا کرنا چاہیے۔ فرمایا ”ایک ذات سے سروکار رکھو۔ اور جو واردات ظاہری۔ یا باطنی پیش آئے اس کا فاعل حقیقی اسی کو سمجھو۔“

ایک مولوی صاحب پنجابی لباس سے آراستہ۔ دیوٹی شریف میں حاضر خدمت ہوئے اور قد مبوس ہو کر عرض کیا کہ یہ ناچیز ضلع راولپنڈی کا باشندہ ہے۔ تین سال سے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ہمارے واحد اور لاشریک خدا کے وہ صفات اور خصوصیات کیا ہیں جو اس کی شان الوہیت کے برابان قطعی ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ مجملہ دیگر خصائص کے۔ اس کی ایک مخصوص صفت یہ ہے کہ ذات حضرت احدیت تغیرات سے پاک ہے۔ جو خالق مطلق ہونے کی عین دلیل ہے کیونکہ مخلوق کے حالات میں تغیر اور تبدل ہونا لازماً سے ہے۔“

ایک روز حضور قبلہ عالم کی خدمت بابرکت میں چند علم دوست ارادتمند حاضر تھے۔ اور محدثین عظام و فقہائے اسلام کی ان گراں قدر خدمتوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ جو انہوں نے دین متین کی حمایت اور اشاعت میں مدت العمر کی ہیں۔

اسی دوران میں ایک حاضر باش غلام نے۔ سرکار عالم پناہ کا مخاطب پا کر کجماں ادب عرض کیا کہ واقعی علمائے سلف کے ہم سراپا مرہون منت ہیں اور ان کی بے عرض خدمات کا بھی پورا اعتراف ہے۔ جن کی وجہ سے آج دفتر اسلام ایسا مکمل نظر آتا ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

لیکن ان باکمال ہستیوں کے افراط علم و فضل کا تحقیق کے میدان میں متواتر مقابلہ ہونے سے نتیجہ برعکس ہوا کہ اس باہمی اختلاف نے قریب قریب ہر مسئلہ کو اس قدر دقیق اور سچیدہ کر دیا جس کی بجز ناقد بصیر کے عام مسلمان بلکہ متوسط العلم اہل اسلام بھی وسیع نظر نہ ہونے کے باعث چونکہ اس عالمانہ بحث کی صحیح تنقید نہیں کر سکتے۔ اس لئے بجائے تحقیق کرنے کے ایک فریق کی تقلید پر مجبور ہوتے ہیں۔

چنانچہ عرصہ سے یہ غلام اس کا منتظر تھا کہ جناب کی توجہ مبذول دیکھوں تو یہ خیال استفادہ یہ عرض کروں کہ ازر وئے حقیقت اصحاب کبار اور اہل بیت اطہار کی عظمت و منزلت میں کیا تفریق ہے۔ اور بہت ان کے فضل و کمال کے ہم کو کیا عقیدہ ان کی نسبت رکھنا چاہیے۔ کیونکہ علمائے کرام کے مختلف اقوال جن کی حیثیت بجائے علمی مکالمہ کے۔ مناظرانہ بلکہ مجادلانہ شان ہو گئی ہے۔ اس لئے وہ تشفی بخش نہیں رہے۔ اور تصفیہ طلب ہو گئے۔

ارشاد ہوا کہ علما کا یہ اختلاف بہت نفسانیت نہیں بلکہ بہ کاظ حقانیت ہے۔ کیونکہ دونوں خاصان بارگاہ ایزدی کے صفات و خصوصیات میں افراط اور بہتات اس قدر ہے کہ بصیرین و محققین کی نظر خیرہ اور منتشر ہو جاتی ہے۔ مگر اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ باعتبار اخبار و آثار اصحاب رسول کریم کی تعظیم واجب اور لازمی ہے اور اہلیت اطہار کی محبت نص قطعی سے فرض ہے۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم دیوبند شریف میں قیام فرماتے کہ منشی نادر حسین صاحب دارنی نگر امی حاضر خدمت ہوئے اور بیان کیا کہ کل ایک وکیل صاحب سے گفتگو ہوئی تو میں جنگ صفین کے بعض واقعات کے حوالہ سے امیر شام کا موروثی الزام ہونا ثابت کر دیا۔ اور آخر میں ان کو بھی خطائے منکر کا اقرار کرنا پڑا۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا۔ نادر حسین۔ واقعات جنگ صفین کو مورخین نے صحیح

ضرور مانا ہے۔ مگر فرض کرو کہ ایک مکان میں چند اشخاص بہم وطن یا ہمسریا ہم جد ہونے کی وجہ سے باہم رہتے ہیں اور ان میں سے ایک شخص نے کتا پالا۔ اور اس کی داشت اور پرورش وہی پالنے والا کرتا ہے۔ تو جس طرح یہ قاعدہ ہے کہ وہ کتا دم۔ اپنے پالنے والے ہی کے سامنے ہلائیگا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس مکان کے کسی رہنے والے کو وہ کتا کائے گا بھی نہیں۔

اس اعتبار سے۔ تم بہ حیثیت ایک وفادار غلام ہونے کے۔ اپنے آقائے نامدا کی ثنا و صفت میں مصروف رہ سکتے ہو۔ مگر اپنے مالک کے ساتھیوں کو اگر باہم شیرو شکر نہیں بھی دیکھتے ہو تو بھی سنت مرتضویٰ یہ ہے کہ اچھا نہ جانو تو بُرا بھی نہ کہو۔ اور کلیہ تو یہ ہے کہ جس دل کو محبت سے سروکار ہوتا ہے اس میں عداوت کی گنجائش نہیں رہتی۔ بقول۔

شدہ است سینہ ظہوری پر از محبت یار برائے کینہ اغیار در دم جانست
بلکہ محبت کامل کی تعریف تو یہ ہے کہ محب کو بجز تصور یار کے اغیار کا خیال بھی نہ آئے۔ چنانچہ جو سمجھدار ہیں وہ ماسوائے صفات یار ماوشما کے حرکات و سکنات کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ بقول۔

ماقصہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم از ما بجز دکایت ہمسرو و فامیرس
ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم کے دربار میں سلاسل ارباب طریقت کا ذکر آیا۔ اور حاضرین میں سے ایک صاحب نے ان کے بعض فروعی مسائل پر نکتہ چینی کا ارادہ کیا۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ منزل شاہد حقیقی تک پہنچنے کے لئے گوراہیں جدا گانہ ضرور ہیں۔ مگر فی الحقیقت راہگیروں کا مقصود اور نصب العین ایک یعنی تقاسم یار ہے۔ اس واسطے راستوں کے نشیب و فراز کا تذکرہ بیکار ہے۔

حضور قبلہ عالم کے ایک ارادتمند نے یہ سبیل مذکورہ اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ میں

اپنی ذاتی ضرورت سے دو ہفتہ اجیر شریف میں رہا۔ مگر جس کام کے لئے گیا تھا۔ وہ کام بھی نہیں ہوا اور مزید برآں ہوٹل سے کپڑوں کا کبس بھی جاتا رہا۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ دوران قیام میں خواجہ صاحب کے سلام کو بھی گئے تھے۔ اس نے غرض کیا کہ ایسے افکار میں مبتلا تھا کہ درگاہ تک جانے کی نوبت نہ آئی۔ ارشاد ہوا کہ اسی بے ادبی کی یہ سزا تھی جو کبس چوری گیا۔ "طریقت کا ادب یہ ہے کہ جس شہر میں ایک شب بھی قیام ہو۔ وہاں کے مشہور اہل اللہ کے مزار پر ضرور جائے۔"

ایک سن رسیدہ مولوی صاحب حضور قبلہ عالم کی ملاقات کو دیوبند شریف میں حاضر ہوتے آپ نے باقتضائے خلق عجم معالقتہ کیا۔ اور تھوڑے عرصہ تک گفتگو فرما کر تعظیم کے ساتھ ان کو رخصت کر دیا۔ جب وہ چلے گئے۔ تو حاضرین میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں ان کو خوب جانتا ہوں۔ یہ مولوی صاحب بڑے مکار ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے قبضہ میں ایک جن ہے۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا۔ کیوں اپنی زبان اور اپنے دل کو دوسرے کی واسطے خراب کرتے ہو۔ معمولی عیوب تو بیان کر دیئے مگر وہ ہنر جو بد ہیات سے ہیں۔ ان کو نظر انداز کر دیا۔ کہ مولوی صاحب کی شریفانہ تہذیب۔ مقدس صورت۔ نورانی ریش مشروع لباس کی قدر نہ کی۔ جس کو اسلام کے بلند پایہ پیشواؤں کی وضع سے خاص مناسبت اور مشابہت ہے۔ حالانکہ دل کی بدنام خرابیوں کو۔ بزرگوں کی وضع کے پردہ میں چھپانا مستحسن فعل نہیں ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس بندہ نواز کی عنایت سے اچھوں کی نقل کرنے میں۔ علاوہ دنیوی منفعت کے۔ دین کے بگڑے ہوئے کام بھی بن جاتے ہیں۔

چنانچہ مشہور ہے کہ ایک مسخرہ۔ فرعون کو خوش کرنے کے واسطے موسیٰ علیہ السلام

کی نقل کرتا تھا۔ کہ اسی دنس کا لباس پہن کر۔ اور اسی صورت کا عصا لے کر۔ روزانہ دربار میں آتا۔ اور اسی لہجہ میں وعظ کہتا تھا۔ جو کلیم اللہ کا طرز کلام تھا۔

مگر جس روز وہ بہر پیا مر گیا۔ تو خدا سے برتر نے اپنے اس مقرب فقیر کو جو عرصہ دراز سے ایک پہاڑ پر تجلیات انوار الہی کی دید کے لئے عزت نشین تھا۔ حکم دیا کہ فلاں محلہ میں ہمارا ایک دوست مر گیا ہے۔ جاؤ۔ اور اس کی تجہیز و تکفین میں شریک ہو۔

وہ خدا کا برگزیدہ بندہ فوراً اس محلہ میں گیا۔ اور دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ فرعون کا مسخرہ مر گیا ہے۔ مگر چونکہ حکم الہی کی تعمیل لازم تھی۔ اسی کی تجہیز و تکفین میں شریک ہو کر واپس آیا تو بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ آلہ العالمین۔ وہ مسخرہ تو بظاہر بد مذہب اور فرعون کا پرستار تھا۔ تو نے اس کو کس عمل کی جہت سے اپنے دوستوں میں شمار فرمایا۔

آواز آئی کہ بیشک وہ ہمہ تن فسق و فجور میں مبتلا ضرور تھا۔ لیکن لباس موسوی کی نقل کرتا تھا۔ اس لئے ہم نے اپنے کلیم کے لباس کا احترام کیا۔ اور اس نعال کو اپنے مقربین میں داخل کر لیا۔

ایک شخص نے حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ اپنے پیر کی بیعت کو توڑ دوں اور آپ کا مرید ہو جاؤں۔ ارشاد ہوا کہ انہوں نے کیا قصور کیا کہ نبی بنائی بیعت کو توڑنے پر آمادہ ہو۔ اس نے عرض کیا کہ بڑا قصور یہ ہے کہ وہ بد فیض ہیں۔ فرمایا یہ قصور ان کا نہیں ہے۔ فیض حاصل کرنا تو تمہارا کام ہے۔ جاؤ اور محبت کے ساتھ انہیں سے رجوع کرو۔ جو تمہاری قسمت کا ہے وہ انہیں کے ذریعہ سے تم کو ضرور ملے گا۔ گھبراؤ نہیں۔

ایک شخص نے خدمت والا میں عرض کیا کہ مجھ کو مرید کر لیجئے۔ آپ نے بیباختہ فرمایا تم کسی کے مرید نہیں ہو اس نے عرض کیا کہ مرید تو میاں محمد شیر صاحب کا ہو چکا ہوں۔ مگر میری خواہش ہے کہ آپ کا بھی مرید ہو جاؤں۔ ارشاد ہوا کہ جس طرح ایک عورت کو دو مردوں کو

بیک وقت نکاح کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح ایک مرید کو دو پیروں کے ہاتھ پر بیت کرنے میں نقصان ہے۔

دیکھو ایک ناؤ پر سوار ہونے میں۔ سلامتی سے پارا تر جانے کی زیادہ امید ہے اور برخلاف اس کے اگر کوئی شخص ایک پاؤں۔ ایک ناؤ پر۔ اور دوسرا پاؤں دوسری ناؤ پر رکھ کر دریا سے پار ہونا چاہے تو ڈوبنے کا خوف ہے۔ بس جاؤ۔ اگر طلبِ صادق ہوگی۔ تو جس کا ہاتھ پکڑا ہے اسی صورت میں تم کو خدا ملے گا۔

حضور قبلہ عالم کے ایک قدیم اور معمر ارادتمند جو مشرب و ارتقی کے مذاق و مسلک سے بقدر حیثیت واقف بھی تھے۔ وہ حق شناس ترکِ لباس آبائی کے خواستگار ہوئے اور جناب حضرت نے اپنا ملبوس خاص مرحمت بھی فرمایا۔ اب فریب تھا کہ کسی ریاضت کی بھی ان کو ہدایت ہو کہ فوراً ایک مزاج وال خادم نے دست بستہ عرض کیا کہ ہمارا ایمان ہے کہ ہر حال میں آپ ان کے حامی اور نگہبان رہیں گے۔ لیکن بظاہر ان کی عمر کی رعایت و ان کو آسان ذکر یا شغل تعلیم فرمایا جاتے۔ ایسا نہ ہو کہ ایسی ریاضت شاقہ کی ہدایت کی جاتے کہ یہ ضعیف القوی۔ بڑے میاں فانی المجاہدہ ہو جائیں۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا۔ آپ کی سفارش منظور بہم ان کو ایسا شغل بتاتے ہیں کہ بالکل تکلیف نہ ہوگی۔ شیخ حبی۔ تم صدق کو اپنا توشہ بناؤ۔ اور جو کام کرو۔ اس کی نیت اللہ کے واسطے ہو اگر کھانا کھاؤ۔ تو نیت کرو کہ میں اللہ کے واسطے کھاتا ہوں۔ اور نہ کھاؤ تو بھی یہی خیال کرو کہ میں اللہ کے واسطے نہیں کھاتا ہوں۔ غرض سونا۔ جاگنا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا تمہارا اللہ کے واسطے ہو۔ اور ما سوائے اللہ سے بے غرض رہو۔ جیسا کہ سفیان ثوری کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز صبح کے لئے تاریکی کی وجہ سے۔ انہوں نے قمیض اٹاپہن لیا۔ اور خبر نہ ہوئی اشراق کے وقت لوگوں نے آگاہ کیا۔ سفیان نے ارادہ کیا کہ اس کو اتار کر سیدھا رخ بدل کے پہن لوں۔ مگر پھر ہاتھ روک لیا۔ اور کہا کہ اس کو میں نے اللہ کی نیت سے پہنا تھا۔ اب

یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کا رُخ بدل کر بہ نیت الناس ہوں۔
 ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے کسی قدر جلال آمیز لہجہ میں فرمایا کہ اہل محبت کے بعض اہل
 کو جو درحقیقت ان کے احوال کے ترجمان ہوتے ہیں۔ قابل الزام خیال کرنا۔ لوگوں کی
 بدگمانی اور صریح نادانی ہے۔ بقول مولانا

گفتگوئے عاشقان در کار رب جوشش عشق است نے ترک ادب

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ اکثر فقراء اہل تکلیف کے بھی عادات بہت دارو
 قلبی متغیر ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی ادب ان کا مستقل رہتا ہے بلکہ ان کے مدارج مرتفع ہوتے
 ہیں اسی قدر وہ زیادہ مودب ہوتے ہیں اور جو معروف آداب ہیں ان میں ضرور سنت رسالت
 کی وہ تقلید کرتے ہیں اور اگر سہواً بھی تقصیر ہوتی ہے۔ تو ارباب طریقت ان کو بہ نظر تحقیر
 دیکھتے ہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ بایزید بسطامی (علیہ الرحمۃ) کو معلوم ہوا کہ ایک فقیر کو اس کے
 زہد کی وجہ سے اس دیار و اصرار کے لوگ ولی سمجھتے ہیں۔ آپ کو بھی اس فقیر کی ملاقات
 کا شوق ہوا۔ اور ایک یار کو ہمراہ لے کر اس کو دیکھنے گئے۔ جب کہ اس قریب میں پہنچے
 تو دیکھا کہ وہ فقیر اپنے مکان سے نکل کر مسجد کی طرف جا رہا ہے۔ راستہ میں اس نے ٹھوک
 پھینکا۔ اور اتفاق سے وہ سمت قبلہ تھی۔ یہ دیکھ کر بایزید نے اپنے یار سے کہا واپس چلو
 درانحالیکہ یہ شخص سنت رسول اللہ کا امین اور معتد نہیں ہے تو یہ صفات اولیا اور
 مقامات اصفیا کا مستحق اور سزاوار کیونکر ہو سکتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے بدوران سیاحت بہار۔ صرف آرام کے خیال سے
 ایک شب کے لئے جو پور میں قیام فرمایا۔ بعد مغرب مولانا عبدالرحیم صاحب جو اپنی
 فلسفہ دانگی کے باعث عوام میں وہر یہ مشہور تھے۔ مع اپنے شاگرد رشید مولوی ریاض الرحمن
 صاحب جناب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اشنائے گفتگو میں یہ عرض کیا کہ حسب روایات مذہبی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابلیس

نے غیر خدا کے سجدہ سے انکار کیا۔ تو قابلِ لحاظ یہ امر ہے کہ وہ اپنے اس سخنِ عمل کی وجہ سے ایسا قصور وار کیوں گردانا گیا کہ بجائے موحّد کے اس کو شیطان اور ملعون کہتے ہیں سرکارِ عالم پناہ نے ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب موحّدین تو شیطان و جہنم ہیں فرق نہیں کرتے اور عشاقِ شیطان کو برا نہیں کہتے۔ بلکہ واقعہ ابلیس خاص قسم کا سبق ہے لیکن شریعت کی رو سے ابلیس نے یہ غلطی کی کہ آدم کو غیر سمجھا۔ اور خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِنَا کا خیال نہ کیا۔

مولانا موصوف یہ تفصیلی جواب سن کے خاموش بلکہ کیف ہو گئے۔ اور آبدیدہ ہو کر جناب حضرت کی عظمت و منزلت کا صاف لفظوں میں اقرار کیا۔ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ مرید کے واسطے بہت زیادہ مفید یہ ہے کہ جب صبح کو اٹھے تو ارادہ کرے کہ میں گناہ نہ کروں گا۔ اور جب شام ہو جائے تو قصد کرے کہ گناہ نہ کروں گا۔ یہ روزانہ کا ارادہ رفتہ رفتہ مستقل بھی ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ دنیا میں قابلِ تعریف وہ شخص ہے جس کے دل میں کسی کی طرف سے بغض اور کینہ نہ ہو۔ جو رسول اللہ صلعم کی خاص سنت ہے۔ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے بعض ارادتمندوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بغض و عناد کی اصل دنیا کی رفعت و منزلت کی محبت ہے۔ اس لئے غبارِ نفاق سے اسی کا دل صاف ہوتا ہے۔ جس کی نگاہ میں دنیا کے مال و جاہ کی قدر و عزت نہ ہو۔

ایک تعلیم یافتہ ارادتمند نے حضور قبلہ عالم کی خدمتِ بابرکت میں عرض کیا کہ بغض و نفاق کا سدباب کیونکر ہو۔ ارشاد ہوا کہ جو دل اسبابِ دنیا سے غیر مالوف اور خدا کے ذکر میں مصروف رہتا ہے وہ دل بغض و نفاق کے اثرات سے متاثر نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ حکیم سید عبداللہ آدشاہ صاحب نے عرض کیا کہ طالبِ راہ کے صدق و خلوص کی شناخت کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ جس کا دل خدا کے ذکر سے شگفتہ اور دنیا

کے ذکر سے افسردہ ہو۔ تم سمجھ لو کہ اس کا خیال بچتہ ہے۔

ایک تعلیم یافتہ حلقہ بگوش نے حضور قبلہ عالم کی خدمت والاہیں عرض کیا کہ تواضع کا پہلا سبق کیا ہے۔ اور کس طرح ایک بتدی کی طبیعت متواضع ہو سکتی ہے ارشاد ہوا کہ جس کو دیکھو۔ خیال کرو کہ یہ مجھ سے بہتر اور افضل ہے۔

ایک مرتبہ قیام بانچی پور میں حضور قبلہ عالم ثنوی شریف کا مطالعہ فرما رہے تھے جب خصوصیات ادب کا ذکر آیا تو بیباختہ فرمایا کہ منجملہ دیگر صفات کے جو آداب صوفیہ سے مؤدب ہوتا ہے۔ اس کا ایک خاصہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وعدہ کرتا ہے تو یاد رکھتا ہے۔ اور احسان کرتا ہے تو بھول جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ صدق ایسی صفت مستحسنہ ہے کہ جملہ صفات حمیدہ کی اصل صدق مقال ہے اور کذب ایسا مذموم فعل ہے کہ نامی اخلاق ذمیرہ کی جڑ دروغ گوئی ہے۔ بقول مولانا۔

صدق بیداری ہر حس می شود سہارا ذوق و ہوش می شود

دل نیار آمد ز گفتار دروغ آب و روغن ایچ نفروز و فروغ

ایام میاہ کا تک میں بارگاہ وارثی کے ایک قدیم اور ایسے مستوکل تہ بند پوش فقیر حاضر خدمت ہوئے جن کو اخوان ملت زاہد اور اہل ارہتے تھے۔ تھوڑے تامل کے بعد حضور قبلہ عالم نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ زاہد کس کو کہتے ہیں۔ انہوں نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ حضور بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ دو چار فاقول کے بعد تک کے ساتھ روٹی کھانے کا نام زاہد نہیں ہے۔ بلکہ زاہد وہ ہے جو دنیا سے پرہیز کرے۔ خواہشات کو روکے۔ مرادوں کو بھول جائے گرسنگی اور سیرشکی کے اثرات سے یکساں متاثر ہو۔ کوئی چیز پاس نہ ہوئے کے وقت مطمئن رہے۔ اور جب کوئی چیز آجائے تو اس کو راہ خدا میں تقسیم کرنے کے واسطے دل

مضطرب ہو۔

چنانچہ بایزید بسطامی کا قول ہے کہ بلخ کے ایک فقیر نے مجھ سے پوچھا کہ زہد کی تعریف کیا ہے۔ میں نے کہا۔ ملا تو کھا لیا۔ نہ ملا۔ تو صبر کیا۔ اس نے کہا۔ یہ صفت تو ہر کتے میں پائی جاتی ہے۔ میں نے کہا تم بتاؤ۔ اس نے کہا۔ نہ ملا تو شکر کیا۔ ملا۔ تو صرف کر ڈالا۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ باخیر فقیر وہ ہے جس کے پس پشت دنیا ہو اور خوف خدا اس کے سامنے رہے۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ جس فقیر کا خلق سے سروکار رہا۔ وہ خراب ہوا۔ اور جس نے حق پر بھروسہ کیا وہ کامیاب ہوا۔

ایک مرتبہ مولانا ہدایت اللہ صاحب دارالافتاء محدث سورتی۔ دیوبند شریف میں حاضر ہوئے اور بعض دیگر مخالفین کے ساتھ ایک ضخیم کتاب بخط ولایت اور مطلقاً فارسی میں موسوم بہ اسرار عشق مصنفہ قاضی محمود صوفی بن علی الکاظمی جس پر کتب خانہ تیموریہ کی مہر ثبت تھی۔ پیش کی۔

حضور قبلہ عالم نے اس کتاب کے بعض ابواب۔ سرسری نظر سے ملاحظہ فرما کر مولانا موصوف کو دیدی اور ارشاد ہوا کہ یہ نایاب نسخہ ہے۔ تم اس کو بہ احتیاط محفوظ رکھو گے۔ ہمارے پاس ہوگی تو ہم کسی کو دیدیں گے۔

مولانا مددوح نے عرض کیا کہ میں نے اس کتاب کا بالالتزام بلکہ مکرر مطالعہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ مصنف نے ہر مسئلہ کی صراحت میں کافی کوشش و کاہش فرمائی ہے۔ مگر اس کی توجہ نہیں کی کہ عاشقان جمال ایزدی کے مذاق و مسلک میں اس قدر تضاد کیوں ہے۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ مولوی صاحب اس کا سبب یہ ہے کہ ہر آن تجلیات انوار شاہد حقیقی کی شان جداگانہ ہوتی ہے۔ ”کُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ“ جن کے اثرات بھی

مختلف المفاد ہوتے ہیں۔ پس جس صورت میں ارباب بصیرت کو دید ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے ان کا طرز طریق اپنی نوعیت میں یگانہ ہوتا ہے۔

اسی کے بعد حضور قبلہ عالم نے صفات عشق کی ماہیت اور درجات عاشقین کی حقیقت کا مگر تمثیلات کے پیرایہ میں دوسرے عنوان سے جس تشریح سے ذکر فرمایا۔ اس عارفانہ تقریر کا مضمون یہ تھا۔

علاوہ اس کے یہ بھی منقول ہے کہ عاشقان جانناز نے عالم ارواح میں بزور عہد الست شراب سلسبیل عشق کا تشریح مختلف عنوان سے فرمایا۔ اسی سبب سے جرعه کثان بادہ محبت کی واردات قلبی میں یہ اختلاف ہے کہ حالت و کیفیت میں بھی بدیہیات سے تفریق ہے اور مذاق و مشرب میں بھی کافی تفرقہ نظر آنے لگا۔

مثلاً بعض عشاق نے بروزیشاق۔ بادہ عشق و محبت۔ شوق اور اشتیاق کے جام میں۔ بمصداق "الشَّوْقُ ثَمْرَةُ الْمَحَبَّةِ مَنْ أَحَبَّ اللَّهُ اشْتَقَّ إِلَىٰ لِقَائِهِ" نوش فرمایا بعض اسیران و ام محبت نے ساغر حزان و اندوہ کو اس خیال سے پسند کیا کہ "فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَ لْيَبْكُوا كَثِيرًا"۔ فرمان حضرت ذوالجلال ہے بعض نے شراب عشق پینے کے واسطے فلق و اعطراب کا پیالہ انتخاب کیا بعض نے شاہد مطلق کی صولت و جلالت کے رعب سے لرزاں و ترساں ہو کر شراب محبت کو کاسہ خوف میں پینا بفرمایا "فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي" مناسب جانا بعض نے "لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ" کی بشارت سن کر زلال عشق کو جام رجا میں پی لیا بعض نے ساغر درو میں عشق کی شراب کو پینا اسوجہ سے بہتر سمجھا کہ درو کو عشاق پسند کرتے ہیں۔ بقول

شراب عشق می نوشتم زہجرت نہ باشد ایچ خوشتر زین شرابے

غرض چنانہ ازل میں۔ ساتی عہد الست کے روبرو ہیں۔ سنے زلال عشق کو جس صفت کے پیاسے میں استعمال کیا۔ وہی اثر عالم امکان میں اس کے طریق کار رفیق صادق ہوا۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ اور عبادتیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ جو بندہ کرتا ہے اور
اجرا اس کا خداوند کریم مرحمت فرماتا ہے مگر محبت ایسی عبادت ہے کہ جب خدا
ہم محبت کرتے ہیں تو بجائے جزا دینے کے خدا ہم سے محبت کرتا ہے۔ بقول۔

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۗ فَكُلُّ شَيْءٍ رَاغِبٌ إِلَىٰ هٰذَا ۗ
بہ زیر پرودہ مگر خویش را خریدار است

اسی سلسلہ میں حضور قبلہ عالم نے یہ بھی فرمایا کہ بندہ کی محبت سے خدا کی محبت مقدم ہے
اس لئے کہ بندہ کی محبت کی تعریف یہ ہے کہ ذات حضرت واجب الوجود کے ساتھ قلب

کو اشتعال ہو اور چونکہ قلب اور اشتعال قلب سے وہ ذات اقدس پاک اور منزہ ہے

لہذا اس کی محبت کی تعریف یہ ہے کہ بندہ کو جذب الہی اپنی جناب میں کھینچے اور غیر کی

جانب متوجہ ہونے سے باز رکھے۔ پس محبت بندہ فرع ہے محبت خدا کی۔ کیونکہ جب

اللہ تبارک و تعالیٰ بندہ کو اپنی جانب رجوع کرتا ہے۔ تب بندہ کو خدا کی محبت ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ معشوق سے بھی سوال کرنا مسلک عشق کے

منافی ہے۔ لیکن درآئینہ صدمات ہجر اور اندوہ فراق سے مضطرب قرار ہو کر

اگر کوئی عاشق زار طلب محبوب کے لئے محبوب ہی سے سوال کرے۔ تو اکثر عشاق

نے۔ اس کو بھی بایں شرط مباح یا مکروہ تنزیہی گردانا ہے کہ مقصود سوال اس کے اور کچھ

نہ ہو کہ معشوق ہم کو مل جائے۔ یا ہم معشوق کے ہو جائیں۔

اسی کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ مدارج عشاق کے لحاظ سے۔ سوال فی المطلب کے

بھی چند مراتب ہیں۔ اور ہر مرتبہ کے سائلین کا طرز استدعا اور طریق سوال جداگانہ ہے۔

چنانچہ بعض عشاق زبان ظاہری اور عبارت معروف میں۔ طلب معشوق

کے لئے معشوق ہی سے خلوت میں بھی خلوت میں بھی سوال کرتے ہیں۔ اور بعض بلند

حوصلہ اور رفیع المرتبت عشاق کی عرضداشت بر جوع قلب اور زبان مستور سے ہوتی

ہے۔ اور بعض عشاق سمجھتے ہیں کہ ہماری حالت ہی صورت سوال ہے۔ اس لئے وہ

صادق الیقین منشا محبوب کے آگے تسلیم خم کرنے ہی کو سوال من المطلب خیال کرتے ہیں۔ اور ہر حال میں راضی برضائے محبوب رہتے ہیں اور بعض عشاق چاہتے ہیں کہ معشوق ہم کو مل جائے۔ یعنی صفات معشوق کے ہم عارف ہو جائیں۔ اور بعض عاشقان صادق کی اسدعا یہ ہوتی ہے کہ ہم معشوق کے ہو جائیں کہ ہماری ہستی۔ شاہد حقیقی کے سامنے نیست و نابود ہو جائے جس کو اصطلاح صوفیہ میں فنا کے اتم کہتے ہیں۔

لیکن سوال کسی عنوان سے کیوں نہ ہو۔ مگر چونکہ سہرا پابو سے طلب سے معمور ہوتا ہے۔ اس لئے درحقیقت سوال اس حالت کا ترجمان ہوتا ہے کہ سائل کا بطون خواہشتا سے خالی نہیں ہے۔ اس واسطے محققین مشرب عشق نے۔ اس مشروط سوال کی بھی بطور رخصت اجازت دی ہے۔ ورنہ ہر صورت سے سوال کرنا منافی شان عشق ہے۔ کیونکہ عاشق کمال کی صحیح تعریف یہ ہے کہ اس کے مرادات ایسے فنا اور معدوم ہو جائیں کہ ہر جا میں خدا سے بھی سوال کرنے کی حاجت نہ ہو۔ بمصدق: "الْفَقِيرُ لَا يَخْتِاجُ إِلَى اللَّهِ وَلَا إِلَى غَيْرِهِ"۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے صفات صبر کے سلسلہ میں فرمایا کہ "الصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْوَصْلِ" کہ صابریں شاہد حقیقی سے واصل ہو جاتے ہیں۔ جس کی دلیل "إِنَّ الشَّدَّ مَعَ الصَّابِرِينَ" ہے۔ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ اگر غور کرو تو دنیا کا انقلاب زبان حال سے کہتا ہے کہ اس بے ثبات دار فانی کو اپنا گھر نہ بناؤ۔ بقول۔

دانی کہ بزرگین سیماں چہ نقش بود خطے بزرگ نوشتہ کہ این نیز بگذرد

ایک خوشحال اور تعلیم یافتہ ہندو جو اپنی بگڑی کی وجہ سے پنڈت۔ اور لباس کے رنگ اور وضع کے لحاظ سے درویش معلوم ہوتے تھے حضور قبلہ عالم کی خدمت فیض در میں حاضر ہوئے۔ جناب حضرت نے فرمایا کہاں سے آتے ہو۔ عرض کیا بنارس سے۔ آپ نے خادم کو حکم دیا کہ ان کو بنگلہ میں بٹراؤ اور کھانے کا انتظام کرو۔ کوئی تکلیف نہ

ہو۔ اور دوسیدب مرحمت فرما کر ارشاد ہوا کہ جاؤ۔

بعد ظہر کے پھر وہ قدمبوسی کے واسطے حاضر ہوئے۔ سرکار عالم پناہ نے فرمایا تمہارا کیا نام ہے۔ عرض کیا ہری داس۔ ارشاد ہوا کہ بنارس کے قدیم باشندہ ہو۔ عرض کیا نہیں۔ تعلیم کی غرض سے میں بنارس میں زیادہ رہا اور اس وقت بھی وہیں سے آتا ہوں۔ ورنہ استہان ضلع فیروزپور (پنجاب) میں ہے۔ اور نسباً گرونانک شاہ کے خاندان میں سے ہوں۔ بزرگوں کی گدی ہے۔ جس پر والد کے بعد بقول حافظ شیراز "قرعہ فال بنام من دیوانہ زوند" دربار صاحب نے مجھ کو بیٹھا دیا۔ حالانکہ اس لائق نہیں ہوں کہ کسی کو خدا سے ملنے کا راستہ بتاؤں۔ مگر رسم دنیا کے مطابق گدی کی سیوا کرتا ہوں۔ اور چند گاؤں ہیں جن کی آمدنی اس قدر آتی ہے کہ دس بیس سنت سا دہو بھی کھاتے ہیں اور میں بھی آرام سے رہتا ہوں۔ مگر جب یہ خیال کرتا ہوں تو شرم آتی ہے کہ شیروں کی جگہ پر کتا بیٹھا ہے۔

عرصہ سے آپ کے دیدار کا اشتیاق تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج درشن ہو گئے۔ مہاتما جی اب تمنا یہ ہے کہ مجھ بھکاری کی جھولی بھر دو۔ بڑا دکھ یہ ہے کہ وہیان، گیان، جاپ، جوگ، سب کچھ کیا مگر دل کی کھوٹ نہیں جاتی۔ تم شیر خدا کے پوت اور سنار کے تارن ہا رہو۔ اپنی ویاسے میرے دل کی دو بدہانکال دو۔ تو سدہ ہو جائے۔ ورنہ خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا کہ اس جہنم میں جس کام کو آیا تھا وہ نہیں کیا۔

ارشاد ہوا ننانک شاہ کی گرہنت پڑھی ہے۔ ہری داس نے عرض کیا۔ ہاں مہاراج۔ اسی کی سیوا کو تو اپنا پوجا پاٹ جانتا ہوں۔ فرمایا۔ برہم بچار کا پاٹ بھی پڑہا ہے عرض کیا جی ہاں داتا۔ خوب پڑھا ہے۔ دربار صاحب تو برہم بچار کو اوتھم جوگ لکھا ہے لیکن یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ گانٹھ جس نے کھولی گر منتر سے کھولی ہے۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا۔ جب اس قدر وسیع النظر ہو تو یہ حکایت بھی دیکھی ہوگی کہ جب پہلا ونے عالم ذوق میں۔ برہم یعنی معبود مطلق کا نام چپنا شروع کیا۔ اور اس

کے باپ نے جس کا نام ہرناکس تھا۔ یہ طریقہ اپنے مذہب کے خلاف دیکھ کر۔ لائق اور تپشی بیٹے سے نہایت غضبناک ہو کر کہا کہ خبردار میرے آگے رام کا نام نہ لینا۔ ورنہ اس تلوار سے تیرا سراڑاؤں گا۔

جب پہلاونے باپ کی یہ سچا مخالفت دیکھی۔ تو اس کو بھی جوش آگیا۔ اور اسی حالت و جد میں اپنے باپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھ میں رام۔ تجھ میں رام۔ کہڑک کہم سب میں رام یعنی مجھ میں۔ تجھ میں۔ تلوار اور اس ستون میں خدا کے واحد کا جلوہ ہے اور پہلاؤں کی زبان سے اثبات الہی کی تعریف میں یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ ستون پھٹ گیا۔ اور اس میں سے بزم کی صورت شیر کے چوٹے میں نمودار ہوئی جس نے ہرناکس کو پارہ پارہ کر دیا۔

اس دیرینہ حکایت کا ماہصل یہ ہے کہ پہلاؤں بزم شناس کو اپنے باپ ہرناکس بل پرست کے جواب میں حقیقت کے اس سرخفی کو علی الاعلان ظاہر کرنا مقصود تھا کہ حضرت واحد الوجود کی یہ جلیل القدر شان جس کو الوہیت کی کافی دلیل اور صمدیت کا عین برہان کہنا چاہئے۔ کہ موجودات کا ہر ذرہ۔ اس کی قدرت و قوت کا شاہد صادق۔ اور اس کے صفات جمیلہ اور صناعات جلیلہ کا شفاف آئینہ ہے جس کی آنکھ سے دوئی کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔ اس کو ہر جگہ اور ہر چیز میں اس واحد لاشریک کا جلوہ نظر آتا ہے۔

اور اسی سلسلہ تقریر میں جو چیزیں پیش نظر تھیں۔ پہلاؤں نے انہیں کا حوالہ دیا۔ اور دلوں کے حق پرستی میں کمال صدق و یقین اشارہ کیا کہ مجھ میں۔ تجھ میں۔ کہڑک میں۔ کہم میں نرنکار جوئی سروا کی تجلی موجود ہے۔

چونکہ پہلاؤں کا یہ قلبی اقرار اور زبانی اشارہ۔ از روئے تصدیق کامل تھا۔ اس لئے یہ بھی لازماًت سے تھا کہ جس طرح اس موعد نے۔ عالم جوش اور حالت وجد میں۔ اثبات قدرت الہی کا ایک باطل پرست کے مقابلہ میں دعویٰ کیا تھا۔ اسی طرح ہر چہا را شیئے ممشد

سے شان حضرت احدیت کا اظہار ہوتا لیکن یہ نہیں ہوا اور واقعہ یہ پیش آیا کہ برم کی صورت صرف ستون سے نمودار ہوئی اور باقی تین چیزوں سے کسی قسم کے غیر معمولی آثار ظہور پر نہیں ہوئے۔

پس ہی مقام قابل غور ہے۔ اور پہلے تم کو یہی سمجھنا چاہیے کہ اس میں کیا راز مضمون تھا کہ برم کا جلوہ جب کہ ہر چیز میں ہے۔ تو پھر ستون کی کیا تخصیص تھی کہ اسی میں برم کی صورت شیر کی رزخ میں ظاہر ہوئی۔ جب اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تب یہ حکایت سو مند بھی ہوگی اور پہلا دکی حقانیت سے سبق آموز بھی ہو سکتے ہو۔

یہ سن کے ہری داس متحر ہو گئے اور آبدیدہ ہو کر دست بستہ عرض کیا کہ گوشائیں مجھ مہچھداں کی عقل عاجز اور ادراک قاصر ہے کہ برم کا ظہور ستون سے کیوں ہوا۔ ہاں یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ وہی بھید ہے جس کو عرف عام میں گمنتر کہتے ہیں۔ اب مہاتما کرپاکرو۔ یہ گرتھیں سمجھا سکتے ہو۔ یہ کہہ کر رونے لگے اور قدموں پر سر رکھ دیا۔

سرکار عالم پناہ کے کریمانہ مزاج کا دستور تھا کہ عموماً طالبین کی حالت پر کمال شفقت عنایت فرماتے تھے اور وہ بھی اس عنوان سے کہ ہدایت ایسی کی جاتی تھی۔ جو سائل کے حسب حال اور اس کے علم و مشرب کے مطابق اور عقل و ادراک کے موافق ہوتی تھی۔ مزید برآں۔ ہری داس صاحب کے نیاز مندانہ عجز نے اور بھی زیادہ متوجہ اور آمادہ کر دیا۔

چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ہری داس یہ تو تم کو معلوم ہے کہ جس کے دل میں دویدہا ہے۔ اس کو برم کا درشن نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دیکھو لو کہ جب پہلا دکان خیال منتشر رہا۔ اور کبھی مجھ میں اور کبھی تجھ میں اور کبھی کہرک میں کہتا رہا۔ برم کی دید نہیں ہوئی۔ اور جب کہم۔ یعنی ستون پر آکر رک گیا اور خیال ایک مستقر پر قائم ہو گیا۔ تو برم کی صورت۔ یعنی خدا کا جلوہ۔ وہیں سے ظاہر ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان کامل کے ساتھ ایک صورت کو مضبوط پکڑ لیتا ہے۔ اور بجائے تذبذب اور تردد کے خیال میں سکون اور یکسوئی ہو جاتی ہے جس کو اصطلاح صوفیہ میں تصدیق کہتے ہیں تو طالب راہِ خدا کو اسی صورت میں سدہ یعنی تجلیات انوار الہی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے تصدیق ایسا رفیع المرتبت مقام ہے۔ جو بارگاہ ایزدی سے مقربین خاص کو تفویض ہوتا ہے اور اسی حالت قلبی کو۔ بوعلی شاہ قلندر نے ”خیال پنختہ کردن کار مردان است“ سے تعبیر کیا ہے۔ بس جب تک خیال کو اطمینان اور استقلال نہیں ہوتا۔ اسرار الہی سے باخبر ہونا محال ہے۔

ہری داس کیٹھ ہو گئے۔ اور قد مبوس ہو کر عرض کیا کہ مہاراج بیشک اسی انچر کا نام گرتے ہیں۔ جس نے میزبانی تمام عمر کے اکتساب علم کو کھول دیا۔ اب گوشائیں جی چیلابھی کر لو۔

آپ نے فرمایا مرید بھی ہو جانا۔ محبت ہی کافی ہے۔ اگر محبت ہے تو ہزار کوس پر ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ جاؤ۔ آج رہو۔ کل چلے جانا۔ ہری داس بے اختیار رونے لگے اور کمال عجز و نیاز عرض کیا کہ مہاراج خالی ہاتھ نہ جاؤں گا۔ کوئی انچر بھی ایسا بنا دو کہ پر ماتا کے دھیان میں لگن رہوں۔ اور دوسرے کا خیال نہ آئے۔

حضور قبلہ عالم نے مسکرا کر شغل سلطان الاذکار تعلیم فرمایا اور یہ بھی بتا کہ ارشاد ہوا کہ جب تک کافی اطمینان نہ ہو جائے اپنی ظاہری حالت بدستور قائم رکھنا۔ ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا ”فقیر وہ ہے جو کل کے واسطے نہ رکھے۔ اور قلب مطمئن رہے۔ کیونکہ حرص و پروازہ۔ ایسی بے ادبی ہے۔ جو متوکلین کو عطیات الہی سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیتی ہے“

ایک قدیم ارادتمند نے حضور قبلہ عالم کی خدمت میں عرض کیا سب ارشاد ہمارا

ایمان ہے کہ محبت وہی ہے۔ اور اس کا بھی یقین ہے کہ کسب سے نہیں حاصل ہوتی بلکہ کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ محبت نہ سہی۔ لیکن محبت الہی کی جانب قلب کا میلان ہی ہو جائے تاکہ ہم اسی کو اپنے واسطے مایہ امتیاز جانیں آپ نے تبسم لبوں سے فرمایا کہ محبت کرنے کا اگر بہت شوق ہے۔ تو یہ درود شریف کثرت سے پڑھا کرو اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ بِقَدْرِ حُسْنِهِ وَجَمَالِهِ اس کے ذکر کا دل گداز اور سوز الفت سے مالوف ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ تو وضع کی تعریف مختلف الفاظ میں کی گئی ہے مگر سب سے بہتر صفت یہ ہے اور بڑا متواضع اس شخص کو کہنا چاہیے جو خلق کے ساتھ خلق اور حق کے ساتھ صدق رکھتا ہے۔

ایک مرتبہ سرکار عالم پناہ نے فرمایا کہ جن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ طبیعت متواضع ہو جائے وہ اپنے ملنے والے کو پہلے سلام کرتے ہیں۔ اور اگر وہ سبقت کر جاتا ہے تو اس کے سلام کا جواب خلق اور خذہ پیشانی سے دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم نے فرمایا کہ اس کو بھی تو وضع کہتے ہیں کہ جو شخص تمہاری تعریف کرے تم نازاں نہ ہو۔ بلکہ خدا کا شکر کر دو اور جو کوئی غلط اور بطور اہتمام بھی تمہاری مذمت کرے۔ تم اس سے عداوت اور خصومت نہ رکھو۔

ایک مرتبہ مخدوم شاہ صاحب وارثی دریا بادی نے۔ جو قبلہ عالم کے دیرینہ تہیند پوش فقیر تھے عرض کیا مجھ کو یاد ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ فقیر کو چاہیے کہ کل کے واسطے نہ رکھے مگر اس سال قصبہ کے کاشتکاروں نے واللہ عالم کس خیال سے یہ کیا کہ جب فضل ربیع کاٹی تو تھوڑا تھوڑا غلہ دعوت کے نام سے مجھ کو دے گئے۔ جس کی مقدار قریب تین چار من کے ہو گئی ہے۔ اگر صرف کرتا ہوں۔ تو عرصہ تک میری ضرورت کے واسطے کافی ہوگا۔ لیکن جب کہ ایک دن بھی اس کا رکھنا آپ کے حکم کے خلاف ہے۔ تو رکھ بھی نہیں سکتا۔ اور نہ لیتا تو آپ کے اس حکم کی تعمیل نہیں ہوتی تھی کہ بے طلب جو آجائے

اس کو رو نہ کرنا، لہذا گزارش یہ ہے کہ اب وہ غلہ کیا کیا جائے اور آئندہ کے واسطے کیا سورت اختیار کروں۔

آپ نے فرمایا۔ تم یہ کرو کہ جس طرح وہ رازق مطلق ضرورت سے زیادہ تم کو رزق پہنچائے۔ اسی طرح تم بھی بقدر حاجت رکھ لو۔ اور باقی شام تک راہ خدا میں تقسیم کر دیا کرو۔ وہ بندہ نواز۔ جو تمہاری قسمت کا ہے روز تم کو پہنچائے گا۔ جاؤ۔

دیوبند شریف میں ایک صاحب مشائخا نہ مگر نفیس لباس پہنے حاضر خدمت ہوئے تہذیب گفتگو کے لحاظ سے ذی علم بھی معلوم ہوتے تھے حضور قبلہ عالم نے بہ اخلاق تمام ان سے معمولی گفتگو فرما کر حسب دستور رخصت کر دیا۔ انہوں نے کہا مال ادب عرض کیا کہ یہ فقیر آپ کے در سے خالی نہ جائے گا۔ کوئی نصیحت ایسی فرمائی جائے جو دارین کے واسطے مفید ہو۔

حضور قبلہ عالم نے فرمایا: ”یہ مسلمہ ہے کہ جس طرح تو اضع عقلاً و نقلاً محمود و صفت ہے اور یوں تو عموماً ہر شخص کے لئے فروتنی اچھی ہوتی ہے۔ مگر خصوصاً دولت مندوں کے واسطے بہت زیادہ فائدہ مند ہے۔ اسی طرح کبر ایسی ذلیل اور مذموم خصلت ہے کہ ہمیشہ عوام کی بھی دینی اور دنیوی خرابی کا باعث غرور ہوا ہے۔ اور خصوصاً فقیر کے حق میں تکبر نہایت نقصان رساں دشمن ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ کسی نے اپنے ہم عصر حکیم سے یہ سوال کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ کون نعمت ہے جس پر کسی کو حسد نہ ہو اور وہ بدترین بلا کون ہے کہ اہل بلا پر کسی کو رحم نہ آئے۔ حکیم نے کہا کہ وہ نعمت تو اضع ہے اور وہ بلا تکبر ہے اس لئے عام طور پر سب کو۔ اور فقیر کو لازمی ہے کہ زمین کو دیکھے اور آسمان کی طرف سر نہ اٹھائے۔“

ایک مرتبہ حضور قبلہ عالم فتحپور سے پینے پور تشریف لے گئے۔ اور دو روز وہاں قیام فرمایا۔ اس دوران میں علاوہ دیگر واقعات کے ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا کہ آپ نے یا تو کسی وقت اس بشارت کا ذکر کیا کہ ”پیر اپنے مرید کا ہر حال میں نگران

اور معاون رہتا ہے۔ اور کبھی اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں فرمایا کہ ”وہ پیر ناقص ہے جو مرید سے دُور رہے خصوصاً مرتے وقت اس کی اعانت نہ کرے“ اور کسی وقت آپ نے قناعت کی یہ تکرار ہدایت فرمائی اور رازق مطلق کے وعدہ رزق رسائی کی مختلف عنوان سے تعریف کی۔ چنانچہ کبھی یہ فرمایا کہ ”جمیعت خاطر انہیں کو ہوتی ہے۔ جَنكُواَنَّ اللّٰهُ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِّينُ“ کا یقین کامل ہوتا ہے۔ کبھی ارشاد ہوا کہ ”جن کو تصدیق ہے کہ رزق کا ضامن رزاق مطلق ہے وہ ماسواء اللہ سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔“ کبھی یہ فرمایا کہ ”جو خدا کے وعدہ پر اعتماد نہیں کرتا اس کا ایمان ناقص ہے“ کسی وقت ارشاد ہوا کہ ”جو مسبب الاسباب پر بھروسا کرتا ہے۔ اس کے ایمان کی خدانے گواہی دی ہے کہ فَتَوَكَّلُواْ اِنَّ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ“ کبھی فرمایا کہ ”رازق العباد نے ہمارے اطمینان کے واسطے قسم کے ساتھ رزق رسائی کا وعدہ فرمایا ہے کہ ”وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُوْنَ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهُ الْحَقُّ“ بس بدترین خلق وہ شخص ہے۔ جو اپنے خالق اور رازق کی قسم کا بھی اعتبار نہیں کرتا اور سبب و کتاب کو اپنی معاش کا ذریعہ سمجھتا ہے۔“

غرض سرکار عالم پناہ نے تقریباً ہر جلسہ میں عام مریدین سے بھی اور خاص مترشدین سے بھی مخاطب ہو کر اسی بشارت اور اسی ہدایت کا ذکر متواتر اور ایسے تحکم آمیز لہجہ میں فرمایا جس سے نمایاں طور پر معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو منظور یہ ہے کہ ہمارے جلد دست گرفتہ پیر کی حقانیت اور خدائے برتر کی ربوبیت سے کماحقہ آگاہ ہو جائیں۔

مگر باوجود کافی غور کرنے کے۔ کسی کو اس کا احساس نہیں ہوا کہ ہدایات مذکورہ کا خطاب عام ہے۔ یا روئے سخن کسی مخصوص ارادتمند کی جانب ہے۔ اس وجہ سے بعض خدام متوحش تھے۔ جن کو دیکھ کر اخی محترم شاہ مقصود علی صاحب

جو بارگاہِ وارثی کے نہایت پر جوش اور قدیم حلقہ بگوش تھے۔ اور اس وقت تو آقا کے نامدار کے خاص میزبان ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے کہ برا اور آپ متر و متر ہوں یہ قرینہ غالب یہ تمہیں مجھ گنہگار کی سہو رہی ہے۔ کیونکہ غلامانِ وارثی کے اس مجمع کثیر میں ایک ہی سگ دُنیا ایسا حریص اور طامع ہے جس کا مگر قلب اپنے عدم اطمینان کی وجہ سے رازقِ مطلق پر بھروسا نہیں کرتا۔

حتیٰ کہ وہ دونوں دن اسی تشویش میں گزرے۔ اور تیسرے روز حضور قبلہ عالم موضع یحییٰ روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کی پالکی ایک گنجان مگر سرسبز جنگل میں سے گزری تو آپ نے فرمایا کہ ”یہ بہت پر فضا مقام ہے۔ ہوا خوب آتی ہے۔ آج یہیں رہ جائیں۔“ یہ سن کے جملہ خدام نے عرض کیا کہ یہاں کے قیام میں تکلیف ہوگی۔ کیونکہ کوئی گاؤں بھی قریب نہیں ہے۔ مگر آپ نے ان کے معروضات پر التفات نہیں فرمایا۔ بلکہ پالکی سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔ مجبوراً خادم نے ایک شاو اب درخت کے سایہ میں فرش بچھا کر آپ کا بستر استراحت لگا دیا اور دوسرے درخت کے نیچے اپنے بیٹھنے کا انتظام کیا۔ تھوڑے عرصہ میں دو شخص اسی جوار کے باشندہ حاضر خدمت ہوئے۔ اور ایک طرف میں تقریباً تین چار سیر دودہ تھا۔ وہ پیش کر کے اپنی وہمقانی زبان میں عرض کیا کہ شام کی دعوت قبول ہو۔ ہم یہیں کھانا لائیں گے اور جب حضور نے منظور فرمایا تب آپس گئے۔ بعد مغرب وہی دونوں شخص اس ہیئت سے سامانِ دعوت لاتے کہ ایک کے سر پر ٹوکرا جس میں روٹیاں اور ایک ہانڈی اور ایک پتیلی تھی۔ اور دوسرے کے ایک ہاتھ میں لال ٹین اور ایک میں پانی کا گھڑا تھا۔

جنانچہ خادم نے دسترخوان بچھایا۔ اور حضور نے وہی کھانا تناول فرمایا۔ اور اسی کھانی سے جملہ خدام بھی سیر ہو گئے اور جو باقی بچا وہ واپس کیا گیا۔ اور سرکار عالم پناہ نے ان میزبانوں کو ایک تہ بند رحمت فرما کر رخصت کر دیا۔

صبح کو سب لوگ ہنوز ضروریات سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ایک اجنبی شخص آیا۔ اور قدمیوں ہو کر عرض کیا کہ دو نیچے رات کو محبوب شاہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے خادم کو حکم دیا کہ ایک تہنڈ اور پانچ روپے ان کو دیدو اور اس سے مخاطب ہو کر ارشاد ہوا کہ یہ تہنڈ کفن کے واسطے ہے۔ اور صحن مسجد میں جو قبر ہے۔ اس کے برابر دفن کر دینا۔ اور خود سوار ہو کر سیچینا تشریف لے چلے۔

اس واقعہ کے بعد ہم لوگ سمجھے کہ حضور قبلہ عالم نے پتے پور میں جو بشارت دی تھی۔ اور جس ہدایت میں قناعت کی متواتر تاکید فرمائی تھی۔ اس کو برائی العین سے بھی دکھا دیا کہ اپنے دست گرفتہ کی دم آخر اعانت بھی فرمائی اور رزاق مطلق نے جنگل میں رزق بھی پہنچا دیا۔ المختصر حضور قبلہ عالم کے ہفتاد سالہ ہدایات میں سے۔ اس رسالہ میں حسب قدر ارشادات تمثیلاً نقل ہوئے ہیں۔ انہیں کے مطالعہ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے آقائے نامدا نے اپنے علاموں کو مذہبی اور مشربی عقائد اور اعمال سے متواتر آگاہ کیا۔ اور اس کی کوشش فرمائی کہ ان کے عادات اور معاملات درست اور شائستہ ہو جائیں۔ اس لئے جس دست گرفتہ کے حق میں جو ہدایت مناسب اور مفید منظور فرمائی۔ اس کی تعمیل کا اس کو خصوصیت کے ساتھ حکم دیا سورنہ وہ صفات و اخلاق جو انسان کو درحقیقت انسان بلکہ کامل الایمان بناتے ہیں ان کو عام طور سے مشتمل بتاکید بیان کیا۔

اور یہ عنایت و پرورش صرف مریدین ہی پر موقوف نہ تھی۔ بلکہ ہر خاص و عام کی رہنمائی کے واسطے ہمارے شفیق مرنی کا باب فیض ہمیشہ کشادہ رہا۔ اور جہاں اور جس وقت کسی مذہب و ملت کا پیرو طالب راہِ حق ہو کر خدمت والا میں آیا۔ اور ہدایت کا خواستگار ہوا۔ ہمارے بندہ نواز رہنمائے بغیر کسی تخصیص اور تفریق کے۔ بکمال شفقت اس کی تشفی اور دستگیری فرمائی۔ اور کم از کم اپنے تصرف باطنی سے اس کو محبت الہی کا شوق ضرور تفویض فرمایا۔ اور اگر مناسب منظور ہوا تو کسی اسم جناب باری کے درد

کی بھی اس کو ہدایت کی۔

چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ دربار وارثی کا یہ دستور تھا کہ بغیر سعی و سفارش کے مشاق زیارت ہر وقت حاضر خدمت بابرکت ہو سکتا تھا۔ اور حضور قبلہ عالم اپنے خلق عمیم کے لحاظ سے ایسی غیر معمولی پرورش فرماتے تھے کہ وہ مطمئن اور محفوظ ہو کر جاتا تھا۔ البتہ خدام بطور خود سرکار عالم پناہ کے آرام کے خیال سے یہ انتظام بھی کرتے تھے کہ خاصہ نوش فرمانے کے بعد دو گھنٹہ کے واسطے تخیل رکھتے تھے۔ اور اس دوران میں بجز حاضر باش خدمت گزاروں کے۔ دیگر حلقہ بگوش عام طور پر حاضر ہونے کی جرات نہیں کرتے تھے۔

لیکن کوئی ناواقف اگر جوش عقیدت اور شوق زیارت میں یا بہ ارادہ حصول شرف بیعت اس وقت حاص میں بھی حاضر خدمت ہو جاتا تھا۔ تو حضور قبلہ عالم بہ فور غایت کریمانہ اس خلل انداز عافیت کی ہدایت میں بھی دریغ نہیں فرماتے تھے۔ یہ بھی دیکھا ہے کہ دوران سیاحت میں قریب قریب ہر اسٹیشن پر ارباب ارادت کے ساتھ اہل عقیدت کا بھی ہجوم ہوتا تھا۔ جن میں بعض قدمبوس ہونا چاہتے بعض کو کچھ عرض حال کرنا بھی مطلوب ہوتا تھا۔ بعض داخل سلسلہ ہونے آتے تھے۔ مگر اس کشمکش میں بھی آپ اہل حاجت کی فریاد سنتے اور نہایت شفقت سے امداد کرتے۔ اور طلبین کی رہنمائی فرماتے تھے۔

یہ واقعات بھی روزمرہ پیش آتے تھے کہ ایک ایسے طالبین جو بیعت ناواری حاضر نہیں ہو سکتے تھے۔ یا نقاہت کبرنی کے باعث سفر کرنے سے معذور تھے۔ وہ بذریعہ عرضداشت اپنی ارادت پیش کرتے تھے تو آپ کے فیض عام سے وہ بھی محروم نہیں رہتے تھے فوراً خادم کو حکم ہوتا تھا کہ لکھ دو تم مرید ہو گئے۔ یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اکثر حضرات یہ نگارش کرتے تھے کہ ہم نے عالم رویا میں آپ سے بیعت کی ہے۔

لہذا حلقہ مریدین میں ہم داخل ہیں۔ یا ظاہری بیعت کی بھی ضرورت ہے۔ ارشاد ہوتا تھا "لکھو۔ تم مرید ہو گئے۔"

چنانچہ حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے اپنے رسالہ ضیافت الاحباب میں ایسے واقعات متعدد بصراحت نقل کئے ہیں۔ مگر حضور قبلہ عالم کا اہتمام قابل غور ہے کہ ہمہ وقت بندگان خدا کی حمایت اور سہروئی کرنا کس قدر اہم، اور دشوار کام ہے لیکن ہمارے حضرت طریقت نے۔ باوجود دائمی استغراق اور مستقل محویت کے ستر سال تک یہی کوشش فرمائی کہ مخلوق اپنے خالق حقیقی سے مایوس ہو جائے۔

مگر اس تمام عمر کی مسلسل ہدایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے تصرف اور توجہ سے علاوہ اہل اسلام کے اکثر ارباب غیر مذاہب نے زبان حال سے لبیک کہا۔ اور اس قدر حلقہ بگوش آپ کے ظل حمایت میں پناہ گزیں ہوئے۔ جن کا شمار کرنا انسان کے امکان اختیار سے باہر ہے۔

اور سرکار عالم پناہ کی عنایت سے اس کثیر التعداد گروہ میں ہزاروں اہل دید و یافت بھی ہوئے۔ اور سیکڑوں نے میدان محبت میں اپنی ہستی کو سہی شاہد مطلق کے سامنے نیست و نابود کر دیا۔ جن کے ثبات و استقلال کے کارناموں کو اگر یادگار زمانہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

مگر کم سے کم حضور قبلہ عالم کا یہ فیض عام تو قریب قریب جملہ مسترشدین کا مخصوص حصہ تھا کہ سلسلہ وارثیہ کا ہر فرد اثرات محبت سے متاثر ضرور تھا۔ اب مجھ جیسا نااہل و تیرہ دروں بھی بطور شکایت یہ نہیں کہہ سکتا کہ فیضان وارثی نے مجھ کو مستفیض نہیں کیا۔ بلکہ اپنی ناکامی اور نامرادی کا سبب۔ اپنی بدبختی اور تنگ طرئی کو قرار دے گا۔ اور از روئے انصاف کہیگا تو یہی کہیگا۔

ہر چہ بہت از قامتِ ناساز و بولی اندام ہست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کو تاہ نیست

شدت ضعف | حتی کہ کثرت ضعف اور شدت علالت میں بھی ہمارے مقتدا کے عالم کا سلسلہ رشد و ہدایت بدستور جاری رہا۔ چنانچہ ۱۸۹۶ء میں جب نور محمد شاہ صاحب خادم خاص معزول ہوئے۔ اور حاجی فیضو شاہ صاحب کا اس ممتاز عہدہ پر تقرر ہوا تو نواب عبدالشکور خاں صاحب وارثی رئیس دہرم پور ضلع بلند شہر۔ اور ٹھاکر پنجم سنگھ صاحب وارثی رئیس ملاولی ضلع مین پوری نے بصد عجز و نیاز حضور قبلہ عالم کی خدمت بابرکت میں عرض کیا کہ اس میں شک نہیں کہ ایسی نقاہت میں سفر میں تکلیف دنیا گو صریح بد تیزی ہے۔ مگر خیال یہ ہے کہ آب و ہوا بھی تبدیل ہو جائے گی۔ اور ہم غلاموں کی یہ دلی تمنا بھی پوری ہوتی ہے۔ جس کی آپ کی لونڈیوں کو بھی آرزو ہے۔ کہ بندہ لوہڑا ایک مرتبہ اور ہمارے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر عزت افزائی فرمائیں۔

چنانچہ جب ہر دو حضرات نے متواتر اصرار کیا۔ تو سرکار عالم پناہ نے اپنے دونوں خدمتگزاروں کے صدق اخلاص پر نظر فرما کر۔ ان کی اس محبت آمیز التماس کو بھی منظور کیا۔ اور آخر اکتوبر ۱۸۹۹ء میں۔ بریلی کی جانب سے آپ دہرم پور تشریف لے گئے اس سفر میں ہر مقام پر طالبین کا ہجوم ہوا۔ اور رہنمائے برحق نے سب کی دستگیری فرمائی اور اکثر غلاموں کو خلعت فقر بھی مرحمت ہوا۔

مگر علاوہ دیگر واقعات کے جن کی تصریح میں بہت زیادہ طوالت ہوگی۔ اس سفر میں ایک غیر معمولی بات یہ دیکھی گئی۔ کہ منجملہ اورا اور ہدایات و ارشادات کے اکثر ارادتمندوں سے دوران گفتگو میں آپ نے یہ فرمایا کہ ”دیومی کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اب کہیں نہ جایا کرو“ اور کبھی یہ ارشاد ہوا کہ ”دیومی کی بیاں یہ کہتی ہیں کہ سید وارثہ کے لوگ تو کہیں جاتے نہ تھے۔ تم کیوں ہمیشہ باہر بھرا کرتے ہو“ اور کبھی یہ فرمایا کہ ”ایک برٹش حکیم یہ کہتے ہیں کہ ہر جگہ کا آپ پانی پیتے ہیں۔ اسی وجہ سے قبض رہتا ہے“

غرض علی گڑھ۔ ہاتھرس۔ آگرہ۔ شکوہ آباد۔ ملاولی۔ اٹاواہ وغیرہ کی سیاحت فرما کر

جب حضور اقدس اوناؤ میں تشریف فرما ہوئے، تو مسماۃ بنو وارثیہ سے جو آقائی نامدار کی عاشق راز تھیں۔ اور جن کے قابل یادگار حالات سے قریب قریب جملہ غلامان بارگاہ دارنی خبردار ہیں۔ مخاطب ہو کر ارشاد ہوا کہ ”بنو اب لکھنؤ سے آ کر تم بھی کہیں نہ جانا“ بعد لکھنؤ میں جب رونق افروز ہوئے تو جس بنگلہ میں آپ قیام فرماتے تھے وہ بھی مسماۃ بنو کی ملک میں تھا۔ اس کو مرمت طلب دیکھ کر فرمایا ”بنو اب اس کی مرمت نہ کرانا“ اور بنو وارثیہ کے ملازمین کو غیر معمولی انعام دے کر ان کے حق میں فرمایا ”تم نے ہماری بہت خدمت کی ہے“

اور بعض ایسے معمر ارادتمند جو باقتضائے کبر سنی اور ضعف بصارت بدشواری حاضر خدمت ہوئے تھے۔ ان سے آپ نے معانقہ کیا۔ اور رخصت کرنے کے وقت کسی کو اپنا ملبوس مرحمت فرمایا اور کسی سے ارشاد ہوا ”گھبرانا نہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں“ اس مضمون کے ارشادات۔ علاوہ عام مترشدین کے۔ خدام خاص نے بھی متواتر سنے مگر اس رمز کو کوئی نہ سمجھا کہ درپردہ اس کا اشارہ ہے کہ ہماری سیرو سیاحت کا زمانہ ختم ہوتا ہے۔ اور مختلف پیرایہ میں یہ پیغام وداعی ہے۔

اور ایسا ہی ہوا کہ پھر حضور قبلہ عالم نے قرب و جوار کا بھی سفر نہیں فرمایا۔ کیونکہ لکھنؤ سے گو بعافیت تمام آپ دیوبند شریف میں تشریف فرما ہوئے۔ اور بظاہر نہ تکان سفر کی کوئی شکایت تھی۔ اور نہ کوئی جدید مرض لاحق ہوا۔ مگر طبیعت بہت زیادہ ضعیف اور مضحل ہو گئی جس کو اطبانے اقتضائے عمر تجویز کیا۔ اور مقویات و مفرحات کے استعمال سے چند روز میں گو نہ سکون بھی ہو گیا۔ حالانکہ وہ افاقہ قابل اطمینان نہ تھا۔ تاہم جملہ غلامان دارنی کو مسرت ہوئی۔

اسی دوران میں ایک روز بعض قدیم ارادتمند دیوبند شریف کے بعض خدمتگزاروں کی معیت میں حضور قبلہ عالم کے سامنے دست گرفتہ کھڑے ہوئے اور کمال ادب جزانہ

بجہ میں عرض کیا کہ آقائے من آپ کے در سے کبھی کوئی سائل خالی نہیں گیا جس نے جو مانگا۔ آپ نے وہی دیا۔ آج یہ قدیم نمکخوار بھی۔ اس امید پر آپ کی شکایت آپ ہی سے کرتے آئے ہیں کہ آپ بختن پاک کے حقیقی یادگار ہیں۔ انصاف کے ساتھ ساتھ ہماری امداد بھی ضرور فرمائیں گے، اور ہم بھی حضور کے آستانہ پاک سے خالی نہ جائیں گے۔

سرکار عالم پناہ نے فرمایا، کیا شکایت ہے۔ اور کیا مانگتے ہو۔ اس کریمانہ آواز پر سب نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ جناب والا نے، اس حالت ضعف میں پانچپوسل کی سیاحت فرمائی جس کی تکان ناقابل برداشت ثابت ہوئی۔ گو یہ ہمارا قصور ہے کہ بوقت روانگی اختلاف کی جرأت نہیں کی جس کی حقیقت یہ ہے کہ اس وقت آپ کے عتاب کے خوف سے خاموش رہے مگر آج صاف صاف عرض کرتے ہیں کہ اس گستاخی کی جو سزا آپ تجویز فرمائیں گے۔ اس کے لئے ہم سر جھکا دیں گے۔ مگر جب تک آپ کی صحت کا یہ حال ہے ہم دیوی شریف سے باہر آپ کو جانے نہ دیں گے۔ جس کو محبت ہوگی یہیں آئے گا۔ لہذا امید وار ہیں کہ جس طرح ہمیشہ ہماری پرورش ہوئی ہے اسی طرح یہ استدعا بھی منظور ہو اور فرما دیجئے کہ نہ جائیں گے۔

حضور قبلہ عالم نے مسکرا کے فرمایا کہ اگر ہمارا دل گھبرایا تو کیا کرو گے۔ اس کے جواب میں بعض خد متنگزار زار زار رونے لگے اور بیقرار ہو کر قدموں پر گر پڑے اور عرض کیا کہ ہم کو خوب معلوم ہے کہ آپ کا دل بہلانا بہت دشوار ہے۔ لیکن بقدر امکان کوشش کریں گے اور جب کسی صورت سے کامیاب نہ ہوں گے تو ہم یہ کریں گے کہ اپنے چہروں کو سیاہ اور سفید رنگوں سے رنگ کر آپ کے سامنے ناچیں گے۔ قرینہ ہے کہ جناب والا وہ بے ڈھنگا ناچ دیکھ کر ضرور مسکرا دیں گے۔

یہ سن کے ہمارے بندہ نواز دستگیر نے اپنے غلاموں کو سینے سے لگالیا اور ارشاد ہوا کہ ہم کو یقین ہے کہ ہماری محبت میں تم وہ کرو گے۔ جو کسی نے نہیں کیا۔ اچھا نہ

جائیں گے۔ اور شیرینی وغیرہ دے کر سب کو رخصت فرمایا۔
 یہ خبر کہ اب حضور قبلہ عالم سیر و سیاحت نہ فرمائیں گے اس قدر جلد مشہور ہوئی کہ ہندوستان
 کے ہر گوشہ سے غلامان و ارثی کے خطوط آئے اور قیام فرمانے کا سبب دریافت کیا۔
 اور اکثر نے بذریعہ تار مزاج پرسی کی۔

اور یہ سلسلہ تو مستقل طور پر جاری ہو گیا کہ روزانہ قرب و جوار و نیز دیگر دیار و ہما
 سے اہل عقیدت بکثرت حاضر خدمت ہو کر جناب حضرت کے فیض عام سے مستفیض
 ہوتے تھے۔

بلکہ بعض حلقہ بگوش وطن مالوف کو خیر یاد کہہ کر بطور ہجرت دیوبلی شریف میں اقامت
 گزریں ہو گئے اور بعض قدیم خرقہ پوش بھی آستانہ اقدس پر ہمہ وقت حاضر رہنے لگے مثلاً
 حاجی اوگھٹ شاہ صاحب اور حاجی نعمت علی شاہ صاحب نے حسب ارشاد سرکار عالم
 پناہ دروولت پر قیام کیا۔ اور جو خدمات سپرد ہوئیں ان کو نہایت خوبی سے انجام دیا
 اس دوران قیام حضور قبلہ عالم نے ارادتمندوں کو خلعت فقر بھی زیادہ تقسیم فرمایا
 جن میں اکثر اپنے وطن مالوف میں اقامت گزریں اور بعض سیر و سیاحت میں مصروف
 ہوئے۔ لیکن حافظ احمد شاہ صاحب و ارثی اکبر آبادی اور شاہ شاکر صاحب و ارثی
 متوطن اٹاواہ۔ اور مکی شاہ صاحب و ارثی۔ جو پوری نے روزانہ کی آستان بوسی کو
 سرمایہ ناز جانا بلکہ مکی شاہ صاحب اور حافظ احمد شاہ صاحب تو دیوبلی شریف ہی میں
 جان بحق تسلیم ہوئے اور شاہ شاکر صاحب آج تک اسی خیال میں منہمک ہیں اور مزاج
 پر انوار کی خدمت کرتے ہیں۔

علی بذاتہ شیخ عنایت اللہ صاحب و ارثی۔ تعلق دار سیدنیور ضلع بارہ بنگی۔ او۔
 راجہ دوست محمد خان صاحب و ارثی۔ تعلق دار موہنہ ضلع سلطان پور۔ جو عرصہ سے
 اپنے اپنے مکان پر عیداضی اور عید الفطر کی تقریب میں نہایت اولوالعزمی سے

حضور قبلہ عالم کی دعوت کرتے تھے۔ وہ بھی آپ کے اس مستقل قیام کی وجہ سے اپنا اپنا سامان لا کر دیوبند شریف میں اعلیٰ پیمانہ پر عید اور بقر عید کرنے لگے۔

یہ بھی شاید ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے کہ ایک مقتدر شخص جن کے ہمراہ چند ملازم۔ اور وافر اسباب سفر تھا۔ مگر اس قدر غیر مانوس کہ خدام خاص بھی ان کی صورت سے نا آشنا تھے۔ اس عنوان سے آئے۔ جو انداز قدیم اور ہمیشہ آنے والے ارادتمندوں کا ہوتا ہے کہ بے تکلف حضور قبلہ عالم کی خدمت فیض درجست میں حاضر ہوئے۔

اور اس سے عجیب بلکہ عجیب تر صورت یہ پیش آئی کہ سرکار عالم پناہ نے صرف یہ فرما کر کہ ”ڈپٹی آگے“ اور اسی وقت لباس فقروں کے گناہ شاہ خطاب مرحمت فرمایا اور یہ حکم دے کر رخصت بھی کر دیا کہ ”اسے مقام پر رہنا جو گزرگاہ عام نہ ہو اور خلق سے بے تعلق اور خالق کی محبت میں مصروف رہنا اور جو شغل تمہارا ہے اس سے غافل نہ ہونا اور کسی ابتلا میں گھبرانا نہیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ جاؤ“ اسی کے ساتھ اس تازہ گرفتار دام محبت کائنات و استقلال یہ دیکھا کہ نہایت خندہ پیشانی سے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ کا انفضال شامل ہے تو انٹار انڈسٹریائی کا خیال بھی نہ آئے گا اور باہر آکر کچھ اسباب اور روپیہ ملازمین کو دے کر مظفر پور واپس کیا اور بقیہ اسباب اور روپیہ مساکین پر تقسیم کر دیا اور آستانہ اقدس کے صدر و روازہ کی چوکھٹ چوم کر سب کو سلام کرتے ہوئے چلے گئے۔

اور اوائل ۱۳۲۱ھ ہجری میں ایک نوجوان افغانی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور زبان میں اپنے مرادات کا اظہار کیا۔ حضور قبلہ عالم نے بھی پشتو میں جواب دیا۔ اور مرید فرما کر خادم کو حکم ہوا کہ خانصاحب کو کمرہ میں ٹھہرا دو۔ اور ان کے کھانے کا خیال رکھنا۔

مگر وہ اس قدر مضطرب احوال تھے کہ سب کو اپنا پر سوز قصہ سنا کر ہمدردی چاہتے

تھے۔ مگر پشتو کوئی نہ جانتا تھا اس لئے جواب نہ ملنے سے وہ اور زیادہ پریشان ہوتے تھے۔ اتفاق سے دوسرے روز ایک پنجابی تاجر پشینہ آگئے ان کی ترجمانی سے معلوم ہوا کہ نادر خان ان کا نام ہے اور امیر والی دیر کی رعایا ہیں۔ عالم رویا میں حضور اقدس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اور شوق دیدیں کشاں کشاں یہاں آئے اور اب طالب لباس فقر ہیں۔ تیسرے روز سرکار عالم پناہ نے پشتو میں کچھ فرما کر ان کو رخصت کر دیا مترجم سے معلوم ہوا کہ حکم ہوا ہے کہ جاؤ۔ ماں باپ کی خدمت کرو تین سال کے بعد آنا۔ اس وقت فقیر ہو جانا (بقیہ حال انکا آئندہ نقل کرونگا) غرض وہ اہل ارادت و عقیدت جو ہمیشہ اپنے اپنے وطنوں میں جناب حضرت کی زیارت سے مستفید ہوتے تھے اب ان کو حصول سعادت قدسی کے لئے دیوبند شریف میں حاضر ہونا لازمی ہو گیا۔ لیکن باوجود اس احتیاط کے حضور قبلہ عالم کی نقاہت میں تخفیف نہیں ہوئی بلکہ تھوڑا غور کرنے سے محسوس ہوتا تھا کہ ضعف میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ کیونکہ دو چار ہینے قبل تک یہ صورت تھی کہ آپ کی رفتار و گفتار سے یا روزمرہ کے عادات میں ناتوانی کا اظہار ہوتا تھا مگر اب تو نمایاں طور پر یہ دیکھتے تھے کہ آپ کو نشست و برخاست میں تکلف ہوتا ہے۔

مزید براں ۱۹۰۳ء مطابق ۱۳۲۲ھ ہجری میں حضور قبلہ عالم کے شانہ میں صحت پیدا ہو گئی۔ حالانکہ باقتضائے مشرب سرکار عالم پناہ نے اس ناقابل برداشت اذیت کا نہ ذکر فرمایا۔ اور نہ آپ کے غیر معمولی ضبط و تحمل کی وجہ سے کوئی صورت اضطرابی ایسی ظاہر ہوئی جس کو دیکھ کر اس جا نگداز تکلیف کو خدام تیز کرتے۔ مگر شدائد مرض کے اثرات سے جب آپ کے رخ انور پر انسر وگی کے آثار پائے گئے۔ تب خد متکذروں کو خیال ہوا کہ طبیعت زیادہ ناساز ہے۔

دوسرے روز جب استنجا کرنے آپ چوکی پر تشریف لے گئے۔ اس وقت خادم کو اس کا اندازہ ہوا کہ آپ کو پیشاب کرنے میں شدید تکلیف ہوتی ہے۔ جس سے چہرہ اقدس

کارنگ متغیر ہو جاتا ہے۔

فوراً حکیم عبدالحق صاحب کو جو ریاست گدیہ میں ملازم تھے۔ بلایا۔ اور خدام نے جو کیفیت دیکھی تھی بیان کی چونکہ حکیم صاحب موصوف حضور قبلہ عالم کے مزاج ہالیوں کی اس گرانقدر شان سے بخوبی واقف تھے کہ آپ شہیدِ مرض کا اظہار اشارتاً بھی نہیں فرماتے ہیں۔ اس واسطے حال دریافت کرنے کے لئے یہ پیرا یہ اختیار کیا کہ بعض دیکھ کر کمال اطمینان عرض کیا کہ ماشاء اللہ طبیعت آپ کی اچھی ہے۔ مگر قرینہ ہے کہ پیشاب کرنے میں شاید کچھ تکلیف ہوتی ہوگی۔

چونکہ حکیم صاحب کی یہ تقریر بصورت استفہام تھی۔ اس لئے حضور قبلہ عالم نے جواب تو دیا۔ مگر بجائے اقرار یا انکار کرنے کے منبسم لبوں سے یہ ارشاد فرمایا کہ ”تم بڑے حکیم ہو“

بس حکیم صاحب نے مفرحات کے ساتھ مدرا دویات کا استعمال کرایا اور بعض خارجی تدابیر کی خدام کو ہدایت کی۔ چنانچہ اسی روز افاقہ ہوا۔ اور دوسرے دن یہ تکلیف بالکل رفع ہو گئی۔ مگر شہداءِ مرض کی تکان سے ضعف بہت زیادہ ہو گیا۔

اور ضعف میں یونانیوں نے ترقی ہونے کا بظاہر ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غذا آپ نے بہت کم کر دی تھی۔ حالانکہ حالت صحت میں سیر شکلی سے آپ کو ہمیشہ احترامِ باوجودیکہ خاصہ تناول فرمانے کے وقت خادم ہر چیز کی جانب آپ کی توجہ کو مبذول کرتے تھے۔ مگر آپ قلیل غذا فرمانے تھے۔ لیکن اس قلیل غذا میں بھی اب اس قدر قلیل زمانی گئی کہ غذا کا انتظام تو بدستور تھا۔ مگر مقدار براسے نام رہ گئی۔ کہ بلا مبالغہ شبانہ روز مشکل دو تولہ غذا ہونے لگی اور بعض دن یہ بھی نہیں۔ اس وجہ سے بھی مقوی ادویات کا صحیح فعل نہیں ہوتا تھا۔ اور ضعف روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ اس قدر نقاہت ہو گئی کہ فرشِ استراحت سے اٹھنا بھی بغیر خادم کی استعانت کے دشوار ہو گیا۔

چنانچہ شروع ۱۹۰۴ء مطابق ۱۳۲۲ھ ہجری میں بسٹس مسٹر سید شرف الدین حج ہائیکورٹ کلکتہ جب شوق قدمبوسی میں حاضر خدمت ہوئے تو حضور قبلہ عالم نے فورضعف کی وجہ سے بیٹھے ہی بیٹھے فرمایا کہ آؤ شرف الدین گلے مل لیں۔ اور بسٹس موصوف بھی چہرہ اقدس کی ناتوانی دیکھ کر متحیر ہو گئے۔ اور آبدیدہ ہو کر بے ساختہ عرض کیا کہ آپ کی صورت زیبا اس قدر کیوں متغیر ہو گئی۔ ارشاد ہوا کہ تمہارے فراق میں یہ حال ہوا۔

اسی زمانہ میں کپتان علی محمد خاں صاحب وارثی۔ رسالہ داررئیس رائے بریلی حاضر خدمت ہوئے۔ اور بعض دیگر تحائف کے ہمراہ احرام بھی پیش کیا۔ سرکار عالم پناہ نے خادم کو حکم دیا کہ رکھ لو۔ کپتان صاحب موصوف نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ غلام کی دلی تمنا ہے کہ حضور زینب جسم فرمائیں۔

آپ نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ مگر ناتوانی مانع ہوئی۔ تو حضور قبلہ عالم نے بیٹھے بیٹھے اس احرام کو جسم اقدس سے مس فرما کر خادم کو دے دیا اور کپتان صاحب سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ علی محمد خاں اس وقت نہیں پھر باندھ لیں گے۔

کپتان صاحب یہ شدت ضعف دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ اور عرض کیا کہ میں ابھی سول سرجن کو لاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ڈاکٹر کو نہ لاؤ۔ حکیم عبدالخالق نے جو ارشاد مزارید بنوادی ہے۔ گھبراؤ نہیں اب طبیعت اچھی ہے۔

اس نقاہت و ناتوانی کے قطع نظر جس کو اقتضائے عمر سے تعبیر کریں۔ خواہ شدائد امراض کا نتیجہ کہیں۔ ہر دو حالت میں اس شکایت کو علاج طلب کہہ سکتے ہیں۔ مگر علاوہ اس کے ایک علاج صورت یہ رونما ہو گئی کہ حضور قبلہ عالم کی وہ قدیم استغرائی حالت جس کو فطرتی کیفیت بھی کہنا خلاف واقعہ نہیں ہے۔ اس میں بھی عمر کے ساتھ ساتھ ترقی ہوئی اور رفتہ رفتہ ۱۹۰۴ء میں یہ عالم ہو گیا کہ جس طرح چھبیا سی سال کی عمر کو

طویل عمر کہہ سکتے ہیں اسی طرح آپ کا یہ دوامی استغراق۔ کمال محویت کے درجہ تک پہنچ گیا اور قریب قریب ہمہ وقت آپ کسی گہرے خیال میں محو اور مستغرق رہنے لگے۔ چنانچہ اس دوران سکوت میں۔ اگر آپ کی چشم حق میں کی حیرت خیز محویت کو دیکھتے تھے۔ تو صاف ظاہر ہوا تھا کہ شاید بے نیاز کے کسی کرشمہ خاص کے نظارہ میں آپ ہمہ تن مصروف ہیں۔ اور اس روحانی اور مستقل کیفیت کی وجہ سے۔ جسمانی عادات۔ اور ظاہری معاملات میں ضروری احکام صادر فرمانا بھی موقوف ہو گیا تھا۔ بلکہ تقسیم تبرکات کے واسطے بھی جب خادم مکرر سکر اذن طلب ہوتا تھا اس وقت آپ گونہ ہوشیار ہو کر صرف یہ فرماتے تھے کہ دے دو۔

لیکن باوجودیکہ وہ فورضعف سے یہ حال کہ بات بھی کرنا دشوار اور استغراق کا یہ عالم کہ بجز ایک ذات کے دوسرے سے سروکار نہیں۔ مگر تبلیغ محبت کی وہی شان کہ بغیر تغزلی رنگ و قوم اور بلا امتیاز مذہب و ملت جو شخص جس وقت طالب ہدایت ہوا رہنمائے عالم نے بکمال شفقت اس کی دستگیری فرمائی۔ ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ شدت نقاہت۔ یا کثرت محویت کی وجہ سے کسی بندہ خدا کی تلقین کو دوسرے وقت کے لئے ملتوی فرمایا ہو۔ چنانچہ اس حالت میں بھی ہر روز بکثرت اہل ارادت و عقیدت حاضر خدمت ہوتے اور قارئین المرام ہو کر جاتے تھے۔

مرض المفارقت | حتیٰ کہ وہ علالت جس کو مرض المفارقت کے نام سے ہم تعبیر کرتے ہیں اس کی شدت اور صعوبت کا زمانہ بھی۔ سرکار عالم پناہ کے رشد و ہدایت سے حالی نہیں رہا۔ جس نے اپنی ارادت کا اظہار کیا اس کو آپ نے داخل سلسلہ بھی کیا۔ اور اس کے مناسب حال ہدایت بھی فرمائی۔ بلکہ حجاب خلوت میں مستور ہونے سے دس گھنٹہ قبل تک فیضان و ارثی کا چشمہ جاری رہا۔ اور ہر ایک طالب راہ حق کو آپ نے اسی عنوان سے خلعت فقرا اور خطاب شاہی مرحمت فرمایا۔ جس طرح زمانہ صحت

میں آپ فقیر بنا سکتے تھے۔

مضمون قبلہ عالم کی یہ علالت بہ کجاظ اسباب ظاہر۔ زکام و حرارت سے شروع ہوئی اور بالآخر دو ہفتہ کے اندر تپ بلغمی کے پردہ میں نتیجہ وہی ہوا جو ہر ذی روح کو لہجوا "کُلُّ مَنْ عَلَيَّ كَافٍ" پیش آتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنی ذاتی حیثیت و استعداد کے اعتبار سے اس علالت کو مرض المفارقت اور مفدة الفراق کے نام سے تعبیر کیا جو میرے مبلغ علم کا معیار تھا۔

ورنہ تصانیف ارباب معرفت کی ورق گردانی کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فی الحقیقت یہ آخری علالت عاشقان صادق کے لئے دعوة المواصلت کا حکم رکھتی ہے۔ ازیں چہت اہل محبت کی اصطلاح میں اس علالت کو مزوہ تہنیت بھی کہتے ہیں کیونکہ اس علالت کا باہصل یہ ہے کہ فراق کے ان ناقابل برداشت صدمات کا ہمیشہ کے لئے استیصال ہو جاتا ہے۔ جن کی نسبت عرب کے ایک موقر شاعر کا یہ مقولہ ہے کہ

يَوْمَ الْفِرَاقِ مِنَ الْقِيَامَةِ اطْوَلُ وَالْمَوْتُ مِنَ الْوَالْفِرَاقِ اَجْمَلُ

ترجمہ سے

بڑا ہے روز قیامت سے بھی فراق کا دن غم فراق سے واللہ موت اچھی ہے چونکہ اس آخری علالت کے ہاتھوں۔ تعینات کے سنگین حجاب اٹھتے ہیں اور ساہا سال کے مشتاق دیدار کو۔ انوار جمال یار کا حقیقی نظارہ نصیب ہوتا ہے۔ لہذا اس غیر معمولی یافت کے اعتبار سے محققین ارباب طریقت کا اتفاق ہے کہ محب صادق کے واسطے یہ علالت ظاہری۔ بالمعنی پیغام مواصلت ہے جو بعد اتمام ابتلا سے فراق۔ اظہار اعزاز کے لئے بطور غیر مقدم بھیجا جاتا ہے جس کے بعد سرکار شاہد بے نیاز سے۔ اپنے عاشق جا نیاز کو خلعت حیات جا وید تفویض ہوتا ہے جو درحقیقت عشاق کا اگر انقدر امتیاز ہے اور جس کو عرف صوفیہ میں وصل حقیقی یا بقائے کامل کہتے

ہیں۔ غرض عشاق کی علالت آخر۔ ایسے ایسے رموز و اسرار سے معمور ہے۔ جو عوام کے فہم و ادراک سے باہر ہے۔ مولانا روم سے

من ز تن عریاں شد ہم آواز خیال می خراعم تا نہایات الوصال
ہیں در آنحالیکہ مجھ ایسے نابلدراہ طریقت کو علالت عشاق کی باطنی حقیقت و مابست
سے خبر دار ہونا محال ہے۔ تو اب سوائے اس کے کوئی اور چارہ نہیں کہ حضور قبلہ عالم
کی اس علالت کا حال وہی نگارش کروں جو میری ظاہر ہیں آنکھوں نے دیکھا ہے۔

پنا پنجہ ۱۵ محرم ۱۲۲۳ ہجری روز چہار شنبہ۔ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۰۵ء بوقت
شب خادم خاص کو حضور قبلہ عالم کے انفاس پاک میں گونہ ثقالت اور گرفتگی آواز
محسوس ہوئی۔ متعجب ہو کر عرض کیا کہ مزاج عالی کیسا ہے آپ نے حسب عادت فرمایا
”اچھا ہے“

صبح کو اضمحلال تو نسبتاً زیادہ تھا۔ مگر دیگر عادات روزمرہ میں کوئی جدید تغیر نہیں پایا
سب کو خیال ہوا کہ اس مزید ثقالت کا سبب شاید یہ ہو کہ شب کو غذا بھی گویا نہیں ہوئی
فرینہ ہے کہ بعد خاصہ تناول فرمانے کے یہ عارضی ناتوانی رفع ہو جائے۔

اور دوسرے روز بھی مزاج ہالیوں صورتہ بدستور رہا۔ لیکن دن کو غذا کی نسبت
یہ فرمایا کہ اشتہا نہیں ہے۔ بلکہ شب کو بھی بہ اصرار سونگ کی کھچڑی کا ایک لقمہ تناول
فرما کر پانی پی لیا۔ اور ستر استراحت پر آرام فرمایا۔ جب حسب معمول۔ تا دم پاؤں دینے
حاضر ہوا۔ تو دیکھا حرارت کافی ہے اور زکام بھی جاری ہو گیا ہے جس کی وجہ سے آواز
بھی گلو گرفت ہو گئی ہے۔

شب ہی کو مخصوص خد متکزازوں کی رائے ہوئی کہ اب باقاعدہ علاج کی ضرورت
ہے۔ اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکیم عبدالخالق صاحب کو بلایا جائے۔ اس لئے کہ
علاوہ ذاتی قابلیت کے وہ حضور قبلہ عالم کے متقدراور مزاج دان بھی ہیں اور چونکہ ان

کے آنے میں کچھ وقت صرف ہوگا۔ اس واسطے تا آنے ان کے مولوی فخر الدین احمد صاحب
درمیں دیوبندی شریف، جنکو طبابت میں بھی کافی دسترس ہے۔ ان کے مشورہ سے کوئی دوا
عارضی طور پر جلد سے جلد دی جائے۔

چنانچہ علی الصباح ایک آدمی حکیم صاحب کو بلائے گدیہ روانہ کیا گیا اور مولوی فخر الدین احمد
صاحب مزاج کا حال بیان کیا موصوف نے نبض دیکھ کر فرمایا کہ ترو کا محل نہیں ہے۔ معمولی
زکام ہے۔ دو روز میں طبیعت سجال ہو جائے گی اور جو شانہ کا نسخہ لکھ دیا۔ جو فوراً
تیار ہوا اور اس کے استعمال سے گو نہ مگر عارضی سکون بھی ہوا۔

سہ پہر کو گدیہ سے آدمی واپس آیا۔ اور معلوم ہوا کہ حکیم صاحب کسی مقدمہ کی پیروی
کے لئے لکھنؤ گئے ہیں۔ کل آئیں گے اس دوران میں مولوی صاحب موصوف کا نسخہ
تین چار وقت پلایا گیا۔ مگر کوئی فائدہ محسوس نہیں ہوا۔ بلکہ اب وہ حرارت بمنزلہ تب
کے ہو گئی اور زکام جس ہو گیا۔ اور اکثر الجھن ہونے لگی۔

روز چہار شنبہ ۲۲ محرم ۱۲۲۱ کو حکیم عبدالحق صاحب حاضر خدمت ہوئے اور
نبض دیکھ کر تب نزلا دی کی رعایت سے نسخہ لکھا۔ اور تفریح و تسکین کے واسطے خارجی
تدبیریں بھی کیں۔ نخلخہ بنوایا۔ پاشویہ کرایا۔ شاخیں کھچوائیں۔ اور اسی مناسبت سے
دن کو غذا۔ آتش جو نہیں آب اناریں ملا کر ہوئی۔ اور شب کے واسطے یخنی۔ بار دوا دیات
کے ساتھ کشید کرائی۔ لیکن یہ نسخہ ایک شبانہ روز کمال احتیاط استعمال ہوا۔ مگر کسی شکایت
میں تخفیف نہ ہوئی۔

اس عرصہ میں ناسازی مزاج اقدس کی خبر سننے کے قرب و جوار کے عام ارادتمندوں
کے علاوہ بعض تعلقدار جن کا مخصوص جاٹاروں میں شمار تھا آگئے۔ اور دور دور کے
اکثر ممتاز اور باوقار خدمتگزاروں کا بھی در دولت پر ہجوم ہو گیا۔ سب نے مزاج اقدس
کی حالت دیکھ کر۔ متفقہ طور پر یہ رائے قائم کی کہ حکیم عبدالحق صاحب رئیس قصبہ مہونہ

کا علاج ہونا چاہیے۔

چنانچہ فوراً ایک آدمی روانہ ہوا۔ اور بعد عصر حکیم صاحب موصوف آگئے اسی وقت نبض دیکھی اور باہر آ کر قبض اور حبس زکام کے خیال سے یہ نسخہ لکھا۔ رب السوس بشکر تغال مغز بہدانہ۔ صمغ عربی۔ آرد تخم باقلا۔ شیر خشک آب انارین سا ئیدہ قدر سے قدر سے بہ لیند۔ جس کو فوراً خود ہی تیار کیا اور چند مرتبہ استعمال کرایا۔ فائدہ یہ محسوس ہوا کہ تمام شب سکون با بلغم آسانی خارج ہوا اور ایک اجابت بھی ہوئی۔

صبح کو حکیم صاحب نے ایک نسخہ مشروبہ اور ایک شربت بزوری معتدل کا لکھا اور دونوں فوراً تیار کئے جن کی پہلی خوراک پینے سے شدید مرض میں تخفیف معلوم ہوئی دوپہر کو پاشویہ کرایا جس سے تپ بھی بہت کم ہو گئی۔ لیکن ضعف جو بجائے خود ایک مخدوش شکایت تھی۔ اس کے لئے موصوف نے ایک جوارش تیار کی جس میں تخم گاؤ زبان اور مروارید ناسفتہ بھی تھے جو بہت مفید ہوئی۔

غرض حکیم صاحب کی صحیح تشخیص اور صریح الاثر علاج کو دیکھ کر شخص نے موصوف کی خداقت کا اعتراف کیا۔ اور غلامانِ دارنی مدوح کے شکر گزار ہوئے۔

لیکن مشیت حضرت رب العزت کچھ اور تھی اور جس کا اظہار سبب الاسباب نے اس پر وہ نہیں فرمایا کہ جس وقت حکیم عبدالحی صاحب کو بلانے آدمی گیا تھا۔ اس وقت بعض حضرات نے ایک شخص کو لکھنؤ روانہ کیا کہ حکیم عبدالحفیظ صاحب کو لاؤ مگر اتفاق سے وہ نہیں آسکے تو حالت اضطرار میں دوسرا آدمی حکیم عبدالعزیز صاحب کو لانے کے لئے بھیجا گیا جو ۲۵ محرم آٹھ بجے شب کو مع حکیم صاحب کے آیا۔ اور اسی وقت سے حکیم عبدالعزیز صاحب کا علاج شروع ہو گیا اور حکیم عبدالحی صاحب واپس آگئے۔

اس میں شک نہیں کہ حکیم عبدالعزیز صاحب اپنے وقت میں طبیب حاذق تھے اور اس سربراہِ آردہ حکیم نے سرکارِ عالم پناہ کا علاج بہت غور سے کیا۔ رات اور دن

میں کم سے کم دس مرتبہ نبض دیکھی۔ متواتر نسخے لکھے اور ہر قسم کی تدبیریں کیں۔ مگر اتفاق ہے کہ کسی شکایت میں افاتہ نہیں ہوا۔ بلکہ ضعف زیادہ ہو گیا۔

حالانکہ حضور قبلہ عالم کی یہ علالت۔ بادی النظر میں معمولی علالت تھی کہ ایام تداخل میں زکام ہونا۔ اور اس کے سبب سے تپ کا آجانا۔ زیادہ اہمیت میں شمار نہیں کیا جاتا جس کا علاج ہر طبیب بہ آسانی کرتا ہے۔ مگر بعض واقعات ایسے بھی حالات وقوع پذیر ہوئے جن کے معائنہ کے بعد یہ کہنا بے نخل نہیں معلوم ہوتا کہ سرکار عالم پناہ کی یہ آخری بیماری بھی غیر معمولی رموز سے خالی نہ تھی۔

جس کے لئے یہی ایک دلیل کافی معلوم ہوتی ہے کہ ایسے ایسے قابل اور کہنہ مشوق اطباء کو مرض کے حقیقی اسباب اور کیفیات کی تشخیص میں پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ مسلمہ ہے کہ ظاہری انتظامات کا۔ باطنی معاملات پر غالب آنا قطعی محالات سے ہے۔ اس واسطے میرا نظریہ ہے کہ معالجین سے علاج میں کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ اگرچہ بدہیات سے ہے کہ ان کے مجوزہ ادویات کا فعل مؤثر ثابت نہیں ہوا۔ تاہم یہ ان کی حذاقت کا قطعی نقص نہ تھا۔ بلکہ بظاہر جناب والا کو جس زکام کی وجہ سے جو تپ لاحق ہوا تھی۔ اس کے بعض خصائص پر غور کرنے سے یقین ہوتا ہے کہ اس تپ کو حضور قبلہ عالم کے باطنی جذبات و کیفیات سے گہرا تعلق تھا۔ کیونکہ اس کے اثرات بھی ایسے عجیب بلکہ عجیب تر نمایاں ہوئے جن کو دیکھ کر معالج بھی متحیر تھے۔

مثلاً اس علالت میں جناب والا کی نبض کا حیرت خیز کرشمہ یہ تھا کہ بعض اوقات اس قدر ضعیف اور غیر منتظم ہوتی تھی کہ نباض بالکل مایوس ہو جاتا تھا اور کسی وقت جو ان اور تندرست شخص کی نبض سے زیادہ قوی اور منتظم معلوم ہوتی تھی۔ اور یہ تفسیر دس منٹ کے بعد ہوتا تھا۔

بلکہ نبض کی اسی مخصوص کیفیت کا ذکر حکیم عبدالعزیز صاحب نے بایں الفاظ فرمایا:

تھا کہ ابھی تک مجھ کو نبض کے ذریعہ سے یہ اطمینان نہیں ہوا کہ علاج کس اصول پر کیا جائے کیونکہ دن میں بھی اور رات کو بھی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نبض دیکھی۔ مگر ہر مرتبہ صورت مختلف اور نوعیت جداگانہ محسوس ہوتی کبھی از حد ضعیف اور کبھی رفتار اور انتظام میں معمول سے زیادہ قوی اور صبح پایا۔ لہذا ایسی حالت میں مرض کی حقیقی ماہیت سے خبردار ہونا میرے خیال میں دشوار ہے۔ کیونکہ مزاج کی کیفیت دریافت کرنے کا بڑا ذریعہ نبض ہے۔ اور نبض میں "گاہے خپیں۔ گاہے چٹاں" کا مضمون ہے۔ اس لئے جو تدبیر تجویز کی جاتی ہے وہ بے سود ثابت ہوتی ہے۔

علی ہذا حکیم سلطان محمود صاحب متوطن اٹاواہ جن کا علاج حکیم عبدالغفری صاحب کو علاج کے بعد ایک روز ہوا۔ فرماتے تھے کہ میں نے جس وقت پہلی مرتبہ نبض دیکھی تو نہایت قوی اور منتظم معلوم ہوئی۔ خیال ہوا کہ طبیعت علاج پذیر ہے۔ ازالہ تپ اور اخراج بلغم کے لئے کوشش کرو۔ مگر بعد دو یا پلانے کے نبض دیکھی تو ضعف کا وہ عالم پایا جو حالت دم واپس ہوتی ہے۔ اسی وقت میں نے اپنی تجویز کو خود غلط کہا۔ اور یہین ہو گیا کہ سرکار عالم پناہ کے ازالہ مرض کے لئے میں نسخہ نہیں لکھ سکتا۔

اور اس انتشار نبض کا یہ بھی ایک مخصوص ضمیمہ تھا کہ بخار کبھی خفیف اور کبھی زیادہ محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ ایسا بھی ہوا کہ اتفاق سے دو طبیب بیک وقت حاضر خدمت ہوئے، ایک نے نبض دیکھ کر یہ تجویز کیا کہ خاموشی جو بصورت غشی آپ لوگ دیکھتے ہیں۔ یہ شدت تپ کی وجہ سے ہے۔ اور پانچ منٹ کے بعد دوسرے طبیب نے نبض دیکھی تو یہ کہا کہ بخار تو نہیں۔ مگر حرارت ضرور ہے اور غفلت کا سبب کثرت ضعف ہے۔

حکیم مرزا یعقوب بیگ صاحب دارنی جن کا حضور قبلہ عالم کے قدیم اور جان نثار غلاموں میں شمار تھا۔ شاید ۲۳ یا ۲۴ محرم کو درہنگہ سے آگئے تھے۔ ان کا حالت اضطراب میں یہ عالم تھا کہ حکما کے مشورہ میں بھی شریک ہوتے تھے اور دوا ساز کو مزید احتیاط کی ہدایت بھی کرتے

تھے۔ مگر زیادہ خدمت اقدس میں حاضر رہتے اور تہرہ ماسٹر لگا کر حرارت کا اندازہ کرتے تھے اور ایک مرتبہ حاضرین سے مخاطب ہو کر کہی کہتے کہ سوڈگری کا بخار ہے۔ اور کبھی فرماتے کہ ایک سو چار تک پہنچ گیا ہے۔ ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ گھنٹہ بھر تک بخار یکساں رہا ہو۔

علیٰ ہذا حضور قبلہ عالم کی گلو گرفتہ آواز و نیز کثرت ضعف میں بھی ایسے ہی تعجب خیز تغیرات رونما ہوئے ہیں جن کو دیکھ کر بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ باطنی جذبات کے غیر معمولی اثرات تھے۔

چنانچہ اس کی صراحت کہ وہ فوراً ضعف سے کیا حالت تھی اس لئے بے ضرورت ہے کہ دورانِ علالت میں جس قدر اہل ارادت و عقیدت شرف زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ ان کو بخوبی اس کا علم ہے کہ سرکارِ عالم پناہ کی پہلی ناتوانی میں رشد اند مرض کے باعث جس نقاہت کا اضافہ ہو جانے سے محرم ۱۳۲۳ھ ہجری کے آخر ہفتہ میں کثرت ضعف کا یہ عالم تھا کہ جب خادم مکرر عرض کرتا تھا کہ پانی نوش فرمائیے گا۔ اور آپ کو ہاں یا نہیں کہنے میں جو ٹھوڑا وقفہ ہوتا تھا۔ وہ توقف زبان حال سے شاید تھا کہ قبلہ عالم کو فرط ناتوانی سے بات بھی کرنے میں تامل ہوتا تھا۔

یا کوئی ارادہ تندرخت طلب ہوتا تھا۔ تو آپ ایسی ضعیف آوازیں فرماتے تھے کہ ”اچھا جاؤ جس کو قریب بیٹھے ہوئے بعض خدام سنتے تھے۔ اور بعض دوسروں سے پوچھتے تھے کہ کیا حکم صادر ہوا۔“

روز سہ شنبہ ۲۸ محرم ۱۳۲۳ھ اسی نازک حالت میں۔ ۲۸ محرم کو ایک ادنیٰ طبقہ کی معمر عورت نے۔ جو بہ نظر عیادت حاضر ہوئی تھی خدام کو دو واووش میں مضطرب اور پریشان دیکھ کر بے ساختہ۔ ایسے پروردگار میں کہا کہ ”میاں صاحب اب تو اچھے ہو جاؤ کہ جملہ حاضرین مکیف ہو گئے۔ اور سرکارِ عالم پناہ نے اس طرح سراٹھا کر محبت کی نظر سے اس کو دیکھا جس طرح حالت صحت میں اکثر اپنے غلاموں کو آپ دیکھتے تھے۔ اور کمال شفقت۔ اتنی بلند آواز سے فرمایا

دو گھبراؤ نہیں ہم اچھے ہیں کہ باوجود اس کے کہ آٹھ دس قدم کے فاصلہ پر وہ کھڑی تھی۔ مگر اس نے اپنے مہربان آقا کا یہ پرورش آمیز ارشاد بخوبی سُن لیا۔ اور وہیں سے بلائیں سے کرا شکبار واپس گئی۔

یہ واقعہ اہم اور عجیب اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس حالت میں سرکار عالم پناہ کو و فورضعف کے باعث۔ یہ اقتضائے بشریت۔ زبان مبارک سے ہاں یا نہیں کہنا بھی دشواری سے خالی نہ تھا وہ نقاہت ایک آن واحد میں۔ تقویت اور توانائی سے تبدیل ہو گئی۔ اور وہ گلوگرفتہ آواز جو قریب تر بیٹھنے والوں کو اکثر سنا ہی نہیں دیتی تھی وہ اس قدر صاف اور بلند ہو گئی کہ آپ کا ارشاد دس قدم کے فاصلے سے ایک ضعیف نے بخوبی سُن لیا۔

اور بعد اس غیر معمولی تقویت کا عجیب تر کرشمہ یہ دیکھا کہ تقریباً پانچ منٹ تک آواز صاف اور توانا رہی۔ اس عرصہ میں آپ نے باتیں بھی کیں۔ ایک طالب سے کمال صراحت بشرائط طبیعت کا اقرار لے کر داخلہ سلسلہ بھی فرمایا۔ اور یہ ہدایت بھی کی کہ ”جھوٹ نہ بولنا“ پھر کیفیت نیم خوابی طاری ہونے لگی۔ حکیم مرزا یعقوب بیگ صاحب وارفی سے زلفوں دیکھی تو ضعف کی وہی صورت نظر آئی۔ جو قبل اس واقعہ کے تھی۔

حالانکہ یہ واقعہ باوی النظر میں بالکل سادہ ہے لیکن درحقیقت بعض اختصا صحت کو مہموزور ہے۔ مثلاً وہ ضعیف حضور قبلہ عالم کی دامن گرفتہ بھی تھی یا نہ تھی اس کا تو علم نہیں مگر اس کے اس پرورد جملہ سے کہ ”میاں صاحب اب تو اچھے ہو جاؤ و صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دل کو محبت وارفی سے گہرا سروکار تھا جس کی آواز نے۔ علاوہ حاضرین کے خود بدلتے کو بے چین کر دیا۔ اور ہر چہ از دل خیزد۔ بر دل ریزد“ کا مضمون پیش آیا کہ جس طرح اس ضعیف نے یہ اقتضائے محبت اپنے آقائے نامدار کے شدائد مرض اور افراط ضعف کو دیکھ کر حالت اضطرابی میں اپنی دلی خواہش کا اظہار کر دیا کہ میاں صاحب اب تو اچھے ہو جاؤ اسی طرح ہمارے بندہ نواز رہنمائے۔ اپنی عاشق زار ضعیفہ کی تشفی فرمائی۔ اور فرط شفقت کر

ارشاد ہوا کہ گھبراؤ نہیں ہم اپنے ہیں۔

غرض حضور قبلہ عالم کے فرض ضعف اور گرفتگی آواز اور شدائد تپ ہیں۔ بلا کسی تحریک کے۔ وقتاً ایسے بدیہی تغیرات کا ظاہر ہونا دیکھ کر اگر کوئی آپ کی اس علالت کو مشترک بہرہ و اسرار سمجھے۔ تو شاید اس کو غلط فہمی یا اقتضائے عقیدت نہ کہا جائے گا۔

بلکہ یہی سبب تھا کہ فن طب کے ماہر حیدر حکیم عبدالعزیز صاحب نے نبض کے غیر معمولی طرز اور عنوان کو دوسرے الفاظ میں شان اجتماع صمدین سے تعبیر کیا۔ اور ایسی حالت میں مرض و مریض کی حقیقی نوعیت و ماہیت سمجھنے میں اس طرح دشواری ظاہر فرمائی جس کا مفہوم ایک معنی میں مجبوری اور مایوسی کا بھی مرادف ہو سکتا ہے۔

اور غلامان بارگاہ وارثی کو اس تین دن کے علاج میں اس کا بھی تجربہ ہو چکا تھا کہ باوجود مختلف تدابیر کے عارضی اور وقتی سکون بھی نہیں ہوا۔ اس لئے خادم خاص نے کچھ تبرکات دے کر حکیم صاحب موصوف کو شکریہ کے ساتھ رخصت کر دیا۔

اب قریب قریب جملہ ارادتمندوں کو یہ خیال ہوا کہ حکیم عبدالحی صاحب کے علاج سے ہر شکایت میں نسبتاً افاقہ ضرور ہوا تھا۔ لہذا جس طرح ممکن ہو پھرا نہیں گویا اور اس کے لئے کوئی مقتدر شخص جائے۔ تاکہ وہ کوئی عذر نہ کر سکیں۔ چنانچہ سب نے اس خدمت کے لئے منشی عبدالرؤف صاحب وارثی رئیس دیوبند شریف کو منتخب کیا اور قریب مغرب موصوف الصمد حکیم صاحب کو لانے کے واسطے۔ مہونہ تشریف لے گئے۔

روز چہار شنبہ ۲۹ محرم ۱۳۲۳ھ | ۲۹ محرم روز چہار شنبہ کو علی الصباح حکیم سلطان محمود

صاحب متوطن آماوہ نے۔ جو دو روز سے بہ نظر عیادت حاضر خدمت تھے نبض دیکھی۔ اور ادویات مشروبہ میں کچھ ترمیم فرمائی۔ اور کہا کہ حکیم عبدالحی صاحب آتے ہیں اگر ان کی رائے ہوئی اور زیادہ قرینہ ہے کہ وہ میرے ہم خیال ہوں گے تو سہ پہر کے واسطے دوسرا نسخہ لکھوں گا جس کو تفریح بھی ہوگی اور بلغم بھی بہ آسانی خارج ہوگا۔

لیکن خلاف امید اس روز صبح ہی سے حضور قبلہ عالم کی طبیعت بشاش تھی بنجار قطعی نہ تھا آواز بھی صاف تھی۔ اجابت بھی ہوئی۔ حسب عادت تبسم لبوں سے باتیں بھی کہیں۔ بعض ارادتمندوں سے معانقہ بھی کیا۔ مگر لیٹے لیٹے۔ اکثر مریدین کو ان کے مناسب حال ہدایتیں بھی کہیں۔ کسی کو شیرینی۔ کسی کو ملبوس خاص دینے کا خادم کو حکم فرمایا۔ قریب دس بجے آتش جو جس میں مفرح اور مقوی اجزا بھی شریک تھے۔ قلیل مقدار میں نوش فرمایا جس نے مزاج پر کیا کی اس سے یہی ارشاد ہوا کہ ”ہم اچھے ہیں۔“ یہی لوگ دخدام کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ بیمار ہو۔“

یہ امید افزا صورت دیکھ کر غلامان وارثی خوش ہو گئے۔ کسی نے بذریعہ خط دوسروں کو مطلع کیا کہ سرکار کی طبیعت رو بہ صحت ہے۔ کسی نے اپنے مکان پر تار دیا کہ آج افاقہ رونما ہوا۔ کوئی نقد۔ کوئی غلہ خیرات کرنے لگا۔ کسی نے قربانی کی۔ کسی نے جوش مسرت میں بطور شکرانہ میلاد کیا۔ اور حاضرین آستانہ اقدس کی دعوت کی۔ اور مساکین کو کھانا تقسیم کیا۔ جبکی یادگاریں آج تک پنڈت دیندار شاہ صاحب وارثی ہر سال بقیدون آستانہ اقدس پر میلاد۔ اور زائرین کی دعوت کمال اہتمام کرتے ہیں۔

اس علالت میں ابتداء سے دخدام یہ اہتمام بھی کرتے تھے کہ طالبین ہدایت کو خدمت والا میں اس وقت پیش کرتے تھے۔ جس وقت گونہ سکون ہوتا تھا۔ ورنہ اس خیال سے روکتے تھے کہ ایسی نازک حالت میں تھوڑے تکان سے بھی زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ آج وہ انتظام بھی اٹھا دیا گیا جس وقت جس نے اپنی ارادت کا اظہار کیا۔ اسی وقت شرف بیعت سے مشرف کرادیا۔ چنانچہ تمام دن یہ سلسلہ جاری رہا کہ متعدد اہل ارادت حاضر خدمت ہوئے۔ اور حضور قبلہ عالم نے داخل بیعت فرمایا۔

نظر کے بعد حکیم عبدالحی صاحب بھی آگئے اور حاضر خدمت ہو کر نبض دیکھی طبیعت کو بحال پایا تو حاضرین سے مخاطب ہو کر نہایت مسرت آمیز لہجہ میں کہا کہ آپ حضرات کو

نیل حمایتِ دارنی میں پناہ گزین رہنا مبارک ہو۔ اس وقت آپ کے آقائے نامدار کا مزاج اقدس بہت اچھا ہے۔ اگر آج شب کو بھی تپ کا دورہ نہ ہوا۔ تو کل جناب حضرت کو تندرست دیکھنے گا۔ اور حکیم سلطان محمود صاحب سے کہا کہ آپ کی رائے صائب ہے۔ دوسرا نسخہ ضرور لکھا جائے۔ چنانچہ دو لونِ طیب باہر آئے اور دیگر موجودہ اطباء کو بھی شریک مشورہ کیا اور نسخہ لکھا گیا جو فوراً تیار ہوا اور پانچ بجے حضور نے نوش فرمایا اور شب کی غذا کے واسطے یہ تجویز ہوا کہ بجائے کھنی کے آتش جو مثل بہ اجزائے مقوی دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اسی اشارہ میں یہ سنا کہ وزیرستان کا باشندہ ایک طالب راہِ حق در دولت پر کھڑا ہے خادم بارگاہ نے کہا۔ بلاو۔ جب وہ اندر آئے تو سب نے پہچانا کہ نادریاں دارنی ہیں جو قبل ازیں لباس فقر کے خواستگار آئے تھے۔ مگر اس وقت شرف بیعت سے مشرف ہو کر چلے گئے تھے۔ شاید حسب ہدایت مدت سے سالہ گزار کر آج پھر اسی شوق میں حاضر خدمت ہوئے ہیں۔

چنانچہ حاجی فیضو شاہ صاحب نے اس گرفتار دامِ محبت کو پیش کرنے کے وقت یہی عرض کیا کہ حضور علی مسجد کے قریب رہنے والے خاں صاحب آئے ہیں۔ جن سے آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تین سال کے بعد آنا۔ تم کو فقیر بنا دیں گے۔

حضور قبلہ عالم گو و فور ضعف سے خاموش۔ یا حالتِ محویت میں ہم تن مصروف تھے مگر چونکہ ہدایت خلق ہر حال میں منظور تھی۔ خادم خاص کی یہ گزارش سن کے۔ رہنمائے عالم نے فرمایا ”اچھا“ اور باوجود فرط ناتوانی کے فرشِ راحت سے بہ استعانتِ خادم اٹھ کر بیٹھ کر مگر تھوڑے غور و غوض کے بعد پھر لیٹ گئے اور یہ ارشاد فرما کر خالصتاً موصوف کو رخصت کر دیا کہ ”جاؤ۔ آج نہیں کل آنا“ اور دیگر تمنی بیعت جو حاضر تھے ان کو کمالِ شفقت و فضل سلسلہ فرمایا۔

۹ ربیع الثانی کو اطباء کی رائے سے خادم نے جب کاسہ آتش جو پیش کیا تو پہلے سرکار عالم پناہ نے اس عنوان سے تامل فرمایا جس سے عدم رغبت کے آثار نمودار ہوئے لیکن بعد بعض ارادتمندوں کے اصرار سے آپ نے دو چار تپے نوش فرما کر بستر راحت پر استراحت فرمائی۔ مگر افسوس ہم ظاہر بینیوں کو یہ خبر نہ تھی کہ اغذیہ و نموی میں سے ہمارے بندہ نواز آقا کی یہ آخری غذا ہے۔

چنانچہ دس بجے رات کو پہلے پائے مبارک سرد محسوس ہوئے اور پانچ منٹ کے بعد روزانہ سے زیادہ شدید تپ آئی۔ گو اطباء نے خارجی تدبیریں کیں۔ مگر کام رات بخار بدستور رہا جس کی وجہ سے تاسخرا بھن اور تشنچ کی تکلیف رہی۔

روزہ پختہ ۲۰ محرم ۱۲۲۳ھ | ۳۰ محرم بروز پختہ بعد نماز صبح ہر دو معالج و نیز دیگر موجودہ اطباء نے عرصہ تک باہم مشورہ کیا اور ہر نسخہ کے ایک ایک جز پر اصولی بحث ہوتی رہی۔ آخر باتفاق رائے ادویات مشروبہ میں کافی ترمیم ہوئی۔ قیر و طی کی بھی صورت بدل دی اور بعض دیگر تدابیر سے بھی رفع شکایات کی کوشش کی۔ مگر شدید مرض میں اتفاق نہ ہوا حتیٰ کہ دوا پینے کے بعد جو عارضی تفریح ہو جاتی تھی آج وہ بھی نہ ہوئی۔

چنانچہ عزاج ہمایوں کا یہ حال دیکھ کر مجھے ایسے اہل ذلواہر کو استعجاب تھا کہ دوا کا فعل صحیح کیوں نہیں ہوتا لیکن ہمارا یہ عامیہ خیال اس وقت رفع ہو گیا جب سولہ گنٹہ کے بعد اس مشیت خداوندی کا حقیقی مضمون ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو گیا۔ اس وقت یہ سمجھ میں آیا کہ درحقیقت اس علالت کے پردہ میں شاید بے نیاز اپنے عاشق جانسباز کو بساط کثرت سے فضا کے قربت میں بلانا چاہتا تھا۔ اور اطبا خلاف منشا حضرت رب العزت کو شمش کئے تھے۔ اس لئے اس قادر مطلق نے بنحو اسے ”اللہ علی کل شیء قوی“ اور ”یا سکر“ مفاد و اثرات ایسے معطل کر دیئے کہ معالجین کے جملہ افکار بے سود اور بیکار ثابت ہوئے۔ چنانچہ عاشقانِ جاں باز کا جس طرح حالتِ صحت میں منشاِ آلہی کے سامنے سرنگوں

رہنا نصب العین ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ اہل حقیقت سخت سے سخت علالت میں بھی برضائے حضرت احدیت رہتے ہیں۔ اور اپنے جانگداز درد کو عطیہ شاہدے نیاز ہونے کی وجہ سے عین دوا سمجھتے ہیں۔ لیکن بہ لحاظ انتظام عالم اسباب یہ بھی اختیار کرنا ہوتا ہے کہ طبیب جو دوا تجویز کرتا ہے اس کو لاشی اور بیکار سمجھنے کے بعد بھی استعمال کرنے سے انکار نہیں فرماتے ہیں۔ اور ان کے اس طریق عمل سے انکار نہیں فرماتے ہیں۔ اور ان کے اس طریق عمل سے دوا کا استعمال کرنا۔ ایک نوع سے ہادیان دین و ملت کی متفقہ اور مخصوص سنت سمجھا جاتا ہے۔

اسی اعتبار سے حضور قبلہ عالم نے عوارض کے نام یا ان کی صحیح علامت یا ان کی وجہ کو جو تکلیف و اذیت تھی۔ باوجود اصرار اطبا کے اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ مگر دوا کے استعمال سے انکار بھی نہیں کیا۔ حالانکہ کوئی علاج مفید نہیں ثابت ہوا۔ لیکن اطبا ہمیشہ سرگرم کوشش رہے اور سکون کے واسطے انواع انواع طریقہ سے تدبیریں کیں۔ حتیٰ کہ ایک مرکب روغن تیار کیا جس کو صدر پر مالش کرنے سے یہ فائدہ مگر عارضی رونما بھی ہوا۔ کہ قدرے بلغم باسانی خارج ہوا اور نسبتاً آواز کی گرائی میں کچھ عرصہ تک تخفیف محسوس ہوئی۔

لیکن شب ہی سے یہ پریشان کن خبر شہر پہنچی تھی کہ آج ہمارے بندہ نواز رہنا کا مزاج ہالیوں زیادہ ناسازست۔ جس کو سن کے قرب و جوار کے متعدد عقیدت شعار بہ نظر عیادت صبح ہی سے جمع ہو چکے تھے۔ اور مزید براں یہ بھی افواہا مشہور ہو رہا تھا کہ سرکار عالم پناہ نے پردہ فرمایا۔ اس جہت سے دُور دُور کے غلامان بکثرت حاضر ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس روز مریدین اور غیر مریدین کا اجتماع اس قدر ہو گیا تھا کہ در دولت پر کھڑے ہونے کی گنجائش نہ تھی۔ اور اندازاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مجمع کثیر میں باعتبار شائقین زیارت کے طالبین ہدایت و بیعت کا ہجوم زیادہ تھا۔

کیونکہ تمام دن چشمہ فیضان دار ثنی جاری رہا۔ اور اسی حالت ضعف میں سرکار عالم پناہ

بکمال شفقت رشد و ہدایات میں مصروف رہے۔ اور کبشرت طالبین کو داخل سلسلہ فرمایا۔ اسی دوران میں نانک شاہی خاندان کے ایک سن رسیدہ درویش نے حاضر خدمت ہو کر جس عقیدت سے طالب ہونے کی استدعا کی اور جس عنایت سے حضور نے ان کو اپنے ظل حمایت میں لیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مسافر جریدہ۔ راہ حق کا تلاشی۔ اور کسی برگزیدہ خدا کا فرستادہ تھا۔

اس واسطے کہ حضور قبلہ عالم نے دیکھ کر مبساختہ فرمایا کہ تم آگے۔ بیٹھو۔ اور اسی فرط ضعف میں استغفار پڑھا کر ان کو مرید کیا اور اسی وقت خلعت فقر عطا ہوا اور رسول شاہ کا ممتاز خطاب مرحمت فرما کر یہ ارشاد ہوا کہ ”جا و رضاء کے خدا پر ثابت قدم رہنا۔ مرجانا۔ مگر ہاتھ نہ پھیلاتا“

گر چند ساعت کی یہ تکان بھی بہ سبب نقاہت برداشت نہ ہوئی۔ کیونکہ رسول شاہ کو رخصت فرما کر منور آرام نہیں فرمایا تھا کہ دفعتاً آپ میں بھی ترقی ہوئی۔ اور بصورت غشی۔ خاموشی کا عالم طاری ہو گیا اور رفتہ رفتہ شداہد آپ کے اخراجات سے الجھن شروع ہو گئی۔ اطباء نے کف پاکی مالش کرائی۔ فوراً نخلخہ تیار کیا۔ و ماغ پر روغن گل کا پھایا رکھا۔ مگر کسی تدبیر سے آپ کی پین پیس تخفیف نہیں ہوئی اور اسی حالت میں آقائے نامدار نے اپنے غلاموں کو نہایت شفقت کی نظر سے دیکھا۔ سب کو خیال ہوا کہ کچھ فرمانا منظور ہے۔ لیکن اس وقت آپ خاموش رہے اور تھوڑے عرصہ کے بعد ایک دیرنیہ غلام سے مخاطب ہو کر نہایت ضعیف اور گلو گرفتہ آواز سے فرمایا کہ ”بکے ہیں“ اس نے برجستہ عرض کیا کہ مولائے من تین بج گئے ہیں حضور قبلہ عالم نے پہلے ایسے دو جملے جن کو بطور تنبیہ ایک مخصوص ارادتمند سے تعلق تھا۔ فرمائے بعد نہایت پر جوش لہجہ میں جس سے حالت انتظاریہ نمایاں ہوتی تھی۔ ارشاد ہوا کہ ”ابھی بہت دیر ہے۔ مشکلی گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پہلی آگئی ہے۔ چار بجے سوار ہوں گے“

اس فرمان و ارثی کے الفاظ بظاہر غیر مسلسل اور غیر مربوط اور تشریح طلب سن کے اکثر حاضرین ساکت اور تھیر ہو گئے مگر بعض مخصوص افراد مندوں نے تاویلاً غور کیا تو ان کو پریشان کن خیال ہوا کہ مشکلی گھوڑے سے شب تاریک مراد ہے، تو اس کا سلسلہ شاید اب قریباً ختم ہے کہ ٹانگ لوٹ گئی اور پہلی سواری سفر کی ہے۔ وہ آگئی جس سے اشارہ ہے کہ سفر و القراء کے لئے سامان تیار ہے۔ اور روانگی کے واسطے چارنگے کا وقت پسند فرمایا ہے۔

غرض اس ارشاد کی تشریح اور تاویل سے عموماً غلامان بارگاہ و ارثی افسردہ اور پریشان ہوئے۔ کیونکہ ہر شخص دیکھ رہا تھا کہ حضور قبلہ عالم کی صحت میں بجائے یوماً فیوماً کے اب ہر ساعت اور ہر آن میں سمنزل اور انحطاط کی نشان نمایاں ہو گئی ہے جس کا نتیجہ عنقریب ہی ہوتا نظر آتا ہے جو اس ارشاد کی تاویل کی ہے۔

اسی عرصہ میں ماورضان و زیرستانی جن کے حق میں کل حضور قبلہ عالم نے آج کی حاضری کے واسطے حکم صادر فرمایا تھا۔ وہ قدیموں ہو کر سامنے آئے اور حسب دستور حاجی فیضو شاہ صاحب نے ان کو پیش کیا تو باوجود افراط ضعف اور شدائد مرض کی ناقابل برداشت تکلیف کے سرکار عالم پناہ نے مثل یوم گزشتہ آج لباس فقر تفویض کرنے میں شاید اسوجہ سے تامل نہیں فرمایا کہ از روئے حساب انتظار کی مدت سہ سالہ گزشتہ شب کو ختم ہو گئی اور آج چوتھے سال کا پہلا دن تھا اس لئے حسب وعدہ رہنمائے کمال نے اپنے حلقہ بگوش کو وادی عشق کی سیاحت کے لئے اپنے دربار کی مخصوص وروی تفویض فرما کر فقیر شاہ کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اور بصرہ تہجھا دیا کہ شربی دستور العمل کا خلاصہ یہ ہے کہ ”راہ محبت میں اگر ابتلا بھی پیش آئے تو اس کو شاہیہ کے نیاز کی عنایت سمجھے اور باسواء اللہ سے سروکار نہ رکھے۔ جاؤ۔“ اور اس تقریر کے بعد۔ و فورضعفنا سے آپ اور زیادہ ساکت اور خاموش ہو گئے۔

حضور قبلہ عالم کا یہ حلقہ بگوش سلسلہ فقر میں آخری تہ بند پوش تھا جو قدیموں ہو کر بارگاہ و ارثی سے رخصت ہوا۔ تو مکان سے باہر جاتے سب نے دیکھا۔ لیکن در دولت

پر جو خدا متکبران موجود تھے ان کو اس کا علم بھی نہیں ہوا کہ وہ لوگ رفتار و اہم محبت باہر کب آیا۔ اور کس طرف خدا کے بھروسے پر چلا گیا۔ حتیٰ کہ آج تک اس منفق و انجیر کا حال اس قدر بھی نہیں معلوم ہوا کہ وہ سلسلہ وارشیہ کا جانا بنا ز فقیر منوز بقید حیات ہے یا راہ مطلوب میں جاں بحق تسلیم ہوا۔

بلکہ نادار خاں ملقب بہ فقیر شاہ کی تہ بند پوشی کے بعد جس طرح آقائے نامدار کے دست حق پرست سے کوئی حق نبوش فقیر تہ بند پوش نہیں ہوا۔ اسی طرح ہمارے شفیق معلم نے تعلیم بھی کوئی جدید حکم نہیں صادر فرمایا جس کو دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ رشد و ہدایت کا دروازہ بند ہو گیا۔ گو بالمعنی فیضان وارثی بدستور جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ مگر ہم ظاہر بینوں کی آنکھ، تصرفات وارثی کے جو کوشے دیکھتی تھی وہ دکھانی نہیں دیتے اور ہمارے کان جو رشد و ہدایت کے وقت اس داعی الی اللہ کی آواز سننے لگے وہ سنا ہی نہیں دیتی۔

ذکر وصال | خلاصہ یہ کہ فقیر شاہ صاحب کی تہ بند پوشی کے وقت جناب حضرت کا چند ساعت کے لئے ان کی جانب متوجہ ہونا۔ اور مختصر الفاظ میں ہدایت فرمانا۔ آپ کے ناماں مزاج کے اس قدر مضر ہوا کہ طبیعت اور زیادہ مضحل ہو گئی۔ اور اس مرتبہ حضور قبلہ عالم نے بہ اسباب ظاہر اخراط صنعت سے بصورت غشی سکوت فرمایا کہ اکثر خدام خاص کی مکرر عرض داشت پر بھی التفات نہ ہوا۔ اور ان کی گزارش کے جواب میں صرف ہاں یا نہیں کہنا بھی گوارا نہ کیا۔

یا سرکار عالم کا یہ سکوت۔ واردات قلبی اور کیفیات روحانی کے اثرات سے تھا کہ بظاہر خاموشی تھی۔ اور فی الحقیقت تجلیات انوار جمال یار کے مشاہدہ میں ہمہ تن محو۔ اور ایسے مستغرق تھے کہ مطلوب حقیقی کی دیدیں۔ ماوشما سے گفت و شنید کی فرصت نہ لگتی اور معالجین نے اس حالت معنوی کو کثرت صفت سے تعبیر کیا۔

مگر معلوم نہیں کیا مصلحت تھی کہ اسی شدتِ اضمحلال میں تقریباً سات بجے شب کو ہمارے نگراں حال نے پہلے اپنے غلاموں کی جانب بکمال شفقت دیکھا۔ مابعد باوجود اس غیر معمولی نفاہت کے۔ انگشت شہادت بلند فرما کر نہایت ضعیف اور گلو گرفتہ آواز سے۔ مگر پر جوش لہجہ میں ارشاد ہوا کہ ”اللہ ایک ہے“ جس کو جملہ حاضرین نے بخوبی سنا۔

اس ارشاد و ارثی کا مفہوم یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ کا دستور تھا کہ جلوت عام میں بھی اور خلوت خاص میں بھی حضور قبلہ عالم کی لطائف آمیز اور معنی خیز تقریر کا زیادہ حصہ صفات توحید جناب احدیت کی تشریح و تصریح میں ہوتا تھا جس کو دوسرے الفاظ میں یوں کہنا غیر موزوں نہ ہوگا کہ درحقیقت حضرت رب العزت عز اسمہ کی شان و حدانیت کے ذکر سے آپ کو فطرتاً شوق تھا۔ اور اسی قدیم عادت کا یہ اقتضا تھا کہ آپ نے صنعت و نقاشی کی ناقابل برداشت کشمکش میں بھی خدائے بزرگ و برتر کی یکتائی کا ذکر بلا اعلان کیا۔ اور ذکر کے ساتھ بطور شہادت اونگلی کا اشارہ بھی کر دیا کہ خدا ایک ہے۔

یا اپنے عقیدت شعار غلاموں کو خبردار کرنا منظور تھا کہ خدا کو وحدہ لا شریک سمجھنا اور ہمیشہ اس کی محبت میں مصروف رہنا۔

چنانچہ آپ کی اس گرانقدر اور پراثر آواز کا یہ تصرف دیکھا کہ سامعین نے اپنے شفیق داعی الی اللہ کے اس آخری اشارہ پر لبیک کہا۔ اور غیر معمولی جوش میں قدمبوس ہو کر عرض کیا ”لا الہ الا اللہ“

دس بجے سرکار عالم پناہ نے استنجا کیا۔ خادم نے شدتِ تپ کی وجہ سے بہائے مبارک خشک دیکھ کر عرض کیا کہ تشنگی ہو تو پانی حاضر کروں۔ آپ نے حسب عادت فرمایا کہ ”اچھا“ حکیم عبدالحی صاحب نے کہا کہ بجائے پانی کے اگر عرق گاؤ زبان دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ خادم نے وہی پیش کیا۔ حضور نے ایک گھونٹ نوش فرما کر پھر عالم سکوت میں آنکھیں بند کر لیں۔

لیکن قبل ازیں یعنی بعد مغرب معالجین نے بنجیال تقویت شربت خشتی خاص کے ساتھ جوارش مروارید جس میں شیرخشت کا بھی اشتراک تھا۔ استعمال کراچکے تھے۔ اس کا فعل یہ ہوا کہ بارہ بجے ایک اجابت ہوئی اور دو مرتبہ بلغم بھی خارج ہوا اور بصورت سکون غنودگی کے آثار نمایاں ہوئے۔ مگر انجناؤ بلغم کے سبب سے یا کثرت صفت کی وجہ سے سلسلہ انفاس ظاہر میں بکمال وضاحت وہ آواز آنے لگی۔ جو ہمیشہ سے متتر تھی۔ یعنی آپ کا ذکر بجائے اخفا کے ظاہر ہو گیا۔ اور صاف طور پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی نوعمر لڑکا اللہ کا ذکر باجہر کر رہا ہے اور تادم واپس یہ آواز مسلسل اور یکساں آتی رہی۔

اس دوران میں اطباء نے جب نبض دیکھی تو ہر مرتبہ ہی کہا کہ آپ حضرات پریشان نہ ہوں جناب والا کامزاج اچھا ہے۔ نبض بدستور قوی اور منتظم ہے۔ بجز اس کے آج اصحلال نسبتاً کچھ زائد ہے اور یہ شدائد تپ کا اثر ہے جو عموماً ہوتا ہے۔

یہ سن کے بعض مقتدر اور اذیت مند مطلقین ہو کر بستر پر چلے گئے۔ مگر مخصوص فرد متکذرا سپہ آقائے نامدار کے فرش کے گرد حلقہ کئے بیٹھے رہے۔ اور اس اثنا میں معالجین نے باہمی مشورہ سے ازالہ تپ کے لئے جو تدبیریں کیں۔ ان میں اکثر توبے سو ڈنابت ہوئیں۔ اور اگر کوئی موثر نہ ہوئی تو عارضی طور پر کہ اس کا فائدہ جلد زائل ہو گیا۔

حتیٰ کہ قریب دو بجے کے حکیم مرزا یعقوب بیگ صاحب وارثی نے تھرماسٹر لگانا چاہا تو دیکھا کہ بخار بالکل اتر گیا ہے۔ اور ہاتھ پاؤں سرد ہیں۔ حکیم عبدالحی صاحب اور حکیم سلطان محمود صاحب نے گھبراہٹ سے نبض دیکھی تو مطلقین ہوئے اور کہا تپ اتر گیا۔ لیکن اب جو اہر مہرہ دینے کا وقت ہے تاکہ تقویت ہو۔ اور یہ صورت غشی بھی زایل ہو جائے۔

مگر بعض اطباء کی رائے تھی کہ جو اہر مہرہ چونکہ زیادہ قوی ہے۔ اس وجہ سے اندیشہ بھی ہو سکتا ہے کہ حرارت کو تحریک نہ ہو۔ لہذا اعتدالی صورت اختیار بہتر ہے کہ اسی بلین اور مفرح بدرقہ کے ساتھ جوارش مروارید استعمال کرائی جائے۔

ہنوز یہ مشورہ ہو رہا تھا کہ دو بج گئے اور یہ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا کہ دفعتاً صحن مکان میں زیادہ اور دالان میں کم ایسی شفاف روشنی نظر آئی کہ حاضرین مرعوب ہو گئے اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ حضور قبلہ عالم نے دونوں ہاتھ اس عنوان سے بلند فرمائے کہ جو شکل مصافحہ کرنے میں نمایاں ہوتی ہے اور سراقہ کو بھی اس طرح جنبش ہوئی جس سے بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ اٹھنے کا قصد فرماتے ہیں۔

اس حیرت خیز کرشمہ قدرت کے مشاہدہ سے بعض ارادتمند ساکت اور متحیر تھے اور بعض اہل خرد شاید اس واقعہ کے مفہوم معنوی سے متاثر ہو کر اشکبار مگر مودب کھڑے ہو گئے۔

اور ابھی یہ حالت کلیتہً فرو بھی نہیں ہوئی تھی کہ کسی نے اس واقعہ کی اطلاع اس خدمت گزاروں سے کر دی جو در دولت پر حاضر تھے اور ان سے دوسروں نے سنا۔ چنانچہ ان واحد میں یہ خبر ایسی شہر ہو گئی کہ جملہ غلامان بارگاہ و ارثی و نیز حضرات اہل قصبہ اپنے اپنے بستر سے اٹھ کر افتان و خیزاں حاضر ہوئے اور اس منٹ میں اس قدر ہجوم ہو گیا کہ مکان میں گنجائش نہ ہونے سے سیکڑوں جاں نثار باہر مغموم کھڑے تھے۔ حالانکہ صاحبین اس وقت بھی یہی کہتے تھے کہ حالت خطرناک نہیں۔ گو کہ افراد ضعیف کو بھی مخدوش لکھا ہے۔ لیکن نبض کا انتظام چونکہ بدستور ہے۔ اس لحاظ سے امید ہے کہ طبیعت علاج پزیر ہو جائے۔ ہاں مشیت خداوندی کیا ہے۔ اس کو یہی بہتر جانتے ہیں جن کی آپ خدمت کر رہے ہیں۔

لیکن اس وقت کی فضا۔ قدرتا ایسی غم آلود تھی جس کے اثر سے خود بخود خدمت گزار کو اپنے اپنے خدمات میں منہمک تھے۔ مگر حسرت و یاس کے عالم میں مضطرب یا محزون ضرور تھے۔

اسی عرصہ میں حکما کی تجویز سے حاجی فیضو شاہ صاحب خادم خاص نے شربت شہد

پیش کیا اور جناب حضرت نے ایک چھپے نوشت فرمایا۔ تو گو نہ سکون محسوس ہوا۔ مگر نرساےت کے بعد پھر بہاے مبارک خشک ہو گئے اور اس کھن ہونے لگی۔

تھوڑا وقفہ گزارا تھا کہ حکیم عبدالحی صاحب نے کہا کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہی شربت دوبارہ استعمال کرایا جائے۔ چنانچہ خادم موصوف نے پھر شربت شہد پیش کیا اور آقائے نامدار نے اسی قدر نوش بھی فرمایا۔ مگر اس مرتبہ وقتی سکون بھی نہیں ہوا۔

یہ دیکھ کر حکیم سلطان محمود صاحب لکھنؤ تیار کرنے میں مصروف ہوئے اور حکیم مرزا یعقوب بیگ صاحب کا ایک ہاتھ جناب حضرت کے دست حق پرست کے نیچے اور دوسرا ہاتھ نبض پر تھا اور بار بار یہی کہتے تھے کہ نبض بالکل صحیح ہے۔ حتیٰ کہ چارج لگے اور وہ ساعت قریب آگئی جس کا اشتیاق دید میں حضور قبلہ عالم انتظار فرما رہے تھے کہ ناگاہ حکیم صاحب نبض چھوڑ کر بے اختیار رونے لگے اور کہا کہ جناب حضرت کی آخری زیارت کو پورے چنانچہ چارج کے تیرہ منٹ ہینوز پورے ہو رہے تھے کہ خدا کے برتر کیا وہ گرانقدر ودیعت جناب عظمت میں مستور ہوئی اور چھبیا سی یا اٹھا سی سال کا دور فراق ختم ہو گیا کہ شاید بے نیاز نے اپنے عاشق جانناز کو جلوت عالم سے خلوت خاص میں طلب فرمایا یعنی حضور قبلہ عالم حدود و تعینات سے گزر کے اس نقطہ سردی سے واصل ہو گئے جو فی الحقیقت موجود مطلق اور مقصود حقیقی ہے انشاء وانا الیہ راجعون۔

ذکر تھنر و تکھن | اس حادثہ جانکاہ سے۔ خاص و عام اس قدر متاثر ہوئے کہ اندر سے باہر تک بہرام مچ گیا۔ بعض کا مقولہ ہے کہ زلزلہ بھی محسوس ہوا۔ اکثر حضرات نے کہا کہ تند ہوا کا ایک جھونکا آیا جس میں سے غیر مانوس زبانیں ایسی آواز آتی تھی جو گریہ و زاری سے بہت مشابہ تھی۔ بعض مولفین سیرت وارفی نے دیگر آثار است حزن و غم کا اظہار ہونا بھی نقل کیا ہے۔

اہل قصبہ مثل ماہی بے آب ٹر پنے لگے۔ اراد مندوں کی دیکھ اش آہ و بکا سے قیامت برپا تھی۔ جن کا حال زار دیکھ کر بارہوا غبار کہتے تھے کہ ولدا وہ جمال وارفی تو چند روزہ عبدانی

کے بھی متحمل نہ تھے۔ اب آقائے نامدار کی مستقل مفارقت کی برداشت کیوں کر کریں گے۔ اکثر حفظ تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہو گئے بعض عقیدت شعار درود شریف بعض کلمہ طیبہ پڑھنے لگے۔ غرض اسی حالت میں وہ بقیہ حصہ شب کا ختم ہوا۔ اس وقت شیخ مظہر علی صاحب وارثی رئیس قصبہ سولی نے جن کا قدیم اور مخصوص غلاموں میں شمار تھا۔ حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا بھائیو۔ حاجی صاحب قبلہ کی مفارقت کا غم وہ غم نہیں ہے جو آج ہی ختم ہو جا سکے بلکہ رونا تو ہماری قسمت میں تازندگی ہے لیکن اب ضرورت اس کی ہے کہ تھوڑے عرصہ کے واسطے صبر کرو۔ اور اپنے رہنمائے کامل کی آخری خدمت کو انجام دو۔

مگر قبل اس کے کہ آپ تجھیز و تکفین کا انتظام کریں۔ بطور یاد دہی یہ عرض کروینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جملہ غلامان بارگاہ وارثی کو اس کا علم ہے کہ جناب حضرت نے متواتر فرمایا ہے کہ ”فقیر جہاں مرتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے۔“ بلکہ اس فرمان کو منشی خدا بخش صاحب شائق اور حکیم سید عبدالآدشاہ صاحب تھیراپتی اپنی تالیف میں نقل کر چکے ہیں۔ اور بارے دیگر ممتاز بھائیوں نے مان لیا ہے کہ یہ فرمان آپ کے مسلک کا جزو اعظم اور مشرب کارکن خاص ہے۔ مگر باوجود اس اہمیت کے۔ آپ کا استمراج لینا بھی ضرور ہے۔ اس لئے پہلے یہ تجویز فرمائی کہ مزار اقدس کہاں ہو۔

شیخ صاحب کی یہ تقریریں کے غلامان وارثی بقیار ہو گئے۔ اور کہا یہ فرمان اکثر حضور قبلہ عالم کی زبان مبارک سے ہم نے بھی سنا ہے۔ مگر افسوس۔ اس نوشتہ تقدیر سے بے خبر تھے کہ ایک روز خود بدولت کی قبر کا مسئلہ پیش ہو گا۔ اور ہم کو اس ارشاد کی تعمیل کرنا ہوگی۔

ابنہا ہم غلاموں کا فرض منصبی یہ ہے کہ وہی کرنا چاہیے جس کی قبل از وقت بار بار دعا ہو چکی ہے۔ یعنی اسی جگہ آپ کی آرام گاہ بنائیں جس مقام پر اس وقت جناب والا آسودہ ہیں۔ غلامان بارگاہ وارثی کی یہ متفقہ رائے سن کے شیخ مظہر علی صاحب کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے محمود الصفات آقا کے جسد اطہر کو معہ بستر راحت۔ تھوڑا مشرقی سمت ہٹا کر قبر کا نشان

ڈالا۔ اور پیر غلام کسگر نے مع چند ہمراہیوں کے کھوونا شروع کیا۔

اسی عرصہ میں حاجی عباس حسین خان صاحب وارفی تشریف لائے اور بزرگانہ حیثیت سے فرمایا کہ آپ حضرات جو خدمت کر رہے ہیں۔ یہ ہر طرح سے مستحسن ضرور ہے۔ لیکن بعض جوہات سے خلاف مصلحت بھی ہے۔ مثلاً گنجائش بہت محدود ہے۔ اور اس کام کے لئے چھوٹی بی بی صاحبہ اپنا وہ باغ نذر کرتی ہیں جو شاہ اویس کے قبرستان کے قریب ہے۔ وہاں بہت بڑا مقبرہ آپ تعمیر کرا سکتے ہیں۔ قطع نظر اس کے۔ یہاں قبر بنانے سے یہ چار ہزار روپیہ کی عمارت بالکل بیکار ہو جائے گی۔ جو صریح نقصان ہے۔

شیخ منظر علی صاحب نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ فرمایا کہ بھائی صاحب آپ کی اس فہمائش کا شکر گزار ہوں۔ لیکن خدا کو منظور ہے تو حاجی صاحب کی ہدایت کے مطابق مزار اقدس ہمیں بنے گا۔ اور یہ مکان جس کو آج آپ نے چار ہزار کا تجویز کیا ہے۔ کل بجہت مزار مبارک چار کروڑ سے زیادہ قیمتی ہو جائے گا۔ لہذا معاف فرمائیے گا کہ آپ کو مکان کی فکر ہے اور ہم کو اس حکم کی تعمیل کا خیال ہے جو قبلہ عالم نے متواتر فرمایا ہے کہ ”فقیر چہا مرتاہے۔ وہیں دفن ہوتا ہے۔“

اس لئے علاوہ ارادت و عقیدت کے انصاف سے بعید معلوم ہے کہ ایسا ممتاز اور جلیل القدر فقیر جس نے ہزاروں کو اپنے تصرفات باطنی سے فقیر بنا دیا۔ اس برگزیدہ کردگا۔ کا مقدس مزار وہیں نہ بنایا جائے۔ جس مقام پر وہ باوہ وصال شاہ حقیقی سے سرشار ہوا ہے۔ خان صاحب موصوف نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ براور۔ جناب حضرت کے شہور ارشاد کا یہی مفہوم ہے جو آپ نے کیا اور کر رہے ہیں۔ لیکن میں نے جو کچھ کہا وہ اس واسطے کہ بعض لوگوں کو اختلاف ہے۔ اور یقینی وہ آپ کی اس کارروائی میں ضرور ہارج ہوں گے۔

آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ والسلام

جب خان صاحب یہ نصیحت فرما کر واپس گئے اور غلامان وارفی ساہان غسل فراہم کرنا

چاہتے تھے کہ پیر غلام گورکن نے کہا کہ پہلے اس کا انتظام کیجئے کہ زمین بہراؤ کی نکل رہی ہے
دیکھا تو واقعی پانچ فیٹ گہرائی کے بعد بھی مٹی قابل اطمینان نہیں نکلتی جس کی نسبت کسی
نے تو یہ کہا کہ مٹی زیادہ کمزور نہیں ہے۔ کسی نے کہا اگر کمزور بھی ہے تو مجھ سے دینے کے
بعد اندیشہ نہ رہے گا۔ مگر منشی عزیز احمد صاحب و ارثی سب اور میر نے یہ مشورہ دیا کہ مجھوں
کے ساتھ اگر صندوق کی دیواریں کچی اینٹ سے بنا دی جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

غلامان و ارثی نے اسی رائے کو پسند کیا۔ اور اسی وقت انہیں تلاش کرائیں۔ اور معمار و
مزدور بھی بلائے۔ گارے کے واسطے مٹی چھانی جاتی تھی کہ ایک سب انسپکٹر پولیس آئے
اور جگہ حد متکزاروں کی جانب مخاطب ہو کر یہ کہا کہ آپ لوگ علانیہ قانون شکنی کر رہے ہیں۔
اس لئے کہ ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ آبادی کے اندر قبر بنانا ممنوع ہے۔

بابو کنہیا لال صاحب و ارثی وکیل علی گڑھ نے ان کو جواب دیا کہ داروغہ صاحب یہ حکم
حدود میونسپلٹی کے واسطے موقوف ہے اور یہاں میونسپلٹی نہیں۔ تاہم ہمارا یہ فعل قابل الزام
معلوم ہوتا ہے تو بھی پولیس کو دست اندازی کا حق نہیں آپ اسی قدر کر سکتے ہیں کہ میرے
نام کی رپورٹ کر دیں کہ کنہیا لال نے خلاف ضابطہ بستی کے اندر قبر بنالی۔ کیونکہ قبر تو ہر حالت
میں نہیں بنے گی۔

یہ سن کے سب انسپکٹر صاحب نے کہا کہ۔ بہتر ہم ڈپٹی کمشنر صاحب کو اطلاع کرنے
ہیں اور مجھ کو چلے گئے۔ اس اثناء میں سب سامان مہیا ہو گیا تھا۔ قبر کی تعمیر بھی شروع
ہو گئی اور خدام مشرقی صحیحی میں غسل کا انتظام بھی کرنے لگے۔

جب حضرات مانعین نے یہ دیکھا کہ داروغہ پولیس کی ترمیم سے بھی انسداد نہ ہوا اور
قبر بدستور بنائی جاتی ہے۔ تب انہوں نے تیسری صورت اختیار کی کہ ایک زمیندار صاحب
کی معرفت معماران و مزدوران کو یہ تنبیہ کرائی کہ بغیر ہمارے حکم کے اگر قبر بناؤ گے تو قبضہ
میں رہنے نہ پاؤ گے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ بجز غفور معمار کے جملہ معمار و مزدور مخالف ہو کر اپنے

اپنے گھروں میں روپوش ہو گئے اور دفعتاً قبر کا تمبیر مونا بند ہو گیا۔
 یہ دیکھ کر فقراے واری اور بعض دیگر عقیدت شعار فخر متکبران اپنے آقا کے نامدار کامزاد
 پر الوار بنانے کے جوش میں مزدوروں کا کام کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور ہزار فخر و مباہات
 اپنے سروں پر رکھ کر اینٹ اور گارا پہنچانے لگے اور بعض ذی اقتدار حضرات غفور معمار کے
 شریک کار ہوئے جن کی مدد سے چند گھنٹہ میں قبر تیار ہو گئی۔

اور اسی دوران میں مخصوص اہل قبیلہ اور مخلص ارادتمندوں نے کمال احتیاط و استہمام
 اپنے سرکار عالم پناہ کے جسد اطہر کو پہلے پانی سے۔ بعدہ کیوڑے اور گلاب سے جس میں
 آب زمزم بھی شریک تھا مشرقی صحنی میں غسل دیا۔ اور تبرگ آب عسالہ اس طرح اٹھالیا کہ ایک
 قطرہ صنایع نہ ہوا۔

دوران غسل میں کفن کا مسئلہ بھی پیش ہوا اور مخصوص خدام نے حاضرین سے مخاطب ہو کر
 یہ کہا کہ رنگین احرام بھی موجود ہے اور سفید کفن بھی قطع شدہ تیار ہے۔ اب آپ حضرات کی
 رائے عالی پر اس کا تصفیہ منحصر ہے کہ بہ لحاظ شان و ارتقی جو کفن مناسب تصور ہو وہ حاضر
 کیا جائے۔ لیکن قبل انتخاب یہ پیش نظر رہے کہ ان ارشادات کے ماسوا جن میں فقرا کو بجائے
 کفن معروف کے انہیں کے تہند میں ان کو دفن کرنا مذکور ہے۔ خود حضور قبلہ عالم نے بطور
 عملدرآمد۔ اپنے خرقہ پوش غلاموں کے کفن کے واسطے تہند اور ننگوٹ مرحمت فرمایا ہے۔
 چنانچہ منجملہ دیگر شنیدہ اور دیدہ واقعات کے۔ خاص دیوبندی شریف میں تین فقروں کی
 تکفین کے واسطے جناب حضرت نے باوجود سفید نین سکہ کا تھان موجود ہونے کے رنگین
 احرام تفویض فرمایا۔ اور بصراحت ارشاد ہوا کہ اسی کو لپیٹ کر دفن کر دو۔ فقیر کا یہی
 کفن ہے۔

ان تین خوش نصیبوں میں پہلے بدنام شاہ صاحب ہیں۔ کہ ان کے انتقال کی خبر آئی
 تو سرکار عالم پناہ نے ان کی تکفین کے لئے تہند اور ننگوٹ دے کر فرمایا کہ یہی ان کا کفن ہے۔

دوسرے آپ کے بہشتی فقیر بخش جو تہند پوش تھے۔ ان کو حسب ہدایت جناب حضرت غلامان وارثی نے اسی احرام میں دفن کیا جو کفن کے واسطے حضور قبائے عالم نے عطا فرمایا تھا۔ تیسرے حاجی بھورے شاہ صاحب کا جب در دولت پر انتقال ہوا تو ان کے بھی کفن کے واسطے قبلہ عالم نے تہند عنایت فرمایا۔ لہذا آج خود بدولت کے لباس آخری کی جو نوعیت زیادہ موزوں معلوم ہو۔ وہ تجویز فرمائیے۔

بعض حضرات جو بحیثیت عقیدت اس موقع پر حاضر تھے انہوں نے برجستہ فرمایا کہ کفن کے لئے کسی تخصیص اور مشوریت کی کیا ضرورت ہے۔ تکفین بصورت مروجہ ہونا چاہیے۔ جو علمائے متقدمین کی تجویز کردہ ہے اور اگر جناب حاجی صاحب نے کسی فقیر کی تکفین کے واسطے تہند کا حکم دیا ہے۔ تو شاید اس کی ناداری کے خیال سے فرمایا ہوگا۔ یہاں وہ مجبوری نہیں غلامان بارگاہ وارثی کے علاوہ بھی متقدمین بآسانی اس کا انتظام کر سکتے ہیں لیکن مشربی پہلو کو اگر دخل ہے۔ تو اس کو آپ لوگ ہم سے بہتر جانتے ہیں۔

یہ سن کے اکثر پرستاران بارگاہ وارثی نے پر جوش لہجہ میں کہا کہ مجبوری تو جب کتنی اور نہ اب ہے۔ لیکن ہمارے مجتہد اعظم نے اپنے خرقہ پوش متبعین کی تکفین کے واسطے جب کہ رنگین تہند جائز اور کافی متصور فرمایا ہے۔ تو اس اعتبار سے بجز اس کے دوسرا خیال بھی نہ آنا چاہیے کہ ان فقیروں کے مرنے اور رہنما کا بھی لباس و داعی احرام ہو۔

کیونکہ جس مرد میدان فقر و فنا کی یہ جلیل القدر خصوصیت ہو کہ بہتر برس تک احکم الحاکمین کے سالانہ و بار کی وردی اس کا مستقل لباس رہا۔ تو لازماً اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب الہی کی آخری منزل میں بھی وہ صاحبہا تجرید و انگریز اسی قدیم لباس میں اور اسی شان سے جائے جو شاہد بے نیاز کے عاشقانِ جانبازی کی مخصوص وضع ہے

مہنوز کوئی رائے قاصر نہیں ہوتی تھی کہ بارگاہ وارثی کے ایک وینہ حلقہ بگوش نے کہا کہ ادب یہ کہا کہ اس میں تو کسی کو عذر نہیں کہ حضور قبلہ عالم نے متواتر فرمایا ہے کہ "فقیر مر جائے"

تو اس کے تہنڈ میں لپیٹ کر اس کو دفن کر دو۔ اور کبھی یوں ارشاد ہوا ہے کہ ”فقیر کا تہنڈ ہی اس کا کفن ہے۔“ یہ حکم بظاہر تکفین فقرا کی آسانی کے واسطے ضرور معلوم ہوتا ہے مگر صرف آسانی ہی کے واسطے نہیں ہے بلکہ درحقیقت ماسوائے اللہ سے بے غرض رہنے کا یہ دقیق سبق ہے کہ ہمارے غیور بندہ نواز کو منظور یہ تھا کہ ہمارے نادار اور تہی دست فقرا کا کفن بھی ذی استطاعت اہل دنیا کی امداد اور استعانت سے محفوظ اور بے نیاز رہے۔ جو قانعین کے استغنائے کامل کی دلیل اور متوکلین کے ثبات و استقلال کا غماصہ ہے۔

مگر چونکہ تکفین مروجہ سے ہماری طبیعت مانوس ہو گئی ہے۔ اس لحاظ سے اگر کسی کو جناب حضرت کی یہ ہدایت جدید تعلیم معلوم ہوتی ہو۔ تو عجب نہیں۔ یا کم از کم ماوشما کو یہ خیال ہو کہ یہ حکم آپ کا ذاتی اور وقتی اجتہاد ہے جو کسی خاص موقع پر فقرا کو دیا ہو گا تو بعید نہیں۔ لیکن کتب احادیث کی ورق گردانی کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار عالم پناہ سے یہ حکم نافذ فرمانے میں اپنے جد نامدار کی کامل اتباع فرمائی ہے۔ چنانچہ مولانا جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے بدور السافرة فی امور الآخرة میں نقل فرمایا ہے کہ ایام حج میں ایک احرام پوش کو اوٹنی نے ایسی نگر ماری کہ وہ مر گیا۔ تا جدار مدینہ نے حکم دیا کہ انہیں کپڑوں میں اس کو دفن کر دو۔ یہ لیک کہتا ہوا مشہور ہو گا۔

اس روایت سے جب کہ یہ معلوم ہو گیا کہ تکفین کسی وضع کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ بلکہ میت کا لباس ہی اس کا کفن ہو سکتا ہے تو اب ہمارا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ حضور قبلہ عالم کا یہ ارشاد کہ ”فقیر مر جائے تو اس کے تہنڈ میں لپیٹ کر اس کو دفن کر دو۔“ حدیث مذکورہ کا صحیح ترجمہ ہے۔

اور اگر گہری نظر سے دیکھتے ہیں تو حضور قبلہ عالم کے یہ ارشادات کلیتہً آپ کی جدہ ماجدہ حضرت خاتون جنت کی مخصوص سنت کے مطابق ہیں۔ جیسا کہ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے جذب القلوب الی دیار المحبوب میں لکھا ہے کہ ایک روز بنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال اہتمام غسل کیا اور پاکیزہ لباس پہن کر بستر راحت پر آرام فرمایا اور کنیز سے وصیت کی بعد مفارقت روح مجھ کو اسی لباس میں اور اسی جگہ دفن کرنا۔ چون علی مرتضیٰ درون خانہ آمد صورت حال بوعے باز نمودند۔ دید کہ روح پاکش بہ اعلیٰ علین رسیدہ بود۔ فرمود کہ واللہ بیچ کس اور انکشا یہ سماں غسل سابق و جامہ کہ پوشیدہ بود دفن کرد۔ یہ روایت بھی قطعیت کفن کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی صورت لازمی ہوتی تو علی مرتضیٰ جو باب مدنیۃ العلم کے ممتاز خطاب سے سرفراز تھے ضرور اس کی پابندی فرماتے اور نسبت رسول اللہ کے جسد اطہر کو اسی لباس میں جو قبل انتقال روح زیب جسم اقدس تھا دفن نہ کرتے بلکہ حضور قبلہ عالم کے اس حکم متواتر سے کہ ”فقیر کا تہنڈا اس کا کفن ہے“ یہ اشارہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح اپنے زاہدین مسترشدین کو صبر و ثبات میں۔ سرچشمہ فقر حضرت خاتون جنت کی تقلید و اتباع کا حکم دیا۔ اسی طرح یہ ہدایت فرمائی کہ تمہارا لباس ہی تمہارا کفن ہے جو سنت فاطمی کی عین تبعیت ہے۔

علی ہذا۔ دیگر روایات کے مطالعہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قرن اولیٰ میں اکثر تکفین مختلف وضع سے ہوئی۔ اسی وجہ سے علماء دین و فقہائے شرح متین نے کفن کو کسی خاص شرط کے ساتھ مشروط نہیں کیا۔ بلکہ کفن کے اعلیٰ یا ادنیٰ یا عریض یا طویل ہونے کو۔ متولی ہوتی کی مالی حیثیت و استطاعت پر موقوف گردانا۔

چنانچہ خود شارع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عم بزرگوار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تکفین صرف ایک وہ بھی ایسی چھوٹی چادر سے فرمائی جو پورے جسم اقدس کو پوشیدہ نہ کر سکی اور پائے مبارک کھجور کے پتوں سے چھپائے گئے۔

خلاصہ یہ کہ کفن مرد جب بھی اس اعتبار سے مستحسن ضرور ہے کہ اس کی نوعیت کو جہور نے پسند کیا۔ لیکن مستند روایات سے جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ کفن قبور نوعیت سے بے نیاز ہے تو زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے آقائے نامدار کی ذات

بابریکات۔ مجموعہ صفات و حسنات تھی اور ہر قوم و ملت کے طالبین کی رہنمائی میں آپ نے مساوات کو قائم رکھا اسی طرح آپ کا مقدس کفن بھی۔ ایسے اوصاف جامعیت سے موصوف ہونا چاہیے جس کو اہل دنیا بھی اور تارک دنیا بھی اپنے اپنے خیالوں کے موافق اور مذاق کے مطابق متصور فرمائیں۔ یعنی اگر مشرب کے گہرے رنگ میں ڈوبا ہو۔ تو مذہب کی شان بھی نمایاں طور پر نظر آئے۔

غرض بعد گفت و شنید۔ اہل ارادت نے بہ اتفاق رائے یہی صورت پسند کی کہ جس طریق سے حضور قبلہ عالم نے ضوابط مشربی کی یہ حد تمام نگاہداشت فرمانے کے ساتھ شرائط مذہبی کا بھی پورا خیال رکھا۔ لہذا آپ کے اس اسوۂ حسنہ کی تقلید کی جائے اور آپ کا مقدس کفن ہر دو صفات سے ایسا آراستہ ہو جس کو مسلمانوں سے بھی کما حقہ واسطہ اور مذہب سے بھی کافی سروکار ہو۔

حضور کی تکفین اچانچہ اسی خیال کے مطابق پہلے بہ لحاظ مشرب آپ کا مخصوص لباس یعنی اصفر اللون احرام اسی عنوان سے زیب جسم کیا گیا جو آپ کی قدیم وضع تھی۔ اور یہ اعتبار مذہب دو سفید چادریں جن کو اصطلاح فقہائیں ازار و لفافہ کہتے ہیں، اوپر سے لگا دیں اور پوشش کے واسطے رنگین چادر ڈال دی جو دفن کے وقت علیحدہ کر لی گئی۔ جب غسل و کفن سے فارغ ہوئے۔ تو یہ مشورہ ہونے لگا کہ نماز کہاں ہو تاکہ جملہ حاضرین شریک ہو سکیں۔ لیکن باوجودیکہ بہت عجز کیا مگر کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ کیونکہ اژدہام اس قدر تھا کہ جنازہ دالان سے باہر لانا۔ اور نماز کا اہتمام کرنا۔ محالات سے معلوم ہوا۔ مجبور ہو کر قبر کے قریب حافظ عبدالقیوم صاحب دارنی رئیس کرنا۔ نماز پڑھائی اور بعد عصر خاص خاص ارادتمندوں نے اس سیاح عالم ملکوت و اصل ذات حی لاموت کے جسد اطہر کو سپرد خاک کیا۔ یعنی یکم صفر ۱۲۲۳ھ ہجری بروز جمعہ۔ وہ حق نامصورت۔ ہم ظاہر بینوں کی نظر سے پوشیدہ ہو گئی۔ چنانچہ یہ مصرع مادہ تاریخ ہے پس چرا شد آفتاب اند حجاب

یا یہ کہا جائے کہ ”فَضَّلْنَاكَ عَلَى الْعَالَمِينَ“

اب وہ حالات و واقعات جو بعد از وصال تا ایندم وقوع پذیر ہوئے۔ ان کا موضوع چونکہ دوسرا ہوگا اس لئے حیات مستعار نے اس قدر زمانہ پایا۔ تو انشاء اللہ جلد ثانی میں نگارش کروں گا اور مجموعہ ہذا کو اس تاریخی مناجات پر ختم کرتا ہوں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترجمہ خط و اسکیونٹ گلزار آف سینا گلارا مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۳۲ء

محرم بندہ حضرت حاجی صاحب قبلہ کے متعلق جو سوال آپ نے مجھ سے پوچھا ہے اس کا جواب لکھتے ہوئے مجھے مسرت ہوتی ہے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق اب میں عرض کرتا ہوں کہ حاجی صاحب کے متعلق مجھے کیا کچھ معلوم ہے اس متلاشی حق بزرگ سے میری ملاقات کا ہونا میری زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے جس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ میرے سوانح حیات کے کم از کم ایک سرسری مطالعہ کے بغیر مشکل سے کیا جاسکتا ہے جو وابستگی مجھے ان کی ذات سے تھی اس کا حال قلب بند کرنا میرے لئے مسرت کا موجب ہے۔ میری ممنونیت کا تقاضا بھی یہی ہے اور ممنونیت ان پاکیزہ اوصاف میں سے ہے جن کو خداوندی کہا جاسکتا ہے۔

جو وابستگی مجھے حاجی صاحب قبلہ کی ذات سے رہی ہے وہی میری زندگی کا ایک ایسا رشتہ ہے۔ جو بشری خامیوں سے برتر ہے ان سے زیادہ مجھے کبھی کوئی محبوب نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ جو عقیدت مجھے اپنی والدہ سے تھی وہ بھی میرے دل کو اس قدر معمور نہ کر سکی بلکہ اپنی والدہ کے متعلق بھی میری سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ انہیں حاجی صاحب قبلہ کی سی بے نیازی اور ترک علاقہ نصیب ہوتا کہ اپنی وفات کے بعد وہ سستی اور سستی کے چکر سے آزاد ہو جائیں۔ حاجی صاحب کی ذات میرے لئے پاکیزگی اور برتری کے ان تمام خواہوں کی تعبیر تھی جو عرصہ دراز سے میرے دل و دماغ میں سمائے ہوئے تھے۔ گویا جب عالم ظاہری میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ اس سے بہت عرصہ پہلے وہ میرے دل میں رہتے تھے جو پاکیزگی اور فوق البشر بے نیازی حاجی صاحب قبلہ کی ذات میں نظر آتی تھی۔ اس کا

مجھے ایک دھندلا سا شعور اس وقت سے جب ابھی میری عمر تیرہ سال کی تھی۔ اس وقت میں نے ہزار نہیں مہاراجہ کشمیر سے یہ دریافت کیا تھا کہ آیا ہندوستان میں اب بھی کوئی خدارسیدہ بزرگ ہیں۔ ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳ء میں میں نے پہلی مرتبہ حاجی صاحب کا ذکر لندن میں سنا۔ اس زمانہ میں شیخ حبیب احمد صاحب ہندوستان سے آئے ہوئے تھے انہوں نے جوتش اور فلسفے کے متعلق اپنے افکار بیان کئے لیکن ان سے میری تشفی نہ ہوئی میری تشنگی کو دیکھ کر شیخ صاحب نے کہا کہ اگر تمہیں اس سے کچھ زیادہ مطلوب ہو۔ تو میرے مرشد حاجی صاحب سے رجوع کرو۔ اس دن سے حاجی صاحب میرے خیال میں بس گئے اور وہ میری عرفان کی متلاشی روح کا منتہائے مقصود قرار پائے۔ میں نے ان سے ملنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس سے ایک سال پہلے میں نے اپنے والدین کی اجازت سے موسم سرما مصر میں بسر کیا تھا۔ وہاں مجھے لکھنؤ اور سکون نصیب ہوا اور میں نے صوفیائے کے طریق کے مطابق جو مجھے شیخ حبیب احمد نے سکھایا تھا۔ تہائی میں اسماے الہی پر غور و فکر کیا۔ دوسرے سال مجھے پھر اجازت ملی اور میں پھر اپنے عربی کے استاد شیخ حسن عسکری کے ساتھ پھر قاہرہ گیا مجھے معلوم تھا کہ میرے والدین مجھے ہندوستان ایسے دور دراز ملک میں جانے کی اجازت نہ دیں گے۔ لیکن میں پوشیدہ طور پر بی اینڈ او کے جہاز مار مور پر سوار ہو کر بمبئی پہنچا اور دل میں یہ ارادہ کیا کہ بہت جلد لوٹ جاؤں گا۔ ورنہ والدہ متفکر ہوں گی میں نے چندے بمبئی میں قیام کیا اور اس کے بعد لکھنؤ پہنچا۔ لکھنؤ میں جیسا کہ میرا ایک دو سال سے معمول تھا۔ میں تقریباً سات گھنٹے روزانہ ایک اندھیرے کمرے میں بیٹھ کر تصور الہی میں مشغول رہتا تھا۔ لکھنؤ سے میں حسن عسکری کے ساتھ ایک گاڑی میں سوار ہو کر دیوہ شریف روانہ ہوا۔ دوپہر سے پہلے میں حاجی صاحب کے آستانہ پر جا پہنچا۔ اس وقت میری حالت یہ تھی کہ میں شدتِ جذبات سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ میں نے اس سے پہلے کبھی کوئی ہندوستانی گاؤں یا گروے لباس میں ملبوس فقیر نہ دیکھے تھے۔ میرے گرد و پیش جس قدر چیزیں تھیں وہ اس دنیا کی معلوم نہ ہوتی

تھیں۔ بلکہ ایک خواب کی مانند تھیں جس میں ظاہر و باطن محسوسات اور غیر محسوسات سب ایک دوسرے میں مدغم نظر آتے ہیں پھر حاجی صاحب تشریف لائے۔ دائیں بائیں دو مرید تھے جن کے سہارے وہ چل رہے تھے۔ لانا بقدر جسم زہد و ریاضت سے نزار نیلی آنکھیں آسمان کی طرح گہری اور شفاف پشیمانی سیدھی اور بلند۔ خدو خال موزوں۔ گورازنگ سفید براق ڈاڑھی۔ ہونٹوں پر عنفوان شباب کی معصوم مسکراہٹ۔ میرے جذبے نے مجھے جرات دلائی۔ اور میں نے دوڑ کر سر آپ کے سینے پر رکھ دیا۔ انہوں نے مجھے اپنے آغوش میں لے لیا۔ اور فرمایا "محبت محبت ہم لوگ چٹانی پر بیٹھ گئے۔ جن عسکری نے ان کی ترجمانی کی۔ فرمایا یہ شخص کہاں سے آیا ہے؟ اس کا مذہب کیا ہے۔ دوسرے سوال کا میں نے کچھ جواب نہ دیا۔ کیونکہ اس کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مجھے صحیح یاد نہیں کہ حاجی صاحب نے اس پر کیا کہا۔ مگر کچھ ایسا خیال ظاہر کیا کہ سب مذاہب کا مقصد ایک ہی ہے۔ لیکن میرے دل میں صرف ایک خیال تھا۔ جس کو میں ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ عسکری نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ہندوستان صرف آپ سے ملنے آئے ہیں۔ مشہور مقامات مثلاً تاج محل وغیرہ کی سیران کا مقصود نہیں فرمایا کس چیز کی تلاش ہے؟ گویا میرے دل کی بات مجھ سے پوچھی۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ میں چاہتا ہوں۔ آپ میں مجھ میں کچھ فرق نہ رہے۔ حاجی صاحب مسکرا دیئے چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ قدرے توقف کیا اور وہ الفاظ فرمائے جو ہزار برکتوں سے کہیں بڑھ کر لگتے۔ فرمایا ہم اور تم وہاں ایک جگہ ہونگے جس طرح ایک طویل محنت کے بعد پرسکون نیند آ جائے۔ ان کے الفاظ سے میری روح میں ایک طمانیت سی چھا گئی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا۔ گویا مجھے گوہر مقصود ہاتھ آ گیا ہے۔ پھر میں نے گیردے رنگ کا ایک لباس ان کی خدمت میں پیش کیا جس کو انہوں نے پہن لیا۔ اور اپنا بھورے رنگ کا لباس اتار کر مجھے عنایت فرمایا۔

اس کے بعد ان کے مرید اوگھٹ شاہ مجھے مہمان خانے میں لے گئے۔ لیکن مجھ پر

خواب کا ساعا عالم طاری تھا۔ اس تصور کے عالم میں میری آنکھ گئی۔ شام کے وقت اوگھٹ شاہ نے عسکری کے وساطت سے حضور کے بہت سے حالات بیان کئے اور ان کی کرامات کا حال سُنایا۔ لیکن میں نے بہت توجہ نہ کی کیونکہ جو کچھ مجھے سُننا تھا۔ وہ حاجی صاحب کی زبان مبارک سے سُن چکا تھا اور وہ ایسے الفاظ تھے جو کسی طرح میری یاد سے محو نہ ہو سکتے تھے۔

مجھے اتنا یاد ہے کہ اوگھٹ شاہ نے کہا کہ حاجی صاحب نے ابتدائے عمر ہی میں غالباً جب ان کا سن انیس برس کا تھا۔ کوچہ فقیر میں قدم رکھا۔ یہ بھی یاد ہے کہ اوگھٹ شاہ نے حضرات صوفیہ کا مشہور اصول یعنی موتو قبل انت موتو بھی بیان کیا۔ ورد کے وقت اسمائے الہی کو انگلیوں پر شمار کرنے کا طریقہ بھی بتایا جس پر میں خود عامل رہ چکا تھا۔ جب رات ہو گئی تو محمدی نامی ایک قوال دو اور قوالوں کو ساتھ لے کر اندر آیا۔ اور چند عاشقانہ اور پرسوز غزلیں گائیں جو تصوف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

دوسرے دن ہم لوگ حضور سے رخصت ہوئے میں نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ان کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن میں اپنے الفاظ کی بے بضاعتی پر کڑھ رہا تھا۔

میں اسی جہاز پر سوار ہو کر مصر پہنچا۔ اور قاہرہ کے قریب حلوان کے مقام پر توفیق پل میں قیام کیا۔ میں ایک سال پہلے بھی یہیں مقیم تھا اور یہ مقام مجھے اس لئے پسند تھا کہ اس کے چاروں طرف صحرا تھا۔ میرے اپنے نفس کا بھی اب یہ حال تھا کہ اس کے چاروں طرف دنیا کا وسیع ریگستان پھیلا ہوا تھا۔ اور اسمائے الہی کے ورد کی خواہش اب پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔

اسی طرح دو تین مہینے گزر گئے۔ ایک رات خواب یا یوں کہتے کہ کشف کے عالم میں کیا دیکھتا ہوں کہ حاجی صاحب اکیلے کھڑے میری طرف دیکھ رہے ہیں اور ان کے داہنے ہاتھ میں سرخ رنگ کا بڑا انار ہے۔ میں نے پہچانتے کی کوشش کی کہ یہ کونسا پھل ہے۔ لیکن پہچان

نہ سکا۔ پہلے میں نے کہا ٹماڑ ہے۔ اور پھر جرمن میں کہا پراڈیز اپیل یعنی انا رہے۔ حاجی صاحب نے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ اور پھر آدھا پھل خود کھایا اور جو بیج رہا وہ مجھے دیا۔ جو وہی میں نے پھل ان کے ہاتھ سے لیا وہ غائب ہو گئے اب ان کی جگہ اوگھٹ شاہ کھڑے تھے۔ اوگھٹ شاہ نے کہا۔ مرشد کو وصال نصیب ہوا۔ اس پر میں اس قدر رویا کہ میری ہچکی بندھ گئی۔ لیکن پھر بھی میں خوش تھا اور نہ جانتا تھا کہ یہ آنسو خوشی کے آنسو ہیں یا غم کے۔ اسی حالت میں میری آنکھ کھل گئی یا یوں کہئے کہ میں عالم خیال سے عالم وجود میں آ گیا۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ پھل ان کا دل ہے اور وفات سے پہلے انہوں نے اپنا آدھا دل مجھے بخش دیا ہے۔ دو مہینے دن بعد لندن سے شیخ حبیب احمد کا تارا آیا کہ حاجی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ عسکری نے جب میرے خواب کا حال سنا اور اس کو اس قدر سچا پایا تو بہت حیران ہوا۔ مجھے اس پر کچھ تعجب نہ ہوا۔ لیکن مجھ پر اس کا بہت اثر ہوا۔ اور میرا دل عقیدت کے جذبات سے بھر گیا۔ کیونکہ اس خواب کی تعبیر وہی مبارک الفاظ تھے جو میں دیوہ شریف میں مرشد کی زبان سے سُن چکا تھا۔ جو لباس مجھے حاجی صاحب نے عنایت کیا تھا۔ اسے میں نے کئی سال تک اپنے تکیے کے نیچے رکھا اور سونے سے پہلے میں ہمیشہ اسے بوسہ دیا کرتا۔

۱۹۰۷ء میں مجھے ایک برتر ہستی کے ذریعے سے مجھ پر تمام کائنات کی حقیقت کا انکشاف ہونے لگا ایک ایسی ہستی کے ذریعے سے جو عالم محسوسات سے بالاتر ہے۔ اس ہستی کے تصور کو میں نے اپنی روح کے اندر اپنے محبوب ترین دوست سے بھی ادنیٰ درجے پر رکھا۔ لیکن حاجی صاحب کی ذات کا تصور اب بھی میرے شعور اور میری بے نام روح کی گہرائیوں میں جلوہ فگن ہے۔ پرسوں جو سوال آپ نے مجھ سے پوچھا تھا۔ امید ہے کہ اس کا مکمل جواب اب آپ کو مل گیا ہوگا۔ دیوہ شریف کے اس پاک طینت بزرگ کے متعلق میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔

آپ کا مخلص

گلازرا۔ وائیکونٹ آف سینا کلارا

قطعه تاریخ اتمام کتاب از نتیجہ فکر عالی مقبول بارگاہ صمد جناب لوی حکیم سید احمد صاحب دارثی مدظلہ العالی

کرد چوں حضرت شہید ابکمال صحت
داد تحقیق بداد و ہمہ حق گفت و نوشت
در کتابت سخن از روح محبم آورد
قلمش ہدم عیسی و مداد آب حیات
نسخہائی کہ ازین پیش مولف شدہ بود
واں غلطہا کہ در آہنہا ہمہ رہ یافتہ بود
جمع حالات و مقالات کہ خود دید و شنید
نکتہہائیز را فرود ز قلم و توحید
لوحش اللہ کہ چہ جاں در تن الفاظ و مید
حررہا خود اگر آید سخن نیست بعید
شہرت آن ہمہ کیبارہ بیایاں برسید
للہ الحمد کہ شد دفع بتوضیح مفید

احمد خستہ رقم زد۔ سبھی تاریخ

سیرت دارث پاک آمدہ فرقان مجید
۱۹۳۸ء

ایضاً قطعه تاریخ اتمام کتاب حکیدہ قلم فصاحت رقم جناب لوی حکیم سید احمد صاحب دارثی دام مجدکم

چہ زیبا سیرت شہید رقم زد
ز حالات و مقالات انچہ بنگاشت
زہر لفظش عیاں آیات و امرت
نہے باشد ز بجزوات و امرت

نوشت احمد ہجری سال تالیف

اہم مجموعہ حالات و امرت
۲۳ ہجری ۱۳

قطعه تاریخ طبع کتاب از تصنیف منیف جناب لوی حکیم سید احمد صاحب دارثی دام اللہ فضیہ

طبع گردید بافضال آلہ
گفت احمد سبھی تاریخ
قصہ ہادی منزل و امرت
سیرت عاشق کامل و امرت

قد تممت الرسالۃ بعون اللہ و دود حکمید
۱۹۳۹ء

۱۹۳۸ء

raised his hand, and ate one half of the fruit, then presented me with the other half which I took. At the same instant he vanished and Aughat Shah standing before me, said, "The Master is dead". I sobbed violently but I was happy, as if I did not know whether I was crying with sorrow or joy. In that state I awoke, or rather passed into sense-consciousness. And I understood that the fruit was his heart, and that he was sharing it with me on the threshold of death. Two or three days later, a telegram came from Sheikh Habeeb Ahmed, who was in London, saying "The Master is dead". Askari was much impressed by the strangeness of the vision and its coincidence with the telegram. I was not very astonished, but I was awed and grateful, and it seemed to me that the vision expressed again the blessed Urdu phrase which I had heard at Dewa.

For several years, I kept the gray garment of Warith Aly Shah under my pillow, and always kissed it before going to sleep.

In 1907, I began to acquire a summary, higher knowledge of all things through a Being that does not belong to the world of sense. The thought of that Being transcending all forms, superseded in my mind the one particular form of my dearest human friend, Warith Aly Shah. However, I can always find the meaning of his form in my inmost consciousness and nameless self.

I hope, dear Sir, that this answer to the question you put two days ago may be considered complete. It is all that I know about the pure ascetic of Dewa Sherif.

Yours sincerely,

Galarza, Viscount of Santa Clara.

were better than all blessing to me. "Ham wa tum wahan eik jagah hounge" "I and you, there beyond, shall be in the same place". Like a calm sleep after a long strain, these words produced a quiet satisfaction in my heart and mind. It seemed to me that the aim of many yearnings was entirely attained. I then presented a yellow cloth which Warith Aly Shah put on as a robe, giving me in exchange the gray one which he was wearing.

After that, Aughat Shah, a disciple of the Master, led me into the guest-house where I remained half lulled. Then I slept and meditated. In the evening, Aughat Shah, through Askari, told me many things about the Teacher, and related some almost miraculous events of his life, but my attention was not very keen, because the most interesting words had already been heard by me, never to be forgotten. I can remember that something was said about the early age at which Warith Aly Shah entered the path; I think it was nineteen. I also recollect that Aughat Shah mentioned the well-known Soufi precept: "Die (to the world) before your (physical) death", and that he was acquainted with a method of counting on one's fingers, during the practice of divine names, which I used to follow. Later in the evening, a singer called, I think, Muhammedi, came in with two musicians, and sang some mystic song of love and tears.

Next day we took leave of the Master, and I thanked him with poor words, the inanity of which I felt somewhat bitterly.

I returned to Egypt by the same ship, the *Marmora*, and stayed in Helouan, near Cairo, at the Tewfik Palace. I chose this place where I had been the year before because it is surrounded by the desert. My own self was now more closely surrounded by the world's great desert than it had ever been, and my fervour in repeating daily some divine names, for many hours, was increased.

Two or three months later, I had a dream, or more precisely an inward vision. I saw Warith Aly Shah alone looking at me, and holding a large red fruit in his right hand. I tried, in the vision, to recognise what fruit it was. I first said "Tomato" and then in German, "Paradiesapfel" (Apple of Paradise). Warith Aly

permission of spending the winter in Egypt, and I had enjoyed there the solitude which I considered necessary to meditate on divine names, according to a Soufi method which Sheikh Habeeb Ahmed had explained to me. Consequently, I was allowed to go again to Cairo under the care of Hassan Askari, my Teacher of Arabic. I knew that my parents would refuse to let me travel as far as India, so I took my passage secretly up to Bombay, on the *Marmora* of the P.&O., intending to return quickly to Egypt in order that my mother might not be anxious. I rested in Bombay, then in Lucknow, meditating for about seven hours daily in a dark room, as it had been my habit to do since one or two years.

From Lucknow, I started for Dewa Sherif in a carriage, together with Hassan Askari, and before noon, I was trembling with emotion on the threshold of Warith Aly Shah's house. I had never seen anything like an Indian village and the Fakirs in yellow robes, so the whole place round was transferred, in my mind, from the world of sense to a stage above dream-land, where meanings and material objects are transmuted into each other. Leaning on two of his followers, the tall ascetic figure of Warith Aly Shah appeared. Blue eyes as deep and transparent as the sky; a very high and straight forehead; regular features; a white complexion and a white beard; the innocent and buoyant smile of early youth. I ran up to him quickly with the daring of rapture, and pressed my head on his heart. He folded me in his arms, and said Mahabbat, Mahabbat (This is love, love). We sat down on mats. Hassan Askari translated his questions. Where does he come from? What is his religion (Millat)? I gave Askari no answer to this last question, because I had none to give. However, Warith Aly Shah said something about the unity of the aim in all religions which I cannot exactly remember, because my attention was concentrated on the one thought which I wanted to express. Askari told him that I had come to India for the sole purpose of meeting him, not to see any famous places or monuments such as the Taj Mahal. Has he any wish? There was the question I expected from him and there was the thought in which I was concentrated. Yes, I said. I wish to be yourself. He smiled, looked round, paused a little before answering, and then uttered some Urdu words which

Dear Sir,

I take great pleasure in answering your question about Warith Aly Shah, and telling you all that I know about him. My meeting with this ascetic was an important event in my life, and it can only be valued by reading the outline of my biography. I love to record it, and when I do so, I feel the fond grasp of gratitude, one of the sweetest divine attributes.

My connection with Warith Aly Shah is the only one between myself and a human being which has not been marred by natural imperfections. He was my dearest human friend and he filled my heart even more completely than my mother. In fact, my greatest wish with regard to her was that she might reach his degree of detachment, and thereby be delivered, after her death, from any limited future existence. He summed up all my feelings and lived within me as a vague ideal long before the day in which I met him in the outer world. The pure consciousness and the heavenly detachment of which he was an expression were already on the horizon of my subconscious self when I was thirteen years old, and asked H. H. the Maharaja of Kashmere if there were still any true Yogis in India. I heard of him for the first time in 1902 or 1903, in London. Towards that date, Sheikh Habeeb Ahmed, who came from India, expounded to me some occult speculations of his own, an astrology and philosophy which failed to satisfy me. So the Sheikh told me that if I wanted a higher light I might get it from his Master, Warith Aly Shah. This name immediately became for me a lovely centre of attraction, a sign of the spiritual degree which was more or less consciously my goal at that time. I therefore conceived the firm intention of going to meet the Master. One year before, I had obtained from my parents the

حیات وارث

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱۷	مجاہد عام	مجاہد عام	۳۳	۱۷	ضنا	ضیا
۵	۱۸	اسی	اسی	۴۰	۹	برابر	ابرار
۹	۱۲	اسی	اسی	۴۱	۲	آیت	آیتہ
۱۰	۸	اس لئے مذکور	اس لئے کتاب مذکور	۴۱	۵	مؤلفین وارثی	مؤلفین سیرت وارثی
۱۱	۱۲	واقعات مجموعہ	واقعات کے مجموعہ	۴۲	۲	کہ بھائی	کہ میں بھائی
۱۶	۴	صندوقے	قد چمچے	۴۹	۱۹	ضعف	صنعت
۱۶	۵	میں	میں	۵۲	۱۲	کہ جون	کو جون
۱۹	۱۲	جبار صولت	جبار کی صولت	۵۲	۸	شاید	شاید
۲۸	۱	ایک نام	ایک کا نام	۵۲	۲۱	کیا بکمال	کیا تو بہ کمال
۲۸	۳	ہجری نگارش	ہجری میں نگارش	۵۵	۲	حضرت	حضرات
۲۹	۱۷	بھی	یہی	"	۶	تجر	تجبر
۳۰	۸	کو	و	"	۱۵	مزاوت	مذاوت
۳۰	۱۲	منظہر	منظہر	۶۰	۱	نے	کے
۳۳	۱۲	باران	باران				

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۵	۱۰	ہے	یہ	۱۴۰	۱۲	سریب	تن زیب
۶۹	۱۲	ہوا۔ جاؤ	ہوا تو فرمایا: "جاؤ"	۱۴۳	۸	آپ پابریہ	آپ کو پابریہ
۷۶	۹	حسنتہ	حسنتہ	۱۴۶	۱	لٹا	مشا
۸۱	۶	کہ یہ میرا	کہ میرا	۱۵۵	۱۵	بارہ شکی ایک	بارہ شکی نے ایک
۹۲	۹	مدینہ منورہ	مدینہ منورہ	۱۶۱	۱۰	ضرور	ضرور
۹۶	۸	میں	میں	"	۱۳	سنت ردگردانی	سنت روگردانی
"	۱۷	وہ بھی ہے	وہ ہے	"	۱۸	خفیف ہو	خفیف اکھاڑ ہو
۱۰۱	۱۷	جبین	رجبین	۱۶۲	۱۰	ترہیب	ترہیب
۱۰۲	۲	گئے اور اسی	گئے، اسی	۱۶۳	۱۸	کے لئے مضر	کے لئے مضر
۱۰۲	۶	حجاز تو یہ سواری	حجاز کو یہ سواری	۱۶۴	۲۰	منافی معلوم	منافی نہیں معلوم
۱۰۲	۲	بغید	بغید	۱۷۰	۶	ہے	رہے
۱۱۲	۱۵	بازت	اجازت	۱۷۰	۶	تو "یہ خدشہ	تو "یہ خدشہ
۱۱۳	۵	اس	اسی	۱۷۶	۱۳	موجود	مجرد
۱۱۴	۸	نے	کے	۱۷۷	۲۱	لکھتے	لکھتے
"	۹	حب	حب	۱۷۸	۳	لہذا اسباق	لہذا اسباق
۱۱۸	۱۹	نبوت	نبوت	"	۶	معنوی	معنی
۱۱۹	۱۶	ارامند	ارادتمند	۱۸۰	۱۱	امرولات	امر پردالت
۱۲۱	۸	ایسی	اسی	"	۱۷	معقول	معقولی
۱۲۴	۲۰	وکیل رئیس	وکیل دریس	۱۸۱	۱۷	شاید	شاہد
۱۳۳	۲	انجام	انجام	"	۱۸	وارثی میں فقیر	وارثی میں فقیر
۱۳۵	۱۷	حاجی	جای	"	۱۸	وارثی میں فقیر	وارثی میں فقیر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
پاس دارا	۲۰	۲۸۰	پاس ورا	دراز	۸	۱۸۲	ورراز
جب	۷	۳۰۵	حب	اداسے	۶	۱۸۵	ادے
کو	۷	۳۰۸	کو	امسال	۲۱	۱۸۷	اعتدال
علم	۱۷	۳۱۳	عالم	خداقت	۱۶	۱۸۸	خدمات
نسبت	۸	۳۱۶	مناسبت	کرام	۱۶	۱۹۰	کردم
سکتے	۳۳	۳۱۷	سکے	فرع	۱۹	۱۹۲	فرغ
اصطلاح	۱۰	"	اصلاح	چار	۱۱	۱۹۷	جار
مضامین میں اظہار	۲۰	۳۲۲	مضامین اظہار	طرح	۱۶	۱۹۹	اح
مع	۱۸	۳۲۳	من	۳۳ میں لکھا ہے	۲۱	۲۰۶	۳۳ لکھا ہے
۱۸۸۷ء میں اجیر	۳	۳۳۰	۱۸۸۷ء اجیر	میں ہیں کہاں	۱۱	۲۱۶	میں کہاں
یہودیوں	۵	۳۳۲	یہودیوں	پہلے کے اس	۵	۲۲۷	پہلے اس
نادیدہ	۱۴	۳۳۵	نادیدہ	اس	۶	۲۳۵	س
حق پرست پر تائب	۲	۳۳۸	حق پر تائب	تصرف	۱۵	۲۳۹	تصرف
امتیاز	۱۳	۳۴۲	امتیاز	محبت کا ثمرہ	۱۸	۲۵۶	محبت ثمرہ
اوراد امر الہی	۱۵	۳۵۱	اوراد امر الہی	منشا وراثی	۱۴	۲۵۸	منشا وراثی
قادر بہر	۱۲	۳۵۶	قادر بہر	وہی	۱۹	۲۶۴	وہی
غلامان	۱	۳۶۴	غلامی	جس کے لئے	۲	۲۶۷	جس لئے
عالم پناہ نے	۱۳	۳۶۴	عالم نے	ارقام فرمایا ہے	۸	"	ارقام ہے
عالم پناہ نے	۱۵	"	عالم نے	فقیر کی خوراک	۱۰	۲۷۰	فقیر خوراک
تفریح	۳	۳۷۵	تفریح	نوشتن	۲۰	۲۷۴	نوشتن
				فرماتا	۱۳	۲۷۷	فرمایا

صفحہ	سطر	غلام	صحیح	صفحہ	سطر	غلام	صحیح
۳۶۹	۸	اور محروم	اور محروم	۲۲۲	۶	روانت	درانت
۳۸۲	۹	مہارت	مہاجرت	۲۵۱	۱۰	اور ہر ایک	اور ایک
۳۹۶	۱۲	عبادت	عبارت	۲۵۲	۹	موقوف	موصوف
۴۰۰	۳	بصدائق.....	بصدائق کل یوم موعودی نشا	۲۵۹	۱۴	مکرر سے کر فرماتے ہیں	مکرر سے کر تکرار فرماتے ہیں
۴۰۲	۱۲	آورد	آورم	۲۴۳	۲	متاثر	متاثر
۴۰۳	۱۲	کردتف	کردتفت	"	۱۵	وارتی	وارثی
۴۰۴	۶	راننگریم	راننگریم	۲۹۲	۱۱	اقوام ملت	رضوان ملت
"	۱۴	فراق سیدہ	فراق رسیدہ	۵۲۲	۱۸	دربار صاحب تو برم	دربار صاحب نے تو برم
۴۰۵	۶	راننگریم	راننگریم	۵۲۶	۱۲	دوران قیام حضور قبلہ	دوران قیام میں حضور قبلہ
"	۸	گونہ	گونہ	۵۳۴	۱۸	زبان میں	زبان پشتو میں
۴۱۲	۱۹	حضرت شعیب	حضرت شعیب	۵۳۹	۱۸	شبانہ روز بشکل	شبانہ روز میں بہ شکل
"	۲۱	ضرور	ضرور	۵۵۹	۲۰	اختیار بہتر ہے	اختیار کرنا بہتر ہے
۴۳۶	۱۳	استوار کہتے ہیں	استوار رکھتے ہیں	۵۶۳	۱۲	معلوم ہے	معلوم ہوتا ہے
۴۴۱	۹	لطفوں	لفظوں				

سَعَى الْكَارِثُ
فِي

رَيْبِينَ الْوَارِثِ